۸۶ جز

انجمن ترقی اردو پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ

قومی زبان

شمارہ - ۱

جلد ۳۱

جولائی ۱۹۶۷ء

فی پرچہ

سالانہ قیمت

دس روپے

انجمن ترقی اردو پاکستان
بابائے اردو روڈ
کراچی
[illegible]

فہرست

شاہد احمد دہلوی کی یاد میں

ادارۂ تحریر

جمیل الدین عالی

مشفق خواجہ

شاہد احمد دہلوی

خودنوشت

مغل بادشاہوں کا آفتاب جلال غروب ہو رہا تھا۔ دلّی کے لال قلعہ میں مغلوں کی آخری شمع جھلملا رہی تھی۔ بادشاہ کی حیثیت شاہ ش
زیادہ نہ تھی۔ فرنگیوں سے ایک لاکھ روپیہ ماہانہ پنشن ملتی تھی، وہ بھی اس شرط پر کہ ان کے بعد تاج و تخت کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ مگر ہا
پیچھے بھی سوا لاکھ ٹکے کا ہوتا ہے۔ اس مردہ حالت میں بھی تیموری جاہ و جلال کا وقر بہت کچھ باقی تھا۔ لال حویلی تہذیب و شائستگی کی علامت
تھی اور شہر بہت کچھ اجڑ جانے پر بھی علوم و فنون کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ بھانت بھانت سے لوگ کھنچے چلے آتے اور اپنی مرادیں پاتے۔ شہر
یہی شب و روز تھے کہ سات سال کا ایک لڑکا تحصیل علم کے شوق میں بجنور سے دلّی آیا۔ دلّی آیا اور پنجابی کٹرے کی مسجد کے طالب علموں میں
دوسرے طالب علموں کی طرح یہ لڑکا بھی محلّے کے گھروں سے روٹی مانگ لاتا اور روکھی سوکھی جو میسر آتی خدا کا شکر ادا کر کے کھا لیتا۔ رات
جاڑوں میں مسجد کی صفوں میں پیسار کر سو جاتا۔ اگر کسی دن جلدی آنکھ نہ کھلتی تو مسجد کا ملّا ایک لات رسید کرتا اور لڑکا لڑھکتا ہوا چلا جاتا اور
ساتھ صف بھی بچھ جاتی۔ دن بھر اور رات گئے تک اس لڑکے کو بس پڑھنے سے کام تھا۔ علم کی لگن میں صبر و تحمل سے تمام سختیوں کو جھیلتا۔
کا بچہ اور کر بھی کیا سکتا تھا؟ شوق اور ذہانت کے پر لگے اڑتے لئے چلے گئے۔ مکتب سے نکل کر دلّی کالج میں پہنچا اور یہاں سے ترقی
کی راہیں اس پر کھل گئیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر جا پہنچا۔ اس زمانے میں یہ آخری بڑا عہدہ تھا جو فرنگی راج میں کسی دیسی
ملتے ہی ہیں۔ سر سالار جنگ نے انہیں جانچ کر حیدرآباد بلا لیا اور یہ صاحب اپنی اعلیٰ کارکردگی کے باعث اونچے سے اونچے مرتبوں تک
نے عزت بھی دی اور بے تحاشہ دولت بھی۔ اخلاقی اور مذہبی کتابیں لکھنے کی وجہ سے نیک نامی اور شہرت بھی ملی۔ آپ کچھ سمجھا
تھے؟ یہ تھے ڈپٹی نذیر احمد جن کی کتابیں اور ترجمۂ قرآن گھر گھر پڑھا جاتا ہے۔ ان ڈپٹی نذیر احمد کے اکلوتے بیٹے تھے بشیر الدین جن کی
خود شفیق باپ کے سائے میں ہوئی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد میاں بشیر بغرض ملازمت دکن چلے گئے اور اول تعلقداری سے
ہوئے۔ یہ بھی اپنے نامی گرامی والد کی طرح بہت بڑے مصنف اور مؤرخ تھے۔ ادبی اور اخلاقی کتابوں کے علاوہ دو ضخیم جلدوں
میں اور تین ضخیم جلدوں میں تاریخ دہلی لکھی۔ یہ ان کے دو بڑے تحقیقی کارنامے ہیں۔ جب تک زندہ رہے ان کے ہاتھ سے بھی قلم
میاں بشیر کی شادی سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں دہلی کے ایک معزز خاندان میں ہو گئی تھی۔ اللہ کا دیا سب کچھ موجود تھا
تک کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ میاں بیوی تو اس محرومی پر بھی مطمئن و قانع تھے مگر پندرہ سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ میاں بیوی آ
بھی صدائیں پڑنے لگیں۔ پہلی بیوی کی موجودگی میں نکاح ثانی کے وہ خلاف تھے مگر جب چاروں طرف سے ان پر عزیزوں کا د

نے خاندان کا چراغ گل ہوتے دیکھا تو وہ بھی پسیج گیا۔ بیٹے اور بہو میں بڑا پیار دلار تھا بیٹے سے کیسے کہیں کہ اپنی چہیتی بیوی پر سوکن لے آ۔ میاں بشیر کی والدہ سے کہا کہ تم سمجھاؤ۔ انہوں نے بیٹے کو چمکارا پچکارا کر رضامند کیا۔ ایک غریب مگر شریف خاندان کی ایک سیدانی سے چپ چپاتے ان کا نکاح پڑھوا دیا اللہ کی شان کہ ان سیدانی سے بھی دس سال تک اولاد نہیں ہوئی۔ بڑی دلہن کی بن آئی اور انہوں نے طعنوں تشنوں سے جان ضیق میں کر دی۔ جب معاملہ تنت پر پہنچ گیا تو چھوٹی دلہن کی کوکھ ہری ہوئی۔ خاندان کے سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔ اللہ نے چاند سا بیٹا دیا۔ دنوں اس کی خوشی منائی گئی۔ ڈپٹی صاحب نے پوتے کا نام منذر احمد رکھا۔ اس کے بعد تو خدا کی دین ایسی ہوئی کہ یکے بعد دیگرے تین لڑکے ہوئے۔ منجھلے کا نام بشیر احمد اور سنجھلے کا شاہد احمد رکھا گیا۔ اب ان سنجھلے صاحب زادے میاں شاہد احمد کی مختصری سرگزشت حیات سنئے اور خود انہی کی زبانی سنئے۔

میں ۲۲ مئی ۱۹۰۶ء کو دلی میں اپنے آبائی مکان میں پیدا ہوا۔ چار سال کی عمر سے پہلے کی باتوں کا مجھے ہوش نہیں ہے۔ ایک خواب کا سا خیال ہے کہ ابا جب حیدرآباد سے دلی آتے تو سب سے پہلے ہمیں دادا ابا کی خدمت میں لے جاتے ابا دادا ابا سے بغلگیر ہو کر رونے لگتے اور ہم حیران ہو کر انہیں تکتے رہتے۔ پھر دادا ابا ہمیں ایک ایک اشرفی دیتے اور ہم چپکے سے وہاں سے کھسک لیتے۔ بس اور کچھ یاد نہیں ہے۔

جب میں چھ سال کا ہوا تو چھوٹی بہن حنیفہ حیدرآباد میں پیدا ہوئی۔ انہی دنوں ابا کو کسی ضروری کام سے دلی جانا پڑا۔ ادھر ابا دلی روانہ ہوئے ادھر اماں کی طبیعت ایکاایکی خراب ہوئی۔ اس کی اطلاع فوراً بذریعہ تار ابا کو دی گئی۔ وہ الٹے قدموں دلی سے ہوئے مگر جب حیدرآباد پہنچے تو اماں کا جنازہ صحن میں رکھا پایا۔ اچھا بھلا چھوڑ گئے تھے، یہ کیا ہوا؟ چکرا کر گرنے ہی والے تھے کہ کسی نے لپک کر انہیں تھام لیا۔ ابا بڑے صبر و ضبط کے آدمی تھے۔ آنسو پیتے رہے۔ اماں کو سپرد خاک کرنے کے بعد آنسوؤں کا سیلاب ضبط کے بند کو بہا لے گیا۔ اور وہ ہم بچوں کو گلے لگا کر روتے رہے۔ اس سے، ان کے دل کی بھڑاس نکل گئی، مگر ساری عمر جب بھی انہیں اماں کا خیال آجاتا تھا رونے لگتے تھے۔ ماں کی کمی پوری کرنے کے لئے ابا نے ہم پر یورپین اور اینگلو انڈین گورنسیں رکھیں اور ہمیں اچھے سے اچھے کانونٹ اسکولوں میں تعلیم دلائی۔ گھر پر بھی ماسٹر پڑھانے آتے اور ابا خود بھی ہمیں انگریزی اور اردو پڑھاتے تھے۔ پھر ایک دفعہ ابا دلی آئے تو مطبع مجتبائی میں مولوی عبدالاحد کے ہاں ان کی ملاقات ڈاکٹر ضیاء الدین سے ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے انہیں مشورہ دیا کہ بچوں کو علی گڑھ میں داخل کر دیا جائے۔ ۱۹۱۶ء میں ہم تینوں بھائیوں کو ایم۔ اے۔ او اسکول علی گڑھ میں داخل کر دیا گیا۔ اس زمانے میں بچوں کا بورڈنگ ٹلبور وارڈ تھا۔ تقریباً تین سال ہم نے علی گڑھ میں پڑھا۔ اس کے بعد عدم تعاون کی تحریک نے زور پکڑا اور مولانا محمد علی نے جامعہ ملیہ علی گڑھ میں قائم کیا۔ ابا نے ہمیں علی گڑھ سے اٹھا لیا۔ وہ حیدرآباد سے پنشن لے کر دلی آگئے تھے۔ ہمیں عربک اسکول میں داخل کر دیا۔ ۱۹۲۳ء میں دلی سے میٹرک پاس کرنے کے بعد میں نے لاہور جا کر ایف۔ سی کالج میں داخلہ لے لیا۔ وہاں سے ایف۔ ایس۔ سی (میڈیکل) پاس کرنے کے بعد میڈیکل کالج میں داخل ہوا۔ سڑی ہوئی لاشوں پر کام کرنے سے طبیعت اس قدر مکدر اور بیزار ہوئی کہ ایک سال ہی میں وہاں سے بھاگ لیا۔ دلی آکر میں نے انگریزی ادبیات میں بی۔ اے آنرز کی ڈگری لی۔ اس سے ایک سال پہلے ابا کا انتقال فالج میں ہو گیا تھا۔ وہ ہمارے لئے پچاس پچاس ہزار روپیہ نقد اور دو سو روپے ماہانہ کی جائداد چھوڑ گئے تھے۔ اس لئے کمانے دھمانے کا ہمیں کوئی فکر نہ تھا۔ میں نے فارسی ادبیات میں ایم۔ اے میں داخلہ لیا۔ یہ ۱۹۳۰ء کا ذکر ہے۔ میرے ایک رشتے دار کے بھانجے ہیں انصار ناصری جو میرزا ناصر علی صاحب "صلائے عام" کے پوتے ہیں انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ دلی سے ایک عمدہ ادبی ماہنامہ جاری کیا جائے اپنی سمجھ میں یہ بات آگئی اور بغیر کسی تجربے یا مشورے کے جنوری ۱۹۳۰ء میں ماہنامہ "ساقی" جاری کر دیا۔ کوئی چار پانچ سال کی اثنا میں

اس پرچے نے اپنی جگہ تو بنالی مگر میرے ماموں نے جو اس پرچے کا اہتمام کرتے تھے، مجھے بتایا کہ اس پرچے پر پچیس تیس ہزار روپیہ ضائع ہو چکا ہے اور اگر یہی روش رہی تو باقی روپیہ بھی یونہی نکل جائیگا۔ ادھر بھائیوں نے بھی لعنت ملامت کی تو آنکھیں کھلیں۔ پرچے کا انتظام خود اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر ادیبوں کی کتابیں چھاپنی شروع کیں۔ ڈوبتا ہوا کاروبار تیر گیا اور ۱۹۴۷ء میں ساقی بکڈپو کی مالی حیثیت دو لاکھ کی تھی، اور چندہ ہزار روپیہ ادیبوں اور شاعروں کی طرف بطور پیشگی باقی تھا۔ محاسبۂ نفس بڑی مشکل چیز ہے اور میرے لئے خود ستائی اس سے بھی زیادہ مشکل۔ لہٰذا ایک کرم فرما کے دو خطوں سے اقتباس درج کرتا ہوں تاکہ آپ کو میرے کچھ وہ حالات بھی معلوم ہو جائیں جنہیں میں خود بیان نہیں کر سکتا۔ یہ خطوط راجہ مہدی علی خاں کے ہیں، اور حال ہی میں موصول ہوئے ہیں —

' ہزاروں سال پہلے، جب آپ دلی سے کھو گئے تھے، اور آپ کی زندگی کے ... بارے میں خدانخواستہ بری بری افواہیں پھیل رہی تھیں، یہاں کے بہت سے دوست آپ کے لئے بے حد متفکر اور دست بدعا تھے۔ بہت عرصہ بعد ایک دن معلوم ہو گیا کہ آپ بفضل خدا خیریت سے ہیں اور پاکستان میں ہیں۔ اس کے بعد میں مست اور بے فکر ہو کر فلمی دنیا کی مصروفیات میں بہت بری طرح کھو گیا۔ اور اس وقت بھی کھویا ہوا تھا۔ جب مجھے عزیز دوست منٹو کی خبر موصول ہوئی مجھے بے حد شرمندگی تھی کہ اس دوران میں میں نے منٹو کو بھی صرف دو ایک خط لکھے، اور وہ بھی ان کے خطوط کے جواب میں سالہا سال گزر گئے لیکن میں نے پاکستان و ہندوستان کے کسی شاعر یا ادیب دوست کو کوئی خط نہ لکھا آج سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل "بستر مرگ" پر میری ادبی زندگی کا دوبارہ آغاز ہوا۔ مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ پچھلے پرچوں میں سے کون سے زندہ ہیں کون سے مر گئے۔ اسی جستجو اور تلاش کے سلسلے میں معلوم ہوا کہ کراچی سے "ساقی" شائع ہوتا ہے میرا حافظہ ٹھیک نہیں رہا۔ میرا خیال ہے کہ ایک خط میں نے آپ کو بھی لکھا تھا۔ اس کے بعد میں پھر بھول گیا۔ ایک مرتبہ ایڈیٹر نقوش کو بھی خط لکھا نقوش میرے نام جاری ہو گیا۔ شاید آپ ہی نے جاری کرایا ہو۔ یہ پرچہ اب بھی باقاعدگی سے میرے نام موصول ہوتا ہے۔ اور آپ کی اعلیٰ ظرفی اور میری کم ظرفی کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ ایک دن نقش میں نقوش کے سلسلہ میں آپ کا مضمون پڑھا تو حافظہ مجھے کئی سال پیچھے کی طرف لے گیا دلی کی دوسری پرانی یادیں تازہ ہونے کے علاوہ — وہ گھڑیاں آنکھوں میں پھر گئیں جو کبھی آپ کے پاس گزاری تھیں۔ اور یہ ایک خیال آ گیا کہ جس طرح بعض دوسرے شاعروں اور ادیبوں کے آپ کام آیا کرتے تھے میری زندگی کا رخ بدلنے میں بھی خدا کے بعد آپ ہی کا ہاتھ تھا — مجھے فلم انڈسٹری میں داخلہ آپ کے صرف ایک خط سے مل گیا جو آپ نے میرے لئے منٹو مرحوم کو لکھا تھا اسی قسم کے ایک سفارشی خط کی درخواست میں نے اپنے ماموں جناب حامد علی خاں صاحب سے بھی کی تھی اگرچہ انہیں ریڈیو میں لانے والا بھی میں ہی تھا، مگر انہوں نے مجھے سفارشی خط دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ ہی میرے کام آئے آج میں جو کچھ ہوں وہ سب کچھ آپ کے طفیل سے حاصل کیا ہے آپ کے اس احسان کا بدلہ میں کبھی نہیں چکا سکتا۔

اتنے عرصے کے بعد آپ کا گرامی نامہ موصول ہو کر بے حد مسرت کا باعث ہوا۔ لیکن جب آپ کے اور "ساقی" کے حالات معلوم ہوئے تو میری یہ تمام خوشی رنج و غم میں تبدیل ہو گئی۔ بہت دیر تک بہت دنوں تک میں پریشان و مغموم رہا اور اس وقت بھی ہوں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب بھی کوئی ادیب کسی بہت بڑی مالی پریشانی میں مبتلا ہوا۔ بھاگا ہوا آپ کے دروازے پر پہنچا اور ہنستا ہوا واپس آ گیا۔ میں اپنا مسودہ شاہد صاحب کو دیکر پیسے لے آیا ہوں شاہد احمد کا در ایک ایسا در تھا جس سے ہر وقت ضرورت مند ادیبوں کی فریاد رسی ہوا کرتا تھا۔ آہ وہ "بنیاد" لٹ گیا۔ وہ "خزانہ" پامال ہو گیا۔

مجھے وہ زمانہ بھی اچھی طرح یاد ہے۔ جب میں دہلی ریڈیو پر اسٹاف آرٹسٹ تھا۔ ایک مرتبہ میرے پاس پیسے ختم ہو گئے تھے۔ کچھ مقروض بھی تھا۔ میں "مضراب" کا مسودہ لے کر آپ کے پاس پہنچا آپ نے پوچھا "کیا چاہئیے؟" میں نے کہا "میری ضرورتیں اس وقت تین سو روپے میں پوری ہو جائیں گی۔ ایک منٹ کے توقف کے بغیر آپ نے تین سو روپے لا کر مجھے دے دیئے۔ بحیثیت ایک پبلشر اور کاروباری آدمی کے آپ کو مجھ سے کہنا چاہئیے تھا کہ بھائی دو سو روپے لو ڈھائی سو میں سودا ہو جاتا لیکن آپ نے مجھے فوراً وہ رقم دے دی جب میں نے کہا "رسید" آپ نے کہا "پھر دیکھا جائیگا" اور آپ نے مجھ سے کبھی اس رقم کی رسید تک لینے کی ضرورت نہ سمجھی۔

آج سے تقریباً پندرہ سولہ برس پہلے تین سو کی رقم اتنی حقیر نہیں سمجھی جاتی تھی جتنی آجکل یہ رقم میرے بہت سے کاموں میں صرف ہوئی۔ غرضیکہ سینکڑوں ادیبوں کے لئے شاہد احمد کا دربار برسہا برس تک دریا حاتم بنا رہا۔ وہی شاہد احمد آج خود ریڈیو میں اسٹاف آرٹسٹ ہے اور صرف ساڑھے چار سو روپے ماہوار پا رہا ہے حالانکہ ایسے کئی ساڑھے چار سو ہم لوگ اس سے چھین لے جایا کرتے تھے۔ زندہ بادشاہ شاہد احمد جو کبھی دلی کا رونق تھا۔ دلی ادب کا نچوڑ تھا۔ دلی کا دربار تھا دلی کا بادشاہ تھا ہر شاعر ہر ادیب کے لبوں پر اس کا نام "اس طرح رہتا تھا کہ نام لینے والے یہ کہے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کیلئے

ہم لوگوں کی یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ دونوں ملکوں کا یہ صاحب طرز انشا پرداز، واحد زباں داں۔ آج اس طرح "گوشہ نشینی" کی زندگی بسر کر رہا ہے، اور ہم لوگوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی کہ شاہد احمد کا "مشغلۂ روزگار" موسیقی کی تعلیم ہے۔ مجھے بالکل یوں معلوم ہوتا ہے جیسے برنارڈ شا ریوڑیاں بیچ رہا ہو، یا شیکسپیر نے "نان اور کباب" کی دکان کھول لی ہو۔

میوزک کوئی گھٹیا چیز نہیں۔ نہ میوزک سے دلچسپی لینا گھٹیا پن ہے۔ (میں خود میوزک ہی سے کماتا ہوں) لیکن میوزک کے جاننے والے تو ملک میں اور لوگ بھی ہیں۔ شاہد احمد ہندوستان اور پاکستان میں صرف ایک ہے اس "صرف ایک" کی ہم صحیح قدر نہیں کر رہے۔ اس "صرف ایک" کو ہم نے نہیں پہچانا۔ اسی "صرف ایک" سے ہم نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اسی "صرف ایک" کی عظمت سے ہم واقف نہیں۔ خیر ہیرا یا موتی کسی بہت سے خوبصورت الماری میں رکھا ہو یا کسی معمولی طاق میں اس کی قدر و قیمت یا اس کی عظمت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب بھی ہزاروں لوگ ایسے ہیں۔ جن میں خود راجہ مہدی علی خاں جیسی حقیر ہستی بھی شامل ہے، جو شاہد احمد سے مصافحہ کر لینا بھی اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ بلکہ میری آ خدا سے دعا ہے کہ اے خدا اگر تو مجھے شاہد احمد جیسے عظیم الشان، نیک دل، خدا ترس انسان کے قدموں کی خاک کا درجہ بھی عطا فرمادے تو میں سمجھوں گا مجھے عمر بھر کی عبادت کا حد سے زیادہ صلہ مل گیا۔ آپ میرے محسن ہیں آپ کی وجہ سے میں فلم انڈسٹری میں آیا۔ موٹریں خریدیں بے شمار دولت کمائی، نام پیدا کیا۔ اور مجھ خود غرض انسان نے کبھی آپ کا شکریہ تک ادا نہ کیا۔ مجھ میں اور شاہد احمد میں کتنا فرق ہے۔ میری خدا سے دعا ہے کہ مجھ سے پہلے میں شاہد احمد جیسے انسان کو پہلے سے بھی زیادہ اونچی بلندیوں پر دیکھ لوں۔ بلندیوں سے میرا مطلب دنیوی بلندیاں ہیں۔ شاہد صاحب، میں آپ کے ان دوستوں میں سے ایک ہوں جو آپ سے بہت کم ملے۔ جو آپ کی صحبتوں میں بہت کم شامل ہوئے لیکن ہمیشہ دل و جان سے آپ کے گرویدہ ہے۔

احمد ندیم قاسمی

بیادِ شاہد

لاہور کے ادبی اور تہذیبی حلقے اداس ہیں کہ ان سے اُن کا شاہد احمد چھن گیا۔ شاہد احمد جیسے دلّی کے تھے، اسی طرح کراچی اور ڈھاکہ اور لاہور کے بھی تھے۔ وہ اپنے نام کے ساتھ یقیناً دہلوی لکھتے تھے اور یہ لفظ انہیں سجتا بھی تھا کہ انہوں نے دلّی سے جدا ہو کر بھی دلّی کی تہذیب، وہاں کی وضع داری، وہاں کی نجابت کو زندہ رکھا، مگر وہ دہلوی ہو کر بھی برِصغیر پاکستان و ہند کے ان تمام خطوں کے شاہد احمد تھے جہاں اردو لکھی، بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ کراچی کے ایک اخبار نے بالکل درست لکھا ہے کہ شاہد احمد کا انتقال ہمارے درمیان سے اس نسل کے رخصت ہونے کا نقطۂ آغاز ہے جو سرسید اور ٹیگور کے بعد دنیائے ادب پر اب تک حکمراں رہی۔

میں نے اپنے شعر و افسانہ کی اشاعت کا آغاز لاہور کے رسالوں (رومان، شاہکار، ادبی دنیا، ہمایوں) سے کیا مگر فوراً بعد ساقی میں بھی چھپنے لگا کہ ان دنوں کسی شاعر یا ادیب کا ساقی میں شائع ہونا بڑی عزت کی بات سمجھا جاتا تھا۔ اس دوران خط و کتابت کے ذریعے قرب بڑھا اور جب میں ۱۹۴۱ء میں منٹو مرحوم کی دعوت پر دلّی گیا تو شاہد احمد مرحوم نے میرے اعزاز میں ایک بہت بڑی دعوت کا انتظام کیا۔ اس دعوت میں منٹو اور میرے علاوہ دلّی کے تمام نامور ادیب موجود تھے۔ ہم سب اردو میں باتیں کر رہے تھے مگر جب منٹو اور میں آپس میں بات کرتے تو پنجابی میں کرتے۔ اس پر شاہد صاحب نے ہمیں ٹوکا اور پوچھا "جب ہم سب اردو میں بول رہے ہیں تو آپ دونوں پنجابی میں کیوں نہیں کر رہے ہیں؟" اور منٹو نے جواب دیا "یہی سوال میں آپ سے پوچھنے والا تھا کہ جب ہم دونوں، جن کے اعزاز میں آپ نے یہ پرتکلف دعوت دی ہے، پنجابی بول رہے ہیں تو آپ لوگ اردو میں کیوں باتیں کر رہے ہیں؟" میں تو منٹو کی اس برجستگی سے لرز گیا اور بعض چہروں پر میں نے ناگواری کی شکنیں بھی نمودار ہوتے دیکھیں مگر شاہد مرحوم اس بات پر بے حد محظوظ ہوئے اور اس دوران میں منٹو سے جب بھی مخاطب ہوئے، پنجابی بولنے کی کوشش کرتے رہے۔ "پان کھاؤ گے بادشاہو؟" "کیوں بادشاہو، قہوہ پیو گے کہ چاء؟" وغیرہ وغیرہ۔ شاہد احمد سے یہ میری پہلی ملاقات تھی اور میں ان کی فراخ دلی سے بہت متاثر ہوا۔ بعد میں جب میں نے "ادبِ لطیف" کی ادارت سنبھالی (یہ شاید ۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے) تو مرحوم نے مجھے نئے لکھنے والوں کے پتوں کی فہرست بھجوائی حالانکہ ان دنوں ان پتوں کو ادبی رسالے کا بڑا اہم راز سمجھا جاتا تھا۔ شاہد احمد مرحوم ہی نے مجھے پنجاب کے لوک گیتوں پر ساقی میں مضامین لکھنے کی دعوت دی اور یہ مضامین ساقی میں مسلسل چھپتے رہے۔ تب میں نے کنہیا لال کپور کا ایک مضمون "اہلِ زبان" ادبِ لطیف میں شائع کیا جو میری رائے میں محض دل لگی کا معاملہ تھا مگر شاہد صاحب کو غصہ آ گیا اور میری معذرت کے باوجود انہوں نے ساقی میں ایسے مضامین کا سلسلہ شروع کر دیا جو "نیاز مندانِ لاہور" پر حملوں کی یاد تازہ کر گیا۔ میں نے ان میں سے کسی بھی مضمون کا جواب لکھنا مناسب نہ سمجھا۔ شاہد

باقی صفحہ

جمیل الدین عالی

ادیب اور ادیب گر

میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جو شاہد احمد دہلوی سے واقف ہو اور ان کا احترام نہ کرتا ہو۔ یہ احترام ان کے سن و سال کے سبب نہ تھا حالانکہ وہ پورے ساٹھ کے بھی نہ ہوئے تھے۔ یہ احترام ان کی لازوال ادبی خدمات [illegible] مضبوط کردار کے اعتراف کا اظہار تھا۔

اس چھوٹے سے مضمون میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان جیسی ہمہ گیر اور دلآویز شخصیت کا احاطہ کیا جائے نہ ان کی خوبیاں مجھ جیسے کے [illegible] کی محتاج ہیں۔ ابھی کراچی میں ان کی یاد میں ایک اجتماع ہوا جہاں کوئی دس بارہ مقررین تھے بڑا ہوا جلسہ سہ پہر سے لیکر نو ساڑھے نو بجے [illegible] اور کہنے والوں نے بہت کچھ کہا مگر جب ہم سب منتشر ہوئے تو محسوس ہوتا تھا کہ ان کے متعلق کچھ بھی نہ کہا جاسکا۔

میں اہل دہلی سے سخت شرمندہ ہوں کہ شاہد بھائی کی حیثیت کو کوئی خاص اہمیت نہیں دے سکتا کہ جب وہ [illegible] تو [illegible] محسوس ہیں۔

میں سابق یا مال صاحبان جائداد سے بھی معذرت طلب ہوں میں اس بات کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا کہ شاہد بھائی دلی میں [illegible] جائداد تھے اور یہاں آکر فکر معیشت میں مبتلا ہوگئے۔ ایسے بھی ہزاروں ہیں۔

میں اس بات کو بھی کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا کہ وہ بڑی بامحاورہ زبان لکھتے تھے۔ صرف بامحاورہ زبان لکھنا بجائے خود کوئی [illegible] کارنامہ نہیں۔ بہت سے لوگ بامحاورہ زبان لکھتے ہیں۔

میں تو اس بات کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں کہ وہ ایک اعلیٰ ادیب، اعلیٰ موسیقار، اعلیٰ ادیب گر، اعلیٰ مدیر، اعلیٰ مترجم اور ان سب سے بڑھ کر ایک وضعدار اعلیٰ انسان تھے۔

ان کے اعلیٰ ادیب ہونے کی گواہ ان کی تخلیقات ہیں ان کی مہارت موسیقی کے گواہ ان کے ناقدین اور شاگرد ہیں ان کے ادیب گر ہونے کے گواہ بے شمار ادیب ہیں جن میں کرشن چندر، عصمت چغتائی، سعادت حسن منٹو، اختر الایمان، محمد حسن عسکری اور دوسرے بہت سے غیر اختلافی [illegible] شامل ہیں۔ ان کے ترجمے تخلیقی خصوصیات رکھتے ہیں ان کی ادارت کا ثبوت "ساقی" کے فائل ہیں۔

مگر ان کے کردار ان کی وضعداری اور سیرت کے چند مثالی گوشوں کو وہی لوگ اچھی طرح جانتے ہیں جنہیں ان سے کسی نہ کسی کام [illegible] پڑا ہو۔ وہ قدیم دلی کی وضعداری، خودداری اور بانکپن کا ایک عظیم نمونہ ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کوئی مافوق الفطرت آدمی تھے۔ یہ بھی مطلب نہیں کہ کسی کو ان سے کوئی اختلاف ہی نہ تھا۔ بابائے اردو فرماتے تھے کہ میاں وہ آدمی ہی کیا جس کا کوئی دشمن نہ ہو جس سے کوئی اختلاف نہ رکھتا ہو جسے کبھی طعون نہ کیا گیا ہو جس سے کبھی حسد نہ کیا گیا ہو جسے کبھی طنز و استہزا کا تختۂ مشق نہ بنایا گیا ہو ارے بھائی ایسا آدمی کوئی معقول کام کر سکتا ہے وہ تو ہمیشہ اپنے گھر ڈرا سہما بیٹھا رہے گا۔

شاہد بھائی ان سب منازل سے گزر چکے تھے وہ ایک مضبوط انسان تھے ان کے کچھ عقائد اور کچھ اصول تھے ایک مخصوص مزاج تھا ایک طریق فکر ایک طریق کار تھا جس سے بزرگوں اور معاصرین بلکہ خوردوں کو بھی اختلاف ہو جایا کرتا تھا۔

مگر سب ان کا احترام کرتے تھے۔

طے ہوا ہے کہ رسالہ "ساقی" کا شاہد نمبر مرتب کیا جائے گا امید ہے کہ اس میں بہت سے لوگ ان کے بارے میں بہت کچھ لکھیں اس وقت شاید میں بھی کچھ عرض کر سکوں۔ ساقی کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا اور کہا جائے گا خاص طور پر ان کی تخلیقات کے بارے میں اور خود "ساقی" کے بے مثال ماضی کے بارے میں "ساقی" جسے انہوں نے ایک زندہ اور روشن ادبی تحریک بنا دیا تھا ایسی تحریک جو دلی کی بولی ٹھولی کی محتاج نہ تھی بلکہ وہ ایسی تحریک تھی جس نے ادب اور زندگی کے رشتے کو بڑی بے باکی سے ابھارا اور بڑی کامیابی سے پھیلایا۔ سعادت حسن منٹو اور عصمت کے وہ افسانے جن کے سلسلے میں شاہد بھائی پر مقدمے چلتے تھے خود شاہد بھائی کے ترقی پسندانہ مزاج کے آئینہ دار ہیں وہ شمس العلما ڈاکٹر نذیر احمد کے پوتے ہونے کی حیثیت سے فرور جانے جاتے تھے۔ مگر ان کی بڑائی نسبت بزرگان کی محتاج نہ تھی۔

یقیناً وہ دلی میں ایک اچھی جائداد کے مالک تھے اور ان کی آمدنی آجکل کے امرا کے برابر تھی یقیناً وہ پاکستان میں شدید ترین معاشی مشکلات میں رہے۔ لیکن ان کی ملنساری وتی میں جائداد کے بوجھ سے دبی نہ ان کے کرائے پر نئے کراچی میں معاشی مشکلات سے مات کھائی۔

میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ شاہد احمد دہلوی نے معاشی تکالیف سے گھبرا کر کسی افسر کسی وزیر کسی سیٹھ ساہوکار کی کاسہ لیسی نہیں کی اور مجھے اس پر فخر ہے۔

یقیناً یہ ہمارے معاشرے کی بدنصیبی ہے کہ وہ از خود اپنی نادرہ روزگار ہستیوں کی خدمت نہیں کرتا۔ یقیناً یہ ہماری حکومتوں کی کھلی کوتاہی رہی ہے کہ انہوں نے شاہد احمد دہلوی جیسے خادم ادب کی قرار واقعی قدر نہ کی۔ یقیناً ہمارا معاشرہ اور ہم سب مجموعی طور پر اور انفرادی طور پر اس کے ملزم ہیں کہ اپنے ثقافت کے محسنوں کی از خود خدمت نہیں کرتے۔ ہم انہیں از خود نہیں پہچانتے۔ ہم ان کی قدر و منزلت کرنے میں بھی ذاتی تعلقات اور مختلف تعصبات کا شکار رہتے ہیں ہم اپنے مفکروں، دانشوروں، فن کاروں اور ادیبوں سے دست سوال دراز کرانے کی طلب رکھتے ہیں۔ ہم حق والوں کو ان کے حق سے اس لئے بھی محروم رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے گروپ یا ہمارے صوبے کے نہیں۔ ہم سے نیاز مندی نہیں برتتے۔ ہمارے گھر ہمارے دفتر بار بار نہیں آتے ہماری خوشامد نہیں کرتے ہمارے جہل کو علم ہماری خامیوں کو خوبیاں ہماری حماقتوں کو صداقتیں نہیں کہتے۔

یہ سب سچ ہے اور یہ ہماری تغیر پذیر نئی نئی سوسائٹی کا ایک افسوسناک جزو ہے۔

مگر کیا یہ ایک قابل فخر واقعہ نہیں کہ شاہد احمد دہلوی نے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ وہ ایک بہت خوشحال زندگی گزارتے ہوئے آئے تھے ایک عیال دار انسان تھے۔ ہماری آپ کی طرح ہزاروں فرودیات میں مبتلا تھے۔ ان کے سامنے نہ صرف اپنی عادات کو بھلا دینے کا مسئلہ تھا بلکہ اپنے اہل و عیال

کی قلت اپنے بچوں کی تعلیم اور اپنی سب سے بڑی خوبی یعنی اپنے فن کو زندہ رکھنے کی مہلت حاصل کرنے کے مسائل بھی درپیش تھے کوئی اور ہوتا تو کبھی کا ٹوٹ جاتا۔

وقت گزر گیا پہلے انہوں نے اپنا بچا کھچا اثاثہ ختم کیا۔ پھر ملازمت حاصل کرلی۔ اب یہ ملازمت بھی ریڈیو پاکستان کے شعبہ موسیقی میں۔

وہ روز بروز مشکلات میں مبتلا ہوتے گئے بڑھتے ہوئے مقابلوں میں بڑھتے ہوئے افسوسناک عناصر نے "ساقی" کی کاروباری حیثیت کو بالکل ختم کردیا۔ آخر میں دو چار وضعدار مشتریں رہ گئے تھے۔ ان کی بڑھتی ہوئی عمر اور گرتی ہوئی صحت نے انہیں ترجموں کی محنت شاقہ کے قابل نہ رکھا۔ نئے نئے خوش تعلق اور کم نرخ مترجمین کے سبب ترجمے کا کام بھی کم ہوتا گیا۔

پچھلے ستمبر میں ان کی جوان بیاہی شیانی صاحبزادی وفات پاگئیں۔

ان کی ٹانگ کا آپریشن ہوا۔

انہیں دل کا دورہ پڑا۔

مگر انہوں نے اپنی ادبی عظمت اپنی مہارت یا بزرگی کے نام پر کسی فرد سے کوئی ذاتی مدد طلب نہ کی۔ وہ ایک کرارے مزاج کے آدمی تھے۔ وہ دوست بنتوں کے تھے۔ شفیق بنتوں کے تھے ذلیل کسی کے نہ تھے۔ خوشامد کسی کی نہ کرتے تھے۔

بعض اوقات ان کی خودداری اس بوقلموں معاشرے میں عجیب اور مضحکہ خیز لگتی تھی

دو برس ہوئے میں ایک ادارے سے متعلق تھا جو چند اخباروں کا انتظام کرتا تھا۔ ایک اخبار میں ہم نے شاہد بھائی سے ایک سلسلہ شروع کرایا جو بہت مقبول ہوا۔ کچھ عرصے بعد ادارے کے نئے سربراہ نے اخبار کی "اقتصادیات" درست کرنے کے نام پر ان کا مضمون منقطع اور معاوضہ ختم کردیا۔ میں نے عرض کیا آپ ان سربراہ صاحب سے مل لیجئے۔ مجھے تو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا مگر میری بات رد کردی گئی۔ اب شاید وہ آپ کی شخصیت اور وجاہت کا خیال کریں۔ فرمایا اس میں شک نہیں کہ مجھے روپے کی ضرورت ہے اور میں مفت بھی نہیں چاہتا لیکن اب میں کیا کسی کے پاس جاکر کہوں کہ میں میں اچھا لکھتا ہوں مجھ سے لکھواؤ اور معاوضہ دو۔ وہ تو اسے احسان ہی سمجھے گا۔

۱۹۶۲ء میں جب انجمن ترقی اردو دوبارہ عمل آئی نئے دستور کے مطابق پہلی میقات کے لئے صدر انجمن اور معتمد کے عہدوں پر حکومت کی طرف سے تقرر کیا جانا قرار پایا۔ صدر تو جناب اختر حسین صاحب نامزد ہورہے تھے معتمدی کے لئے قدرت اللہ شہاب صاحب نے شاہد صاحب کا نام سوچا۔ اور تجویز ہوئی کہ ایک معقول الاؤنس بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان سے کہا گیا تو بولے "ابھی انجمن دوبارہ زندہ ہوئی ہے، گرانٹ کچھ ہے نہیں، آپ کیا کمائیں گے، کیا کھائیں گے پہلے اس کے حالات درست کیجئے۔ پھر یہ کہ اس طرح کی ملازمتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں جہاں قدم قدم پہ معترضین کھڑے ہوتے ہیں۔"

ان کے ایسے واقعات بہت ہیں۔ انہیں سیکڑوں پر فریب دے لیجئے۔

دوسری طرف۔ اسی عالم میں کہ خود پیسے کی احتیاج تھی جب منٹو کا انتقال ہوا تو ان کی بہت سی تصانیف کے دائمی حقوق ان کے پاس تھے۔ چپکے سے لاہور گئے اور بیگم منٹو کو واپس کرآئے۔

مرزا عظیم بیگ چغتائی کی بہت سی تصانیف انہوں نے شائع کی تھیں جب پاکستان بنا تو بیگم چغتائی بھی آگئیں۔ شاہد بھائی نے مرزا صاحب کی کتابوں کے دائمی حقوق بھی بیگم صاحبہ کو واپس کردیئے۔

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر

ان واقعات کو بھی سیکڑوں سے ضرب دے لیجئے۔

ان کا ایک رخ یہ تھا کہ کوئی مجبور کر دے تو دلی اور لاہور کی اور پھر کراچی اور لاہور کی ادبی جنگ میں کمل کر لڑے تھے اور دوسرا رخ یہ تھا کہ جو لکھاری سے گلڈ کے تعاون سے حفیظ نمبر شائع کیا تو اس کی تقریب میں حفیظ صاحب کی پزیرائی، ستائش، اور خاطرداری میں پیش پیش تھے۔ کہتے تھے ادب میں اختلاف ہوتا ہے بات ہے، اور منافقت کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہیئے۔ جو جتنا بڑا ہے اسے تسلیم کرو کبھی اہم معاملے میں اس سے اختلاف ہو اور وہ زیادتی کرے تو اس سے لڑو مگر اس کے مقام سے انکار نہ کرو۔

اردو والے شاید یہ جان کر خوش ہوں گے کہ شاہد بھائی کے تعلقات بنگلہ ادیبوں سے کم نہ تھے۔ گلڈ بننے کے بعد انہوں نے دونوں زبانوں کے ادیبوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں جو کوششیں سرگرمی کی ہیں وہ ایک قیمتی قومی سرمائے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ادیبوں کا کنونشن ہوا تو وہ ہماری مجلس استقبالیہ کے صدر تھے کسی نے کہا آپ خطبۂ استقبالیہ انگریزی میں پڑھئے کیونکہ بنگلہ زبان کے ادیب بہت آئیں گے۔ کہا جواب میں "اردو ہی میں پڑھونگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا ترجمہ بنگلہ میں کرا لیجئے۔"

ان کا خطبہ چند صفحات کا تھا۔ جلسے میں صرف ایک دن رہ گیا تھا سب سخت پریشان مگر وہ نہ ملے۔ آخر ابن الحسن نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا اور پھر اس انگریزی ترجمے سے بنگلہ میں ترجمہ ہوا۔ صبح جب جلسہ شروع ہونے والا تھا تو مسکراتے ہوئے میرے قریب آئے۔

"حضرت سب ٹھیک ہے۔"

"سب ٹھیک ہے۔" ہم سب سخت گھبرائے ہوئے تھے۔

"وہ میرے خطبے کا بنگلہ ترجمہ کہاں ہے۔"

"ترجمہ نہیں ملا۔ نہ جانے کون کارکن اسے لے کر غائب ہو گیا تھا۔ ہم گھبرائے کہ اب یہ اڑ جائیں گے مگر وہ ہنسنے لگے۔

"تلاش کر لیجئے۔ اگر نہیں ملا تو میں بدمزگی نہیں ہونے دوں گا۔ انگریزی میں پڑھ دوں گا۔

مگر وہ بنگلہ ترجمہ مل گیا۔ اور انہوں نے اپنا خطبہ بڑی شان سے اردو میں ہی پڑھا۔ [illegible] میں جب قدرت اللہ شہاب تبادلے پر ہالینڈ جا رہے تھے تو شاہد بھائی نے جو الوداعی خطبہ پڑھا وہ ان کی بے باکی اور ادیب دوستی کا ایک حیرت انگیز مظاہرہ تھا۔

گلڈ سے شاہد بھائی کا رشتہ ان کی خدمات اور گلڈ والوں کی ان سے محبت اور احترام کی داستان ایک الگ موضوع ہے بلکہ کتاب گلڈ کا ایک رنگین باب ہے جو الگ لکھا جائیگا میں یہاں انہیں گلڈ کے دائرے میں محدود کرنا نہیں چاہتا کیونکہ ان کی ادبی شخصیت گلڈ کی تاسیس سے بہت پہلے تعمیر ہو چکی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ان سے حالات بگڑ جانے کے بعد گلڈ نے عوامی سطح پر ان کی عظمت کے پرچم کو سنبھالا اور اس کا سرکاری اعتراف بھی کرایا۔ انہیں صدر ایوب کی حکومت نے نہ صرف صدارتی تمغۂ امتیاز دیا بلکہ ایک وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔

یہ سچ ہے کہ گلڈ ان کے لئے وہ کچھ نہ کر سکا جو ان کے شایان شان تھا۔ گلڈ کسی کے لئے بھی وہ کچھ نہیں کر سکتا جو اسکی شان اور ضرورت کے مطابق ہو۔ آخر گلڈ اسی معاشرے کی پیداوار ہے۔ ایک طرح اسی کا پرتو ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ گلڈ کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے اور یہ بات شاہد بھائی سب سے

دلی [illegible] اس کے محدودات اور وسائل سے واقف تھے۔ وہ
بتر جاتے تھے وہ نہ صرف اس کے بانیوں میں تھے بلکہ اس کے کارکن اور عہدیدار بھی رہ چکے تھے
سب جانتے تھے کہ یہ ادارہ ایک شہر ایک زبان کا نہیں بلکہ پاکستان کے سب شہروں اور سب زبانوں والوں کا ہے۔ کچھ پیشہ ور معترضین انہیں بہکانے کی
وشش کرتے تو محمود کہتے تھے کہ میاں
تمہاری باتیں ہی باتیں ہیں سیدھے کام کرتا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد ایک حلقے میں سوال اٹھایا گیا کہ انہیں علاج کے لئے امریکہ کیوں
نہ بھیجا گیا۔ اگر یہ کہنے والے کا منشا کلکتہ کی طرف ہے تو ہم عرض کریں گے کہ
دوستو موجودہ حالت میں ایسا ممکن نہ تھا لیکن کلکتہ کے ریکارڈ گواہ ہیں کہ انہیں چین بھیجا جا رہا تھا جہاں وہ افریشیائی ادیبوں کی بیٹھک کے
مہمان ہوتے اور ہانگ چاؤ جھیل کے کنارے چند ماہ آرام کرتے اور مزید علاج کراتے
دوستو اپنے بزرگوں کا سوگ اس طرح مناؤ کہ ان کی روح کو آرام پہنچے وہ کبیدہ نہ ہوں۔ اگر آپ کلکتہ کے مخالف ہیں تو کلکتہ باقی ہے بعد میں
اس پر ایک نہیں ہزار اعتراض کیجئے گا۔ اگر کوئی صاحب مجھ سے ناراض ہیں تو میں بھی حاضر ہوں اور اپنی خطاؤں کی معافی چاہتا ہوں اور اگر آپ
معاف نہ کر سکیں تو ضرور سولی پر چڑھا دیجئے۔ لیکن ان کو آڑ کر کے اپنے دل کا غبار نہ نکالئے۔ پہلے ہمیں اس صف میں سکون سے شامل ہونے دیجئے۔
جو شاہد بھائی کے ماتم میں بچھی ہوئی ہے۔
دوستو جس آدمی نے زندگی بھر اپنی کلاہ کو ہاتھ سے نہ دیا اسے اس کی موت کے بعد کسی عنوان وجہ نزاع نہ بنائیے وہ ایک بھاری بھرکم انسان
تھا اسے ہلکا پن چھو کر بھی نہیں گیا تھا۔
کہنے کو ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں اور ہم پر اعتراض کرنے والے اور کروانے والے بھی اولیا نہیں ہیں مگر ہمارا کم از کم میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ

پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

دوستو اللہ تعالیٰ سب کی نیتیں اور اعمال جانتا ہے۔
شاہد بھائی گئے اور اپنے کام اور کردار کی درخشاں یادیں چھوڑ گئے۔ اب یہ ان کے دوستوں اور مداحوں کا فرض ہے کہ وہ ان کی سب سے بڑی
یادگار "ساقی" کو زندہ رکھنے کی کوشش کریں ان کے پسماندگان کی کفالت کے لئے حکومت سے درخواست کی گئی ہے لیکن حکومت "ساقی" نہیں چلا سکتی
نہ اسے حکومت کے سپرد کرنا چاہیئے۔ اگر قوم اسے اپنا سرمایہ سمجھتی ہے تو قوم ہی پر پھر اسے زندہ و تابندہ رکھنے کا فرض بھی عائد ہوتا ہے

اب ساقی پہ فکر رہے [illegible] کے بعد

انتظار حسین

اس کے مرنے سے مرگئی دلّی

اس کے مرنے سے مرگئی دلی۔ اور بعض لوگ عجب لوگ ہوتے ہیں۔ مرتے ہیں تو لگتا ہے کہ ایک شہر مرگیا۔ غالب کے مرنے کے بعد مولانا حالی نے یہی جانا کہ دلی مرگئی۔ مگر یہ غارت زدہ شہر مرتا ہے اور پھر زندہ ہو جاتا ہے۔ زندہ ہوتا ہے اور پھر مرجاتا ہے، کبھی اداروں کی شکل میں، کبھی افراد کی شکل میں۔ شاہد احمد دہلوی تو سچ مچ اپنی ذات میں دلی شہر تھے۔ پھر یوں ہوا کہ شہر تو غارت ہوگیا بس شاہد احمد دہلوی رہ گئے۔

وہ لوگ اچھے رہتے ہیں جو شہر میں پروان چڑھتے ہیں مگر شہر میں جڑیں نہیں بناتے۔ بس گملے میں لگے ہوئے پودے ہوتے ہیں کہیں اٹھا کر رکھ دو۔ لیکن شہر کے اندر آدمی اور آدمی کے اندر شہر رس بس جائے تو پھر بہت خرابی ہوتی ہے۔ قدموں کے نیچے سے شہر سرک جائے تو آدمی کٹی ہوئی پتنگ بن کر رہ جاتا ہے۔ تو شاہد احمد دہلوی بھی اب کٹی ہوئی پتنگ تھے۔ ۱۹۴۷ء میں جب دلی اجڑی تو کٹ کر پہلے لاہور کی طرف آئے مگر آخر کار کٹی ہوئی پتنگ کراچی میں جا گری اور پھر دلی کی مٹی کراچی کی مٹی میں مل گئی۔

اور میں یاد کرتا ہوں شروع ہجرت کی اس رات کو جب لاہور کی کنال پارک میں مجاہد کاظمی صاحب کے مکان پر کچھ لٹے لٹائے لوگ جمع تھے اور شاہد صاحب اپنا رپورتاژ، دلی کی بپتا، پڑھ کر سنا رہے تھے۔ مگر پھر یوں ہوا کہ ان کی آواز بھرا گئی۔ پھر ان کی ہچکی بندھ گئی۔

اور میں یاد کرتا ہوں ان دنوں کو جب وہ کراچی سے لاہور آتے تو بے شک ڈیڑھ دو دن کے لئے آتے مگر شہر کا ایک راؤنڈ ضرور لگاتے اور بکمال وضعداری ہر جاننے والے شخص سے گھڑی دو گھڑی کے لئے جا کر ضرور ملتے۔ انہیں بزرگ و خورد کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے ساتھ بہرحال یہ وضع نبھائی جاتی۔

ابھی جب پچھلے دنوں وہ اس شہر میں آئے تھے تو جوان بیٹی کے مرنے کا داغ سینے پر لے کر آئے تھے اور چھڑی کے سہارے چلتے دکھائی دکھائی دیتے تھے۔ پتہ نہیں وہ اس چھڑی کے ساتھ اپنی وضع کو نبھا سکے یا نہیں نبھا سکے۔

شاہد احمد دہلوی بے شک دلی مرحوم کے وضعداروں میں تھے۔ مگر ان وضعداروں میں سے نہیں تھے کہ لکھنے بیٹھتے ہیں تو تحریر میں سوائے وضعداری کے کچھ برآمد نہیں ہوتا اور رسالے کے ایڈیٹر بنتے ہیں تو رسالے کو وضعداری کی پوٹ بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ادبی رسالہ اگر میدان جنگ نہیں ہے تو پھر کچھ بھی نہیں ہے اور ہم نے جب سے ہوش سنبھالا، ماہنامہ ساقی میں لڑائی پڑتے دیکھی۔ آج اس فرد سے لڑائی ہے، کل اس تحریک پر چڑھائی ہے۔

ساقی کو شاہد احمد دہلوی کی شخصیت کی توسیع جانو۔ یہاں رسالہ اور آدمی کے درمیان کم ہی کم فرق رہ گیا تھا۔ شاہد احمد دہلوی کی طرح

اتی بھی بہت اثرانداز رہا ہے۔ مگر بڑائی اپنی جگہ اور وضعداری اپنی جگہ۔ اس رسالے نے یہ کبھی نہیں کیا کہ کسی لکھنے والے کا بائیکاٹ کیا ہو۔ یا
ی مکتبۂ فکر کا حقہ پانی بند کر دیا ہو۔ یاران نکتہ داں کے لئے ہمیشہ صلائے عام رہی۔ مگر یہاں کوئی وضعداری سی وضعداری تھی۔ ایک زمانہ میں تو
رسالہ نئے ادب کا بہت بڑا محاذ بنا ہوا تھا۔ مگر ناموں کی ترتیب میں کبھی فرق نہیں پڑا۔ پہلے میاں ایم اسلم۔ باقی منٹو، عصمت، کرشن اور
یدی سب بعد میں۔ بس آدمی رسالہ کو دیکھ کر ہکا بکا ہی رہ جاتا تھا۔

خیر اس وضع کو آپ کچھ بھی کہیں مگر وہاں وضعداری کو دیکھئے کہ ان کے پاس مختلف ادیبوں کی تصانیف کے جملہ حقوق تھے۔ مگر وہ انہیں ایسے
واپس کرتے تھے جیسے شرفا مانگی ہوئی کتاب واپس کر دیتے ہیں کبھی پڑھ کر، کبھی بغیر پڑھے ہی۔ عظیم بیگ چغتائی کے انتقال کے بعد ان کی بیوہ سے اظہار
ہمدردی اس طرح کیا کہ ان کی کتابوں کے حقوق انہیں واپس کر دیئے تقسیم کے بعد کراچی میں جا کر رفیق حسین کی بیوہ کو تلاش کیا اور ان کی کتاب کے
حقوق انہیں واپس نذر کر دیئے۔ مولانا صلاح الدین نے فرمایا کہ میراجی کے مضامین چھپ جانے چاہئیں۔ شاہد صاحب نے کہا کہ میں تو چھاپنے کی ہمت نہیں
رکھتا۔ حق اشاعت آپ کے نام منتقل کرتا ہوں آپ شائع کریں۔

یہ وضعداری نہیں تھی تو اور کیا تھی۔ وضعداری کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہے کہ اصل حقیقت انسانی تعلق ہے۔ آگے تو ہماری تہذیب کی
اساس اسی حقیقت پر تھی۔ سو ہمارے معاشرے کا نمائندہ آدمی وضعدار بزرگ ہوا کرتا تھا۔ تو اس زمانے میں تو وضعداری ہی کی قدر تھی تاجر تو ہمارے
یہاں اب پیدا ہونے شروع ہوئے ہیں۔ اور شاہد صاحب کو دیکھئے کہ وضعداری اور تجارت کو اکٹھا کرنا چاہتے تھے۔ بس یہ ان کی ایک سنک تھی کہ پرانے زمانے
کا آدمی ہونے کے باوجود کبھی کبھی نئے زمانے کا آدمی بننے کی بھی کوشش کرتے اسی کوشش میں انہوں نے ایک دفعہ موٹر سائیکل خرید لی۔ مگر یہ وضعدار
بزرگ خود کیسے موٹر سائیکل چلاتا۔ تو ڈرائیونگ کرتے تھے شمس زبیری اور پیچھے بیٹھتے تھے شاہد احمد دہلوی۔

اب آپ خود سوچ لیں کہ اس موٹر سائیکل کا انجام کیا ہوگا بس وہی انجام ان کے اشاعتی ادارے کا ہوا

خیر تو شاہد صاحب دلی کے وضعدار بزرگ تھے۔ بہت محبت کرنے والے، بہت شفقت کرنے والے، ان کے یہاں انسانی تعلقات بنیادی
اہمیت رکھتے تھے اس سے آدمی کو تھوڑا اڑنا بھی چاہیئے، ایسا آدمی دوستوں کا دوست ہوتا ہے اور دشمنوں کا سخت دشمن ہوتا ہے جبھی تو شاہد صاحب
لڑتے بہت تھے اور ایسا ویسا لڑتے تھے تو پھر سات پشتوں کی خبر لیتے تھے پچھلے برسوں میں ایک شاعر سے لڑائی ہوئی تو اس کے خلاف گولہ بارود جمع کرنے کے لئے بہار
تک کا سفر کر ڈالا۔

مگر اس کا مطلب ایک اور بھی تو ہے، وہ یہ کہ شاہد صاحب انٹلکچوئل نہیں تھے، جیتے جاگتے آدمی سے واسطہ رکھتے تھے، اس لئے ان
کی تحریروں میں نظریاتی بحثیں نہیں ملیں گی، ہاں تہذیب کی تصویریں نظر آئیں گی، جیتے جاگتے آدمیوں سے ملاقات ہوگی۔ ایسے آدمیوں سے جو
بہت اچھے ہیں مگر بہت برائیوں سے بھرے ہوئے ہیں، اصل میں اپنے شاہد صاحب کو آدمی میں خوبیاں تو کم ہی نظر آتی تھیں۔ یا شاید وہ یوں سوچتے
تھے کہ خوبیاں تو آدمی میں ہونی چاہئیں مگر برائیاں کیوں ہیں۔ اور پھر وہ قلم اٹھاتے اور آدمی کی ساری برائیاں بکھان ڈالتے۔

اس قسم کے خاکوں پر کیا کیا ناراضگیاں نہیں ہوئیں مگر پھر سے زمانے کی بے وضعی کہہ کر بھی نہیں ٹال سکتے کیونکہ شاہد صاحب تھے تو بہت
وضعدار آدمی۔ ایسے وضعدار کہ بچپن میں کبھی چھپ چھپا کر بیڑی پی ہوگی۔ پھر بیڑی کو چھوڑا وضع کے خلاف نظر آیا مگر کبھی سگریٹ کو ہاتھ نہ لگایا ہمیشہ

بیڑی پی اور اس طرح پی کر سلگا کر دو گھونٹ لئے، پھر ہم نشیں کو پکڑا دی، تھوڑی دیر بعد دی ہوئی نعمت پھر واپس لے لی۔

پھر جس سے دوستی کی اس سے دوستی کی وضع نبھائی جس سے دشمنی کی اس سے دشمنی کی وضع نبھائی۔ بے تعلق نہ دوست سے رہے نہ دشمن سے، اور ساقی، میں جس نوجوان کو نوازا اس کی تحریر اور اس کی ڈگری، دونوں کا لوہا منوایا، ہم بہت سے ایسے پڑھے کہ جیں آپ ایم اے ست کھا کریں کہ ایم اے تو یہ ضمیر ممتاز حسین بھی ہیں، مگر ساقی میں جس کی ڈگری لکھی گئی سو لکھی گئی۔

تو جیسا شاہد صاحب کو شروع میں دیکھا تھا، آخر وقت تک اسی طرح کا دیکھتے رہے، وہی ساقی، وہی بیڑی کا بنڈل، وہی ان کی ڈھیلی ڈھیلی اچکن اور درمیانہ موری والا پاجامہ اور وہی ایک میلی سی ٹوپی، آخر میں تو بس ایک چھڑی ہی کا اضافہ ہوا تھا۔ مگر یہ وضعدار بزرگ چھڑی کے سہارے زیادہ دن نہیں چلا، چار قدم چل کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۲)

شاہد مرحوم کو اس کا احساس تھا۔ اسی لئے قیام پاکستان کے بعد جب ملاقات ہوئی تو اتنے تپاک اور اتنی شفقت سے ملے کہ ۱۹۴۰ء کی دلی کی یادیں تازہ ہو گئیں مجھے وہ ہمیشہ بہت محبت سے یاد کرتے تھے اس لئے جب وہ جوش نمبر مرتب کرنے میں مصروف تھے تو احباب نے مجھ پر بھی زور دیا کہ میں انہیں اس کام سے باز رکھنے کی کوشش کروں۔ میں ایسا نہ کر سکا کیونکہ میں ان لوگوں کی عرض داشتوں کا انجام دیکھ چکا تھا جو شاہد احمد مرحوم کو مجھ سے کہیں زیادہ عزیز تھے، مگر چند روز پہلے جب میں نے کراچی کے اخبار میں یہ خبر پڑھی کہ شاہد احمد مرحوم کے تعزیتی جلسے میں حضرت جوش بھی شریک ہوئے اور انہوں نے تقریر بھی کی تو میں نے سوچا کہ اگر میں جوش کی انسانی وسیع القلبی، شاہد کی عظمت اور ذہنی ہمہ گیری کا واسطہ دے کر مرحوم سے استدعا کرتا تو شاید وہ مان جاتے اور ایک ایسا کام نہ کرتے جس سے ان کے بیشتر دوستوں اور عقیدتمندوں کو اتفاق نہیں تھا۔ شاہد احمد مرحوم کی ادبی سرگرمیوں سے مجھے صرف یہی اختلاف تھا ورنہ میں جانتا تھا کہ اس شخص نے صحیح معنوں میں اپنی زندگی اردو زبان اور ادارہ کے نام معنون کر رکھی ہے اور یہی لگن یہی شیفتگی، یہی سپردگی ان کی ہر دل عزیزی کا راز ہے اور اسی وجہ سے آج برصغیر کے دوسرے شہروں کی طرح لاہور کے علمی و ادبی حلقوں میں بھی صف ماتم بچھی ہوئی ہے کہ ان کے درمیان سے ایک دوست، ایک مشفق، ادب اور تہذیب اور کلچر کا ایک چلتا پھرتا نمونہ اٹھ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے۔

(بشکریہ جنگ)

محمد ایوب قادری

شاہد صاحب

ہماری بڑی آپا کا مکان ، ہمارے گھر سے تیسری گلی میں ہے۔ پندرھویں بیسویں دن یا مہینے پیچھے وہ اکثر رات کو ہمارے یہاں آیا کرتی تھیں۔ جس رات آپا آتی تھیں وہ رات ہم چھوٹے بہن بھائیوں کے لئے شب برات سے کم نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آپا سے کہانیوں کا تقاضا ہوتا تھا۔ پہلے تو وہ "وہی مشو کری تحفہ بی بی" کی کہانی سناتی تھیں۔ اس کے بعد ہم سب بچوں کا متفقہ مطالبہ ہوتا تھا کہ آپا ہم تو اصغری اکبری کی کہانی سنیں گے اول تو وہ حسب معمول ٹال مٹول کرتی تھیں مگر آخر کار اصغری اکبری کا قصہ سناتیں۔ اگر چھوٹی امت کی اکثریت ہوتی تو یہ قصہ زبانی ہوتا اور اگر چھوٹے اقلیت میں ہوتے تو باقاعدہ کتاب پڑھی جاتی۔ مسلمانوں کا وہ کونسا گھرانا ہوگا کہ جس میں پڑھی لکھی بیبیاں اصغری اکبری کا قصہ نہ پڑھتی ہوں۔ جب کتاب و مدرسے ہمارا تعلق قائم ہوا اور اردو لکھنی پڑھنی آگئی تو ہم نے اپنی آپا سے لے کر اصغری اکبری کی کتاب پڑھی۔ پھر معلوم ہوا کہ اس کتاب کا اصل نام مراۃ العروس ہے اور اس کے لکھنے والے دلی کے نامی گرامی مصنف ڈپٹی نذیر احمد ہیں۔

اس کتاب کا اثر تھا کہ اصغری اکبری اور محمودہ وغیرہ ہمارے خاندان میں متعارف شخصیتیں تھیں جو سگھڑ اور شعور دار بی بی یا لڑکی ہوتی تھی۔ اس کو اصغری کہا جاتا تھا اور جو پھوہڑ اور بدتمیز ہوتی تھی۔ اس پر اکبری بیگم کی پھبتی کسی جاتی تھی۔ غرض ہمارے خاندان میں ڈپٹی نذیر احمد کی کتابیں مراۃ العروس ، بنات النعش اور توبتہ النصوح وغیرہ خوب پڑھی جاتی تھیں اور اس کا اثر تھا کہ اکثر بچیوں اور بچوں کے نام ، حمیدہ ، فہمیدہ ، محمودہ اور سلیم وغیرہ رکھے جاتے تھے۔ میری سگی دو بہنوں کے نام حمیدہ اور فہمیدہ ہیں۔

اس طرح بچپن میں ہم دلی والے ڈپٹی نذیر احمد کے نام اور ان کی کتابوں سے متعارف ہو گئے۔ ۱۹۴۲ء میں ہم نے مڈل پاس کیا اور چھٹیوں میں ہمارے قصبے کے چند نوجوانوں نے ایک کتب خانہ اور دارالمطالعہ قائم کیا۔ قصبہ کے پرانے خاندانوں اور باذوق حضرات سے کتابیں مانگی گئیں جو ہزاروں کی تعداد میں مل گئیں روزناموں میں انجام ، وحدت ، تیج ، تنویر ، الامان (سہ روزہ) مدینہ (سہ روزہ) اور رسالوں میں ساقی ، منادی ، مولوی ، پیشوا ، کامیاب ، معارف ، الفرقان ، غنچہ وغیرہ آتے تھے۔ میں ساقی بالالتزام پڑھنے لگا۔ نئے پرچے کا بڑی شدت سے انتظار ہوتا تھا۔ اکثر رسالے دارالمطالعہ سے گھر لے آتا تھا۔ ایک روز میں

ساقی پڑھ رہا تھا کہ میرے والد صاحب مرحوم نے پوچھا کہ میاں! کیا پڑھ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا ساقی رسالہ پڑھ رہا ہوں پوچھا کہاں سے نکلتا ہے؟ میں نے کہا کہ دہلی سے نکلتا ہے۔ شاہد احمد دہلوی صاحب نکالتے ہیں۔ اس میں افسانے بہت اچھے ہوتے ہیں — اس پر والد صاحب نے فرمایا۔ معلوم ہے یہ شاہد صاحب کون ہیں؟ یہ اصغری اکبری کے بھتیجے ہیں — میں خاموش! پھر فرمایا کہ اصغری اکبری والی کتاب ان کے دادا ڈپٹی نذیر احمد مرحوم نے لکھی ہے۔ شاہد صاحب کا قلم بھی خوب روانی دکھاتا ہے بڑے باغ وبہار آدمی ہیں۔ دلی میں ان سے کئی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ آدمی خوب ہیں۔ ایک لہجے میں یہ ساری تقریر ہو گئی۔ یہ ہمارا پہلا غائبانہ تعارف شاہد صاحب اور ان کے رسالہ ساقی سے تھا۔

قیام پاکستان کے بعد ہم کراچی آ گئے۔ یہاں بھی ساقی ملنے لگا مگر اس میں اب وہ بات نہ تھی کہ جس کو دیکھ کر نعرہ لگایا جاتا تھا۔ الا یا ایّہا الساقی ادر کا سا و ناولہا۔ لیکن بہر حال پھر بھی بہت کچھ تھا۔ ساقی پر پتہ ہوتا تھا — ساقی، کراچی ۵ کئی مرتبہ خیال ہوا کہ ساقی کے مدیر شاہد صاحب سے ملاقات کرنی چاہئے مگر کوئی موقع نہ مل سکا۔ ایک روز پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کا ایک علمی جلسہ تھا۔ کراچی کے بہت سے ممتاز ادیب، دانشور اور اہل قلم جمع تھے اس زمانے میں میری ملازمت کا تعلق ہسٹاریکل سوسائٹی سے تھا۔ اس جلسے میں شاہد صاحب بھی تشریف لائے تھے میں نے اپنا خود تعارف کرایا۔ فرمایا بہت خوب! میں آپ سے واقف ہوں، آپ نے وقائع عبدالقادر خانی خوب مرتب کی ہے۔ اس کتاب میں دہلی سے متعلق بہت قیمتی معلومات ہیں۔ لال قلعے سے متعلق مصنف نے جو معلومات و تفصیلات دی ہیں وہ تو کہیں اور ملتی ہی نہیں۔ مگر یہ کیا کیا کہ سید السلطان علی بریلوی صاحب نے اس کا نام "علم و عمل" رکھ کے اس کی حیثیت ہی بگاڑ دی گویا مولوی اشرف علی تھانوی کی کوئی کتاب ہے۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق کے انتقال و تدفین کے موقعہ پر مولوی اعجاز الحق قدوسی صاحب کے توسط سے جمیل جالبی صاحب سے ملاقات ہوئی قدوسی صاحب کی معیت میں اکثر جالبی صاحب کے یہاں جانا ہوتا اور نشست رہتی، قدوسی صاحب کی ملاقاتیں خوب جم کر ہوتی ہیں۔ قدوسی صاحب کی ملاقات کا انداز کچھ اس طرح کا ہوتا کہ پہلے مبین الحق صدیقی صاحب کے یہاں جھانکی مارتے، پھر شاہد صاحب کے یہاں اور آخر میں جالبی صاحب کے یہاں پہنچتے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا۔ مگر شاہد صاحب درمیان میں ضرور پڑتے تھے اور اب گویا شاہد صاحب سے ملاقاتیں ہونے لگیں۔

شاہد صاحب سے ملاقات بالعموم عصر کے بعد یا عشاء سے پہلے ہوتی تھی۔ بنیان پہنے، تہبند باندھے چہرے پر ایک

سی مسکراہٹ ہوتی۔ کمرے میں بالعموم تخت پر نشست ہوتی۔ یہی ان کا ڈرائنگ روم تھا اور یہی ساقی کا دفتر
رمنٹ کے بعد چائے آتی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہم لوگ کمرے میں داخل ہو گئے ہیں اور شاہد صاحب اندر سے
رکی پیالی لئے چلے آرہے ہیں۔ پھر مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی، بات ٹھہر کر آہستہ کرتے۔ جس میں متانت اور سنجیدگی
تی۔ خلوص، صاف گوئی اور کھرا پن ان کے مزاج میں بدرجۂ اتم تھا۔

شاہد صاحب کے پاس تبصرے کے لئے بہت سی کتابیں آتی تھیں۔ خالص ادبی کتابوں کے علاوہ وہ دوسری سب کتابیں
ستوں کو دیدیتے تھے۔ مذہبی اور تاریخی کتابیں تو خاص طور سے کسی نہ کسی کو دے ہی ڈالتے تھے اس قسم کا اکثر مال غنیمت
روسی صاحب کے حصے میں آتا تھا ایک آدھ مرتبہ مجھے بھی حصۂ رسد ملا۔ ایک روز میں پہنچا تو فرمایا۔ خوب آئے آپ کے لئے
یک کتاب رکھی ہے کتاب لے جایئے اس پر ایک مختصر سا تبصرہ لکھ دیجئے۔ وہ کتاب کارخانہ نور محمد کی مطبوعہ تقویۃ الایمان،
ذکیر الاخوان، حارق الاشرار، سعادت دارین، نصیحۃ المسلمین وغیرہ اصلاحی رسالوں کا ایک ضخیم مجموعہ تھی۔ میں نے تبصرہ
لھ کر دے دیا جو ساقی کے سالنامہ مارچ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔

رسالہ ساقی جنوری ۱۹۳۰ء میں دہلی سے جاری ہوا۔ شاہد صاحب نے اس رسالے کے ذریعے تہائی صدی سے
یادہ اردو ادب کی خدمت کی۔ نئے ادیبوں کی تربیت کی۔ شاہد صاحب نئی نسل کے قافلہ سالار تھے۔ ساقی میں کسی کا چھپنا
ستناد کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ لکھنے والوں کو معاوضہ دیتے تھے۔ کتابوں کی رائلٹی دیتے تھے۔ لکھنے والوں کو وہ معاوضہ دے کر
خوش ہوتے تھے۔ کراچی میں آنے کے بعد بھی انھوں نے جس طرح ہو سکا ساقی کو باقی رکھا۔ ساقی سے شاہد صاحب کی
زندگی تھی۔ ساقی میں اگرچہ یہاں خسارہ ہی خسارہ تھا مگر وہ اس کو ڈھکیلتے رہے ــــــ ساقی دہلی سے بڑی آب و تاب
سے نکلتا تھا۔ اس کا دفتر ڈپٹی نذیر احمد کے مشہور تاریخی مکان میں تھا۔ ہمیں اس دارالادب کی زیارت کا بھی جولائی ۱۹۶۳ء
میں شرف حاصل ہوا۔ میں دہلی گیا، اگرچہ میں صدر میں اپنے ایک قریبی عزیز کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ مگر دن کا بیشتر حصہ
اردو بازار میں گزرتا تھا۔ اردو بازار میں میں نے کتابوں کی ایک دوکان پر بورڈ دیکھا "کتب خانہ نذیریہ" خیال ہوا کہ غالباً
شمس العلماء میاں نذیر حسین (سرخیل جماعت اہل حدیث) سے متعلق کوئی کتب خانہ ہے مگر جب اندر داخل ہوا تو میں نے
تصانیف ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کا بورڈ نمایاں طور سے لگا ہوا دیکھا اس سے معلوم ہوا کہ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم سے متعلق ہے
اور اس کے مالک محمد مسلم ایم۔ اے (شاہد صاحب کے علاتی بھائی) ہیں۔ علیک سلیک کے بعد تعارف ہوا۔ وہ کراچی کے
اعزہ واحباب کو پوچھتے رہے۔ شاہد صاحب کا بھی ذکر آیا۔ پھر روزانہ ملاقات ہوتی رہی۔ محمد مسلم صاحب صوفی منش اور
خوش عقیدہ آدمی ہیں۔ تصوف سے متعلق لٹریچر شائع کرتے رہتے ہیں۔ انھوں نے ایک روز فرمایا کہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب
والے مکان پر جس میں ساقی کا دفتر تھا، کسٹوڈین نے قبضہ کر لیا تھا۔ ایک زمانے سے اس پر مقدمہ چل رہا تھا۔ آج اس کا

فیصلہ ہمارے حق میں ہوگیا ہے۔ کل کچھ احباب تشریف لائیں گے۔ آپ بھی آئیے۔ میں دوسرے دن اپنے ایک عزیز کے ہمراہ پہنچا مگر مجھے دیر بہت ہوگئی تھی اور اجتماع ختم ہوچکا تھا۔ بہرحال ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کے مکان اور ساقی کے دفتر کی زیارت کی اور سیدھا کتب خانہ نذیریہ (اردو بازار) آیا۔ مسلم صاحب نے معذرت کی اور فوراً دوکان پر مٹھائی وغیرہ منگائی اور بڑے تکلف سے چائے پلائی۔

شاہد صاحب کی گفتار و رفتار، کردار و مزاج اور لباس و معاشرت میں ایک وضع داری اور مشرقی انداز تھا۔ مغربی تعلیم انھوں نے اعلیٰ پیمانے پر پائی تھی۔ مگر ان کی گفتگو سے کبھی اس قسم کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ شیروانی اور پاجامہ ان کا لباس تھا۔ چاہے کسی جلسے کی صدارت ہو یا عام شرکت، گلڈ کی کوئی بڑی سے بڑی تقریب ہو یا کسی صدر اور گورنر کی ملاقات، شاہد صاحب کا لباس وہی ہوتا۔ ایک مرتبہ وہ غالباً یونیسکو کی دعوت پر موسیقی پر چند لکچر دینے کے لئے باہر گئے مگر وہاں بھی ان کا لباس مشرقی ہی رہا۔

بات کرتے تو آہستہ آہستہ رک رک کر، ہلکی سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر ہمیشہ کھیلتی رہتی۔ صاف گوئی ان کا مزاج تھا جس میں کبھی کبھی کھرے پن تک کی جھلک آجاتی تھی۔ طول کلامی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہد صاحب، مولوی قدوسی صاحب اور میں، جالبی صاحب کے یہاں بیٹھے تھے اور محفل جمی ہوئی تھی۔ اتنے میں ایک صاحب تشریف لے آئے دلی کے رہنے والے۔ گفتگو سے ان کی پھول جھڑیں، باتیں ان کی میٹھی اور سلونی۔ مگر طول کلام ان کا مزاج اور قرأت لمبی۔ وہ بولتے رہے۔ اس دوران میں شاہد صاحب بالکل خاموش رہے۔ جالبی صاحب بھی اوک گئے۔ میں اور قدوسی صاحب تھوڑی دیر کے لئے وہاں سے ٹل گئے۔ جب وہ صاحب چلے گئے تو پھر محفل جمی۔ دیر تک شاہد صاحب ان کی طول کلامی پر ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے رہے۔

دلی سے شاہد صاحب کو بہت محبت تھی۔ جب تک "شاہد احمد" کے ساتھ "دہلوی" کا لاحقہ نہ لگایا جائے ان کا نام ادھورا رہتا۔ ہزار دلی والے ہیں مگر "شاہد احمد دہلوی" ہمیشہ لکھے اور بولے جاتے۔ ساقی میں دلی کی تہذیب و ثقافت پر کئی مضمون، مثلاً دلی کی بہاریں، برکھارت کی بہاریں وغیرہ لکھے۔ انجام میں ایک سلسلہ "دلی جو ایک شہر تھا" لکھا جو بہت مقبول ہوا۔ دلی کی زبان تو گویا ان کی تین پشت سے خادمہ تھی۔ بے ساختہ لکھتے اور خوب لکھتے، دلی کے محاورے اور روزمرہ تو ان کے نوک قلم پر رہتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑے سے بڑا مضمون اس طرح ادا کردیتے تھے جیسے نگینے جڑ دئے ہیں۔

یں اکثر ان سے بعض محاوروں اور الفاظ کے سلسلے میں استفادہ کرتا تھا۔ شاہد صاحب سے ایک دفعہ میں نے پوچھا
آپ نے اپنی تحریروں میں "بیاہی تیائی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہمارے روہیل کھنڈ (بریلی و بدایوں وغیرہ) میں
یاہی تھیائی" بولتے ہیں اور "تھیائی" غالباً "تھیونا" مصدر سے مشتق ہے، فرمایا "ممکن ہے ایسا ہی ہو مگر دلی میں
ی طرح بولتے ہیں جیسے میں نے لکھا ہے"۔ پھر میں نے عرض کیا، ایک صاحب نے "بیاہی تھیائی" لکھا ہے۔ فرمایا کہ وہ گونڈ کا نٹی
کے رہنے والے ہوں گے، میں نے عرض کیا کہ ہمارے علاقے میں مستورات ایک لفظ "سوفتہ" بولتی ہیں۔ جس سے مراد سہولت
اطمینان کی حالت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ دلی میں بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ ایسے الفاظ تحریر میں رواج پانے چاہئیں۔
لفظ تو صوتی اعتبار سے بھی اچھا لگتا ہے۔ جالبی صاحب نے بھی اس لفظ کو پسند فرمایا۔ اس سلسلہ میں "معافی چاہنا"
در "معافی مانگنا" بھی زیر بحث آیا فرمایا اچھے پڑھے لوگ "معافی مانگنا" بولتے ہیں مجھے اس سے بڑی کوفت ہوتی ہے

شاہد صاحب نے پاکستان رائٹرس گلڈ کے قیام میں پوری جدوجہد اور کوشش کی اور آخر وقت تک وہ ادیبوں
کی اس جماعت سے وابستہ رہ کر اس کی ترقی و بہبود میں کوشاں رہے۔ تین سال تک پاکستان رائٹرس گلڈ (کراچی ریجن)
کے سکریٹری رہے۔ ان ہی کی سکریٹری شپ کے زمانے میں پاکستان رائٹرس گلڈ ہاؤسنگ سوسائٹی وجود میں آئی جس کے
تحت رائٹرس کالونی کی جدوجہد شروع ہوئی، ۱۹۶۵ء میں پاکستان رائٹرس گلڈ (کراچی ریجن) کے انتخابات ہوئے
میں بھی مجلس عاملہ کے لئے کھڑا ہو گیا۔ مولوی اعجاز الحق قدوسی صاحب ہمارے ممد و معاون اور مشیر و کارکن تھے۔
یوسف بخاری اور نور الصباح بیگم کے ساتھ ہمارا مختصر سا پینل تھا۔ یہ الیکشن بھی ایک مصیبت تھا اور سچی بات تو یہ ہے کہ
الیکشن ہمیشہ مصیبت ہی ہوتا ہے۔ بڑے بڑے پاپڑ بیلے دن کو رات اور رات کو دن کر دیا۔ وقت بے وقت
مولوی قدوسی صاحب کی معیت میں گھر گھر جھنکائی ہو رہی ہے، ہم اپنی ناتجربہ کاری سے کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ پھنس گئے جو
ہمارے لوگوں کے نہ تھے اور بعض اوقات ان کی خفیف الحرکتی سے ہماری خواری بھی ہوئی۔ اس پورے ہنگامے میں قدوسی
صاحب کی معیت میں شاہد صاحب سے ملاقاتیں ضرور رہیں۔ اور انھوں نے حسب موقع مشورے بھی دئے مگر اپنی آفیشل
حیثیت کو محفوظ رکھتے ہوئے۔ ایک روز ہم پہنچے قدوسی صاحب نے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد کہا بھئی شاہد صاحب!
ایوب قادری، آپ کے پاس ایک کام سے آئے ہیں بولے فرمائیے کیا کام ہے؟ قدوسی صاحب نے ٹیپ کا بند
توڑا کیا کہ آپ ان کو اپنا ووٹ تو دیں گے ہی مگر کچھ اور ووٹ بھی دلوائیے۔ شاہد صاحب نے ہنستے ہوئے فرمایا۔ بھئی مولوی!
منو خیران کو تو میں ووٹ دے دوں گا باقی اور کسی کے لئے مجھ سے امید نہ رکھئے اور یہ بات تو میرے لئے بالکل
ناممکن ہے کہ میں کسی سے ووٹ کے لئے کہوں۔ میں کسی سے کیوں کہوں؟ ہمارا مطلب ان کے ووٹ کی توثیق کرانی تھی
انتخاب ہوا، شاہد صاحب نے مجھے ووٹ دیا۔ وہ رائے شماری میں بھی تھے۔ باقاعدہ اعلان سے چند منٹ پہلے شاہد صاحب

آئے اور اشارے سے مجھے کامیابی کی اطلاع دی اور اس کے بعد جناب ابن انشا نے بتایا کہ بھئی تم کامیاب ہو گئے
اس تقریب کا ایک گروپ فوٹو لیا گیا جو متعدد رسائل میں چھپ چکا ہے ۔ شاہد صاحب اس گروپ فوٹو کی گویا جان ہیں ،

شاہد صاحب پرانی تہذیب اور نئی تہذیب کی درمیانی کڑی تھے ۔ مگر مشرقیت ان کے مزاج میں رچی بسی تھی ، وہ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ دم توڑتے ہوئے مسلم معاشرے کی یادگار تھے ۔ جہاں ان میں مروت اخلاص ، ملنساری بدرجہ اتم تھی وہیں بعض منفی پہلو بھی تھے ، " خطائے بزرگاں گرفتن خطا است " کے وہ سختی سے قائل تھے خاندان اور بزرگوں کا بھرم قائم رہے ۔ ان روایات کو آنچ نہ آئے ۔ ہوا یہ کہ جوش ملیح آبادی صاحب نے ان کے داداجان مرحوم ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کی کتاب منتخب الحکایات کی زبان و بیان کو زمانہ حال کے مطابق کر دیا یا شاہد صاحب کے الفاظ میں اس کتاب کی غلطیاں نکالیں ۔ یہ بات شاہد صاحب کو سخت ناگوار ہوئی ، بلکہ ان کے دل میں جوش صاحب کی طرف سے گرہ پڑ گئی ۔ اور جب صہبا لکھنوی نے افکار کا جوش نمبر نکالا تو شاہد صاحب نے بھی مدیر افکار کی درخواست پر ایک دلچسپ مضمون بھی دقلم کر دیا جس میں دیدہ کم اور شنیدہ زیادہ تھا اور زبان کے تو کہنے ہی کیا ۔ بقول شخصے جو تکھی لڑی تھی اور جوش صاحب کے سلسلے میں کوئی کور کسر باقی نہیں رکھی تھی ، یہ مضمون افکار کے جوش نمبر میں شامل ہوا ۔ پھر کیا تھا جوش صاحب کو بھی یار لوگوں نے بھرّے پر چڑھایا ؛ انھوں نے بھی ایک "جواب نامہ" رقم فرمایا جس میں جوش صاحب نے اپنی صفائی پیش کی اور اشارے کنائے میں دو چار باتیں ایسی بھی کہہ گئے کہ جو شاہد صاحب کے خون کھولانے کا سبب بنیں اور انھوں نے اس کے انتقام میں ساقی کا جوش نمبر نکالا ۔ اس کے لئے انھوں نے دہلی کا سفر اختیار کیا ، پاکستان و ہند کے علمی و ادبی حلقوں سے ربط قائم کر کے ہر وہ اخبار ، رسالہ ، مضمون ، کاغذ اور پرزہ حاصل کیا جس میں جوش صاحب کے خلاف کچھ لکھا گیا تھا اور اس طرح شاہد صاحب نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہمارے نقطۂ نظر سے اس کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ " جوشیات " کے سلسلے کا جو منفی ادب تھا وہ شاہد صاحب کی کوششوں سے سب یکجا ہو گیا اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک اچھی خاصی دستاویز مہیا ہو گئی ۔ اس میں ان کے مشرقی رکھ رکھاؤ ، خاندانی وقار اور بڑے کا سوال تھا ۔ جس کا شاہد صاحب نے بھرم رکھا ۔ حالانکہ کراچی اور لاہور کے اکثر ادیبوں اور دانشوروں نے پوری پوری کوشش کی کہ ساقی کا جوش نمبر نہ نکلے مگر شاہد صاحب کے عزم و ارادہ ، یا انتقامی جذبے کے سامنے کسی کی پیش نہ گئی چاہے وہ پیر حسام الدین راشدی ہوں یا جمیل جالبی ۔ اس نمبر کے سلسلے میں میں نے بھی بعض چیزوں کی نشاندہی کی اور ایک دو چیزیں فراہم کر کے بھی دیں ۔ یاد پڑتا ہے کہ دہلی یا کراچی سے شاہد صاحب نے مجھے ایک یا دو خط بھی لکھے ۔ افسوس کہ وہ اس وقت ہم دست نہ ہو سکے ۔

میں نے شاہد صاحب سے عرض کیا کہ ساقی نمبر میں ایک مضمون رہ گیا جو بہت ضروری تھا فرمانے لگے کیا؟ میں نے کہا کہ منتخب الحکایات کی جو غلطیاں جوش صاحب نے نکالی تھیں وہ نقل کی جاتیں اور پھر ان پر آپ کا محاکمہ نہ ہوتا کیا رائے ہوتی۔ سن کر خاموش ہو گئے۔

دہلی کی زبان، ادب، ثقافت، معاشرت اور تہذیب و تمدن پر لکھنے والوں میں ملا واحدی، فضل احمد خاں شیدا، خواجہ محمد شفیع، اشرف صبوحی، یوسف بخاری اور شاہد صاحب سرفہرست ہیں۔ ملا واحدی اور شیدا صاحب تو اب بالکل چراغ سحری ہیں۔ خواجہ صاحب امریکہ سدھارے۔ اشرف صبوحی صاحب کو ہمدرد نے داب رکھا ہے۔ یوسف بخاری صاحب کو اردو بورڈ کی مصروفیات کب فرصت دیتی ہیں۔ شاہد صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ شاہد صاحب نے ساقی اور انجام میں دہلی کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ یکجا کر کے "دلی جو ایک شہر تھا" کے عنوان سے شائع ہونا چاہیے اور ہم اس سلسلے میں دہلی کے نامی گرامی فرزند حکیم محمد سعید دہلوی کی توجہ مبذول کراتے ہیں کہ وہ ہمدرد اکیڈمی سے شاہد دہلوی صاحب کی یہ یادگار روزگار کتاب شائع کر کے اہل ادب کو عموماً اور دلی والوں کو خصوصاً شکریہ کا موقع دیں۔

شاہد صاحب نے "دلی کی بپتا" میں نہ صرف اپنی بپتا بیان کی ہے بلکہ پوری قوم کی مصیبت کا خاکہ کھینچ دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دلی والوں پر ۱۹۴۷ء (انقلاب) میں کیا گزری۔ فسادات کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں

شاہد صاحب نے اپنی کتاب "گنجینۂ گوہر" میں سترہ ادیبوں اور دانشوروں کے خاکے لکھے ہیں۔ اردو ادب میں گنجینۂ گوہر یادگار کتاب ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلی قابل ذکر کتاب بابائے اردو مولوی عبدالحق کی چند ہم عصر ہے اس کے بعد سید احمد صدیقی کی گنجہائے گراں مایہ اور مولانا عبدالمجید سالک کی یاران کہن ہیں۔ چوتھی کتاب گنجینۂ گوہر ہے جو زبان و بیان اور صداقت و خلوص کے اعتبار سے منفرد ہے اس میں عظمتوں کے منارے بھی قائم کئے گئے ہیں اور کھنڈروں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کی غربت و افلاس خواجہ حسن نظامی کی کتاب سازی کی فیکٹری، ایم اسلم کی شرافت اور عظیم بیگ چغتائی اور میراجی کی سچی تصویر شاہد صاحب ہی کا قلم کھینچ سکتا تھا۔

وزند کاکوروی پرانے ہیں کچھ نہ کچھ لکھتے پڑھتے رہتے ہیں۔ انھوں نے اردو کے ادیبوں اور دانشوروں کا ایک تذکرہ مرتب کیا ہے۔ جدید نسل کے نمائندوں کے حالات کی فراہمی میں انھوں نے مجھ سے مدد چاہی۔ میں نے

بہت سے لوگوں کے حالات فراہم کرکے دیدیئے ایک روز شاہد صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ میرا سوال سن کر ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے بعد ٹال گئے چند روز کے وقفے کے بعد پھر میں نے ایک روز ذرا اصرار سے کہا تو انگریزی میں ٹائپ شدہ حالات دیدیئے۔ گلڈ کے سکریٹری کی حیثیت سے اکثر ضرورت پڑتی تھی۔ اس غرض سے یہ حالات ٹائپ کردا لیئے تھے۔ خیر اس وقت تو ان حالات سے میں نے کام چلالیا۔ مگر میرے دل میں یہ خواہش رہی کہ شاہد صاحب کا باقاعدہ انٹرویو لوں۔ ایک روز حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ اسپتال میں ہیں۔ جب اسپتال سے واپس آئے تو میں پھر حاضر خدمت ہوا۔ ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد میں چلا آیا۔ خیال کیا کہ کسی اور روز اگر تفصیلی طور سے ملوں گا تو انٹرویو لوں گا کہ ۲۸ مئی ۱۹۶۷ء بروز اتوار روز نامہ جنگ (کراچی) میں یہ جانکاہ خبر پڑھی کہ رات گیارہ بجے شاہد احمد دہلوی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ بس نام اللہ کا۔

قطعہ تاریخ وفات

مولوی شاہد احمد دہلوی مرحوم و مغفور مدیر ساقی

رئیس امروہوی

وصال شاہد احمد دہلوی ہے — ادب کا نثر کا انشا کا ماتم
مدیر ساقی بزم صحافت — ادیب و نکتہ پرداز مسلّم
عبارت نثر دہلی کا نمونہ — نذیر احمد کی تحروں کا عالم
وہ سب کچھ کہہ گیا ہے کہہ چکا ہے — رئیس اس کے علاوہ کیا کہیں ہم
جہاں تک سال غم کا ہے تعلق — غم شاہد ہے گویا شاہد غم

۱۳۸۷ ہجری

مشتاق احمد[1]

بیاد شاہد

مرحوم ادیبوں اور شاعروں کے جنازے میں شرکت تو میں ضرور کرتا ہوں۔ لیکن ان کی یاد میں منعقد ہونے والے جلسہ ہائے تعزیت میں شرکت پر خود کو کبھی آمادہ نہ کر سکا۔ یہ اس لئے کہ بار بار کے مشاہدے سے یہ خیال میرے دل میں یقین کی حد تک جاگزیں ہو چکا ہے کہ ایسے جلسوں کے داعیان بیشتر عموماً وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ادبی قامت اتنی بلند نہیں ہوتی کہ وہ ادبا و شعرا کے ہجوم میں نمایاں نظر آ سکیں اس لئے یہ لوگ اس قسم کے جلسے منعقد کرتے ہیں اور مرحوم کے ہم پلہ ادبا و شعرا کو دعوت تقریر دیکر اور ان کی میت میں خود اپنی زندگی کی پہلی اور آخری تقریر ارشاد فرما کر آپ کو میدان ادب کا پانچواں سوار ظاہر کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ لوگ مرحوم کی لاش پر کھڑے ہو کر اپنی قامت ادبی کو بلند ظاہر کرتے ہیں۔

ایک اور سبب ایسے جلسوں سے کترانے کا یہ بھی ہے کہ ان میں عموماً مرحوم ادیب یا شاعر کی مالی حالت کے سقیم ہونے کا چرچا کیا جاتا ہے۔ اور صاحبان خیر سے عموماً اور حکومت سے خصوصاً اپیل کی جاتی ہے۔ کہ مرحوم کے پسماندگان کی مدد کی جائے۔ میرے نزدیک یہ حرکت نہ صرف مرحوم کی روح کو تکلیف پہنچانے کے مترادف ہے بلکہ مرحوم کے پسماندگان کی عزت نفس پر ایک کاری وار کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کے حالیہ صدمے کے پیش نظر تو قابل دخل اندازی محکمۂ انسداد بے رحمی بھی شمار کی جا سکتی ہے۔

یہی نہیں بلکہ ہر ادیب اور شاعر کی وفات حسرت آیات پر اس کاسۂ گدائی کو گردش میں لے آنا زندہ ادیب اور شاعروں کی بھی سماجی وقعت کم کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے اگر ایک طرف ہمارا سماج بجا طور پر یہ تاثر لیتا ہے کہ جلد ہی ان زندہ ادبا اور شعرا کے انتقال پر بھی ایسا ہی کشکول حرکت میں آنے والا ہے۔ یعنی بالفاظ دیگر یہ کاسۂ گدائی ہر ادیب اور شاعر کا مقسوم ہے تو دوسری طرف اس کا نفسیاتی اثر خود ان زندہ ادیبوں اور شاعروں پر یہ پڑتا ہے کہ وہ اپنی باقیات الصالحات کی طرف سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور ان کے لاشعور میں یہی کشکول بس جاتا ہے جس کے طفیل ان کے پسماندگان کی خبر گیری ہو جائے گی۔ اس لئے وہ ان کے واسطے کچھ چھوڑ جانے کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ضرورت مندوں کی مدد نہ کی جائے۔ بلکہ میں تو اسے سوسائٹی کا ایک فرض سمجھتا ہوں اور اس میں ادیب و غیر ادیب شاعر و غیر شاعر کی تخصیص پر بھی آمادہ نہیں لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ جو کچھ کیا جائے وہ اس طرح ڈھنڈورا پیٹ کر ہی کیا جائے۔ کیوں نہ ہر شخص اپنا اپنا فرض خاموشی سے ادا کر دے اور پھر بھی کچھ کسر رہ جائے تو اسی طرح خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے حلقۂ اثر کے لوگوں کو بھی اس فرض کی ادائیگی پر آمادہ کرے۔ یہ کیوں ہو کہ ہر شخص محض تقریریں کر لینے اور مضامین لکھ دینے پر اکتفا کرے اور قربانی کی توقع دوسروں سے رکھے۔ یعنی دامے درمے قدمے سخنے مدد میں اپنا حصہ صرف سخنے یا زیادہ سے زیادہ قدمے تک محدود کرے اور چاہے کہ دامے درمے کا بوجھ دوسرے لوگوں اور حکومت کے کاندھے پر رہ جائے۔

اسی امداد اور مرحومین کی یادگاریں قائم کرنے کے چکر میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مرحوم کے پسماندگان کے ہمراہ داعیان الی الخیر کا بھی کافی بھلا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں جو عطر زر و مال ان کے ہاتھوں سے گزرتا ہے۔ وہ لازماً ان کے ہاتھوں بلکہ گھر تک کو معطر کر جاتا ہے۔

---

[1] مشتاق احمد مشہور ڈرامہ نگار شاعر مشہور دہلوی کا اصل نام ہے۔ شاہد صاحب سے مرحوم کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب انہوں نے شعر گوئی شروع نہیں کی تھی اسلئے انہوں نے اس مضمون کو اپنے اصلی نام سے شائع کرنا پسند کیا ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود میں نے شاہد احمد دہلوی (مرحوم) کی یاد میں منعقد ہونے والے ایک نہیں بلکہ دو دو جلسہ ہائے تعزیت میں شرکت کی۔ اس لئے کہ انتقال کی اطلاع بروقت نہ ملنے کے باعث جنازے کے ساتھ نہ جا سکا تھا اور اس لئے کہ شاہد صاحب کا جو نقشہ میرے ذہن میں ہے۔ اس کا موازنہ ان خاکوں سے کرنا چاہتا تھا جو ان کو قریب کے جاننے والے پیش کر رہے تھے چنانچہ میں نے تقریباً ۲½ گھنٹے تک تمام تقاریر نہایت صبر و سکون سے سنیں۔ وہ تقریریں بھی جو مرحوم سن سکتے تو شاید خوش ہوتے اور وہ بھی جنکی بھنک بھی اگر مرحوم کو ان کی زندگی میں مل جاتی تو وہ فی الفور انتقال کر جاتے۔ وہ تقریریں جو تعزیت کے جلسے سے زیادہ کسی تھیٹر کے اسٹیج کے لئے موزوں تھیں اور وہ بھی جو سچے مقرر کے ایمپیر ہونے کی آئینہ دار تھیں۔ وہ تقریریں جن میں وہ سب کچھ تھا جو ایک اچھی تقریر میں ہونا چاہیئے سوائے اس رنج اور افسوس کے جن کا وہ موقع متقاضی تھا۔ اور وہ بھی جو شدت رنج اور دفور الم کے باعث مکمل نہ ہو پائیں۔ وہ تقریریں بھی جن میں مرحوم کی توصیف اس درجہ اور اس طرح کی گئی تھی کہ وہ تحسین ناشناس کے زمرہ میں آ گئی تھیں اور وہ بھی جن میں فنکاروں اور سلز قلم کاروں نے ممتاز حسن صاحب کے علاوہ ! مرحوم کی فن موسیقی سے واقفیت ان کی علمی قابلیت اور قلم کاری کی صلاحیتوں کا اس طرح بر سر راہ ذکر کیا تھا کہ اس کو بجا طور پر سکوت سخن شناس سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

بہترین تقریر ممتاز حسن صاحب کی تھی جنہوں نے واضح الفاظ میں مرحوم کی زبان دانی کا اعتراف کیا اور اعلان فرمایا کہ اردو کا کون سا لفظ اور کون سا محاورہ دہلی میں کس طرح بولا جاتا تھا۔ اس پر شاہد احمد کا قول حرف آخر تھا۔ مالی اعانت کا سلسلہ میں بھی ممتاز صاحب نے مفید اور ممکن العمل تجاویز پیش کیں اور اپنے عملی تعاون کا یقین دلایا۔

دوسری انتہا پر ایک اور بزرگ کی تقریر تھی جن کو تعریف میں تنقیص بیان کرنے کا ملکہ ہے۔ جسے ہمارے ہاں کہتے ہیں بکری نے دودھ دیا مگر مینگنیوں بھرا۔ چنانچہ انہوں نے مرحوم کو مغرور بنا ڈالا اس طرح ثابت کیا کہ مرحوم کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ مغرور تھے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ وہ بہت ملنسار اور زندہ دل شخص تھے۔ وہ دوستوں میں لڑائی ڈال کر (دلوں ہی دلوں میں) وہ بہت لطف اندوز ہوتے تھے وغیرہ۔ ان بزرگ کو کسی نے ٹوکا نہیں کیونکہ وہ ایسی ہی توصیف بیان کرنے کے عادی ہیں۔ ادیب مرحوم کی تعزیت بھی انہوں نے اس طرح فرمائی تھی۔

"ادیب مرحوم بڑے اچھے شاعر تھے۔ بڑے اچھے ترنم سے پڑھتے تھے۔ بسا اوقات یہ امتیاز مشکل ہو جاتا تھا کہ ترنم اچھا ہے یا شعر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ادیب کی شاعری سے قطع نظر وہ بڑے اچھے، شریف اور مخلص انسان تھے ۔ ۔ ۔"

میں شاہد صاحب کا ہم عصر نہیں۔ میدان قلم میں بھی ان کا ہم رکاب نہیں اور دہلوی ہونے کے باوجود ان سے کافی دور تھا۔ اس لئے ان کی ذات و صفات پر زبان کھولنا یا قلم اٹھانا میرا کام نہیں۔ لیکن ایک دو موقع پر مرحوم سے براہ راست ایسا واسطہ پڑا جس کا تاثر ذہن پر تا حال تازہ ہے۔ ان واقعات سے مرحوم کی شخصیت کی عظمت کا سراغ ملتا ہے اس لئے بیان کرتا ہوں۔

۱۹۴۱ء میں ساقی کے کسی شمارے میں "باتیں" کے عنوان سے فراق گورکھپوری کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں آتش کا ایک فحش شعر بتا کے یہ کہا گیا تھا۔ کہ جو لوگ اسے فحش سمجھتے ہیں۔ ان کی تحلیل نفسی یہ ہے۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں ویسے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ شعر جس میں بے بری میں سرزد ہو جانے والے حرکات کے بے نتیجہ ہونے کا ذکر تھا۔ واقعی فحش ہے۔ اتنا کہ آج ترقی پسندی کے ۲۵ سال گزر جانے کے بعد بھی میں اس شعر کو لکھنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا۔ چنانچہ میں نے جواب آں غزل کے طور پر ایک مضمون شاہد صاحب کو بھیج دیا جو کچھ بیش

ان الفاظ کے ساتھ واپس آگیا کہ فحاشی کے سلسلہ میں ان کا پیمانہ میرے پیمانے سے مختلف ہے اور وہ شعر مذکور کو فحش نہیں سمجھتے میں نے
ل کردہ شعر ایک پوسٹ کارڈ پر لکھا اور ان کے گھر کے پتے پہ بھیج دیا اس درخواست کے ساتھ کہ وہ اس شعر کا مطلب اپنی صاحبزادی
سمجھا دیں اسکے ساتھ ہی اکبر کا یہ شعر بھی لکھ ڈالا۔

اپنی دھن میں آبرو کی کچھ نہیں پروا انہیں
نذر مجبوری ترقی ہو یہ موتی تو سہی

لیکن میری یہ حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی جب میں نے ۱۹۶۲ء میں انہیں شاہد صاحب کو اردو کالج میں منعقدہ ایک مذاکرے میں
ڈاکٹر احسن فاروقی صاحب کو یہ جواب دیتے سنا۔

" آپ اپنی صاحبزادی کو " لیڈی چیٹر لیز لور " پڑھنے کے لئے دے سکتے ہیں تو دیں۔ میں تو اپنی بیٹی کو " عصمت " کی چوتھی بھی نہیں
دے سکتا۔ "

یہ وہی شاہد صاحب تھے جو منٹو، عصمت اور کرشن چندر وغیرہ کو دنیائے ادب میں لائے جن کی تصانیف شائع کیں۔ اور جن پر
فحاشی کے سلسلے میں حکومت کی طرف سے مقدمات قائم ہوئے تو انہوں نے عدالت ہائے عالیہ تک مقدمات لڑے اور ثابت کیا کہ یہ سب فحاشی نہیں
ہے۔ اگر یہی بات انہوں نے اب سے ۲۵ برس قبل کہی ہوتی تو وہ ہر کہہ و مہ سے آفرین سنتے۔ لیکن ۱۹۶۲ء میں جبکہ مذکورہ مصنفین کی تخلیقات
اس درجہ عام تھیں کہ پامال اور فرسودہ شمار ہوتی تھیں۔ شاہد صاحب کا یہ اعلان کردار کی وہ "عظمت" ظاہر کرتا ہے۔ جو زماں و مکاں کی قید سے
آزاد ہو کر جس بات کو صحیح سمجھتی ہے کہہ گزرتی ہے۔ پھر حقائق کو دیکھ کر اپنے نظریات میں یہ بعد المشرقین والی تبدیلی پیدا کر لینا اور اپنی ناک کا
خیال کئے بغیر بھی اس کا اعتراف کر لینا عظمت کی ایک ایسی نشانی ہے جو شعر و ادب تو خیر دوسرے شعبہ ہائے حیات میں بھی کم نظر
آتی ہے۔

اسی سال شاہد صاحب سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے میرے طنزیہ مزاحیہ مجموعے "پھلجھڑی" کی تعریف فرمائی پھر گفتگو شخصیت
نگاری کی ہونے لگی۔ میں نے عرض کیا کہ بڑے لوگوں کے عیب بیان کرنے والا نفسیاتی اعتبار سے خود اپنے عیوب پر اپنے دل کو مطمئن کرتا
ہے کہ جب اتنی بڑی شخصیتوں میں اتنے عیوب تھے تو ہم میں بھی اگر کچھ عیوب ہیں تو بے جا نہیں۔
حقیقت یوں بھی تلخ ہوتی ہے۔ اور اس پر وہ جس کی زد میں انسان خود آ رہا ہو۔ وہ تو جیسے دو آتشہ ہو۔ نتیجہ ظاہر ہے شاہد صاحب
کو جلال آگیا۔ ادھر سے بھی جواب ایسا ہی سخت ملا۔ چنانچہ وہ روٹھے اور ہم چھوٹے۔ لیکن رات کو جب میں نے حسب عادت دل کا جائزہ لیا
تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ زیادتی میری ہے چنانچہ میں نے معافی نامہ لکھا۔ جس کا جواب فی الفور آیا کہ غصہ میں سردی گرمی ہو ہی جاتی ہے۔ ممکن ہے میں
نے بھی کچھ زیادہ ہی کہہ سن دیا ہو اس لئے معاملہ رفت گذشت۔

شاہد صاحب کی عظمت کی یہ دوسری مثال تھی۔ ورنہ فنکاروں کے دل اتنی آسانی سے کہاں صاف ہوتے ہیں۔

اس کے بعد شاہد صاحب سے متعدد ملاقاتیں ہوئیں لیکن وہ سب " محفل غیر میں گاہے سر راہے گاہے " قسم کی تھیں۔ میں ان کی نثر نگاری

کا عاشق تھا۔ اور وہ بھی جواباً مشفقت سے نوازتے تھے۔ اس لئے میری طرف سے گرم جوش سلام اور ان کی طرف سے دعا کا سلسلہ چلتا رہا۔ ایک آدھ بار ان کے گھر بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ اور وہاں جا کر احساس ہوا کہ شاہد صاحب اپنی خودداری کو کس طرح یوں نباہ لیتے ہیں کہ ہر شخص تعریف کرنے پر مجبور ہے۔ اور ان کا کئی عزیز دوستوں اور رشتہ داروں نے تو ان کی مالی حالت کے سقیم ہونے پر اظہار تعجب بھی کیا کیونکہ شاہد صاحب نے دست سوال دراز کرنا تو کیا ان کے سامنے یہ ذکر کبھی چھیڑا ہی نہیں تھا۔

شاہد صاحب اس حقیقت سے واقف تھے کہ کم آمدنی میں گزر بسر مشکل نہیں ہے بشرطیکہ انسان اپنے معیار زندگی کو زبردستی بلند کر کے اس قلیل آمدنی کو چھپانے کی کوشش نہ کرے چنانچہ انہوں نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی کہ لوگ ان کے لباس ان کی پرانی عینک عمر رسیدہ ٹوپی اور ان کے گھر کو جدید فرنیچر سے بے نیاز دیکھ کر ان کی قلیل آمدنی سے واقف ہو جائیں گے۔ انہوں نے اپنی بنیادی ضرورتیں کم سے کم کریں۔ تاکہ کسی کا دست نگر نہ ہونا پڑے۔ اور اس کی قیمت میں حق گوئی کو ترک کرنا پڑ جائے۔ اور اپنی خودداری کو مجروح ہوتا دیکھ کر خاموشی اختیار کرنی نہ پڑ جائے۔

ہے لازم احتیاج انسان اپنی کم سے کم کرلے
کہ یہ ظالم سکھا دیتی ہے شیروں کو بھی مکاری
حیات شاہد احمد دہلوی خود اس پہ شاہد ہے
کہ حاجت کم جہاں ہوتی ہے بڑھ جاتی ہے خودداری

جب ان پر دل کا دورہ پڑا تو میں نے بھی ہسپتال میں حاضری دی لیکن ملاقات منع تھی۔ پھر کچھ عرصہ بعد ریڈیو اسٹیشن میں ملاقات ہوئی۔ تو میں نے اظہار نیازمندی کے بعد عرض کیا کہ موت تو خیر وقت مقررہ پر ہی آئے گی لیکن آپ اگر اس مہلت کو غنیمت جانیں اور جسم و جاں کو آرام دیں تو اس وقت تک کی زندگی آرام سے گزر جائیگی۔ فرمایا "دام کہاں رکھا ہے اب، دو ماہ بیمار رہا تو اس کی تنخواہ کٹ گئی اب اور آرام کروں تو کھاؤں کیا۔ اور میں سوچنے لگا کہ مجھ سمیت سیکڑوں قدردان جس فنکار کے ہوں وہ بھی یہ سوچنے پر مجبور ہے۔" ہم اگر آرام فرمائیں تو پھر کھائیں گے کیا۔"

لیکن اسکا کیا علاج کہ ہم سب مردہ پرست ہیں۔ زندوں کی قدردانی ہمارا شعار نہیں۔ یہ نہیں کہ ہم کھوٹے کھرے میں تمیز نہیں کر سکتے۔ بات صرف اتنی ہے کہ زندہ افراد کی عظمت تسلیم کرنے میں ہمارا جذبہ انا آڑے آجاتا ہے۔ اس لئے ہم اس اعتراف کو اس وقت تک اٹھا رکھتے ہیں جب تک کہ ہمارا ممدوح اللہ کو پیارا نہ ہو جائے۔

اپنی ناقدری پہ آزردہ مجھے وہ دیکھ کر
ہنس کے فرمانے لگے مضطرؔ نہ یوں گھبرائیے
قدردانی کی پیاس تو شرط صرف ایک موت ہے
آپ کی بھی قدر ہوگی پہلے مر تو جائیے۔

نصل شاد

مدتوں روئے گی شاہد کو زبانِ اردو

شاہد بھائی! سنا ہے کہ آپ کا ہارٹ فیل ہوگیا۔ پاکستان میں آنے کے بعد جن حالات سے آپ گزرے ہیں یہ آپ
کا ہارٹ تھا۔ جو بیس برس تک فیل نہیں ہوا۔

شاہد بھائی آپ نے بھی کونسا دھندا اختیار کیا ہے۔ اس دھندے میں جب خلوص اور دیانت سے کام لیا جاتا
ہے تو ہارٹ ضرور فیل ہو جاتا ہے۔ اس دور میں ادب کا کاروبار آپ جیسے لوگوں کے لئے موزوں نہیں ہے میں نے
آپ سے کئی سال پہلے آپ سے یہ کہا تھا کہ ساقی کا دفتر منہدم کر کے یہاں ایک پٹرول پمپ لگوا لیجئے۔ سارے دلدر
دور ہو جائیں گے

لیکن آپ تو اس زمانے میں خلوص اور دیانت کی باتیں کرتے تھے۔
مجھے آپ کے مرنے کے بعد آپ کی ان باتوں پر ہنسی آتی ہے۔

آپ کے سائے میں ترقی پسند ادب پروان چڑھا۔
آپ کا رسالہ ساقی جواب تول سے بکتا ہے۔ آج سے تیس سال پہلے یہ اردو کے عہد جدید کا علمبردار تھا۔
آپ اس انقلاب آفریں دور کے نقیب بھی تھے اور خالق بھی اور امام بھی۔
عظیم بیگ چغتائی، کرشن چندر، اوپندر ناتھ اشک، حسن عسکری، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، سعادت
اور قرۃ العین حیدر سے کون واقف تھا۔
اگر ساقی نہ ہوتا اور آپ ان قلم کاروں کی حوصلہ افزائی نہ کرتے تو ان کی صلاحیتیں کیونکر بروئے کار آتیں۔
یہ تو خود بھی اپنی صلاحیتوں سے واقف نہ تھے۔ اردو ادب کے آسمان پر آپ نے اپنے پیچھے کیسے کیسے تابندہ
ستارے چھوڑے ہیں۔
یہ جو آج ہم اردو افسانوں اور ناولوں میں ایک نئی زندگی اور ایک جرأت محسوس کر رہے ہیں تو اس کا سہرا آپ کے سر ہے

اور جب آج میں نے آپ کے جنازے کو کاندھا دیا تو مجھے یہ محسوس ہوا جیسے میں اپنی قوم کے پچاس سالہ تہذیبی سرمائے کو کاندھا دے رہا ہوں۔

میں قبرستان نہیں گیا۔ آپ کے مرنے کے بعد آپ پر دو مٹھی خاک ڈالنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے۔ آپ جس دن پاکستان آئے تھے۔ ہم نے یعنی ہماری قوم نے تو اسی دن آپ پر خاک ڈال دی تھی۔ آپ کی موت ۶۷ء میں نہیں ہوئی اگست ۴۷ء ہی میں ہوگئی تھی۔

دلی میں ادب اور موسیقی آپ کا مشغلہ تھا۔ لیکن یہاں آکر اسی مشغلے کو روزی کمانے کا ذریعہ بنانا پڑا۔ ریڈیو میں بخاری تھے۔ جو افسر کم اور انسان زیادہ تھے۔ جو ادیب بھی تھے اور فقیر و درویش بھی۔ اور ان کے عہد میں ریڈیو پاکستان ادیبوں کا تکیہ تھا۔

وہ آپ کو قدر و منزلت کے ساتھ یہاں لائے اور آپ قلم اور آواز کی کمائی سے بال بچوں کا پیٹ پالنے لگے۔ قلم سے پیٹ نہ بھرتا تو گا کر کماتے اور پیٹ بھرتے۔

اور پھر صدر ایوب نے آپ کی خدمات کے صلے میں آپ کو صدارتی انعام دیا۔

صدر ایوب اچھا کام کرنے والوں کی قدر کرتے ہیں۔ اور جب آپ کو صدارتی انعام مل چکا تو ہم یہ سمجھے کہ آپ فکرِ معاش سے فارغ ہوگئے۔

حالانکہ اس فکرِ معاش ہی نے آپ کو غمِ روزگار سے آشنا کیا۔ اور یہ آپ کے ہارٹ فیل کا باعث ہوا۔

۳۰ جون کو ریڈیو پاکستان سے آپ کا کنٹریکٹ ختم ہونے والا تھا۔ اور آپ کو اس کی بہت فکر تھی۔ آپ نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ آپ کو ساٹھ سالہ قرار دے کر یہ کنٹریکٹ ختم کر دیا جائے گا۔

شاہد بھائی! آپ نے تیس جون کا بھی انتظار نہ کیا۔

جہاں اتنے دکھ سہے تھے وہاں یہ دکھ اور سہ لیتے۔

ہم جو آپ کی زندگی میں آپ کے راستے میں سے کانٹے بھی نہ ہٹا سکے۔ اب آپ کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھائیں، آپ کی خدمات کے اعتراف میں ڈنر دیں گے۔ آپ پر مقالے پڑھیں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ ہم آپ کے کتنے قریب تھے۔ اور ہمارے دل میں آپ کے مرنے کے بعد آپ کا کتنا احترام ہے۔

بے چارے جمیل جالبی جو آپ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور جنہوں نے آپ کی زندگی میں دوست

کا حق ادا کیا ہے دل پکڑے بیٹھے ہیں۔
آپ کے پیمانے ساتھی فضل حق قریشی۔ تابش دہلوی۔ ممتاز۔ صادق الخیری اور آپ کے احباب اور عزیز نظامیں
ذاکر یا ور عباس۔ شمس زبیری۔ اسلم فرخی اور سلیم احمد سوگوار بیٹھے ہیں۔
ارجمند بھی یہاں نہیں ہے۔ جب وہ یہ جانکاہ خبر سنے گی تو اس کا کیا حال ہوگا۔ مسعود اور محمود لندن میں ہیں۔
ہائے بے چارے۔

ہاں تو شاہد بھائی! آپ نے پٹرول پمپ نہیں کھولا۔ کاش آپ کسی محکمہ میں سیکشن آفیسر ہی ہو جاتے۔ اگر آپ
کے قلم پر سرکاری ملازمت کا ٹھپہ لگ جاتا تو آج یوں حیران و سرگرداں نہ ہوتے۔
اور فکرِ معاش آپ کی موت کا باعث نہ ہوتی۔ شاہد بھائی! — اب لکھنے کو کیا رہ گیا ہے جو لکھوں۔ یوسف
بخاری نے ایک شعر کہا ہے۔

رہ گیا تھا وہی ایک مرثیہ خوانِ دہلی
مدتوں روئے گی شاہد کو زبانِ دہلی۔

یہ یوسف بخاری کا اپنا خیال ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ۔

مدتوں روئے گی شاہد کو زبانِ اردو۔ ؎

(شکریہ "حریت")

شاہد!

آہ، بزمِ ادب کی ویرانی
آہ یہ قحطِ زمزمہ خوانی
مرگِ شاہد خود اس کی شاہد ہے
کوئی شاہد کا اب نہیں ثانی

صہبا اختر

سید یوسف بخاری دہلوی

داغِ فراق

ایسا کون آئے گا اب زمزمہ خوانِ دہلی — مدتوں روئے گی شاہد کو زبانِ دہلی

باپ دادا ترے بے مثل، بشیر اور نذیر — جن کی تحریر میں زندہ تھی زبانِ دہلی

(۱) بیخود و سائل و نادان ہمہ دان آغا — تھے ترے دور کے یہ نامورانِ دہلی

وہ تو اللہ کو پیارے ہوئے اور ان کے بعد — تیرے ہی دم سے تھی سب شوکت و شانِ دہلی

اردو بازار (۲) ہی وہ میکدۂ ساقی (۳) تھا — جمع ہوتے تھے جہاں آ کے مغانِ دہلی

ہائے وہ "دلی کی بپتا" کا بیانِ دل سوز — درد میں ڈوبی ہوئی اُف وہ فغانِ دہلی

"دلی اک شہر تھا" "گنجینۂ گوہر" یکسر — انہی شہ پاروں میں پنہاں ہے نشانِ دہلی

جس کے چٹخارے لیا کرتی تھی یاروں کی زبان — مل گیا خاک میں وہ لطفِ بیانِ دہلی

اک قیامت تھا ترا نعرۂ کر جس کو سن کر — وجد کرتے تھے پری چہرہ بتانِ دہلی

تجھ پہ ہو سایہ فگن نعرۂ تکبیر مدام — تو سنے قبر میں بھی کاش اذانِ دہلی

دیکھے کن آنکھوں سے یوسف وہ ترا (۶) اجڑا دیار — جو حقیقت میں ہے اب مرثیہ خوانِ دہلی

ہے سرِ آہ سے رحلت کا یہ سن داغِ فراق ۱۳۸۹ھ

منبعِ رنج و الم تھا جو بیانِ دہلی

(۱) جناب وحید الدین صاحب بیخود دہلوی - جناب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی - جناب مولوی احتشام الدین نادان دہلوی جناب آغا شاعر قزلباش دہلوی (۲) اردو بازار دہلی (۳) رسالہ ساقی دہلی (۵) شخصی خاکے (۶) انجام، کراچی کے مطبوعہ مضامین

محمد معین الدین دردائی

عبدالرحیم خانخاناں

اور ان کے کتب خانے کے عروج و زوال کی ایک جھلک

عبدالرحیم خانخاناں رحیم جہاں فارسی، عربی، ترکی، سنسکرت اور ہندی زبان کے بہت بڑے عالم اور نازک خیال شاعر تھے وہاں علماء، شعراء اور ادیبوں کے دل سے قدردان اور سرپرست بھی تھے۔ وہ صاحب قلم اور صاحب سیف ہونے کے ساتھ ساتھ رحمدلی اور فیاضی کے پیکر تھے۔ شہنشاہ اکبر کے نورتنوں میں ان کا بہت ممتاز مقام تھا۔ وہ اچھے سپہ سالار، اچھے مدبر اور قابل اعتماد انسان تھے شہنشاہ اکبر کے وزیراعظم کی حیثیت سے جہاں ان کا کارنامہ یادگار ہے وہاں فتوحات ملکی کے اندر بھی ان کا نام معدودے چند جنرلوں کے اندر لیا جاتا ہے۔

شہنشاہ اکبر کو ان پر اس درجہ بھروسہ تھا کہ اس نے اپنے فرزند اور ولی عہد سلطنت شاہزادہ سلیم کی تعلیم اور اتالیقی کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد کر دی تھی۔ اپنی لیاقت، صلاحیت، علمیت کے بل پر وہ وزیراعظم اور سپہ سالار اعلیٰ کے عہدے تک پہنچے۔ انہوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے۔ سیاست کی گتھیاں سلجھائیں بہت سے ممالک فتح کئے اور ہزاروں سرکش اور باغی سرداروں کے سر کو شہنشاہ کے قدموں پر جھکا دیا۔

سرتاج الشعراء عبدالرحیم خانخاناں عظیم فانی شاعر صاحب اسلوب ادیب اور متبحر عالم تھے وہ میدان جنگ میں جہاں فولاد کی دیوار ثابت ہوتے تھے وہاں علماء اور شعراء کی مجلس میں ابریشم سے بھی زیادہ نرم اور سورج کی کرن سے بھی زیادہ فیاض تھے۔ یہ رحیم ہی تھے جنہوں نے ایک ہندی شاعر گنگ کی ایک نظم پر چھتیس لاکھ روپیہ بخش دیا تھا۔ ان سب خوبیوں، فیاضیوں اور علم دوستی کے ساتھ ساتھ ان کو کتابوں اور فن مصوری سے بھی بڑا عشق تھا۔ وہ اچھی نادر کتابوں اور مصوری کے بہترین نمونوں کے دلدادہ تھے وہ خود اچھے مصور تھے اور فن مصوری کے نادر نمونوں کے لئے بڑی سے بڑی رقم خرچ کرنے کے لئے آمادہ رہتے تھے۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں جتنے درباری شعراء کا ذکر کیا ہے ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو پہلے عبدالرحیم خانخاناں کے زیر سرپرستی رہ کر ان کے کتب خانہ اور ذاتی علم و فن سے فیضیاب ہو چکے تھے۔

عرفی اور نظیری نے جو اپنے وقت کے بہت نامی شعراء تھے۔ شہنشاہ اکبر، جہانگیر، اور شاہزادہ مراد کی شان میں شاندار قصائد لکھے ہیں لیکن ان سے بھی بڑھ کر اور یادگار، قصائد خانخاناں رحیم کی شان میں چھوڑ گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے

کہ شعراء اور علماء کے دل میں ان کا کتنا احترام اور بلند مقام تھا۔

خانخاناں رحیم کی بزم بڑے بڑے شعراء نامی علما اور ادبا سے ہمیشہ جگمگاتی رہتی تھی دور دور سے لوگ ان کے علم کی شہرت اور ان کے کتب خانہ کی عظمت کا حال سن کر آتے تھے۔ اور بہت مرعوب ہو جاتے تھے۔ کچھ ان سے اور ان کے کتب خانہ سے مستفید ہو کر چلے جاتے اور بہت زیادہ اس علم و فضل کے مقناطیس سے چپک جاتے تھے۔

خانخاناں رحیم کے یہاں ہندو مسلمان کی کوئی قید نہ تھی کوئی امتیاز نہ تھا وہ علم کے جوہری تھے۔ علم کا موتی جہاں بھی ملتا اس کو گلے سے لگا لیتے اور ہر صاحبِ کمال کی طرف محبت اور قدردانی کا ہاتھ بڑھا دیتے۔ گوسوامی تلسی داس سے ان کے اچھے تعلقات تھے کہا جاتا ہے کہ ایک بار کہ ایک برہمن کو جو اپنی لڑکی کی شادی کے لئے روپیہ کا ضرورت مند تھا۔ تلسی داس جی نے ایک دوہا کا مندرجہ ذیل مصرعہ لکھ کر خانخاناں کے پاس بھیج دیا تھا۔

سُورتیا نرتیا سب چاہت پرس ہوے

خانخاناں رحیم نے اس مصرعہ کو پڑھ کر اس برہمن کو اس کے حوصلے سے زیادہ روپے دیکر واپس کیا اور اس کے معرفت اس مصرعہ پر دوسرا مصرعہ لگا کر اس دوہے کو اس طرح پورا کر کے تلسی داس جی کے پاس بھیج دیا۔

گود لئے ہُلسی پھرے تُلسی سوست ہوے

مغل دورِ حکومت میں خانخاناں رحیم کا کتب خانہ بھارت کے تمام کتب خانوں میں سب سے زیادہ اہم قیمتی اور مشہور سمجھا جاتا تھا۔ یہ کتب خانہ صوبہ گجرات کے شہر حیدر آباد میں قائم ہوا تھا جس میں خانخاناں نے بے شمار دولت اور انتھک کوشش کے بعد قیمتی سے قیمتی کتابوں اور مصوری کے نادر نمونوں کا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ بہت سی اہم علمی کتابیں اس میں ایسی بھی تھیں جو انہوں نے اس زمانے کے بڑے بڑے علماء، ادباء اور شعراء سے خود لکھوائی تھیں۔ قرآن مجید کے کئی نادر و انمول نسخے اس میں اکٹھا کئے گئے تھے جن میں سے بعض فن خطاطی اور خوش نویسی کے اعلیٰ نمونے پیش کرتے تھے بعض پر اعلیٰ درجہ کی مطلا اور مذہب نقاشی بھی کرائی گئی تھی

قرآن مجید کے علاوہ مختلف مذاہب کی مقدس کتابیں اس میں بالالتزام جمع کی گئی تھیں۔ فلسفہ، سائنس، طب، شعر و ادب و تاریخ کی بہت سی اہم کتابیں اس میں موجود تھیں۔ پرانی کتابوں کے ذخیرے کے علاوہ اس دور کے علماء، ادباء، اور شعراء کی تصانیف بھی اکٹھا کی گئی تھیں۔ ان میں بعض ایسی تصانیف بھی تھیں جو خانخاناں رحیم نے خود اپنی زیرِ ہدایت مصنفین سے لکھوائی تھیں اس کے زمانے کے اکثر و بیشتر مشہور علمی اور سیاسی شخصیتوں کی سوانح حیات بھی اس میں جمع کی گئی تھیں اور جن بڑی شخصیتوں کے حالات زندگی اس وقت تک نہ لکھے گئے تھے انہیں زر کثیر صرف کر کے خانخاناں نے لائق مصنفین سے خود لکھوائے تھے۔ ان کی بزم کے قریباً جتنے شعراء تھے ان سبھوں کے دواوین اس کتب خانے میں موجود تھے اور اس پر بڑی بڑی رقمیں صرف کی گئی تھیں۔ کتابوں کی ظاہری رعنائی، ریشمی مخملی اور چمڑے کی جلدوں نے کتابوں کے ظاہری حسن میں بھی چار چاند لگا دیے تھے۔ کئی ایک نامی گرامی مشہور علماء اس کتب خانہ کی دیکھ بھال کیلئے متعین تھے۔ جنکو بڑی بڑی تنخواہیں دیجاتی تھیں۔ اس کتب خانہ میں مستقل ایک شعبہ تھا جس میں نادر کتابوں کی نقل بھی

اہتمام اور احتیاط سے کرائی جاتی تھی۔ اور اس کی تصحیح اور نظرثانی کیلئے بڑے بڑے علماء متعین تھے اس شعبے کی نگرانی خود خانخاناں رحیم کرتے تھے۔

اس کتب خانہ کے تحت کوئی سمینار اور مشاعرے کا بھی خاص انتظام تھا اور اس کے لئے کمیٹی مقرر تھی اس دور کے کوی، اور شعراء میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو خانخاناں رحیم کی بزم مشاعرہ میں نہ شریک ہوا ہو۔

خانخاناں رحیم نے اپنے کتب خانے کے لئے نادر اور انمول کتابوں کے حصول کے لئے بہت سے ملازمین مقرر کر رکھے تھے جو اچھی اچھی کتابوں کا پتہ لگاتے اور انہیں منہ مانگی قیمت پر کتب خانے کے لئے خرید لیتے تھے۔ اس کام میں بہت زیادہ صرفہ تھا۔ ایک بار مولانا جامی کی یوسف زلیخا کی ایک جلد کو خانخاناں نے ایک ہزار اشرفی میں خریدا تھا۔ اس نسخہ کی خاص اہمیت یہ تھی کہ میر علی نامی مشہور شاعر نے جامی کے اصلی مسودے سے اس کو نقل کیا تھا کچھ دنوں کے بعد خانخاناں نے اس نسخہ کو شہنشاہ جہانگیر کی خدمت میں بطور نذر پیش کر دیا تھا۔

خانخاناں رحیم کو مصوری میں کافی درک حاصل تھا اور وہ اپنے وقت کے ایک اچھے مصور شمار کئے جاتے تھے۔ علماء اور شعراء کی طرح وہ مصوروں کی بھی بہت قدر کرتے تھے۔ اور فیاضی کے ساتھ ان کی سرپرستی کرتے تھے۔ مورخین کا تو یہاں تک خیال ہے کہ مغلوں کے دور حکومت میں فن مصوری کی جو کچھ ترقی ہوئی اس کا سبب زیادہ تر خانخاناں رحیم کی فیاضیاں تھیں۔ کتابوں کی نقل کرانے میں جگہ جگہ مضمون کے لحاظ سے نقاشی اور مصوری ان کو بہت پسند تھی اور اس کے وہ بہت زیادہ دلدادہ تھے۔ مغل دور کے مشہور اور قابل عزت مصور سد صوبی اور ملا محمد حسین کاشمیری۔ خانخاناں ہی کے دامن دولت سے وابستہ تھے۔ اور کتب خانے کو نادر تصویروں سے آراستہ کئے رہتے تھے۔ علیحدہ علیحدہ نادر تصویروں کے علاوہ منقش اور مصور کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ اس کتب خانے میں موجود تھا۔

ملا عبدالباقی کی مشہور تصنیف ماثر رحیمی[1] سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً پینسٹھ[۶۵] علماء، ادباء، شعراء اور مصور خانخاناں رحیم

---

[1] یہ ملا عبدالباقی نہاوندی کی مشہور تصنیف خانخاناں رحیم کی سوانح حیات سے متعلق ہے۔ یہ کتاب اب بہت کمیاب ہے۔ اس کے صرف دو مکمل اور ایک نامکمل نسخے دنیا میں موجود ہیں۔ ایک مکمل نسخہ تو اس کا کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اور دوسرا مکمل نسخہ جو بہت زیادہ اہم اور قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اس نسخہ کی بڑی اہمیت ایک یہ ہے کہ اس پر خود مصنف ملا عبدالباقی کے لکھے ہوئے حاشیے بھی موجود ہیں۔ یہ حاشیہ ۱۰۲۳ء میں لکھا گیا تھا۔ اس نسخہ کو مصنف نے اپنے پیارے دوست قاضی عبدالعزیز کے پاس تحفتہً بھیجا تھا۔ قاضی عبدالعزیز اس وقت ہمدان کے وزیر اعظم تھے، اس نسخہ میں مصنف کا ایک خط بھی موجود ہے۔ شہنشاہ شاہ جہاں کے زمانے میں یہ نسخہ ہمدان سے دہلی آیا اور شاہی کتب خانہ کی زینت بنا۔ اس پر شاہجہاں اور اورنگ زیب دونوں بادشاہوں کی شاہی مہریں اور دستخط موجود ہیں۔ دہلی سے یہ نسخہ پھر حیدرآباد چلا گیا اور کتب خانہ آصفیہ کی زینت بنا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے مستقل عہدہ پر ملازم تھے جن میں سے ہر ایک کو کتب خانے سے متعلق کچھ نہ کچھ کام ضرور سپرد تھا۔ ان میں سے کچھ کے نام مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر درج ذیل ہیں۔

(۱) میر تقی ان کو باضابطہ کتب خانہ کی درستگی اور آراستگی لائبریرین شپ سے متعلق تعلیم دی گئی تھی۔ اور اس کے بعد ان کو اس کتب خانہ کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا۔

(۲) شیخ عبدالسلام اس کتب خانہ کے منتظم اور سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر متعین تھے ان کی تعلیم و تربیت خانخاناں رحیم نے خود اپنے زیر نگرانی کرائی تھی۔ اس کتب خانہ میں رہ کر مستقل کتب بینی کرنے سے ان کی طلبیت اور ان کا علم و فضل بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ اور ان کا شمار علماء کے اعلیٰ طبقہ میں کیا جاتا تھا۔

(۳) شجاع شیرازی۔ یہ شروع میں کتب خانہ کے کاتب تھے لیکن بعد میں ترقی کر کے کتب خانہ کے سکریٹری کے عہدے تک پہنچ گئے تھے۔

(۴) محمد حسین کاشمیری۔ یہ اپنی بے مثل فن خطاطی کے لئے چاردانگ عالم میں مشہور تھے۔ اور اس فن میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ انہیں "زریں قلم" کا خطاب خانخاناں نے بخشا تھا۔

(۵) ملا عبدالرحیم عنبریں قلم۔ یہ بھی فن خطاطی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اور اپنے وقت کے سب سے نامی گرامی خوش نویس مانے جاتے تھے۔ کتب خانہ کی بہت زیادہ کتابیں انہیں کی فن خطاطی کی مرہون منت تھیں۔

(۶) ملا محمد امین خراسانی۔ یہ اپنے وقت کے بہت ہی مشہور جلد ساز تھے۔ خانخاناں نے چار سو روپیہ ماہانہ مشاہرہ پر اپنے کتب خانہ کی کتابوں کی جلد سازی کے لئے ان کو مقرر کیا تھا۔

(۷) محمد امین یہ ملا محمد حسین کے بھائی تھے اور جلد سازی اور رنگ سازی کے فن میں ماہر سمجھے جاتے تھے۔ وہ بھی عرصہ دراز تک خانخاناں کے کتب خانہ سے وابستہ رہے۔

(۸) مولانا مشفق۔ یہ اپنے وقت کے نامی گرامی مصور اور نقاش سمجھے جاتے تھے۔

(۹) مد صوجی۔ یہ اپنے وقت کے سب سے بڑے مصور اور مشہور آرٹسٹ تھے۔

خانخاناں رحیم کے کتب خانہ کی کتابوں کو مصور اور منقش کرنے میں ان کا ہی ہاتھ تھا۔

(پچھلے صفحے کا حاشیہ) نے اس نسخہ کو دیکھا تھا اور ایک جگہ اس کا ذکر کیا ہے۔ حیدرآباد سے انگریزوں نے اس نسخہ کو رائل بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں داخل کر دیا جہاں وہ اب تک محفوظ ہے۔

ان دونوں نسخوں کے علاوہ ایک نامکمل نسخہ پٹنہ خدابخش خان کی لائبریری میں موجود ہے۔ جس کا اول نصف حصہ غائب ہے۔

(۱۰) میاں فہیم۔ یہ خانخاناں رحیم کے خاص تربیت یافتہ تھے اور کتب خانہ سے وابستہ تھے۔

(۱۱) محمد ندیم۔ یہ رنگ سازی میں بہت مشہور تھے۔

(۱۲) مولانا شکیبی۔ یہ بہت اچھے شاعر تھے اور اسی کتب خانہ سے وابستہ تھے۔ اور رفتہ رفتہ کتب خانہ کے ممتاز عہدے پر مقرر ہو گئے تھے۔ خانخاناں رحیم کو ٹھٹھہ کے معرکہ میں جو فتح ہوئی تھی۔ اس موقع پر ایک بے مثل مثنوی لکھ کر انہوں نے اپنے ولی نعمت کی خدمت میں پیش کی تھی۔ جس پر خانخاناں نے ان کو دو ہزار اشرفیاں انعام دیا تھا۔

(۱۳) خواجہ حسین ثنائی خراسانی۔ انہوں نے اپنا دیوان کتب خانہ کی نذر کیا تھا۔ عبدالرحیم خانخاناں کی تعریف میں انہوں نے کئی قصیدے بھی لکھے تھے۔ جس کو خوش نویس عبدالرحیم نے بہت سلیقے سے لکھ کر کتب خانہ کی کتابوں میں شامل کیا تھا۔

(۱۴) محتشم کاشی۔ انہوں نے اپنی مثنوی کتب خانہ کو دی تھی جسے معزالدین کاشی نے فن خطاطی کا کمال ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا۔ اس نسخہ کی کتابت پر خانخاناں رحیم نے خاص توجہ کی تھی اور کہا جاتا ہے کہ اس کی تیاری میں خانخاناں رحیم نے ایک لاکھ روپیہ خرچ کیا تھا۔

(۱۵) تقی ہمدانی۔ یہ اپنے وقت کے بڑے عالم تھے اور کتب خانہ سے منسلک تھے۔

(۱۶) غنی ہمدانی۔ ان کا شمار اس وقت کے جید علماء میں تھا۔ خانخاناں رحیم کی ان پر خاص نظر عنایت تھی یہ بھی کتب خانہ سے وابستہ تھے

(۱۷) محمد شریف نیشاپوری۔ یہ خراسان کے بہت نامی گرامی عالم اور شاعر تھے۔ خانخاناں کے کتب خانہ کی شہرت سن کر اسے دیکھنے کے لئے انہوں نے خاص کر خراسان سے ہندوستان کا سفر کیا تھا اور اس کتب خانہ کی عظمت اور افادیت سے ایسے مسحور ہوئے کہ عرصہ تک یہیں رہ کر اس سے مستفید ہوتے رہے اور رفتہ رفتہ خانخاناں رحیم کی فیاضی اور علم دوستی سے ایسا متاثر ہوئے کہ یہیں کے ہو رہے اور خانخاناں کے دامنِ دولت سے وابستہ رہ کر اپنے علمی مشغلوں میں مشغول رہے۔ انہوں نے وقتاً فوقتاً خانخاناں کی شان میں قصائد بھی لکھ کر پیش کئے تھے جو اس کتب خانہ میں محفوظ تھے۔

(۱۸) ساؤجی صرفی۔ یہ ایران کے مشہور شاعر تھے۔ انہوں نے خانخاناں رحیم کی تعریف میں بہت سی نظمیں لکھ کر انکی خدمت میں پیش کی تھیں اور پھر اس کو خود سے لکھ کر کتب خانہ کی نذر کی تھیں۔ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ سب نظمیں کتب خانہ میں موجود تھیں۔

(۱۹) نظیری نیشاپوری۔ یہ خانخاناں رحیم کی علمیت اور فیاضی کی شہرت سن کر خاص ان سے ملاقات کے لئے ہندوستان آئے تھے اور کچھ روز ٹھہر کر خانخاناں کی فیاضی اور مہمان نوازی کا لطف اٹھانیکے بعد واپس گئے۔ واپس جانے کے وقت انہوں نے اپنے دیوان کا ایک نسخہ کتب خانہ کو نذر کیا تھا۔

(۲۰) نورالدین ظہوری۔ یہ مشہور شاعر تھے اور خانخاناں رحیم ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اپنی نظموں کا ایک مجموعہ انہوں نے بھی اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کتب خانہ کو پیش کیا تھا۔

ہر فرد اور ہر شے کا عروج و زوال قدرت کا اٹل قانون ہے۔ زمانہ کبھی یکساں نہیں رہتا۔ ؎

بہ یک گردش چرخ نیلوفری   نہ نادر بجا ماند نے نادری۔

شہنشاہ اکبر کے مرتے ہی خانخاناں کا ستارہ بھی ڈوب گیا۔ اور وہ مصیبت اور پریشانیوں سے دوچار ہو گئے۔ شاہی خاندان کی خانہ جنگی کی آگ کے شعلوں نے ان کے دامن کو بھی محفوظ نہ چھوڑا۔ جہانگیر کے عتاب نے ان کی دنیا ہی بدل ڈالی۔ ان پر آ سکت، بے پرواہی، اور غداری کے الزامات لگائے گئے۔ ان کی ساری جائداد اور دولت ضبط ہو گئی اور قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ اور پھر جب قید سے چھوٹے تو مالی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے ساتھ ساتھ ان کے کتب خانہ پر بھی زوال آنا ضروری تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی اہمیت کم ہوتی گئی اور وہی بے مثل کتب خانہ جو شاہی کتب خانہ پر چشمک زنی کرتا تھا اور ہندوستان اور بیرونی ممالک کے علماء کی زیارت گاہ بنا ہوا تھا صرف تاریخ کے صفحات پر باقی رہ گیا۔ گردش زمانہ نے اس کا نام و نشان تک نہیں چھوڑا لیکن تاریخ کے صفحات اس کتب خانہ کی تعریفوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اور اس کتب خانہ کی کتابیں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں منتشر ہو کر اپنی عظمت گزشتہ کی یاد دلاتی رہتی ہیں۔

۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۵ء تک تحقیقات علمیہ کے سلسلے میں اکثر و بیشتر کتب خانوں کی زیارت کا موقع ملتا رہا۔ اور اس جنون نے شمالی اور جنوبی ہند کے اکثر کتب خانوں کے دروازوں تک پہنچایا اس دوران میں میری نظر سے چند ایسی کتابیں بھی گزریں جو کبھی خانخاناں رحیم کے شہرہ آفاق کتب خانہ کی زینت رہ چکی تھیں اور امتداد زمانہ نے انہیں منتشر کر کے مختلف کتب خانوں میں پہنچا دیا تھا۔ اپنی یادداشت کی کاپی میں ہم نے ان میں سے بعض کتابوں کے متعلق کچھ تفصیلات اور معلومات نوٹ کر لئے تھے۔ اس جگہ اگر ان کی نشاندہی کر دی جائے تو افادیت سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) یوسف زلیخا۔ مولانا جامیؔ کی اس مشہور تصنیف کو مشہور خوش نویس میر کلی نے ۹۲۳ھ میں لکھا تھا۔ خانخاناں نے اس نسخہ کو ایک ہزار اشرفیوں میں اپنے کتب خانہ کے لئے خریدا تھا۔ پھر اس کو شہنشاہ جہانگیر کی خدمت میں بطور نذر پیش کر دیا۔ اور وہ شہنشاہ جہانگیر کے ذاتی کتب خانہ کی زینت بنا رہا۔ اس نسخہ میں شہنشاہ جہانگیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مضمون ہے جس سے سب حال معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت یہ نسخہ پٹنہ خدا بخش خان کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

(۲) شش رسالے سعدی۔ یہ سعدیؒ کے چھ رسالوں کا مجموعہ ہے۔ اس نسخہ پر شہنشاہ شاہجہاں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چند سطریں اور خانخاناں رحیم اور شہنشاہ عالمگیر کی مہریں موجود ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ پہلے خانخاناں رحیم کے کتب خانہ میں تھا اور پھر شاہجہاں اور عالمگیر کے شاہی کتب خانوں کی زینت رہا۔ اور اب یہ خدا بخش خان کی لائبریری پٹنہ میں ہے۔

(۳) دیوان کامران۔ مغل شہنشاہ بابر کے ذی علم فرزند اور شہنشاہ ہمایوں کے حقیقی بھائی مرزا کامران کے اشعار کا یہ مجموعہ ہے۔ اس کو مرزا کامران کی زندگی ہی میں ہرات کے مشہور خوش نویس محمد اسحاق نے لکھا تھا۔ یہ نسخہ مغل شہنشاہوں کے شاہی کتب خانہ کی زینت رہنے کے علاوہ کئی امرا اور معزز عہدہ داروں کے ذاتی کتب خانوں میں بھی رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس نسخہ کو خانخاناں

رحیم کے کتب خانہ کی زینت بنے کا بھی موقع ملا اس پر جہانگیر اور شاہجہاں کے دستخط ہیں۔ اور خانخاناں رحیم کی بھی مہر ہے علاوہ ازیں کئی معزز عہدیداروں اور امرا کی مہریں بھی اس پر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دیوان ملکہ نورجہاں کو بہت پسند آیا اور اس نے اپنے لئے اس کو حاصل کر لیا تھا۔ اس وقت سے مغل شہنشاہوں کی ملکیت رہا۔ آجکل یہ انمول نسخہ پٹنہ خدا بخش خاں کی لائبریری کی زینت ہے

(۴) قرآن مجید قلمی۔ کلام پاک کا یہ انمول نسخہ جو کبھی خانخاناں رحیم کے کتب خانہ کی زینت تھا۔ آجکل بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے۔ اس میں کچھ تفسیریں عربی میں اور حاشیہ پر خانخاناں رحیم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کچھ شرحیں ملتی ہیں۔ اورنگ زیب کے زمانے میں یہ نسخہ شاہی کتب خانہ میں موجود تھا۔ اس پر سنہرا رو کا بہت ہی نفیس اور حسین نقش بنایا گیا ہے

(۵) تعبیر رویا۔ یہ ابوریحان کی مشہور تصنیف تعبیر خواب سے متعلق ہے اس میں خواب اور اس کے اسرار اور نتائج سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اسے شہنشاہ اکبر نے خانخاناں رحیم کے والد بیرم خاں کو تحفتہً دیا تھا۔ اس پر خانخاناں رحیم کی تحریریں موجود ہیں ۱۹۳۶ء میں یہ قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں میری نظر سے گزرا تھا۔ اب کی خبر نہیں۔

(۶) کلیات سعدی۔ یہ شیخ سعدی کی شاعری کا مجموعہ ہے۔ اور فن خطاطی کا بہترین نمونہ پیش کرتا ہے۔ اس کتاب کو رنگ برنگ کی تصویروں اور طلائی نقش سے مزین کیا گیا ہے۔ ہر صفحہ پر افشاں چھڑکا ہوا ہے۔ مغل دربار کے بعض معزز عہدیداروں کی تصویریں بھی اس میں موجود ہیں۔ انہیں دیکھ کر اس زمانے کی فن مصوری کی ٹیکنیک پر بہت اچھی روشنی پڑتی ہے۔ یہ کافی عرصہ تک خانخاناں رحیم کے کتب خانہ کی زینت بھی رہا تھا۔ ۱۹۳۵ء میں مجھے ریاست رام پور کے شاہی کتب خانہ میں اسے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اب کی خبر نہیں۔

(۷) مجلس عشاق۔ یہ تیمور لنگ کے پوتے سلطان حسین کی تصنیف ہے۔ سلطان حسین اپنے وقت کا بہت بڑا عالم گزرا ہے یہ قلمی نسخہ مصور ہے۔ اس نسخہ پر خانخاناں رحیم کی تحریر اور دستخط ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس کو ۹۹۹ھ میں خریدا تھا۔ ۱۹۳۵ء میں یہ کتاب بھی ریاست رام پور کے کتب خانہ میں میری نظر سے گزری تھی۔

(۸) رسالہ خواجہ عبداللہ انصاری۔ اپنے وقت کے مشہور صوفی خواجہ عبداللہ انصاری کی لکھی ہوئی تصوف پر یہ بہت ہی اہم تصنیف ہے۔ اس کے کاتب مشہور خوش نویس سلطان علی مشہدی ہیں اس کی کتابت ۹۲۱ھ کی ہے۔ عرصہ تک اس نسخہ کو اپنے کتب خانہ میں رکھنے کے بعد خانخاناں رحیم نے اس کو شہنشاہ جہانگیر کی خدمت میں نذر کر دیا تھا۔ اور پھر یہ کتاب مغل بادشاہ کے کتب خانہ کی زینت رہی۔ اس پر شہنشاہ جہانگیر اور شہنشاہ شاہجہاں کے دستخط ثبت ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں یہ کتاب بھی ریاست رامپور کے کتب خانہ میں موجود تھی۔

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ اور بھی کئی اہم کتابیں ریاست رام پور کے کتب خانہ میں ایسی اس زمانے میں میری نظر سے گزریں تھیں جو خانخاناں رحیم کے کتب خانہ کی زینت رہ چکی تھیں۔ مگر تفصیلی یادداشت محفوظ نہیں۔

اکرام احمد

۱۹۶۷ء کی اردو مطبوعات

تاریخ طبری (حصہ اوّل) (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری مترجمہ سید محمد ابراہیم ندوی۔ ناشر نفیس اکیڈمی کراچی ۱

ترجمان القرآن (حصہ اوّل) (تفسیر سورۃ فاتحہ) " ابوالکلام آزاد مرتبہ محمد اجمل خاں ناشر۔ سندھ ساگر اکادمی لاہور

تذکرۃ الموتیٰ والقبور (مذہب اسلام) " قاضی ثناء اللہ پانی پتی مترجم اقبال الدین احمد " واحد بک ڈپو کراچی ۱

اصول نقۂ اسلام (اسلامی قانون) " سر عبدالرحیم " مسعود علی " کریم سنز کراچی ۵

اسلامی ریاست (نظر ثانی ایڈیشن) (") مولفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی مرتبہ خورشید احمد " اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور

مسلمان عورت (") مصنفہ فرید وجدی آفندی ترجمہ ابوالکلام آزاد " ہاشمی پبلشنگ ہاؤس کراچی

تعلیمات چیرمین ماؤزے تنگ (سیاست) " ماؤزے تنگ " جاوید شاہین " مکتبہ میری لائبریری لاہور

نظری سیاسیات (نظر ثانی ایڈیشن) (") " شاہ فرید الحق " سر سید بک کمپنی، کراچی

حقیقت گلزار صابری (تذکرہ) " مخدوم شاہ محمد حسن صابری " ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور

میاں افتخار الدین (سوانح) " شورش کاشمیری " مطبوعات چٹان لاہور

حمید نظامی (") " " " " "

آپ (سوانحی خاکے) " محمد طفیل " ادارہ فروغ اردو لاہور

ادیبہ (شخصیت وفن) " زبیدہ خاتون عبدالسلام " آئینۂ ادب " "

احوال ونقد غالب (") مرتبہ محمد حیات سیال " نذر سنز " "

بنیادی خرد حیاتیات (سائنس) مصنفہ احمد علی النور " مرکزی ترقی اردو بورڈ

انسان اور مشین (") " بیرن بیکر مترجم محمد حسن فرخی " اردو اکیڈمی سندھ کراچی

کیمیا (") " برنارڈ جیف " فرید الدین قیصر " " " "

جیتی جاگتی زمین (") " پیٹر فارب " وقار احمد زبیری " " " "

دل کی دنیا (ناولٹ) " عصمت چغتائی " خیام پبلشرز، لاہور

سیاہ حاشیے نیا ایڈیشن (انشائے لطیف) " سعادت حسن منٹو " البیان، لاہور

فاکہہ (ناول) اے آر خاتون، زبیدہ خاتون " آئینۂ ادب، لاہور

روشنیوں کا شہر (") انتصار حسین " ہاشمی پبلشنگ ہاؤس کراچی ۵

عنبرین (") حمیدہ جبیں " فروغ ادب، کراچی ۱

ڈاکٹر محمد انصار اللہ نظر

میر علی اوسط رشک

(مختصر حالات)

اپنے متعلق میر رشک نے خود کہا ہے ؎

طرز کلام رشک سے کہتے ہیں خاص و عام ۔۔۔ شاگرد خاص ناسخ مغفور ہو تو ہو۔

لیکن امتداد زمانہ سے اس شاگرد خاص ناسخ مغفور کا نام گوشۂ گمنامی میں جا پڑا اگرچہ رشک کا یہ خیال بھی ہے کہ ؎

کہاں کہاں نہیں پہنچا کلام کا شہرہ ۔۔۔ وہ ہم کو جانتے ہیں جن سے ہم نہیں واقف

لیکن واقعہ یہ ہے کہ رشک کو وہ شہرت بھی نصیب نہیں ہو سکی جو ان کے بعض معاصرین کو حاصل ہوئی حقیقت یہ ہے کہ قبول عام جو ہر خدا داد ہے اور کسی خوش نصیب ہی کو حاصل ہوتا ہے۔

میر رشک کے انتقال کے صرف پندرہ سولہ برس کے بعد دیبی پرشاد بشاش نے اپنا تذکرہ "آثار الشعرائے ہنود" چھپوایا اس میں ان کا نام "میر اوسط علی" لکھا (ص ۵۵)، حالانکہ یہ صحیح نہ تھا۔ صحیح نام ذیل کے مصرعوں میں نظم ہوا ہے۔ ؏

شد کجا میر علی اوسط رشک (مظفر علی اسیر)

دید ارباب جہاں میر علی اوسط رشک (تغیر شاگرد رشک)

رشک کی زندگی ہی میں عبد الغفور خان نساخ نے تذکرہ سخن شعرا تالیف کیا اس میں ان کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"رشک تخلص میر علی اوسط، باشندہ لکھنؤ، مقام کانپور ولد میر سلیمان، شاگرد ناسخ، کربلا کی بھی زیارت کی تھی دیوان ان کا نظر سے گزرا" (ص ۱۸۵)

رشک کے والد کا نام بیشتر تذکروں میں غلط ہے۔ کچھ نے نساخ کی طرح میر سلیمان (تذکرہ نادر ص ۴، خخانہ جاوید ج ۲ ص ۳۲۱ وغیرہ) بعض نے میر سلمان (جواہر سخن ج ۲ ص ۲۶۸) اور کچھ نے میر سلیمانی (تذکرہ مخطوطات ج ۱ ص ۳۶۶) لکھا ہے حالانکہ رشک نے ان کا نام "سلمان" لکھا ہے اور اس کی صحت پر شک کی کوئی وجہ نہیں۔ ؏

والد ماجد من سید سلمان نقیہہ

اپنے والد کے متعلق رشک نے یہ بھی لکھا ہے کہ ـــ

آں سید واسطی وعلی وغیرہ۔

یعنی ان کا تعلق شہر "واسط" سے تھا اور لفظ "علی" سے ان کے قبیلے کی طرف اشارہ مقصود ہے، دراصل کسی شخص کو عام حالات میں اسی شہر سے نسبت دیتے ہیں جو اس کا مولد ہو یا جو اس کے بزرگوں کا مسکن ہو کسی شخص کو محض چند روز کے قیام کے سبب کسی خاص جگہ سے نسبت دینا کچھ اہمیت نہیں رکھتا چنانچہ رشک نے اپنے والد کو واسط سے نسبت دی اور خود اپنا وطن فیض آباد کو قرار دیا ؎

فیض تاریخ رشک میں کیونکر نہ ہو کالبد ہے خاک فیض آباد کا

ہزاروں ہموطن اے رشک آتے ہیں زیارت کو برسویں دن حسین آباد فیض آباد ہوتا ہے

سعادت خاں ناصر نے بھی اس سلسلے میں لکھا ہے کہ ؎

"ان کی زبانی بیان کہ مسکن اور مولد فیض آباد" (خوش معرکہ زیبا۔ قلمی)

ان واضح بیانات کے باوجود ناسخ کا انہیں "باشندۂ لکھنؤ" لکھنا غلط فہمی ہی کے سبب ہو سکتا ہے اور اس ایک غلط بیانی نے رشک کو عام طور پر "لکھنوی" مشہور کر دیا چنانچہ ان کے مشہور شاگرد منیر شکوہ آبادی نے بھی لکھا ہے۔

"استاد المحققین سیدی، سندی، مولائی و استادی جناب سید علی اوسط رشک لکھنوی ثم الحایری[1] طاب ثراہ" (کلیات منیر)

لکھنؤ سے یہ نسبت ناسخ کے بعد دی گئی ہے۔ یہ سلسلہ اتنا عام ہوا کہ آج بھی رشک اسی طرح مشہور ہیں۔ چنانچہ رشید حسن خاں صاحب نے بھی اپنے مقالہ "امیر مینائی کے ادبی خطوط۔ انتقادی جائزہ" میں انکا نام اسی طرح لکھا ہے۔

"میر علی اوسط رشک لکھنوی" (صحیفہ لاہور۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

ناسخ کے اس جملے سے کہ "کربلا کی بھی زیارت کی تھی" ایسا مترشح ہوتا ہے گویا وہ زیارت کے لئے بھی گئے تھے۔ اور پھر واپس آگئے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ رشک نے وہیں سکونت اختیار کر لی تھی اسی طرح ناسخ کے اس قول سے کہ :-

"دیوان ان کا نظر سے گزرا"

یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ان کا ایک ہی دیوان تھا کچھ غلط نہیں کہا جا سکتا چنانچہ منیر احمد جان نے بھی لکھا ہے۔

"ایک ضخیم دیوان آپ کی یادگار ہے" (تنویر ادب ص۸۵)

بعد کے اکثر تذکرہ نویسوں نے ان کے "صرف دو دیوان" بتائے ہیں (شعرائے متغزلین ص۲۹۵ گل خنداں ص۱۳۱ وغیرہ) حالانکہ صحیح تعداد تین ہے۔ ایک حد تک رشک کے سلسلہ حالات میں اس نوعیت کی غلطیاں اس حقیقت پر بخوبی دلالت کرتی ہیں کہ زمانے نے جلد ہی ان کو فراموش کر دیا تھا۔

حکیم سید جعفر حسین کا آتش کے سلسلہ حالات میں حکیم محمد فیروز الدین نے لکھا ہے کہ "جناب میر علی اوسط رشک مرحوم

(۱) رشک نے ترک وطن کرنے کے بعد عراق میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں ان کا انتقال بھی ہو گیا اس لئے انہیں "حایری" کہنا مناسب ہے

آپ کے ایک خاندانی بزرگ تھے" (رموز الاطبا ج ۱ ص ۳۰۴) اور ان کے خاندانی حالات اس طرح بیان کئے ہیں :

"آپ کے بعض بزرگ بعد انقراض عہد سلطنت محمد شاہ مرحوم دہلی سے فیض آباد عہد شجاع الدولہ بہادر مرحوم جناب نواب بہو بیگم صاحبہ مرحومہ کے علاج کے لئے حسب الطلب تشریف لائے یہاں بھی معزز و ممتاز رہے۔

جاگیر پائی منصب پائے حکیم مولوی میر محمد صاحب اور حکیم مولوی میر مہدی صاحب فیض آبادی مشہور تھے :"

رموز الاطبا ج ۱ ص ۳۰۴) رشک نے اپنے ایک خالہ زاد بھائی میر اسد سے متعلق کئی قطعات تاریخ کہے ہیں اور میر اسد کا حال محسن نے اس طرح لکھا ہے :

"میر اسد صبر خلف میر مہدی عزیزوں میں خاص محل نواب معتمد الدولہ کے باشندہ لکھنؤ صاحب دیوان شاگرد ناسخ" (سراپا سخن ص ۱۴۵)

اور یہ میر مہدی بھی فیض آبادی ہی تھے ، خود رشک کے بیٹے علی ضامن شوق نے اپنے دوسرے خاندانی بزرگوں کی طرح طبابت ہی کو ذریعہ معاش بنایا تھا ـــــ حکیم کاشف کے خاندان کے لکھنؤ منتقل ہونے کے سلسلے میں حکیم قمر الدین لکھتے ہیں :

"آپ کے بعض بزرگ نواب سعادت علی خاں بہادر کے عہد حکومت میں لکھنؤ تشریف لائے (رموز الاطبا ج ۱ ص ۳۰۲)

البتہ خود رشک کچھ عرصے کے بعد لکھنؤ پہنچے جس کا حال آگے آئے گا۔ حکیم کاشف اور میر اسد کے خاندانوں سے رشک کی قرابت اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ رشک کے اسلاف واسطے ہندوستان میں آکر پہلے دہلی میں مقیم ہوئے اور پھر وہاں سے فیض آباد آئے راستے میں فرخ آباد (قنوج) وغیرہ میں ان کا قیام بھی خلاف قیاس نہیں۔ اپنے سلسلۂ نسب کے متعلق رشک نے اتنی بات بھی ہے ؎

رشک پھولا جو سماتا نہیں پیراہن میں ۔۔۔ بارے اس کا شجرہ آل عبا تک پہنچا

رشک کے سال ولادت کا تعین آسان نہیں البتہ اکثر تذکرہ نویسوں نے محض اس بنا پر کہ بوقت وفات ان کی عمر ستر سال کی بتائی گئی ہے سنہ ۱۲۱۴ھ کو ان کا سال ولادت لکھا ہے (شعرائے متغزلین ص ۵۹۷، خمخانہ جاوید ج ۱ ص ۱۴۲، گل رعنا ص ۳۳۱ وغیرہ) لیکن یہ محض تخمینہ ہے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل واقعات قابل لحاظ ہیں :

۱۔ دیوان رشک میں سنہ ۱۲۱۹ھ، سنہ ۱۲۲۰ھ اور سنہ ۱۲۲۱ھ کے بالترتیب دو، ایک اور ایک قطعات تاریخ درج ہیں۔ ان قطعات میں واقعات اس طرح بیان ہوئے ہیں گویا شاعر کے سامنے کی باتیں ہوں اور ان سے وہ براہ راست متاثر رہا ہو بہ ظاہر یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ یہ قطعات واقعات کے گزر چکنے کے کئی سال بعد لکھے گئے۔ البتہ یہ بات کہ سنہ ۱۲۲۱ھ کے بعد اور سنہ ۱۲۳۱ھ سے پہلے کا کوئی قطعہ تاریخ نہیں ملتا۔ شک پیدا کرتا ہے لیکن سعادت خاں ناصر کے یہ الفاظ بھی ہمارے سامنے ہیں کہ ـ

• بہ دلسن سے طبع شعر گوئی پر رواں ۔۔۔

۲۔ رشک نے اپنے سلسلہ حالات میں بیان کیا ہے کہ ان کے والد کے انتقال کے بعد ان کی تربیت ان کے بہنوئی نے کی ؎

بعد مرگ والدمن تربیت کرد او مرا۔

اس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے کہ سنہ ۱۲۱۹ھ (سال وفات پدر رشک) میں رشک کی عمر کم تھی اور ابھی وہ "تربیت" کے محتاج تھے۔

۳۔ رشک نے اپنی پہلی بیوی کے مرنے کی تاریخ اس طرح کہی ہے ؎

رشک تاریخ نکاح و وصل و عمر و مرگ گفت عقد سال ہژدہم شد سال چہلم موت آہ

یعنی رشک کی شادی سنہ ۱۲۲۹ھ میں ہوئی اور ان کی بیوی کا سال ولادت سنہ ۱۲۱۱ھ ۱۲۵۱ تھا۔ اپنے والد کی موت کے وقت تک رشک کی شادی نہیں ہوسکی تھی، رواج عام یہ ہے کہ شوہر کی عمر بیوی کی عمر سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ خصوصاً پہلی شادی کے وقت، لیکن اس کے برخلاف واقعات بھی ملتے ہیں۔ البتہ اول الذکر دونوں امور پر نگاہ کریں تو بظاہر رشک کا معاملہ رواج عام کے خلاف نہیں معلوم ہوتا۔

ان حالات میں یہ قیاس کچھ بے جا نہیں معلوم ہوتا کہ رشک کی ولادت سنہ ۱۲۱۱ھ سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے۔ ممکن ہے سنہ ۱۲۰۷ھ کے قریب ہو۔

رشک کے والد ان کو کم عمری ہی میں چھوڑ کر انتقال کر گئے۔ رشک کے بھائیوں میں بھی شاید اس وقت تک کوئی اس قابل نہ تھا اس لئے ان کی پرورش ان کی چچی کے یہاں ہوئی سنہ ۱۲۳۳ھ میں رشک کی اس چچی کا بھی انتقال ہوا۔ رشک نے کہا

آں عمر من پرورش کرد مرا زیں دار فنا گزشت انا للّٰہ

ایں صوری معنویت تاریخ وفات شنبہ ششم جمادی الاول صد آہ
۱۲۳۳ھ

رشک نے اس موقع پر اپنے چچا کا ذکر نہیں کیا شاید ان کا انتقال ہو چکا تھا یا بہ سبب پیرانہ سالی خاندان کی کفالت کا کام ان کے سپرد نہ تھا بلکہ ان کا ایک بیٹا میر امانت علی اس بار کو اٹھائے ہوئے تھا۔ چنانچہ رشک کی تربیت بھی میر امانت علی ہی نے کی۔ ذیل کے قطعہ تاریخ میں رشک نے اس کا اعتراف کیا ہے ؎

اے فلک آں عمزادم بود و زوج خواہرم چوں نہ گویم بہر مرگش از تعب افسوس وای۔
میر امانت علی بود نام نامی او با علی شیعی و پر جرات و عالی نسب افسوس وای
مولدش قنوج و مدفن خاک فیض آباد شد وا و دارم نالہ با شور و شغب افسوس وای
بعد مرگ والد من تربیت کرد او مرا چوں نیارم در غمم او تا بہ لب افسوس وای
یافتم تاریخ مرگ ای رشک از یا تفجعنی آں چہارم از شہر رجب افسوس وای۔
(۱۲۵۴ھ)

اس قطعۂ تاریخ میں رشک نے میر امانت علی کے عقیدہ کا اعلان بہت فخریہ انداز سے کیا ہے۔ یہ بات کچھ میر امانت علی ہی کے ساتھ رشک نے اکثر دوسرے قطعات میں متعلق حضرات کے مسلک کا ذکر اس قدر وضاحت سے کیا ہے البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سنہ ۱۲۳۳ھ تک کے قطعات میں یہ بات نہیں پائی جاتی ۔۔۔ میر امانت علی کا مولد قنوج تھا ممکن ہے رشک کے بزرگوں نے دہلی سے فیض آباد آتے ہوئے قنوج میں بھی کچھ مدت تک سکونت اختیار کی ہو۔

میر امانت علی علاوہ چچا زاد بھائی ہونے کے ساتھ رشک کے بہنوئی بھی تھے قیاس غالب ہے کہ ان کے ساتھ رشک کی بڑی بہن منسوب رہی ہوں جن کے متعلق رشک کے دیوان میں ذیل کا قطعۂ تاریخ ملتا ہے ؎

عم فضل النسا بیگم جیسہ گویم — بحرماخت کلاتم ای فصاحیف
مہ دیجہ دلبست و شستم بود — کہ رحلت کرو از دار نضاحیف
چنیں تاریخ صوری معنوی شد — شب آدینہ و ذی الحجہ واحیف
۱۲۳۴ھ

میر امانت علی کی تربیت کا اثر اور مذہبی تعلیمات کا فیض ہے رشک ان راسخ العقیدہ لوگوں میں سے تھے جو اپنے عقیدے اور مسلک کا ذکر فخریہ کرتے ہیں چنانچہ ان کا ایک مقطع یہ ہے ؎

کہاں سے ہو تعریف یار با ہے یہی — کہ رشک شیعۂ اثنا عشری ہے بے شبہ

رشک کے اس مسلک نے ان کے کلام کو بہت متاثر کیا ہے انہوں نے اردو شاعری میں حسن و عشق اور شراب و کباب سے متعلق اکثر الفاظ کو اصطلاحی صورت دے کر نیا مفہوم عطا کیا ہے اور اس طرح اردو غزل کی معنویت میں قابل قدر اضافہ کیا ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ رشک سے پہلے یہ انداز اردو کے کسی شاعر کے یہاں نہیں تھا لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ رشک نے اس سلسلے میں شعوری کوشش کی اور بعض غزلیں اسی انداز پر لکھیں۔ ذیل کے اشعار سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ رعایتی الفاظ کو اصطلاح کا درجہ دینے کی شعوری کوشش کر رہے تھے ؎

مجھ ساقی کوثر کے حق میں ہے اے رشک — گر کب نہ کہ جنت سے طہور شراب
در دو آل محمد میں نشے کی باتیں — یہاں لطف ہے یہاں یہاں ہے مدام شراب
وہ مست ہوں کہ مرا میکدہ ہے بیت اللہ — طہور اشک ہے درد دل ہے جام شراب
میرے عشق میں جگر پہ نہ خور و نوش — ہے ایسا کہ فرزند کسسر کا شیوہ وفا
عوحیں وہ محبوب خدا ہے اے رشک — جس کے بھائی کے تھے سلمان ساعیو عاشق

اس طرح رشک کے اشعار میں یہ خوبی بھی پیدا ہو گئی کہ اکثر میں "پہلو دار معنی" نکلتے ہیں۔ خود کہتے ہیں ؎

مجھ کو بھاتے ہیں وہ الفاظ جو ہوں پہلو دار — تازہ مضمون ہے وہ نکلے اگر بات میں بات

علم بیان کی مدد سے کسی لفظ کو مجازی معنی میں اس خوبی سے استعمال کرنا کہ اصلی اور مجازی معنی میں کنایہ کا تعلق ہو

استعارہ کہلاتا ہے رشک نے اکثر پہلو دار معنی کی تلاش میں استعارہ کا استعمال کیا ہے، استعارہ اردو غزل کے لئے کوئی نئی بات ہرگز نہیں لیکن جس کثرت سے اسے رشک نے صرف کیا شاید ان سے پہلے کسی شاعر نے اسے اتنا نہیں برتا۔ اسکے علاوہ انہوں نے اس سلسلے میں "محض خیال آرائی" کے مقابلے میں اصلیت کا بھی لحاظ کیا چنانچہ کہتے ہیں ؏

بے اصل استعارے سے کیا ہو کشود کار

یوں استعارہ بندی میں انہوں نے امتیازی درجہ ضرور حاصل کر لیا لیکن وہ "المعنی فی البطن الشاعر" کے بھی قابل نہیں تھے بلکہ ایسے شعر کو وہ اصولی حیثیت سے شعر بھی تسلیم نہیں کرتے تھے ؎

وہ شعر کیا کہ معانی ہوں بطن شاعر میں ‌ ‌ ‌ غلط یہ ہے رہے مغز استخوان سے باہر

(اس مختصر مضمون کا مقصد میر رشک کے حالات بیان کر دینا ہے اس لئے اس بحث کو یہیں چھوڑ کر پھر اپنے مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔)

میر علی اوسط رشک نے اس دور میں مروج مختلف علوم و فنون کا بخوبی مطالعہ کیا تھا جس کا ثبوت معاصرین کے اقوال سے ملتا ہے۔ منیر شکوہ آبادی جو ان کے بہت عقیدت مند شاگرد تھے کہتے ہیں ؎

ان سید فاضل و محقق ہمہ داں ‌ ‌ ‌ در زہد و ورع وحید مردان خدا

اسی طرح صغیر شاگرد رشک کا یہ شعر قابل ذکر ہے ؎

عابد و زاہد و استاد و بزرگ ابرار ‌ ‌ ‌ عاشق حضرت شبیر علی اوسط رشک

ان اشعار سے رشک کی علمیت ہی نہیں بلکہ مذہبیت وغیرہ کا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔ فیض آباد کے شعری اور علمی ماحول نے انہیں بھی شعر گوئی پر مائل کیا، سعادت خاں ناصر نے انہیں کی زبانی بیان کیا ہے ؎

"بدوِ سن سے شعر گوئی کا سواد، طبیعت ہنر کی کاسب، صحبت مشاعرہ پر راغب، فکر موزوں طبیعت رواں" (خوش معرکہ زیبا) اور خواجہ عبدالرؤف عشرت نے لکھا ہے کہ ؎

"عہد نصیرالدین حیدر بادشاہ میں ان کی شاعری کا آغاز ہوا" (آب بقا ص۲۳۴)

<u>لیکن عشرت کے قول کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں، ابتدا میں رشک نے میر مستحسن خلیق سے[1] اصلاح لی اور میر خلیق کے</u>

---

(۱) میر خلیق اور میر انیس کے متعلق بہ وجہ انکی شہرت کے عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں صاحبان صرف مرثیہ گو تھے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں صاحبوں نے شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے کی اور اس سلسلے میں بھی باستناد تذکرہ میر خلیق کی غزلوں ہی کے متعلق شیخ مصحفی نے کہا تھا کہ

"اگر زمانہ فرصت خواہد داد خوب خواہد گفت" (تذکرہ ہندی [illegible])

اور فیض آباد کے زمانہ قیام میں خلیق غزل گو شاعر ہی کی حیثیت سے متعارف تھے۔ مرثیہ گوئی کے متعلق خیال ہے کہ لکھنؤ میں نواب معتمد الدولہ کی سرکار سے فیض یاب ہونے کے بعد وہ اس صنف کی طرف متوجہ ہوئے۔ فیض آباد میں عام طور پر کلام مرثیہ کا اس عہد کے تذکروں سے معلوم نہیں ہوتا اور غالباً یہی سبب ہے کہ رشک نے بھی مرثیہ کی طرف توجہ نہیں کی

[متع]لق انہوں نے جو رائے ظاہر کی ہے یہ ہے :

میر مستحسن خلیق افسوس | بس عطوف و شفیق بود استاد
خوش بیان شاعری زبان دانی | خاص در ایں طریق بود استاد
رشک تاریخ و گفت تاریخش | بانی این ہی خلیق بود استاد
۱۲۶۰ھ

میر خلیق کی اصلاح اور تربیت سے رشک کو "زبان دانی" کا فائدہ ہوا اور یہ وہ خوبی ہے جس پر وہ تمام عمر فخر [ک]رتے رہے :

وہ رسوا ہوں کہ سب طرزِ سخن پہچان جاتے ہیں | بھڑک جاتے ہیں زاہد برہمن پہچان جاتے ہیں
فصاحت میں وہ خوبی ہے کہ چھپتی ہی نہیں ہرگز | مرا انداز ارباب سخن پہچان جاتے ہیں

[ف]یض آباد کے مخصوص علمی اور شعری ماحول کو بھی رشک کے اس "انداز" کی تعمیر میں بہت دخل ہے بقول ناصر خود رشک نے بیان کیا ہے :

"[1] مرزا محمد تقی خاں ترقی کے دولت خانے میں صحبت مشاعرہ مقرر با در روز متوکہ وہاں اژدہام (کذا) اہل فضل و ہنر چارونا چار میر مستحسن خلیق کو کہ فیض آباد میں ان سے کوئی بہتر نہ تھا غزل دکھلائی اور ہنر مندوں کی زبان سے واہ واہ پائی چندے زمانہ اسی طرح سے گزرا" (خوش معرکہ زیبا۔ نسخہ پٹنہ)

[ف]یض آباد کا شعری ماحول کئی لحاظ سے دہلی کے ماحول سے زیادہ قریب تھا چنانچہ رشک کے کلام میں بھی اس کے اثرات ملتے ہیں اور کہیں کہیں اپنا رنگ دکھا جاتے ہیں ۔

فیض آباد میں بہو بیگم صاحبہ کی سرکار سے تمام اہل شہر مستفیض ہوتے رہتے تھے ۔ میر رشک بھی ان کے وابستگان دولت میں تھے اور بہت آرام سے بسر کرتے تھے لیکن

"[2] ۱۲۳۱ھ میں کہ جناب عالیہ نے انتقال کیا ۔ سر رشتہ روزگار برہم اور عزم سکونت لکھنؤ مصمم ہوا" (خوش معرکہ زیبا نسخہ لکھنؤ ۔)

رشک کے خاندان کے دوسرے افراد بھی اسی سرکار کے دعاگو تھے چنانچہ ایک کا حال محسن شاگرد رشک نے اس طرح لکھا ہے :

" میر کاظم حسین تنویر ولد[3] میر حسین جارو غہ سرکار بہو بیگم صاحبہ زوجہ نواب آصف الدولہ بن میر اکبر علی مقبول مرثیہ گو ۔

---

(۱) نسخہ لکھنؤ کی عبارت یہ ہے : اس نقل کا انکی زبان سے بیان کہ اس آوان بیت مرزا محمد تقی خاں ترقی کے دولتخانے میں صحبت مشاعرہ مقرر اور وہاں اژدہام اہل فضل ہوتا تھا چونکہ میر محسن خلیق فیض آباد میں استاد تھے اکثر غزل دکھائی اور سامعین سے داد پائی چندے زمانہ اسی طرح گزرا"

(۲) نسخہ پٹنہ کی عبارت ہے : "۱۲۳۱ھ میں ... جناب عالیہ نے انتقال کیا اور سر رشتہ روزگار کا برہم ہوا عزم ... لکھنؤ کا ٹھہرا"

(۳) یہاں عبارت میں غلطی ہے ولد کی جگہ "برادر" ہونا چاہئے کیونکہ میر حسین کے متعلق رشک کا بیان ہے کہ "خویش من بود و ہم برادر مادرم"

باشندہ فیض آباد مقیم لکھنؤ شاگرد رشک" (سراپا سخن ص۱۷)

میر کاظم حسین تنویر میر رشک کے بھتیجے تھے چنانچہ وہ خود رشک کو اپنا " استاد و عم شفیق" بتاتے ہیں (نظم گرامی) بہرحال شیخ صاحب کے انتقال کے بعد میر رشک کے خاندان کے کم و بیش سبھی لوگ فیض آباد سے لکھنؤ منتقل ہو گئے۔

لکھنؤ جاتے وقت میر رشک نے میر خلیق سے جو گفتگو کی ناصر نے نقل کی ہے:-

" اس وقت بسبب اپنی اجنبیت کے دریافت حال شعرائے لکھنؤ میر صاحب مرحوم سے معلوم کیا اور سفارش چاہی میر صاحب نے بعد تامل کے فرمایا کہ میرے دوستوں میں شیخ امام بخش ناسخ ہیں کہ طبیعت ان کی بہت متین اور فی زمانہ ایسا اور کوئی شاعر نہیں ہے ان کی خدمت میں حاضر رہنا میں نے خط سفارش کا طلب کیا فرمایا کہ اس کی کیا حاجت ہے۔ فقط میرا سلام شوق[1] کہنا " (خوش معرکہ زیبا۔ نسخہ لکھنؤ)۔ اس سے چند قابل ذکر امور پر روشنی پڑتی ہے :

۱۔ صاحب آب حیات نے میر خلیق کے متعلق ناسخ کے چند بیانات نقل کئے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ ناسخ انکا احترام کرتے تھے۔ اب معلوم ہوا کہ خلیق بھی ناسخ کے متعلق بہت اچھی رائے رکھتے تھے اور دونوں کے درمیان دوستانہ روابط تھے۔

۲۔ میر خلیق نے ایک باکمال استاد کی طرح میر رشک کی طبیعت کو بخوبی پرکھ لیا تھا اور ان کے مزاج کے مطابق ہی انکے لئے ایک استاد تجویز کیا۔ ناسخ اور رشک کی طبیعتوں میں جو موافقت تھی اس کا اندازہ رشک کے کلام سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ میر خلیق کو میر رشک کی صلاحیتوں پر کامل اعتماد تھا انہوں نے سفارش کا خط لکھنا بھی غیر ضروری سمجھا اور تعارف کے لئے رشک کے کلام کو بہت کافی جانا۔ اس واقعہ سے اس زمانے تک کی رشک کی استعداد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

لکھنؤ پہنچنے کے بعد ناسخ کے شاگرد ہونے تک جو واقعات پیش آئے وہ بھی رشک ہی کی زبانی ناصر نے نقل کئے ہیں:

" القصہ[2] فیض آباد سے لکھنؤ آنے کا اتفاق ہوا اور میر امجد علی[3] ہوشیار کی معرفت شیخ صاحب کی خدمت میں پہنچا بطریق نذر بعد سلام و پیام ایک غزل پیش کش کی سر دست عزیز اصلاح سے ہوئی اسے سونپ کر رخصت ہوا دو چار روز کے بعد جو پھر گیا کہا کہ وہ مسودہ جاتا رہا آزردگی کو راہ نہ دو اگر تمہاری کہی تھی پھر کہہ سکتے ہو میں نے اسے امتحان سمجھا اور پھر شعر اسی

---

(۱) نسخہ پٹنہ میں ہے " دریافت حال شعرائے لکھنؤ میر حسن مرحوم سے کیا اور سفارش چاہی... فرمایا کہ میرے دوستوں میں... ناسخ ہیں کہ طبیعت انکی بہت متین اور فی زمانہ ایسا شاعر نہیں ان کی خدمت میں رہنا میں نے خط سفارش کا طلب کیا۔ کہا اسکی احتیاج نہیں میرا سلام کہنا اور اپنا کلام پڑھنا"

(۲) نسخہ پٹنہ میں ہے " القصہ... لکھنؤ... آیا اور میر امجد علی ہوشیار کی معرفت شیخ صاحب کی خدمت میں باریاب ہوا بطریق نذر ایک غزل پیش کی۔ فرمایا کہ اسے چھوڑ جاؤ کہ اصلاح کی جائیگی جب دو چار دن کے بعد۔ حاضر ہوا فرمایا کہ وہ مسودہ گم ہو گیا اگر تمہیں نے کہی تھی اور کہہ سکتے ہو۔ میں نے اسی زمین میں کہی... اسے زیور اصلاح سے آراستہ فرمایا وہ ۱۵ ربیع الاول ۱۲۳۰ھ ہجری تھا کہ ابتدائے زمانہ شاگردی ہوا۔ اب جو فکر کی... دو شگفتہ مل کے تاریخ شاگردی کی حاصل ہوئی۔ یہ عجیب تحفہ اتفاقیہ ہے۔"

(۳) ہوشیار کا حال مصحفی نے اس طرح لکھا ہے:

" سید امجد علی ہشیار تخلص ولد سید غلام حسین تولاش در الہ آباد است وطن بزرگانش شاہجہاں آباد خود بود و باش از چندی در لکھنؤ دارد و نسبت الیہ دامادی میاں تجلی است عرض تخمیناً چہل و پنج خواہد بود بیاد دست بی علمی و ناخواندگی چیزی کہ موزوں می کند اندازش درست می برآید این فیض خلد آشیان میر محمد تقی مرحوم است مری بہ گفتن ہجو ہم دارد و ہر چہ می گوید از نظر ناسخ می گزراند" (ریاض الفصحا ص۲۷۶)

ن میں کہہ کر گیا شیخ صاحب نے اسے زیر اصلاح سے مکافات فرمایا وہ زمانۂ شاگردی ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۳۱ھ تھا اب
ں نے تأمل کیا کہ تاریخ اپنی شاگردی کی کہو سبق تیرے ہاتھ آئی یعنی لفظ ناسخ اور لفظ رشک مل کے تاریخ حاصل
ی یہ عجیب قصۂ اتفاقیہ ہے ۔" (خوش معرکۂ زیبا ۔ نسخۂ لکھنؤ)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ناسخ نے رشک کو اپنی شاگردی میں قبول کرنے سے پہلے ان کی صلاحیتوں کا امتحان
) کیا یعنی ان کے یہاں محض سفارش کافی نہیں تھی ۔ پھر اس وقت تک رشک اتنی مشق بہم پہنچا چکے تھے کہ وہ غزلیں بھی
لیتے تھے اور تاریخیں بھی بخوبی کہہ لیتے تھے ۔ یہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ رشک کی طبیعت ابتدا ہی سے تاریخ گوئی
طرف مائل تھی یہی سبب ہوا کہ اس فن میں انہوں نے اس حد تک امتیاز حاصل کر لیا تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا بقول آزاد
" شاعری کی سرکار سے تاریخیں کہنے کا ٹھیکہ ملا " (آبِ حیات ص ۴۵۸)

چند سال اصلاح دینے کے بعد ناسخ نے میر رشک کو اس قابل کر دیا کہ وہ خود دوسروں کو اصلاح دینے لگیں ۔
انچہ انہوں نے خود اپنے تلامذہ کو میر رشک سے اصلاح لینے کا مشورہ دینا شروع کر دیا تھا ۔ اس سلسلہ میں منیر شکوہ آبادی
کے الفاظ بہت واضح ہیں ۔

" در کانپور بہ آستانہ بوس حضرت مجتہد الشعرا مغفور و مبرور (ناسخ) کہ بہ تقریب مہمان مرحوم نواب امین الدولہ بہادر
ر بودند از جواہر انواع استفادہ جیب تمنا مالا مال کردم و بعد مراجعت حضرت پیر و مرشد ممدوح الصدر بہ گلستان ہمیشہ
بہار لکھنؤ صانہ اللہ عن کل سو، حسب اشارت فیض بشارت جناب شان دست ارادت بہ دامان استاد المحققین ملاذ المتورعین
بدی و مولوی جناب میر علی اوسط رشک دامت افاداتہ زدہ عمری خوشہ چین خرمن برکات حضرت ایشان بودہ (منتخب العلوم ص ۳)

منیر کے علاوہ کانپور کے اکثر تلامذہ ناسخ نے میر رشک سے کسب فیض کیا ہے جو اس حقیقت پر بخوبی دلالت
رتا ہے کہ سنہ ۱۲۴۲ھ (جلوس امین الدولہ) کے قریب ناسخ نے رشک کو اس لائق سمجھ لیا تھا کہ وہ ان کے تلامذہ کی
بیت کر سکیں ۔

لکھنؤ پہنچنے کے بعد کچھ تو ناسخ کے اثرات اور کچھ نواب معتمد الدولہ کی خاص محل سے قرابت کام آئی اور رشک
ان کے بڑے صاحبزادے نواب امین الدولہ مہر کی سرکار میں رسائی حاصل ہو گئی اس ملازمت کے متعلق خود رشک
نے سنہ ۱۲۵۴ھ میں کہا ہے ۔

تھا معتمد سے نوکر نواب ....
کون نواب رشک مہر منیر ....
مہتر پایا تخلص انور ....
بخشش کیونکہ تھی نام و خطاب کہ نہ سے میں کیا سمائیں نام و خطاب

پھر نامہ سالار ضیغم جنگ

حاتم اس دور میں اگر ہوتا — دور گردوں تباہ ہو جاتا۔
قدر اہل کمال کرتے ہیں — با ثمر کو نہال کرتے ہیں۔ (سراج نظم)

اور ۱۲۵۰ھ کے قریب ابن امین اللہ طوفان نے ان کو "کار کن و استاد امین الدولہ مہر" لکھا ہے (ص۔)

۱۲۴۳ھ میں نواب معتمد الدولہ معزول ہو کر کانپور کے لئے روانہ ہوئے تو میر رشک بھی ساتھ ہی تھے۔ کانپور میں اس قافلہ نے جوہی کے میدان میں قیام کیا اس کا حال رشک نے ایک غزل میں نظم کیا ہے چند شعر یہ ہیں ؎

کب آگے جانتے تھے ہے کدھر میدان جوہی کا — نظر آتا ہے اب آٹھوں پہر میدان جوہی کا
مزا ہے جب نکلئے خیمے سے وسعت دکھاتا ہے — ادھر میدان جوہی کا ادھر میدان جوہی کا
مکانات و فضا سے لکھنؤ کا دھیان رہتا ہے — ہوا کنج لحد سے تنگ تر میدان جوہی کا
وطن میں بے تکلف سیر زلف و روئے جاناں تھی — ہے پیش چشم اب شام و سحر میدان جوہی کا
نماز استغاثہ بھی نہیں خضر رہ مسکن — دعا ہے بے اثر یا بے اثر میدان جوہی کا
جلے تو بھی وطن سے بے وطن جیسا کیا ہم کو — جہنم اب ہے اے بیدادگر میدان جوہی کا
یہاں اے رشک دام رہ دگی آتے ہیں تو کہتا — کہے جانے غم و خوف و خطر میدان جوہی کا۔

بہر حال اب میر رشک نے بھی کانپور کو اپنا مسکن بنا لیا لیکن اکثر لکھنؤ جاتے رہے ابن امین اللہ طوفان نے لکھا ہے:
"بالفعل در کانپور تشریف می دارد اکثر شریک مشاعرہ مرزا برق می شد چوں کار کن و استاد امین الدولہ مہر تخلص پسر مہین نواب معتمد الدولہ مرحوم است در لکھنؤ گہگاہ رونق افروز می شود" (طوفان ص۔)

نواب امین الدولہ بھی اپنے استاد سے نہایت محبت رکھتے اکثر سفر میں ساتھ لے جاتے تھے رشک کے حسب ذیل بیانات اس حقیقت پر دال ہیں۔ ع

ساتھ ان کے جو لکھنؤ آیا

سنگم کی سیر دولت نواب سے ملی — کاشی کی مچھلیاں نظر آئیں پراگ میں

عام ہے کہ امراء اور نوابین شعراء کی سرپرستی اس لئے بھی کرتے تھے کہ یہ مرقع قصیدہ کہہ کر ان کی دعا گوئی کرتے رہیں گے لیکن نواب امین الدولہ کا معاملہ اس سے قدرے مختلف تھا رشک کے یہ شعر قابل لحاظ ہیں ؎

کیوں مدح و ذم مردم دنیا میں ہوں مصروف — روزی مجھے بے فکر دیا کرتا ہے رزاق
نوکر بھی ہوں ایسا کہ جو تقریب کوئی ہو — تکلیف نہ دے قطعہ کی اللہ رے اخلاق

اس طرح رشک کو آزادانہ طور پر شعر و ادب کی خدمت کا موقع ملا اسی لئے انھوں نے اصلاح زبان کی طرف توجہ کی۔ ان کے

دیوان کا مطالعہ کریں تو اکثر یہ احساس ہوتا ہے کہ اشعار زبان و بیان کے مختلف مسائل، مصطلحات، اور محاورات کی افہام[1] تفہیم کے لئے کہے گئے ہیں۔ زبان و بیان کے معاملے میں بھی رشک کے نظریات بڑی حد تک آزادانہ ہیں۔ معاصر شعرا ہی نہیں بیشتر تلامذۂ ناسخ بلکہ کہیں کہیں خود ناسخ کی رائے سے بھی اختلاف ملتا ہے اور غالباً یہی سبب ہے کہ ان کو محقق علم و شعر کہا گیا (سراپا سخن ۱۱۵، کلیات منیر وغیرہ) اور وہ خود بھی اسی پر فخر کرتے تھے کہ ؎

[2] تحقیق لفظ کرتا ہے تنبیہ رات دن　　سقم و غلط کے حرف مرے حرف گیر ہیں۔ (دیوان سوم)

• کانپور میں انگریزوں کا عمل تھا وہاں کے ماحول پر انگریزی اثرات حاوی تھے بہت سے ایسے معاملات تھے جو کانپور والوں کے لئے روز کی باتیں تھیں، اہل دہلی اور لکھنؤ ان کا تصور کا بھی نہیں کر سکتے تھے تفصیل کا موقع نہیں صرف چند درج ذیل ہیں :-

اسکول - الف مفتوح، خانہ خواندن اطفال نصاریٰ (نفس اللغۃ)

انگلش: انگلشیہ - مشاہرہ باشد کہ بیاساں دبیران ملازم انگریزاں تادم زندگی یابند و آں نیم مشاہرہ سابق ایں کس باشد (نفس اللغۃ　)

باراں کوٹ - جامہ بود... کہ مردمان فوج انگریزی درایام سرما و برشگال پوشند (نفس اللغۃ ص۲)

پانی ناپنا: سزائی مجرماں، باشمانہ حکم نصاریٰ بدیں صورت کہ آں گنہگار را بہ دریای مغرب بہ فرستند کہ آب پیمائی کند تامدت معین (نفس اللغۃ ص۹۸)

یہ نہیں ہے کہ ان میں سے سبھی چیزیں وہ ہیں جن کا بدل دلی اور لکھنؤ میں نہ تھا لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ان سب کے ساتھ مغربی تہذیب کا جو مخصوص تصور وابستہ تھا وہ یہاں پہلے سے ہرگز موجود نہیں تھا اور بعض چیزیں تو بہت نئی تھیں مثلاً واٹر ورکس جس کے لئے رشک نے "پانی پینا" لکھا ہے۔ اس طرح یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ کانپور کے مخصوص احول میں حسب ضرورت بہت الفاظ اور تراکیب وضع کئے گئے، ان سے وابستہ نئے تصورات عام ہوئے اور انہوں نے زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا شعر و ادب بھی اس ماحول سے دامن بچا نہ سکا۔ پھر میر رشک کی آزادانہ تحقیق و تلاش نے اس میں جدت کے کئی پہلو تلاش کر لئے۔ چونکہ کانپور میں نواب امین الدولہ سب سے زیادہ بارسوخ اور با اثر رئیس تھے اور میر رشک ان کے استاد تھے اس لئے کانپور کے شعری ماحول پر انہیں کا رنگ حاوی رہا اس طرح کانپور میں شعر و سخن کا جو طرز عام ہوا اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے وہ لکھنؤ[3] سے ممتاز رہا اس کی تفصیلات انشاء اللہ پھر کسی موقع سے عرض کروں گا بہرحال رشک نے اپنے کلام کے متعلق خود ہی اسے ظاہر کی ہے یوں ہے ؎

نہ وہ بندش نہ وہ لفظیں ہیں پرانی اے رشک　　شعر گوئی میں تمہیں سب سے نرالا سمجھتے ہیں

رشک کی طبیعت میں قناعت اور استغنا کا عنصر کافی معلوم ہوتا ہے۔ ایک قطعہ میں کہتے ہیں ؎

---

(۱) اسی مقصد کے تحت رشک نے زبان اردو کا ایک لغت بھی تیار کیا جس کا نام نفس اللغۃ تھا اس کا صرف ایک حصہ اب تک شائع ہو سکا ہے [illegible] آتے ہیں۔ (مخزن الشعراء ص۲۵)

آتشِ شوق کسی وقت نہ بجھنے پائے — جلائے سینہ سفر دکفن و مجمر دینا
تیرے صحرائے نگاہوں نہ تھکنے پائیں — پاؤں دنیا تو انہیں طاقت صرصر دینا
گنجِ بے رنجِ قناعت جو عطا کرتا ہو — مخزن و معدنِ دنیا سے فزوں تر دینا
اور اگر تیری مشیت ہیں یونہی گزرنا ہے — حرصِ دنیا تو نہ دینے کے برابر دینا

ایک دوسرے قطعہ میں کہتے ہیں

وہ موحد ہوں کہ دن رات ہے رزاق سے دعا — ایک سرکار سے روزی مری جاری رکھنا

اور یہ بات بھی کم دلچسپ نہیں کہ وہ آخر تک نواب امین الدولہ ہی کے دامن سے وابستہ رہے۔ یہاں تک کہ ۱۲۶۷ھ میں جب نواب نے کربلائے معلیٰ کا ارادہ کیا تو میر رشک بھی ان کے ساتھ ہی گئے۔ رشک کے دیوان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدت سے اس سفر کے متمنی تھے لیکن "بے سر و سامانی" آڑے آتی تھی ؎

اگر واجب خدا کی بندگی ہے — زیارت بھی تو اے رشک الٰہی ہو
نصیب ذرا ذرہ کی کوتہی ہے — دعا پانچوں نمازوں میں یہی ہے
مری مشکل ہو یارب سہل و آساں — بحقِ غربتِ شاہِ خراساں

ایک دوسرے موقع پر انہوں نے اس طرح دعا کی ؎

نہ ایذائے سفر کوئی سہوں میں — اکیلا دوستوں سے بھی نہ ہوں میں
صحیح و سالم و غانم رہوں میں — کہیں آمین قدسی جب کہوں میں
خداوندا مجھے پہنچا نجف میں — مروں میں کربلا میں یا نجف میں

رشک کی یہ سب دعائیں پوری ہوئیں اور وہ ایک مختصر سے قافلے کے ساتھ نجف کی طرف روانہ ہوئے اس موقع پر انہوں نے خوشی سے کہا ؎

مجیب الدعوۃ نے سن لیں دعائیں — اثر بخشا ہماری التجا میں

خواجہ عبدالرؤف عشرت نے لکھا ہے کہ۔

"آخر عمر میں کربلائے معلیٰ چلے گئے اور وہیں انتقال کیا کربلا جانے کا سبب یہ واقعہ ہوا کہ رشک کا ایک پوتا تھا اور یک ہی لڑکا تھا پہلے لڑکے کا انتقال ہوا اس کے بعد پوتا ابھی سنِ شعور تک نہ پہنچا تھا کہ دفعتاً بیمار ہو کر جمادی الاول کی چھٹی تاریخ روز پنجشنبہ ۱۲۶۰ھ کو انتقال کیا۔ اس صدمۂ جانکاہ سے متاثر ہو کر آپ کربلائے معلیٰ چلے گئے اور پھر واپس نہ آئے۔
(آبِ بقا صفحہ ۲۶)

پچھلے صفحے کا حاشیہ:

لکھنؤ کے ماحول کو عام طور پر "یک رنگی" کہا جاتا ہے لیکن غور کیجیے تو یہاں مختلف انداز اور اسالیب کم و بیش ہر دور میں ملتے ہیں سکہ کا عالم تھا تو میر کے اثرات بھی کم نہ تھے، انیس کو قبولِ عام حاصل تھا تو دبیر بھی خواص میں نامقبول ہرگز نہ تھے۔ ناسخ کو اگر اپنے عہد کا بڑا استاد تسلیم کیا گیا تو آتش کا مرتبہ بھی بہت بلند ہے۔ لیکن لکھنؤ کے ماحول پر اس زمانے میں صرف ایک شاعر یعنی میر رشک کے اثرات حاوی رہے ہیں

اس تذکرہ میں کربلا جانے کا سال ۱۲۲۶ھ لکھا ہے اس کے متعلق قاضی عبدالودود صاحب کی رائے ہے کہ یہ صریحاً چھاپے کی غلطی ہے۔ (طوفان صہ ۸۲)

صحیح ۱۲۶۶ھ ہے اس کے لئے عشرت کو الزام دینا فضول ہے، کربلا جانے کے سبب کے متعلق استاذی قاضی عبدالودود صاحب فرماتے ہیں:

"رشک کے بیٹے علی ضامن شوقؔ ان کے کربلا جانے کے بہت بعد تک زندہ تھے جیسا کہ دیوان منیرؔ سے ثابت ہے (طوفان ۸۲)

اس سلسلے میں بھی غالباً "ایک لڑکا" کی جگہ "ایک ہی لڑکا" کتابت کی غلطی ہے کیونکہ تمام تذکرہ نویسوں نے شوقؔ کو رشکؔ کا "بڑا بیٹا" کہا ہے۔ دیوان منیرؔ سے رشکؔ کے ایک پوتے کا اسی تاریخ کو انتقال کرنا ظاہر ہے جس دن عشرتؔ نے ذکر کیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رشک کو انتہائی قلق ہوا چنانچہ منیرؔ کا ایک شعر یہ ہے

شد سید عالم بہ جنیتم حضرت استاد من　　منخسف گردید در ظلمات قرایں ماہ حیف

لیکن خود رشک نے ایک موقع پر کہا ہے

فلک درپے ہے راحت ہیں یہوں کیا　　فساد مردم دنیا کہوں کیا
نہیں طاقت تحمل کی سہوں کیا　　کروں تدبیر کیا اسکی کہ ہوں کیا
مری مشکل ہو یارب سہل و آساں　　بحق غربت شاہ خراساں

ممکن ہے رشک کی طبیعت بیٹے پوتے کی موت سے اچاٹ ہوگئی ہو لیکن یہ سبب نواب امین الدولہ کی ہجرت کا نہیں ہوسکتا، دراصل نواب امین الدولہ اپنے والد کے انتقال کے بعد برابر اس کوشش میں تھے کہ انہیں پھر شاہ لکھنؤ کے یہاں وزارت مل جائے چنانچہ انہوں نے خود کہا

مجھ کو میرا کار آبائی ملے پھر اے خدا　　پھر بلائے شاہ گردوں اقتدار لکھنؤ

رشک نے بھی ایک مقطع میں یہی بات کہی تھی

وزیر ہند ہوں نواب مستطاب اے رشک　　غرض جو ہے تو یہ ہے بادشاہ سے ہم کو

نواب جب اپنی کوششوں کی طرف سے مایوس ہوگئے تو انہوں نے یہاں کا رہنا مناسب نہ سمجھا اور ہجرت کر گئے اس سلسلے میں رشک کی ایک رباعی قابل لحاظ ہے

دشمن شدہ روزگار وقت مدد است　　برہم شدہ کاروبار وقت مدد است
فریاد کجا برم چہ گویم چہ کنم　　ای کاظم نامدار وقت مدد است

بہر حال ۱۲۶۷ھ میں کانپور سے روانہ ہوکر ۱۲۶۸ھ کے اوائل میں یہ قافلہ بمبئی پہنچا اور پھر وہاں سے عراق چلا گیا۔ ۱۲۶۹ھ میں نواب امین الدولہ نے انتقال کیا۔ کاظمین میں دفن ہوئے۔ رشک نے وہیں سکونت اختیار کر لی

(باقی صفحہ ۸۹ پر)

افاداتِ اکبر

حضرت اکبر الہ آبادی کی بہت سی تحریریں ایسی ہیں جو ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کے ایسے اشعار تو اب کم ملتے ملتے ہیں جو منظرِ عام پر نہ آئے ہوں لیکن مکتوبات کا بڑا حصہ ایسا ہے جو ضائع ہو گیا یا جس کے شائع ہونے کی نوبت نہ آئی۔ حضرت اکبر کے پوتے جناب سید محمد مسلم رضوی (خلف سید عشرت حسین) کے پاس اکبر سے متعلق نوادر کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔ مسلم صاحب نے ان نوادر کو "قومی زبان" میں شائع کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے "افاداتِ اکبر" میں اکبر کی غیر مطبوعہ تحریروں کے ساتھ اُن کی غیر معروف تحریریں بھی شائع کی جائیں گی نیز مشاہیر کے ایسے خطوط بھی پیش کئے جائیں گے جو حضرت اکبر کے نام ہیں۔ اس مرتبہ تین تحریریں پیش کی جا رہی ہیں۔ سب سے پہلے اکبر کا ایک خط ہے جو سید عشرت حسین کے نام لکھا گیا تھا، عشرت مرحوم اُس وقت لندن میں زیرِ تعلیم تھے۔ دوسری تحریر ایک کتاب کی تمہید ہے۔ اکبر نے ۱۸۸۲ء میں والفرڈ اسکاٹ کی کتاب "فیوچر آف اسلام" کا ترجمہ "اسلام کی حالت آئندہ" کے نام سے شائع کیا تھا۔ مکتوبات سے قطعِ نظر، اکبر کی نثر کے نمونے بہت کم ملتے ہیں اس لئے یہ مختصر تمہید خاص اہمیت رکھتی ہے۔ عبدالحلیم شرر کا ایک خط بھی شائع کیا جا رہا ہے جو انھوں نے حضرت اکبر کے نام لکھا تھا۔ آخر میں ان نوادر کی اشاعت کے لئے سید محمد مسلم رضوی کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

(ادارہ)

مکتوب اکبر بنام سید عشرت حسین

مرزاپور [illegible] روز پنجشنبہ

ڈیر عشرتی۔ اللہ تم کو تمھاری مشکلات پر غالب کرے۔ سیدھی اور وسیع سمجھ عطا کرے۔ خوش رہو۔ خوش رکھو۔ تمھارے خطوط پہنچے، بدریافت خیریت اطمینان ہوا۔ کیمبرج کی عمارتوں کی تصویریں بہت خوب ہیں۔ ٹرنٹی کالج کا کیا اچھا منظر ہے۔ کرائسٹ کالج جس میں تم داخل ہوگے اس کی تصویر نہیں ہے۔ شاید وہ بہت عمدہ عمارت نہیں ہے۔ خیر کرائسٹ

کے نام کو وہاں سب پر فوقیت ہے۔

تم نے بہت اچھا کیا کہ اون کابلی صاحب سے رسم نہیں بڑھائی۔ تمھاری ایسی احتیاطوں سے مجھ کو بہت مسرت ہوتی ہے۔

کیا مسٹر شاہد حسین کیمبرج میں رہ کر پڑھیں گے؟ کیا وہ بھی بیرسٹری کے لئے گئے ہیں۔ سُنا ہے کہ بہت عیش دوست اور نہایت آزاد طبع ہیں لیکن امید ہے کہ تم پر ایک بزرگانہ نظر رکھیں گے۔ رشتے میں سالے ہوتے بڑا سالا سُسر کی جگہ ہوتا ہے۔ خیر تم اپنی سیدھی چال چلو۔ اپنے پڑھنے لکھنے میں معروف رہو۔ مسٹر شاہد حسین غالباً پریا نویں کی تخصیص سے تم سے محبت کا برتاؤ کریں۔ بے شک یہ بات اطمینان کی ہوگی۔

یہ تو بتاؤ کہ تم جس مکان میں رہتے ہو اوس کے سلسلے میں اور مکانات بھی ہیں یا تمھارا مکان صرف میدانوں سے محدود ہے۔ اگر اور مکانات کے سلسلے میں ہے تو دوسرا کمرہ جس میں کوئی رہتا ہو تمھارے کمرے سے کتنے فاصلے پر ہے۔

ہم لوگوں کو یہ تردد رہتا ہے کہ تم رات کو تنہا اپنے کمرے میں رہتے ہو۔ شاید کوئی ضرورت ہو تو کون جواب دینے والا ہے۔

ہم لوگ یہ بھی سُنا چاہتے ہیں کہ تمھارا کھانا کون پکاتا ہے اور علٰحدہ پکتا ہے یا یکجائی۔ کالج کھلنے پر شاید آبادی بڑھ جائے اور تمھاری معاشرت میں کچھ تبدیلی ہو۔

کھانے کے نسبت تم حکم خاص دیا کرتے ہو یا مہتمم اپنے امتیاز سے ردوبدل کرتا رہتا ہے۔

یہ بتاؤ کہ اسٹڈی کا کیا حال ہے کچھ پراگرس کیا یا نہیں۔ دقت تو ضرور معلوم ہوتی ہوگی شاید گھبراتے بھی ہو۔

لیکن محنت سے راحت ہے یہ یاد رکھو اللہ تعالےٰ اس محنت اور وطن سے دوری کا اچھا بدلا تم کو عنایت کرے گا۔ تین برس کی تلخی انشاء اللہ تمھاری ساری عمر کو شیریں کر دے گی۔ اور اب تو پونے تین برس رہ گئے۔

تم نے محض طلب علم اور افزائش و بقائے عزت خاندانی کے لئے یہ سختی اٹھائی ہے۔ کچھ یہ غرض نہ تھی کہ لندن کی سیر کرو یورپ کے تماشے دیکھو۔ غفلت میں پڑو۔ جھوٹی شیخی سیکھو۔ پس تمھارا فعل حسن عمل میں داخل ہے اور یہ آیت قرآن مجید کی ہے۔ واللہ لا یُضیعُ اَجْرَ المُحسنین (اللہ نیکی کرنے والوں کے عمل کو ضائع نہیں کرتا) خدا تم کو کامیاب کرے گا۔ تم نے جو پرچہ میگزین کا بھیجا ہے پہنچا اور وہ مضمون جو بچوں کی تعلیم ابتدائی پر اُس میں چھپا ہے میں نے پڑھا۔ واقعی تم نے نہایت مفید مضمون منتخب کیا اُسی وقت میں نے تمھاری ماں سے کہا کہ ہاشم جب سو چکے اور آنکھ کھل جائے تو اس کو جلد اٹھا لیا کرو اس بات کا انتظار نہ کرو کہ جب رو دے تب اٹھاؤں۔ میں نے وہ مضمون حاجی عبدالرشید خاں صاحب کو دے دیا ہے کہ اردو میں ترجمہ کر دیں۔ پریا نویں بھی بھیجوں گا۔ اس کی ہدایتیں واقعی عمل ہیں۔ انشاء اللہ ہاشم زندہ و تندرست رہا تو اُس کی شروع تعلیم باقاعدہ کا وہی زمانہ ہوگا جب تم کو اللہ تعالےٰ خیر و خوبی سے یہاں پہنچا دے گا۔ یعنی تمھاری واپسی سے چند روز کے بعد اُس کا

مکتب ہوگا - وہ بہت خوش نصیب لڑکا ہوگا کہ تمہارے اہتمام و ہدایت میں تعلیم و تربیت پائے گا -

تمہارے دوست محمد میاں جونپوری حیدرآباد پہنچے وہاں سے مجھ کو لکھا ہے کہ میں ولایت جانے کو ہر طرح تیار تھا لیکن یہاں ایک نوکری مل گئی ہے اگر مستقل نہ ہوگیا تو شاید قصد کروں گا - یہ نہیں لکھا کہ کیا نوکری مل گئی ہے - یہ پوچھا کہ عشرت میاں کس فن کے لئے گئے ہیں - میں نے جواب لکھ دیا -

اصل یہ ہے کہ انگلستان جانا سہل نہیں ہے - بہت صرف، بڑی دقتیں ہیں اور پھر ہر شخص کو یہ بات حاصل نہیں ہے کہ وہاں سے واپسی پر اُس کے لئے عمدہ پراسپکٹس ہندوستان میں موجود ہوں - یہ دوسری بات ہے کہ دولت مند ہو اور اپنی دولت کو اڑانا شروع کرے -

میں نہیں جانتا کیا پولٹیکل مصالح ہیں لیکن یہاں گورنمنٹ ہند نے حکم جاری کر دیا کہ والیان ملک و رئیسان ہند میں سے کوئی رئیس بغیر اجازت گورنمنٹ کے سفر یورپ نہ کرے اور اجازت چند شرائط سے ملے گی - تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی تھی کہ ایسے سفر ولت سے یہ رئیس زیر بار ہوتے ہیں - انتظام ریاست میں خلل پڑتا ہے اور وہ لوگ کوئی اخلاقی فائدہ حاصل نہیں کرتے - البتہ خراج ہوجاتے ہیں -

میں اب تک فیصلہ نہ کر سکا کہ تمہاری پوری تصویر زیادہ اچھی ہے یا بسٹ - میں تو بسٹ کو ترجیح دیتا تھا اور وہ فیشنیبل بھی ہے لیکن اکثر لوگ پوری تصویر کو ترجیح دیتے ہیں - رئیسان علی گڑھ اور بعض دیگر احباب کو میں تمہاری تصویر بھیجنا چاہتا ہوں، پس کسی مناسب موقع پر نصف درجن تصویریں اور بھیج دینا - کچھ جلدی نہیں ہے - اب موسم اچھا آتا جاتا ہے انشاءاللہ میں بھی اپنی تصویر کھچوا کر بھیجوں گا - شوق اور فیشن کی بات ہے ورنہ تصویر سے کچھ تسکین نہیں ہوتی -

میں تمہاری تصویر دیکھ کر رکھ دیتا ہوں اور پھر تصور کرتا ہوں تو تم نظر میں نہیں پھرتے بلکہ وہی کیبنٹ سائز کی تصویر نظر میں پھرتی ہے - خوب کہا ہے کسی کہنے والے نے -

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

روح رواں اور موج خیالات ہر پل ہر لمحہ چہرے کی شان اور رنگ میں تبدیلی پیدا کرتی رہتی ہے - تصویر صرف ایک لمحہ کا رنگ دکھاتی ہے - اور پھر چہرے پر اس خیال کا رنگ بھی ہوتا ہے کہ میں تصویر کھنچوا رہا ہوں -

اللہ اللہ جن لوگوں نے محبت کے اثر کو سمجھا ہے کیسے کیسے خیالات ظاہر کئے ہیں - ایک شاعر کہتا ہے -

ہر سنگ کہ بر سینہ زدم نقش تو بگرفت
آں ہم صنمے جہر پرستیدن من شد

ANY STONE THAT BEAT (OR STRUCK) ON MY BREAST RECEIVED YOUR IMPRESSION (OR WAS IMPRESSED WITH YOUR IMAGE) THAT ALSO BECAME AN IDOL FOR ME (TO WORSHIP).

حضرت یعقوب کے پاس حضرت یوسف کا کوئی فوٹو نہ تھا، لیکن پیارے یوسف نے مصر سے اپنا پیراہن بھیجا تو آپ کو پہلے ہی اس کی بو پہنچ گئی۔ اس پر کسی نے کہا کہ حضرت آپ نے مصر سے ان کے پیرہن کی بو سونگھ لی پھر اس وقت کیوں نہ دیکھ سکے جب یوسف کنعان کے کنویں میں پڑے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی ہماری طبیعت کی حالت کوندتی ہوئی بجلی کی طرح ہے دم بھر میں ظاہر دم بھر میں پوشیدہ۔ کبھی میں نہایت بلند مقام پر رہتا ہوں۔ کبھی اتنا پست ہو جاتا ہوں کہ اپنے قدم کی پیٹھ بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اگر درویش ایک حالت پر رہتا تو دونوں جہان سے بے پروا ہو جاتا۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے کس خوبی سے اس کو نظم کیا ہے ؎

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند[۱] — کہ اے روشن گہر[۲] پیر خردمند

ز مصرش بوئے پیراہن شنیدی — چرا در چاہ کنعانش ندیدی

بگفت احوال ما برق جہان[۳] است — دمے پیدا و دیگر دم نہاں است

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

اگر درویش بر حالے بماندے — سر دست از دو عالم بر فشاندے

ہاں بھئی خوب یاد آیا۔ جب تم کو اطمینان ہو اور موسم مناسب ہو تو اپنی تصویر کیبنٹ سائز کھنچوا کر نصف درجن یا کم سے کم تین عدد بھیج دینا۔ اور کسی موقع پر گروپ لیا جاوے تو وہ بھی بھیج دینا۔

اس وقت تمھاری کوئی تصویر میرے پاس نہیں ہے۔ دل چاہتا ہے کہ سامنے رہے۔ تم نے جو کارڈ بھیجے ہیں۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ ان پر کن مقامات کی تصویریں ہیں۔

پنجشنبہ ہے خط ڈاک میں پڑے گا لہٰذا ختم کرتا ہوں۔ تمھاری ماں کہتی ہیں کہ عشرت بلاناغہ ہر ہفتے خط بھیجا کریں فرصت نہ ہو تو دو ہی سطریں سہی۔ اس اثنا میں تمھارے نام تین خط آئے علیحدہ لفافہ میں بھیجتا ہوں۔ میں نے کسی اخبار میں دیکھا ہے کہ ولایت کے تار کا محصول کم ہونے والا ہے خدا کرے ایسا ہو۔ لیکن عبدالرشید خاں صاحب کہتے تھے کہ وہاں یہ بھی جائز ہے کہ اپنے پورے ایڈرس کو کوئی شخص کوڈ میں لکھوا کر کوئی خاص حرف اپنے نام لکھا دے۔ مثلاً ع لندن

---

[۱] یعنی حضرت یعقوب۔ [۲] عالی خاندان [۳] جہاں بھر کو کوندنے والی (یہ حواشی خود اکبر نے لکھے ہیں)

میں یہاں سے اس پتہ سے تار بھیجوں تو لندن کا ٹیلیگراف آفس کوڈ میں دیکھ کر تمھارے ایڈریس کو معلوم کرے گا اور تار بھیج دے گا ۔ خدا جانے یہ بات کہاں تک صحیح ہے ۔

ہاشم کو غالباً دانتوں کی آمد ہے ۔ کیونکہ آنکھیں بھی کچھ نا صاف ہیں ۔ تمھارے چھوٹے ابا اب امریکا کے ڈاکٹروں کا علاج کررہے ہیں ۔ میں نے 75 Rs ان کو اور بھیجے کیا کروں ۔ خدا ان کو شفا دے ۔ اب ان کا پتہ ہے

A PATIENT IN DR. PLACES SANITARIUM,

51, PARK STRET, CALCUTTA

نہایت رعایت سے سو روپیہ ماہوار پر وہ وہاں لے گئے ہیں ۔ ان کے سوا اور کوئی ہندوستانی نہیں ہے ۔

YOUR FATHER-IN-LAW ALSO

CELEBERATED THE PRETARIA

VICTORY. I HERE WITH SEND YOU A

CUTTING FROM THE PIONER OF 15 th JUNE

وہاں کے بجے صبح ہوتی ہے اور کے بجے شام دن بڑا ہوتا ہے یا رات ۔ تم لوگ تاپتے ہو یا نہیں ۔ اکیلے کمرے میں تم پریشان تو نہیں ہوتے ۔

اچھا بیٹا خدا حافظ و ناصر

مامائیں دعا کہتی ہیں ۔ تمھاری پھوپھی اماں دعا کہتی ہیں ۔ افسوس ہے دوسرا طوطا اٹلی یا آسٹریلیا والا بھی اڑ گیا ۔ نوکروں کی غفلت سے ۔ اب انشاء اللہ تم جب آنا تو میرے لئے عمدہ چڑیاں لانا ۔

کتاب اسلام کی حالت آئندہ کی تمہید

اپنے برادران اسلامیہ کے سامنے کتاب فیوچر آف اسلام کا ترجمہ پیش کرنے میں مجھے کچھ زیادہ تمہید کی ضرورت نہیں ہے ۔ مصنف نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں عام اس سے کہ وہ ہمارے حسب مراد ہوں یا نہ ہوں ان کی صحت تمام تر لائق تسلیم ہو یا نہ ہو ایسے نہ تھے کہ مجھ کو مسلمانوں کی اطلاع کے لئے اس ترجمہ کا شوق نہ پیدا ہوتا ۔ زمانہ کی رفتار نے مسلمانوں کے دلوں کی ایک غیر معمولی حالت کردی ہے ایسے وقت میں مجھ کو امید ہے کہ میں نے اپنا وقت ضائع نہیں کیا اگر سوچنے والی طبیعتوں کے دائرہ خیال کو وسیع کرنے کے لئے کچھ محنت اٹھائی ۔ اور اسلام کی مجموعی پولیٹیکل اور مذہبی حالت کی نسبت انگلستان کے ایک عالی رتبہ اور ذی علم شخص کی رائے سے ان کو مطلع کیا ۔

مصنف نے یہ کتاب صرف اپنے ہم ملکوں اور بالخصوص پارلیمنٹ انگلستان کو اسلام کی حالت پر توجہ دلانے کے لئے تصنیف کی تھی ۔ ان کا یہ مقصود نہ تھا کہ یہ کتاب ہندوستان میں شائع ہو یا اوس کا ترجمہ کیا جائے ۔ مسٹر حمید اللہ سلمہ اللہ نے ایک

جلد کتاب انگلستان سے اپنے پدر عالی رتبہ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کے ملاحظے کو بھیج دی تھی۔ مولوی صاحب ممدوح کی اجازت سے میں نے اوس کتاب کو پڑھا اور اس کے مضامین نے اوس کے ترجمہ پر مجبور کیا۔

ہنوز ترجمہ ختم نہ ہوا تھا بلنٹ صاحب خود ہندوستان میں تشریف لائے اور بمقام کلکتہ مجھ کو ان سے ملنے کی مسرت و عزت حاصل ہوئی انھوں نے ایک دوسرا دیباچہ بطور ضمیمہ دیباچہ اول کی تحریر فرماکر مجھ کو دیا۔ جس کا ترجمہ میں اس کتاب کے ساتھ شامل کرتا ہوں۔

سلطنت ترکی کے قائم رہنے کی نسبت مصنف کو جو مایوسی تھی یہ دیباچہ اوس مایوسی کو ضعیف کرتا ہے۔ مصنف نے مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ سلطنت ترکی کی نسبت بعض اطلاعیں ان کو خود علمائے مصر و عرب سے حاصل ہوئی ہیں اور وہ ان کی صحت کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اس ترجمہ کے حاشیہ صـ۱ کی سطر آخر میں پندرہ سو کی جگہ پندرہ ہزار پڑھنا چاہیے۔ مصنف کو معلوم نہیں کہ کتاب انگریزی میں کیوں کر یہ غلطی واقع ہوئی۔

میں نے ارادہ کیا تھا کہ مسٹر بلنٹ کی ان تمام اسپیچوں کو جو ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں انھوں نے کہیں اور ان تمام ایڈریسوں کو جو مسلمانوں اور ہر مذہب کے علمائے اسلام کی جانب سے ان کی خدمت میں پیش ہوئیں اور اُس خط و کتابت کو جو باستر ضائے لارڈ رپن گورنر جنرل ہند کے درمیان مسٹر بلنٹ اور گورنمنٹ حیدرآباد کے درباب قائم کرنے ایک یونیورسٹی یعنی دارالعلم کے وقوع میں آئی۔ مسلمانوں کی اطلاع کے لئے اس کتاب کے ساتھ شامل کروں۔ لیکن اس ترجمہ کے شائع ہونے میں بہت دیر ہو چکی تھی اور زیادہ دیر نامناسب تھی۔ جہاں تک ممکن تھا میں نے لفظی ترجمہ کیا ہے اور مصنف کے سلسلہ خیالات کو ذرا بھی برہم نہیں ہونے دیا۔ فقروں کی ترکیب کی پیچیدگی دور کی ہے معانی کو کامل اور روشن کرنے کے لئے ایک لفظ کے ترجمہ میں حسب ضرورت دو دو اور تین تین لفظ لکھ دیئے ہیں۔ لیکن خیالات پیچیدہ کا سہل کرنا میرا کام نہ تھا۔ با ایں ہمہ ناظرین کتاب سے امید ہے کہ میری بے بضاعتی اور کم فرصتی کے لحاظ سے وہ مجھ کو معذور کہیں گے اگر اس ترجمہ میں کچھ غلطیاں پائی جائیں۔ چھاپے اور کتابت کی غلطی تو ایک غیر ضروری چیز ہے۔

اب میں ان دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے ارشاد و تحریک نے مجھ کو محنت ترجمہ پر مستقل رکھا۔ جناب کنور لطف علی خاں صاحب رئیس طالب نگر و اسپیشل مجسٹریٹ سول نے ایک فیاضانہ مدد کی اور ایک بڑا حصہ مصارف طبع کا عنایت کیا جس کا میں دل سے شکر گزار ہوں۔ اب ناظرین ورق اُلٹیں اور مصنف کی باتیں سنیں فقط۔

سید اکبر حسین الہ آبادی

مقام علی گڑھ

۲۵ مارچ ۱۸۸۳ء

مکتوب عبدالحلیم شرر

محبوب پورہ - جام باغ
حیدرآباد - دکن

۱۰ر رمضان سنہ ۲۶ھ

بندہ نواز - سلام نیاز

حضور بندگان عالی کو اپنے اور اپنے عہد کے حالات قلم بند کرانے کا شوق ہوا - قرعۂ انتخاب میرے نام پڑا اور تقدیر نے پھر خاک دکن میں لا کھڑا کیا -

اگرچہ نہ وہ دل کا جوش رہا - نہ وہ دماغ رہا - نہ وہ حوصلہ ہے نہ وہ جولانیٔ طبع شرر، جب خاک ہوگیا اس وقت اس سے گرمیٔ طبع کی امید کی گئی ہے - دعا کیجئے (اس لئے کہ اب آپ ولایت مآب ہیں) کہ خدا عزت و آبرو سے نباہ دے - یہاں مجھے ایک اور کام دیا گیا ہے وہ یہ کہ ایک مکمل تاریخ اسلام مرتب کروں - دونوں کاموں کے لئے جداگانہ عملے بھی دے دیے گئے ہیں مگر تصنیف و تالیف میں عملہ کیا مدد دے سکتا ہے - ماجد میاں سے ملاقات ہوتی ہے - یہاں ملکی و غیر ملکی کا تعصب تو قدیم سے مگر یونیورسٹی کے اشاف نے .... پیدا کر دیا اور طرح زور نہ چلا تو مذہبی پیرایہ اختیار کیا گیا اور مولوی عبدالماجد کی پکڑ ہے جن کے بعض الفاظ ایک فلسفی کتاب میں آزادانہ ہیں - اس خبر نے ماجد میاں اور ان کے ساتھ سارے محکمہ ترجمہ و تالیف عثمانیہ یونیورسٹی کو پریشان کر رکھا ہے - خدا خیر کرے مگر اب شاید کوئی اندیشہ نہیں رہا - والسلام

خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

ماہنامہ

قومی زبان

کا

بابائے اردو نمبر ١٩٦٦ء

○

ڈاکٹر سید عبداللہ — مولانا سعید احمد اکبر آبادی — میاں بشیر احمد — خواجہ غلام السیدین — رئیس احمد جعفری

ماہر القادری — فرقت کاکوروی — نواب مشتاق احمد خاں — ڈاکٹر محمد عمر عابدی — ڈاکٹر احسن فاروقی

سید شبیر علی کاظمی — ڈاکٹر وزیر آغا — سید قدرت نقوی — رئیس امروہوی

اور دیگر اہل قلم کے گرانقدر مضامین کا مجموعہ

○

"مرقع عبدالحق" کے نام سے بابائے اردو کی دو درجن سے زائد نادر و نایاب تصاویر شائع کی گئی ہیں۔

○

"بزم عبدالحق" کے عنوان سے بابائے اردو کے دوستوں اور نیازمندوں کا تذکرہ

○

بابائے اردو کے متعدد غیر مطبوعہ خطوط

○

آفسٹ کی چھپائی — عمدہ سفید کاغذ — صفحات ساڑھے تین سو — قیمت چھ روپے

انجمن ترقی اردو۔ بابائے اردو روڈ کراچی

اختر شہنشاہی

(۳)

۲۷۷ چشمۂ فیض گوجرانوالہ، ماہواری، ۶ ورق اوسط ...، اجرار، اپریل ۱۸۷۶ء، مالک گیان چند شوق۔

۲۷۸ چشمۂ علم پٹنہ ...، پندرہ روزہ، ۴ ورق اوسط ...، مالک سید محمد اکبر شاہ ...، یکم جنوری ۱۸۶۹ء

۲۷۹ چشمۂ انصاف آگرہ، ہفتہ وار، ۴ ورق خورد، اجرار یکم جنوری ۱۸۷۷ء

۲۸۰ چشمۂ حیات۔ دوسرا نام اس کا اعجاز نظامی ہے۔ مجاریہ شیخ نظام الدین اسسٹنٹ ہاسپٹل شفاخانہ پھلپور ضلع الہ آباد ...، ماہواری، ۸ ورق خورد ... مہتمم منظر حسین ... یکم جنوری ۱۸۸۷ء

۲۸۱ چراغ راجستان اجمیر، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ...، مالک مراد علی بیمار ... ۲۹ر نومبر ۱۸۷۵ء

۲۸۲ چراغ کعبہ بمبئی ...، ماہواری، ۱۲ ورق خورد، ... شعر و سخن کا گلدستۂ نعتیہ، مالک بلقیس جہاں بیگم، ایڈیٹر ناظمہ بیگم ...، اشتہار یکم جولائی ۱۸۸۵ء

۲۸۳ چمنستان سخن کانپور ... ماہواری، ۱۲ ورق خورد، ... مجاریہ حافظ عبدالحق، حقیقی مہتمم مرزا عباس حسین ہوش اثنا عشری ...، ۲۵ر اکتوبر ۱۸۸۴ء

۲۸۴ چمن سخن گلدستۂ شعر و سخن ...، ماہواری، ۸ ورق خورد، قصبہ آنولہ ضلع بانس بریلی ... مالک حکیم وارث علی ...، یکم جنوری ۱۸۸۵ء۔

۲۸۵ چمن ہند۔ شملہ، پندرہ روزہ، چار ورق اوسط ...، مالک عبدالقادر تائب ...، اشتہار یکم جولائی ۱۸۸۶ء

۲۸۶ چلتا پرزہ (یا شاہجہاں آباد پنچ) دہلی ...، ہفتہ وار، ۴ ورق خورد ... مالک میر حسین رضوی، ایڈیٹر عبدالرحمٰن ... ۲ار جنوری ۱۸۸۷ء

۲۸۷ حدیقۂ روزگار رنگون، روزمرہ، ۲ ورق اوسط ...، منیجر حکیم شیخ فرید ...، ۹ جنوری ۱۸۸۳ء

۲۸۸ حدیقۂ شعراء مدراس ... ۶ ورق خورد ہفتہ وار ...، مجاریہ میر صادق حسین ...، یہ گلدستہ ضمیمہ احسن الاخبار ہے ... ۵ر اپریل ۱۸۸۴ء۔

۲۸۹ حدیقۃ الاخبار — ریاست ٹونک ۔۔ ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ۔۔، مالک غالب علی خان ۔۔ یکم جنوری ۱۸۸۵ء

۲۹۰ حبیب القلوب — مرزاپور ۔۔، پندرہ روزہ، ۶ ورق خورد ۔۔، مہتمم شیخ عبدالرحمٰن ۔۔۔ ۱۵ ستمبر ۱۸۶۹ء

۲۹۱ حبیب ہند — کانپور ۔۔، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط، مالک پنڈت ہیم نرائن ۔۔۔ یکم اکتوبر ۱۸۸۳ء

۲۹۲ حامیٔ ہند — قصبہ کڑا، ضلع الٰہ آباد بمجاریہ مولوی سید فریدالدین احمد خان ۔۔۔ یکم جنوری ۱۸۸۳ء الٰہ آباد، ۱۸۸۵ء سے ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط ۔۔،

۲۹۳ حامیٔ اسلام — دہلی ۔۔، عشرہ وار، ۴ ورق اوسط ۔۔، مالک فیض الحسن خاں ۔۔۔، ایڈیٹر عبدالوہاب ۔۔۔۔، ۱۰ جون ۱۸۸۳ء

۲۹۴ حامیٔ اسلام — لکھنؤ ۔۔۔، ماہواری، ۱۲ ورق ۔۔، مالک شیخ عبدالغفار انصاری ۔۔، جنوری ۱۸۸۸ء

۲۹۵ حامیٔ تجارت — ضمیمۂ اعتراضی، بمبئی ۔۔۔، ماہواری، ۴ ورق خورد ۔۔، مالک امداد علی ۔۔، اشتہار ۵ اپریل ۱۸۸۶ء

۲۹۶ حاکم — مدراس ۔۔، ایک ورق سب سے بڑا ۔۔۔، ۱۸۸۳ء

۲۹۷ حافظِ صحت — لاہور ۔۔، پروپرائٹر حکیم غلام نبی ۔۔۔ ایڈیٹر حافظ قمرالدین ۔۔۔، ماہواری، ۴ ورق خورد ۔۔۔، یکم فروری ۱۸۷۸ء

۲۹۸ حیاتِ جاودانی — آگرہ ۔۔، عشرہ وار، ۴ ورق اوسط ۔۔، مالک بابو بھبی لال، مہتمم مولابخش ۔۔۔، ۱۸۸۱ء

۲۹۹ حرزِ جان — فتح گڑھ ۔۔، ضلع فرخ آباد، ماہواری، ۱۰ ورق خورد ۔۔، مالک حکیم اصغر حسین ۔۔ یکم فروری ۱۸۷۸ء

۳۰۰ حمایت الاسلام — لاہور، ماہواری، ۱۲ ورق خورد ۔۔، پرنٹر داسسٹنٹ سکریڑی کریم بخش ۔۔، ۱۸۸۵ء

۳۰۱ حب الوطن — کلکتہ ۔۔، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط، مہتمم محمد علیی ۔ اشتہار یکم نومبر ۱۸۸۵ء ابھی تک یہ اخبار شائع نہیں ہوا۔

۳۰۲ خورشید عالم — سیالکوٹ، ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط ۔۔، مالک دیوان چند ۔۔، یکم جولائی ۱۸۵۲ء

۳۰۳ خورشید عالم — لاہور ۔۔، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ۔۔۔ مالک جگناتھ ۔۔، یکم جون ۱۸۷۷ء

۳۰۴ خورشید جہانتاب — آگرہ ۔۔، مہینہ میں دو بار ۔۔، ۶ ورق اوسط ۔۔، مالک مچھو خان ۔۔۔ یکم جنوری ۱۸۷۱ء

۳۰۵ خورشید آفاق — پیلی بھیت ۔۔، مہینہ میں چار بار ۔۔، مالک حکیم مظہر احسن خاں احسن ۔۔، ۷ فروری ۱۸۸۵ء

۳۰۶ خورشید — اعظم گڑھ ۔۔، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ۔ مالک وایڈیٹر وکاتب الہام الٰہی موہانی ۔ ۱۳ اکتوبر ۱۸۸۵ء

۳۰۷ خیرخواہِ ہند — مرزاپور ۔۔، ماہواری، ۶ ورق ۔۔ مالک پادری ایف جی بلیت، ایڈیٹر پادری ٹیر ۔۔ یکم اگست ۱۸۳۶ء

۳۰۸ خیرخواہِ ہند — دہلی ۔۔۔، ہفتہ وار، ۴ ورق خورد ۔۔، مالک لالہ جیا نرائن ۔۔۔ ۱۸۷۵ء

۳۰۹ خیرخواہ خلق — سکندرہ ضلع آگرہ ۔ مہینہ میں دو بار، ۴ ورق خورد، مالک پادری سی جی ڈاب لی ۔۔ جنوری ۱۸۶۲ء

۳۱۰ خیر خواہ خلائق — غازی پور ... ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط، ناگری مشترک ... مالک محمد علی خاں لکھنوی سعیدی، ۱۸۸۴ء

۳۱۱ خیر خواہ عالم — دہلی ... مہینہ میں ۳ بار ... چار ورق اوسط ... مالک سید میر حسن رضوی، ایڈیٹر شاہزادہ مرزا عبدالغنی ... ۳ ... ۷ ... ریاستوں کی بابت اس اخبار میں آزادانہ مضامین چھپ کر شائع ہوتے ہیں۔ خصوصاً ریاست جے پور میں تو یہ اخبار حرف جان سمجھا جاتا ہے اور اس ریاست کو اس اخبار سے پوری مدد ملتی ہے۔ اور اس اخبار کی تحریر پر وہاں عمل درآمد کیا جاتا ہے خلاف ریاستوں کے، اگر ریاستوں کے بارے میں نیک نیتی سے کچھ مضامین لکھے جائیں تو وہاں وقائع نگار سنگین جرم سمجھا جاتا ہے اور اخبار ریاست میں بند کیا جاتا ہے۔ باعث خرابی کا کبھی ہی پر کر وہاں کسی نوع سے اصلاح نہیں ہو پاتی۔۔۔

۳۱۲ خیر خواہ عام — گجرات، ہفتہ وار، ۴ ورق خورد ... مالک رلارام ... جون ۱۸۸۵ء

۳۱۳ خیر خواہ پنجاب — گوجرانوالہ، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط، مالک گیان چند شوق ... پہلے چھوٹے ۱۶ ورقوں پر ... ۷ رجون ۱۸۶۶ء

۳۱۴ خیر خواہ اودھ — پہلے لکھنؤ ... چھوٹے آٹھ ورقوں پر، ہفتہ وار ... ۲۲ رمارچ ۱۸۸۴ (سے) پندرہ روزہ ۴ ورق اوسط ... فیض آباد ... مالک خیراتی لال طاہر، مہتمم عابد حسین، یکم جنوری ۱۸۷۳ء

۳۱۵ خیر خواہ کشمیر — لاہور ... ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ... مالک پنڈت سالگرام کول ... اب بڑے دو ورقوں پر ... یکم اکتوبر ۱۸۸۴ء

۳۱۶ خیر خواہ اطفال — لکھنؤ ... پرچہ چھوٹے ۸ ورقوں کا ... مالک پادری مسرور ... مہتمم پادری کروین ... یکم اپریل ۸۳ء

۳۱۷ خیر خواہ اسلام — پہلے یہ اخبار اسم بامسمّٰی جس کی پیشانی پر جلی قلم سے یہ لکھا ہوا ہے "مبارک ہے وہ دل جس میں قومی ہمدردی جوش زن ہے۔" بڑے دو ورقوں پر پندرہ روزہ (بمبئی) سے یکم اکتوبر ۱۸۸ کو نکلا ... پھر عشرہ وار شائع ہوا ... بعد اس کے حیدرآباد میں باہتمام محمد ابراہیم و کانپور میں باہتمام مومن سجاد و حالہ آباد میں باہتمام حافظ محمد اسمٰعیل و کراچی وغیرہ وغیرہ میں چھپتا رہا۔ ورنیولر، ماہواری ہو کر بمبئی سے نکلا کرے گا۔ مالک شیخ ریاض الدین احمد۔

۳۱۸ خزینۃ العلوم — سیتاپور ... ۸ ورق خورد، ماہواری، مجاریہ منی لال ... ستمبر ۱۸۷۹ء

۳۱۹ خزینۃ القوانین — لاہور ... پندرہ روزہ رسالہ قانونی ... ۳۰ ورق خورد ... مالک سید نادر علی شاہ سینی ۱۸۸۰ء

۳۲۰ خادم ہند — بمبئی ... روزنامہ ۲ ورق اوسط ... مالک کشن سروپ ... ۱۷ رمارچ ۱۸۸۳ء

۳۲۱ خادم ہند — یکم فروری ۱۸۸۶ء کو لاہور ... سے محمد الدین مالک اخبار اشتہار جاری کیا کہ یہ اخبار ہفتہ

وار... باہتمام سے عبدالعزیز کے... ۴ ورق اوسط پر نکلے گا۔ مگر اب چھوٹے چار ورقوں پر
... باہتمام ادتم چند یکم جولائی ۱۸۸۷ء کو نکلا۔

۳۲۲ خادم الطلباء — دہلی... سہ ماہی، ۸ ورق... مالک مولوی خواجہ سید الطاف حسین حالی مدرس، اینگلو عربک اسکول، دہلی۔ ایڈیٹر منشی ذکاء اللہ خاں بہادر، پروفیسر میور کالج الٰہ آباد۔ یکم جنوری ۱۸۸۷ء

۳۲۳ خیال یار — چھاتہ، ضلع متھرا، شعر و سخن کا ماہواری، ۸ ورق خورد کا گلدستہ۔ معاون لالہ بلدیو لال نار... مہتمم دیبی پرشاد... اجرا یکم اکتوبر ۱۸۸۵ء

۳۲۴ خیال محبوب — حیدرآباد دکن... ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں... مالک مولوی عبدالسلام عرشی... جولائی ۱۸۸۷ء

۳۲۵ خالصہ پنجاب — ملتان... ہفتہ، ۴ ورق خورد، مالک جگت سنگھ ایڈیٹر بھائی فتح سنگھ... یکم اگست ۱۸۸۴ء

۳۲۶ خالصہ گزٹ — لاہور، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط... ایڈیٹر فتح سنگھ۔ ۱۶ ر جون ۱۸۸۶ء

۳۲۷ خضر ہند — سیالکوٹ... ماہواری، ۳ ورق اوسط... مالک دیوان چند... یکم جنوری ۱۹۷۹ء

۳۲۸ خوش بہار — پشاور کا اخبار۔ اجرا نومبر ۱۸۵۴ء

۳۲۹ خلاصۂ نظائر — الٰہ آباد... اجرا یکم جنوری ۱۸۸۰ء

۳۳۰ خنجر عشق — لکھنؤ... ماہواری، ۱۲ ورق خورد، شعر و سخن کا گلدستہ ۲۶ ر مارچ ۱۸۸۵ء

۳۳۱ دارالسلام — آگرہ... مرثیوں کا گلدستہ، ماہواری... مالک اشتیاق حسین ناظم اثنا عشری... مہتمم مرزا عاشق حسین بزم... اجرا اشتہار یکم اکتوبر ۱۸۸۴ء

۳۳۲ دارالعلوم — میرٹھ... مجاریہ وجاہت علی خاں مرحوم، مہتمم حکیم منغرب حسین خاں غنی... ۱۸۶۱ء

۳۳۳ دارالعلم — مرزاپور... پندرہ روزہ... ۸ ورق خورد، ناگری مشترک... ایڈیٹر شیخ عبدالرحمٰن... یکم اپریل ۱۸۷۴ء

۳۳۴ دارالسلطنت — کلکتہ... ہفتہ وار ۸ ورق اوسط... پھر بتاریخ ۴ مئی ۱۸۸۱ء کو شیخ احسان اللہ سوداگر دہلوی نے باہتمام متھرا پرشاد دھر ایڈیٹر کے جاری کیا... اور پھر... ہفتہ میں دوبار، ۴ ورق اوسط ... ۱۸۸۷ء میں محمد نادر نے اس کارخانہ کو خرید کیا اور ان کے صاحبزادے عبدالکریم بی اے ایڈیٹر اس کے ہیں۔

۳۳۵ دہلی سوسائٹی — سوسائٹی کی بزم عقلی کا ذکر ہے۔ یعنی علوم و حکمت و انشا کا ذکر ہے۔
دہلی محلہ بلیماران، دیوان خانہ حکیم محمود خاں... ماہواری، ۴۰ ورق خورد سکریٹری منشی ذکاء اللہ خاں... اجرا یکم مئی ۱۸۷۲ء

۳۳۶ دہلی پنچ — لاہور... مجاریہ فرحت حسین علی فرحت دہلوی، مالک اللہ دین، ایڈیٹر فضل الدین، اجرا یکم جون ۱۸۸...

۳۳۷ دھرم پرکاش — گوجرانوالہ، ماہواری، ۲ ورق اوسط۔، ۱۸۷۷ء یہ اخبار پورانول اور ہر مذہب اہل ہنود کے حقانی اصول کا رہنما۔

۳۳۸ دھرم پرکاش — قصبہ سنبھل، ضلع مراد آباد، ہفتہ وار، پانچ ورق اوسط۔، ایڈیٹر بنسی دھر۔ ۲۸ جنوری ۱۸۸۶ء

۳۳۹ دھرم پرچارک پترکا — فتح گڑھ۔، پندرہ روزہ، چار ورق۔، مالک انبا پرشاد نے اہتمام سے صدیق حسن منت کے شائع کیا۔، یکم اگست ۱۸۸۲ء

۳۴۰ دبدبۂ سکندری — رام پور، ضلع مراد آباد، محلہ بنگلہ آزاد خاں، ہفتہ وار، ۸ ورق خورد اوسط یوم دوشنبہ۔، مالک محمد حسن خان۔ مہتمم محمد حسین خاں از مطبع حسنی، اجراء ۱۸۶۷ء

۳۴۱ دبدبۂ قیصری — بانس بریلی، ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط۔، مجاریہ گنگا دین، مالک رودر سہائے۔۔۔ ایڈیٹر انتظام علی۔۔، ۱۸۷۷ء

۳۴۲ دبدبۂ اسلام — بمبئی۔۔ ہفتہ وار، ۴ ورق خورد۔، مجاریہ انجمن درخشاں، مہتمم محمد سعید عربی۔۔، ۱۸۸۳ء

۳۴۳ دبیر ہند — الہ آباد۔ ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط۔ مالک مرزا محمد حسین۔۔، یکم مارچ ۱۸۷۷ء

۳۴۴ دبیر ہند — مدراس۔۔، ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط۔، مالک مرزا قاسم بیگ، ایڈیٹر محی الدین تسنیم۔۔ یکم اکتوبر ۱۸۸۴ء

۳۴۵ دبیر مدراس — مدراس۔۔، ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں۔، مالک سید حسن رضا آتشی۔۔، ۱۳ جنوری ۱۸۸۴ء

۳۴۶ دبیر الملک — بھوپال۔۔، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط۔، مالک سید امجد علی اشہری۔۔، ۱۸۸۱ء

۳۴۷ دریائے لطافت — کانپور۔، ہفتہ وار، ۸ ورق۔۔، مالک سید لطافت حسین۔۔، یکم جنوری ۱۸۸۵ء

۳۴۸ درفش کاویانی — لاہور، ماہواری۔ زبان فارسی، ۴ ورق خورد۔، مالک و وقایع نگار عبدالحکیم کلانوری۔ یکم جنوری ۱۸۸۴

۳۴۹ درد دل — لکھنؤ۔، ہفتہ وار، ۲ ورق کلاں۔۔، مالک نواب علی محمد خان۔۔، ۱۵ مئی ۱۸۸۵ء

۳۵۰ دربار اکبری — دہلی۔۔، عشرہ وار، ۴ ورق اوسط۔۔، مالک افضل خان۔ اس کا نام اکبر الاخبار بھی ہے۔ اشتہار یکم فروری ۱۸۸۵ء

۳۵۱ دامن گلچیں — لکھنؤ۔، ماہواری، ۸ ورق خورد۔، بسرپرستی جناب منشی امیر احمد صاحب مینائی، مالک محمد احمد قمر۔ مہتمم شیخ واجد علی تبل از مطبع مددوپریس، اجراء یکم فروری ۱۸۸۵ء

۳۵۲

۳۵۳ داستان سیاح — حیدرآباد۔۔، ۸ ورق خورد، ماہواری۔، مجاریہ غوث الدین۔ مہتمم زین العابدین مؤلف داستان۔ ایڈیٹر سید ابراہیم عفو مترجم۔۔، ۱۶ مئی ۱۸۸۴ء

۳۵۴ دانش ہند — ملتان، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط۔، مالک پنڈت راج ناتھ، مہتمم محمد الدین۔ یکم جنوری ۱۸۸۴

۳۵۵ **داغ دل** — بانس بریلی، ماہواری، ۸ ورق خورد... مالک حکیم سید محمد حسین... ۱۵ر جولائی ۱۸۷۹ء

۳۵۶ **داغ** — اجمیر، ماہواری، ۱۱ ورق اوسط، شعر و سخن کا گلدستہ... یکم جنوری ۱۸۸۸ء

۳۵۷ **دعوت الحق** — لاہور کا رسالہ ماہواری، اجرا یکم مارچ ۱۸۸۳ء

۳۵۸ **دکن پنچ** — مدراس... ہفتہ وار، ۴ ورق خورد، مالک مرزا قاسم بیگ، مہتمم محی الدین حسین تسنیم
استہار یکم جنوری ۱۸۸۸ء

۳۵۹ **دکن پنچ** — حیدر آباد دکن... ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط... مالک کشن راؤ، مہتمم عبدالکریم ظریف، ایڈیٹر عزیب الدین... یکم جون ۱۸۸۷ء

۳۶۰ **دل گداز** — لکھنؤ... ماہواری، ۱۰ ورق خورد... مالک و ایڈیٹر مولوی عبدالحلیم شرر سکریٹری انجمن دارالسلام... اجرا ۲۵ر جنوری ۱۸۸۷ء

۳۶۱ **دوربین** — کلکتہ... ہفتہ وار ۲۰ ورق اوسط... ۱۸۹۹ء

۳۶۲ **دوست** — دہلی... ہفتہ وار ۴ ورق خورد... مالک اما شنکر... یکم اپریل ۱۸۸۷ء

۳۶۳ **دوست ہند** — بھیرہ ضلع شاہ پور پنجاب ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط... مالک بخشی رام لبھایا۔ ۲۲ر جون ۱۸۸۷ء

۳۶۴ **دیوان گلدستہ** — لکھنؤ... شعر و سخن کا پندرہ روزہ رسالہ۔ ۵ ورق اوسط... مالک جیکب، مہتمم گنگا پرشاد... یکم جنوری۔ ۱۸۶۰ء

۳۶۵ **دلس اوپکارک** — لاہور... ہفتہ وار، ۴ ورق خورد... مالک سالک رام... ۱۸۸۳ء

۳۶۶ **ڈبیٹنگ سوسیٹی** — میرٹھ... ماہواری، ۲۶ ورق خورد... سکریٹری احمد حسن زاہدی... ۱۸۶۸ء

۳۶۷ **ذخیرۂ بالگوبند** — آگرہ... ماہواری، ۳۲ ورق اوسط... مالک بالگوبند ماتھر تخلص گلزار دہلوی۔ یکم مارچ ۱۸۶۸ء مشتمل بر جمیع علوم مفید فنون کاملہ و تحقیقات جدید... تقاریر و مضامین متعلقہ معرفت الہی و حالات و دلچسپ و عجائبات روزگار و مطالب متعلقہ پسندیدہ جدیدہ۔ معہ تصاویر۔

۳۶۸ **ذخیرۂ اشرف** — لکھنؤ... ضمیمۂ اخبار تہذیب الآثار، ماہواری، اس اخبار میں تمام ہفت اقلیم کی شہرہ دار فہرست اخبارات کی مفصل درج ہوتی ہے۔ آنریری ایڈیٹر اختر الدولہ حاجی سید محمد اشرف نقوی... یکم اپریل ۱۸۸۱ء

۳۶۹ **ذخیرۂ تعلیم** — حیدر آباد دکن، ماہواری۔ ۲۴ ورق خورد... وقائع نگار، عزیز الدین... یکم نومبر ۱۸۸۲ء

۳۷۰ **رفاہ خلائق** — شاہ جہان پور... چار ورق اوسط، پندرہ روزہ... مہتمم لالہ جگناتھ... ۱۸۵۴ء

۳۷۱ **رفاہ عام** — سیالکوٹ، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط... مالک دیوان چند، ایڈیٹر گیان چند۔ یکم اپریل ۱۸۷۳ء

رفاہِ عام — رتلام اخبار، اجرائے اشتہار یکم جون ۱۸۸۳ء

رفاہِ عام — جھجر، ضلع اٹک ... ۸ ورق خورد، پندرہ روزہ، بحکم غلام محمد خاں۔ ایڈیٹر دین دیال یکم نومبر ۱۸۸۳ء

رفاہِ عام — لاہور، ۲ ۱۸۸ء میں چھوٹے چار ورقوں پر... باہتمام متھورام نند کے نکلا اور ۳ ۱۸۸ء میں... باہتمام منشی گلاب سنگھ کے طبع ہوا اور ۴ ۱۸۸ء میں ... ۴ ورق اوسط پر... شائع ہوا ... مالک مالک رام مہتمم پنڈت ہرگوپال ایڈیٹر... یکم جنوری ۱۸۸۲ء

رفاہِ عام —

۱ **روہیلکھنڈ اخبار** — مراد آباد ... ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط، مجاریہ شیام سروپ، ایڈیٹر ہرنام سروپ، مہتمم سید ضیاء الدین حسین ... ۱۸۶۶ء

۲ **روہیلکھنڈ پنچ** — مراد آباد۔ ہفتہ وار، ۲ ورق اوسط ... مالک مشیر الدولہ سفیر الملک قاضی سید جمشید علی خاں ۱۸۸۶ء

۲ **ریاضِ ہند** — جم، ایڈیٹر سید مہدی حسن ۱۸۷۴ء امرتسر... ہفتہ وار، ۴ ورق خورد ... مالک محمد حسین

۲ **ریاض الاخبار** — یہ اخبار پہلے ... خیرآباد ضلع سیتاپور سے عشرہ وار ... یکم اکتوبر ۱۸۷۴ء (کو) ریاض الدولہ بہار الملک سید ریاض احمد آشفتہ رئیس بن سید طفیل احمد کرمانی کورٹ انسپکٹر درجہ اول جونپور و حافظ نظام احمد انداز رئیس نے مطبع لمعۂ رخشاں سے جاری کیا۔ اب بحکم مالکان موصوف باہتمام لالہ سیتلا بخش ... گورکھپور، ۸ ورق اوسط۔ پر شائع ہوتا ہے ... از مطبع ریاض الاخبار۔

۳ **ریاض الاشعار** — لکھنؤ ... ماہواری ... ۱۶ ورق خورد ... شعر و سخن کا گلدستہ، مجاریہ ڈاکٹر محمد یوسف جنوری ۱۸۸۱ء

۳ **ریاض النور** — ملتان کا اخبار ... ، نومبر ۱۸۸۵ء

۳ **ریاضِ سخن** — رام پور، ضلع مراد آباد، ۱۸ ورق۔ ماہواری شعر و سخن کا گلدستہ ... مالک احمد علی خاں شوق ... ۲۰ جنوری ۱۸۸۵ء

۳ **ریاضِ رنگیں** — پرتاب گڑھ ... رائے بریلی ... ماہواری، ۸ ورق خورد شعر و سخن کا گلدستہ ... مالک حکیم محمد ظاہر کاکوروی تخلص افسر ... ۱۵ مارچ ۱۸۸۵ء

۳ **ریاض النبوی** — شیو راج پور، ضلع کانپور۔ ماہواری، ۴ ورق خورد کا نعتیہ گلدستہ۔ مالک مولوی بہادر رزمی گلدستہ کا نام فریاد رزمی بھی ہے۔ اجراء اشتہار یکم جنوری ۱۸۸۷ء

۳ **ریاض المصطفیٰ** — کانپور۔ ماہواری، ۸ ورق خورد، گلدستہ نعتیہ ... ضمیمہ تہذیب سخن، مالک احمد علی احمد نومبر ۱۸۸۶ء

۳ **روزنامچہ لکھنؤ** — لکھنؤ ... روزنامہ ۴ ورق اوسط۔ مالک خدا بخش خاں بنارسی۔ ایڈیٹر سید عبدالبصیر حضور بلگرامی ... یکم جنوری ۱۸۸۳ء

۳۸۶　روزنامچۂ عالم　الہ آباد ... روزمرہ ، ۴ ورق اوسط ... مالک ریاض الدین احمد ، ایڈیٹر اخبار خیر خواہ اسلام ... اجرا و اشتہار یکم اکتوبر ۱۸۸۴ء

۳۸۷　روزنامچۂ ملک　کلکتہ ... روزمرہ ، ۲ ورق ... مالک علی اصغر ایم۔اے ... اشتہار یکم مئی ۱۸۸۵ء

۳۸۸　راجپوتانہ سوشیل سائنس کانگرس　جے پور ، ہفتہ وار ، ۴ ورق اوسط ... باہتمام فیض محمد خاں ... ۱۸۶۹ء

۳۸۹　راجپوتانہ گزٹ　اجمیر ... ہفتہ وار ۴ ورق اوسط ، ناگری مشترک ، مالک مراد علی بیمار ... ۱۸۸۱ء

۳۹۰　راجپوتانہ پنچ　ضمیمہ راجپوتانہ گزٹ ، ایک ورق ، ہفتہ وار ۱۸۸۱ء

۳۹۱　راجپوتانہ اخبار　اجمیر ، ہفتہ وار ، ۶ ورق اوسط ... مالک دیوان بوٹا سنگھ ، ایڈیٹر وزیر علی ... جنوری ۱۸۶۹ء

۳۹۲　رسالۂ پنجاب　سیالکوٹ ، ہفتہ وار ، ۲۰ ورق اوسط ... مالک سیٹھ آذر جی ... ایڈیٹر پنڈت پرن کشن ... ۲۴ ستمبر ۱۸۶۹ء

۳۹۳　رسالۂ چھنگی　آگرہ ، پندرہ روزہ ، ۱۱ ورق اوسط ... مالک امیر الدین ... مہتمم بندہ علی خاں ... جنوری ۱۸۸۲ء
اس میں ممالک اودھ کی کل میونسپل کمشنر کی کارروائیاں درج ہوا کریں گی اور انتظامات و تجاویز سے بحث کی جایا کرے گی ۔

۳۹۴　رہنما　لکھنؤ ... ہفتہ وار ، ۴ ورق ... مکان منشی احمد احمد امیر ... مالک محمد احمد قمر ... اشتہار یکم جنوری ۱۸۸۵ء

۳۹۵　رپن گزٹ　بانس بریلی ... ۸ ورق اوسط ، مہینہ میں دو بار ، انگریزی اردو ناگری مشترک ... مہتمم بشن لال ... ایڈیٹر کشن لال ... ۱۲ جنوری ۱۸۸۵ء

۳۹۶　رپن گزٹ　موہان ، ضلع اوناؤ ... ہفتہ وار ، ۴ ورق اوسط ... مالک سید محمد رفیع اثنا عشری ... ۱۱ جون ۱۸۸۵ء

۳۹۷　رہبر ہند　لاہور ... ہفتہ میں دو بار ... ۴ ورق اوسط ... مالک سید نادر علی شاہ سیفی اثنا عشری ، جنوری

۳۹۸　۱۸۸۵ء سے روزانہ بھی اس کے سوائے دو ورق خورد پر ہو گیا ... یکم دسمبر ۱۸۸۵ء

۳۹۹　رہبر　مراد آباد ... بسرپرستی راجہ کشن کنوار تعلقہ دار سیپور ، ہفتہ وار ، ۴ ورق خورد باہتمام پنڈت پرتاب کشن آغا تخلص رہبر کے شائع ہوتا ہے ... ۴ جنوری ۱۸۸۸ء

۴۰۰　رفیق ہند　لاہور ... ہفتہ وار ۸ ورق اوسط ... مالک محرم علی چشتی ... ۵ جنوری ۱۸۸۴ء

۴۰۱　رفیق نسواں　یہ پرچہ قومی عیسائیاں ... بزبان اردو ہندی لکھنؤ میں اور زبان بنگالی کلکتہ میں اور زبان تامل مدراس میں دو ہفتے کے بعد ... عیسائی عورتوں کے لئے ۶ ورق اوسط پر شائع ہوتا ہے ۔ خط و کتابت ... بنام مسز بیڈلی ... اس اخبار کو ۵ مارچ ۱۸۸۴ کو پادری کریون نے جاری کیا تھا

۴۰۲　رفیق دکن　حیدرآباد دکن ، ماہواری ، ۲۴ ورق خورد ... مہتمم عزیز الدین ... یکم اگست ۱۸۸۵ء

۴۰۳　رونق ہند　کانپور ... ماہواری ... ۸ ورق خورد ، ناگری مشترک ... مالک گنگا پرشاد ... یکم جون ۱۸۸۳ء

۴۰۴ روداد مدرسہ اسلامی، دیوبند، ضلع سہارنپور... ۳۲ ورق خورد... مہتمم مدرسہ مولوی رفیع الدین... ۱۸۷۶ء

۴۰۵ رتن پرکاش رتلام، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط... مجاریہ محمد حسین، مہتمم مولوی عبدالحق... ۱۸۶۸ء

۴۰۶ راوی بے نظیر لاہور... ۱۸ ورق خورد ماہواری... مالک ساالک رام۔ ایڈیٹر پنڈت شیونا تھ... یکم فروری ۱۸۸۸ء

۴۰۷ راوی لاہور... ہفتہ وار، ۴ ورق خورد، مہتمم پنڈت ہرگوپال... ۱۹ اپریل ۱۸۸۷ء

۴۰۸ رعنا لکھنؤ... ماہواری... ۱۰ ورق... مالک سید عاشق حسین عاشق... یکم اکتوبر ۱۸۸۳ء

۴۰۹ رفیع الاخبار بنارس... ہفتہ وار، ۴ ورق خورد... مالک سید غلام حسین... ایڈیٹر کریم بخش......
دوسرا نام اس کا وائے ہند ہے... یکم جنوری ۱۸۸۴ء

۴۱۰ ریختہ دہلی... پندرہ روزہ... ۴ ورق اوسط... مالک مہا نرائن... ۱۸۸۲ء

۴۱۱ روشنی لاہور... ہفتہ وار، ۴ ورق خورد... مالک شیر محمد... اجراء واشتہار ۱۰ مارچ ۱۸۸۷ء

۴۱۲ رشید کراچی... ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں... مالک مشہدی مرزا محمد صادق خلف مرحوم آقا مرزا
مخلص علی اثنا عشری... زبان فارسی... ۱۱ر جولائی ۱۸۸۷ء

۴۱۳ روزانہ پہلے یہ اخبار ۴ ورق اوسط... بایڈیٹری محمد علی خاں عرشی الواسالاخبار کے نام... سے
جاری ہوکر ۱۱ر جون ۱۸۸۵ء سے اوسی قیمت پر ۸ ورق کلاں پر روزانہ ہوگیا... مالک
حاجی تیغ بہادر، مہتمم فتح محمد تائب... ۱۸۷۴ء

۴۱۴ زبدۃ الاخبار آگرہ۔ ہفتہ وار، ۴ ورق... ۸ر نومبر ۱۸۵۳ء

۴۱۵ زبدۃ النظائر پہلے... ہفتہ وار، ۶ ورق خورد... فرخ آباد... بنواری لال مہتمم... اب ۱ ورق خورد...
رگھوبیر دیال وکیل کے اہتمام سے، مرتبہ بی، ٹی۔ اس۔ بلینکی وائس چیف... بیرسٹران ومترجمہ
شیو سہائے منصف... یکم جنوری ۱۸۸۱ء

۴۱۶ زینت الاخبار گورکھپور... ہفتہ وار، ۲ ورق اوسط... مالک کشوری موہن چیٹرجی... یکم فروری ۱۸۸۵ء

۴۱۷ زمانہ آگرہ... ماہواری، ۲۰ ورق اوسط... مالک خواجہ یوسف علی... جنوری ۱۸۸۱ء

۴۱۸ زراعت بجنور، ماہواری، ۱۰ ورق خورد... مہتمم پنڈت سری لال... یکم مارچ ۱۸۸۴ء

۴۱۹ زمیندار ضلع گوجرانوالہ بمقام فیروزوالہ... فن زراعت وفلاحت و باغبانی وتجلیدی وعلاج المویشی و
صنعت وحرفت وتجارت کا ماہوار رسالہ، ۲۵ ورق خورد... مہتمم منشی محبوب عالم۔ اشتہار یکم
جنوری ۱۸۸۷ء

۴۲۰ سانڈرس گزٹ شاہ جہاں پور۔ پندرہ روزہ، ۴ ورق اوسط... مالک سید اصغر علی۔ ایڈیٹر غلام حسین خاں یکم جنوری ۱۸۸۰ء

٤٢٢ **سبھا کپور تھلہ** — کپور تھلہ۔ مجاریہ دھرم پروائی سبھا بحکم دیوان متھرا داس۔۔ ہفتہ وار ۔۸ ورق اوسط۔۔، ایڈیٹر برکت علی ۔۔۔ ۱۸۷۹ء

٤٢٣ **ستارۂ ہند** — پہلے یہ چندوسی ضلع مراد آباد ۔۔۔ بان شنبھو ناتھ وکھرام سیٹھ، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط۔۔، بعد ازاں ۲ مئی ۱۸۸۲ء کو ۔۔۔ مراد آباد میں آگیا۔ مالک پنڈت بنواری لال ۔۔ ۱۸۸۱ء

٤٢٤ **ستارۂ ہند** — آگرہ کا اخبار، اجراء اشتہار، جنوری ۱۸۸۷ء

٤٢٥ **ست پرکاش** — بانس بریلی، ۱۴ ورق خورد۔ مہتمم کشن لال۔۔ یکم جنوری ۱۸۸۳ء، مشرقی علوم کا ماہوار رسالہ ناگری مشترک۔

٤٢٦ **ست سماچار** — فتح گڑھ، پندرہ روزہ، اردو ناگری مشترک۔۔ مہتمم شیو پرشاد ۔۔۔ یکم جولائی ۱۸۸۳ء

٤٢٧ **سٹوڈنٹس ٹیچر** — لاہور ۔۔۔ ماہواری، ۳۲ ورق خورد ۔۔ مالک اوتم چند کپور ۔۔۔ یکم نومبر ۱۸۸۴ء

٤٢٨ **سٹوڈنٹس گائیڈ** — لاہور، ماہواری، ۱۲ ورق خورد ۔۔۔ مالک ہر بھگت سنگھ ۔۔ اشتہار یکم نومبر ۱۸۸۵ء

٤٢٩ **سمیع** — مدراس ۔۔ مالک نواب سمیع الملک رستم الدولہ شیر افگن خاں بہادر جاں باز جنگ۔ یکم جنوری ۱۸۸۰ء

٤٣٠ **سحر سامری** — لکھنؤ ۔۔۔ ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط ۔۔ مالک پنڈت بچا نفہ ۔۔۔ ایڈیٹر شنکر دیال فرحت۔ یکم اکتوبر ۱۸۶۹ء

٤٣١ **سحر آفریں** — میوٗر علاقہ بھرت پور، ماہواری، ۱۰ ورق خورد ۔۔۔ مالک نظام الدین شوقی یکم ستمبر ۱۸۸۶ء

تحسین سروری

اردو ادب کے غیر ادبی مآخذ

(۱۱)

اویماق مغل

اویماقِ مغل[1] فارسی زبان میں تاریخ و سوانح کے موضوع پر ایک نہایت کارآمد و مستند کتاب ہے۔ اور جیسا کہ سرورق پر صراحت کر دی گئی ہے، یہ کتاب " احوالِ سلاطینِ عظام و اقوام و خاندان ہائے خوانین " کے لیے مخصوص ہے۔ اقوام مغل کی تاریخ، ان کے عادات و خصائل، ان کی اصل و نسل اور محاربات وغیرہ پر فارسی، اردو اور انگریزی میں متعدد کتابیں موجود ہیں، لیکن اویماق مغل جیسی مبسوط و مفصل کتاب شاید ہی کوئی اور ہو۔

۸۳۲ صفحات کی یہ کتاب ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں مطبع روز بازار امرتسر میں چھپ کر شائع ہوئی۔ شروع میں ۲ صفحات کی فہرست مضامین ہے۔ اس کے بعد ساتویں صفحے سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ کتاب دو ابواب پر تقسیم کی گئی ہے۔ باب اول میں اقوام مغل کا بیان ہے۔ اس باب کا خاتمہ صفحہ ۱۰۰ پر ہوتا ہے۔ دوسرے باب کی ابتدا صفحہ ۱۰۱ سے ہوتی ہے۔ صفحہ (۸۱۵) سے مولف نے اپنے حالات اور اس کتاب کی ترتیب کی روداد قلم بند کی ہے۔

مولف چونکہ سونکھرہ ضلع مندسور (مالوہ) کے ساکن تھے اس لئے انہوں نے آخر میں خاندان روسائے سونکھرہ کا تذکرہ بھی لکھا ہے۔

مرزا عبدالقادر خان خود آقا باش قاچار نسل سے تھے، اس لئے اقوام مغل کی تاریخ لکھنے میں انہوں نے کافی محنت و خلوص سے کام لیا ہے۔ مغل، ترک، تاتار، تورانی اور ایرانی نسلوں اور ان کی شاخوں کی تفصیل سے تاریخ لکھی ہے۔ اور ان اقوام کے سلاطین و روٴسا اور معروف و غیر معروف شخصیات کے حالات بیان کرنے میں مولف نے کافی تحقیق سے کام لیا ہے، جہاں جہاں یہ قوم پہنچی اور جن جن طریقوں سے تسخیر ممالک میں انہماک دکھایا، وہ سب کچھ اس کتاب میں ہے۔

کتاب کے مولف نے باب دوم سے ہر مغل بادشاہ کے حالات بیان کرنے کے بعد اس کے آخر میں " ذکر بعضے از شعرائے عہدِ او " کے عنوان سے ایک فصل قائم کی ہے۔ جس کے تحت خاص خاص شعراء کا مختصر تذکرہ ہے۔ ان شعراء میں درباری و غیر درباری کی کوئی تخصیص نہیں رکھی۔ سب سے پہلے تذکرہ شعراء کا سلسلہ " ذکر شوکت و عظمت خاندانِ عباسیہ " سے شروع کیا گیا ہے۔ اور سب سے آخر کا تذکرہ شعراء ذکر سلطنت سلطان محمد شاہ ابن عباس مرزا ابن فتح علی شاہ قاچار کے

[1] مصنف: مرزا محمد عبدالقادر خاں عرف مرزا محمد آغا جان

کے تحت ہے۔

۔تذکرۂ شعراء کے کل (۲۰۲) مقامات ہیں۔ جب مغلوں نے ہندوستان کو تسخیر کر لیا، اور ان کی سلطنت کو یہاں استحکام حاصل ہو گیا، ان کے درباروں میں فارسی زبان کی شعروشاعری کا چرچا ہونے لگا۔ لہٰذا ہندوستان میں عہد بابری کے شعراء سے تذکرۂ شعراء کا سلسلہ قائم ہوا۔ بہادر شاہ ظفر کے عہد کے شعراء کے تذکرے پر اس کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اس طرح دس زمانوں کے ایسے شعراء کا تذکرہ ہے جو ہندوستان میں موجود تھے۔

آخری زمانے کے اردو شعراء کا تذکرہ بھی ہے، لیکن ان کو فارسی گو کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور نمونہ کلام بھی فارسی ہے۔

اردو ادب کے بحیثیت ادبی مآخذ کے تحت میرا خیال ہے کہ کم از کم عہد اکبری کے فارسی شعراء کو بھی اس فہرست میں شامل کر لینا چاہئے۔ اس لئے کہ زبان اردو کی تاریخ کی ابتداء صحیح معنوں میں اسی عہد سے ہوتی ہے۔ نیز اس عہد کی فارسی نظم و نثر میں اردو کے کچھ کچھ آثار ملتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ جنوبی ہند میں اردو زبان دکنی کے روپ میں ارتقائی منازل طے کر رہی تھی۔ والیٔ گولکنڈہ محمد قلی قطب شاہ اور بیجاپور کے علی عادل شاہ (ثانی) اور ان کے درباری شعراء اور انشاپرداز اپنی جولانیٔ طبع کے جوہر نمایاں کر رہے تھے۔ ادھر شمالی ہند کی اردو الگ انداز میں ترقی کر رہی تھی۔ بکٹ کہانی کے مصنف محمد افضل (وفات ۱۰۳۵ھ) اور بعض اور شعرائے شمالی ہند کے متعلق یہ سراغ ملتا ہے کہ وہ عہد اکبری میں گزرے ہیں۔

اسکے علاوہ اس عہد کے فارسی گویوں کی نشاندہی اسلئے ضروری ہے کہ جو اصحاب علم اس موضوع پر کام کر رہے ہوں ان کیلئے بھی یہ سلسلہ کارآمد ہو سکے۔

اس تمہید کے بعد اب میں شعراء کی فہرست پیش کرتا ہوں۔

شعرائے عہد اکبری:

(۱) ملک الشعراء ابوالفیض فیضی فیاضی ابن شیخ مبارک اکبرآبادی ص۴۳۱
(۲) شیخ ابوالفضل علامی ابن شیخ مبارک ص۴۳۲
(۳) میر حیدر رفیعی معمائی کاشی ص۴۳۳۔
(۴) شیخ عبدالقادر بدایونی ص۴۳۴۔
(۵) فطرتی کشمیری ص۴۳۵۔
(۶) علی قلی بیگ انیسی شاملو ص۴۳۶۔
(۷) امیر قاضی اسیری طہرانی خلف قاضی مسعود حسینی ص۴۳۷۔

محمد اصغر منشی اشرف خان اشرف مشہدی ص۴۳۸

باقی کولابی۔ ص۴۳۹

(۱۰) تقی الدین محمد فزنی اصفہانی ص ۴۳۳۔
(۱۱) روغنی استرآبادی ص ۴۳۳۔
(۱۲) پیر محمد خان غزنوی ص ۴۳۳۔
(۱۳) میر معیث الدین محوی ہمدانی ص ۴۳۴
(۱۴) قاسم خان موجی بدخشی ص ۴۳۴۔
(۱۵) میر محسن رضوی محسن مشہدی ص ۴۳۴۔
(۱۶) عبدالعلی محوی ص ۴۳۴
(۱۷) جلیسی بیگ قارع تبریزی تلمیذ خواجہ افضل الدین اصفہانی ص ۴۳۴
(۱۸) نیدی شیرازی ص ۴۳۴
(۱۹) مشفقی ہروی (در بخارا متولد) ص ۴۳۴
(۲۰) عبدالغنی ہمدانی ص ۴۳۴۔
(۲۱) محمد رحیم عہدی ص ۴۳۴
(۲۲) فیروز کابلی ص ۴۳۴
(۲۳) عبیدی ص ۴۳۴
(۲۴) مرزا لعل بیگ لعلے ولد شاہ قلی سلطان بدخشی ص ۴۳۴
(۲۵) لالی پیرزادہ سبزوار ص ۴۳۴
(۲۶) مستغنی کشمیری (مولداً لاہوری) ص ۴۳۴
(۲۷) مولوی مشہدی ص ۴۳۴
(۲۸) ناصر ترمذی معروف بہ سید شاہ ناصر ص ۴۳۴
(۲۹) قوسی از تربیت یافتگان خان کلاں ص ۴۳۵
(۳۰) خواجہ مجد الدین محمد خوافی ص ۴۳۵
(۳۱) منظری سمرقندی ص ۴۳۵
(۳۲) قندی از ملازمان محمد بیرام خان ترکمان ص ۴۳۵
(۳۳) علی ابن ملا درویش تقاقی فتحپوری ص ۴۳۵
(۳۴) سمرقندی اصفہانی (چوکی نویس اکبری) ص ۴۳۵

(۶۰) سید محمد فکری (جامہ باف) ص ۴۴۲

(۶۱) میر رودی ص ۴۴۲

(۶۲) سید محمد نجفی ص ۴۴۲

(۶۳) مرزا قلی میلی ص ۴۴۲

(۶۴) ملا طریقی ص ۴۴۲

(۶۵) ملا متقی بخاری ص ۴۴۲

(۶۶) ملا صبوحی ص ۴۴۲

(۶۷) حرفی ساوجی ص ۴۴۲

(۶۸) عبداللہ رازی ص ۴۴۲

(۶۹) میر معصوم از سادات صفویہ ص ۴۴۲

(۷۰) ہجری ص ۴۴۳

(۷۱) سطقی ص ۴۴۳

(۷۲) نویدی ص ۴۴۳

(۷۳) یور قلی آہنی ص ۴۴۳

(۷۴) بادشاہ قلی حرتی ص ۴۴۳

(۷۵) امیر سید علی منصور جدائی ص ۴۴۳

(۷۶) قدرتی شیرازی ص ۴۴۳

(۷۷) تشبیہی کاشی ص ۴۴۳

(۷۸) قراری گیلانی برادر حکیم ابوالفتح ص ۴۴۳

(۷۹) ملا عیرتی شیرازی ص ۴۴۳

(۸۰) امیر خسروی خواہر زادۂ قاسم رکنا بادی ص ۴۴۳

(۸۱) فہمی طہرانی ص ۴۴۳

(۸۲) ملا سہی بخاری ص ۴۴۳

(۸۳) ملا نیازی سمرقندی ص ۴۴۳

(۸۴) منظری کشمیری ص ۴۴۳

(۸۵) میر حاج بیگ ص ۴۳۳
(۸۶) محمد صالح دیوانہ ملقب بہ عاقل ص ۴۴۳
(۸۷) ملا علی احمد (مہرکن) ص ۴۳۳
(۸۸) ہاشم (قصہ خوان) ص ۴۳۳
(۸۹) ملا بقائی ص ۴۴۳
(۹۰) ملا مستی ص ۴۴۳
(۹۱) شریف فارسی ولد خواجہ عبدالصمد شیریں قلم ص ۴۴۳
(۹۲) تقی الدین محمد شمشیری ص ۴۴۳
(۹۳) ملا خاکی ص ۴۴۳
(۹۴) ملا دانی ص ۴۴۳
(۹۵) محمد رضا ص ۴۴۳
(۹۶) بقائی ص ۴۴۳
(۹۷) معصوم ولد قاضی ابوالمعالی ص ۴۴۳
(۹۸) میر رکن الدین ص ۴۴۳
(۹۹) میرزا بیگ سہری ص ۴۴۳
(۱۰۰) ملا خورد فنائی ص ۴۴۳
(۱۰۱) میر عزیز اللہ عزیزی (از سادات) ص ۴۴۳
(۱۰۲) ابن علی واثقی ص ۴۴۳
(۱۰۳) میر امانی ص ۴۴۳
(۱۰۴) عیرتی بخاری ص ۴۴۳
(۱۰۵) خواجہ حسین ثنائی مشہدی ص ۴۴۳
(۱۰۶) خواجہ حسین مروی ص ۴۴۳

(۲) شعرائے عہد جہانگیری: (ان میں بعض شعراء کا تعلق عہد اکبری سے بھی رہا)
(۱) طالب آملی ص ۴۸۳
(۲) نظیری نیشاپوری ص ۴۸۵

(۳) سعیدائے زرگر باشی گیلانی ص۴۸۶

(۴) حکیم مسیح الزماں رکنا کاشی (از حکمائے عہد اکبری بود) ص۴۸۶

(۵) حیاتی کاشی (از شعرائے عہد جہانگیر بادشاہ) ص۴۸۶

(۶) تلفی از شعرائے (عصر جہانگیری است) ص۴۸۶

(۷) میرزا احسن اللہ احسن مخاطب بہ ظفر خان ص۴۸۶

(۸) میر عمادالدین محمود الٰہی تخلص از سادات ہمدان (در عہد جہانگیر بادشاہ بہند آمد) ص۴۸۶

(۹) قلیج خان اندجانی (از امرائے پنج ہزاری بود) ص۴۸۷

(۱۰) اسد بیگ اسد قزوینی (مدتے در ملازمت جہانگیر بادشاہ بسر برد و خطاب پیشرو خان یافت) ص۴۸۷

(۱۱) رائے منوہر توسنی ولد رائے لون کرن کچھواہہ والی سانبھر بود (اکبر بادشاہ او را خطاب مرزا منوہر دادہ بود) ص۴۸۷

(۱۲) محمد رضا شکیبی ابن خواجہ عبداللہ صفاہانی ص۴۸۷

(۱۳) صادق پسر میرزا صالح (از علمائے بلاد ہند آموختہ و در سلک ملازمان جہانگیر بادشاہ منسلک بود) ص۴۸۷

(۱۴) محمود بیگ فسونی (در عہد اکبری بہ ہند رسید) ص۴۸۷

(۱۵) میر محمد حسین فغفوری لاہیجی (در فن طبابت و شعر و خوشنویسی دستگاہے لائق داشت) ص۴۸۷

(۱۶) شاہ پور از اولاد مولانا امیدی طہرانی (اول فریبی تخلص میکرد) ص۴۸۷

(۱۷) مرشد یزدی جردی ص۴۸۸

(۱۸) عالم بیگ سروری کابلی (در اردوے جہانگیری بسر می برد) ص۴۸۸

(۱۹) میر آلی (در عہد جہانگیر بادشاہ وارد ہندوستان گردید) ص۴۸۸

(۲۰) مرزا غازی ترخان وقاری ابن مرزا جانی ترخان (از قوم ترخانی والی ٹھٹھہ و سندھ از کبار امرائے جہانگیر بادشاہ بود) ص۴۸۸

(۲۱) ملکی از شعرائے آں زمان بود ص۴۸۸

و دیگر شعرائے عہد جہانگیری بسیار اند کہ ذکر مجموع دریں مقام موجب طوالت می شود لہذا بہمیں قدر اکتفا رفت

(۳) شعرائے عہد ہمایوں بادشاہ۔

(۱) ملک الشعرا ابو طالب کلیم کاشانی (بعہد جہانگیر بادشاہ در ہند آمدہ) ص۵۰۸

(۲) حاجی محمد جان قدسی مشہدی ص۵۰۸

(۳) شیدا فتح پوری (مولد او فتح پور است و اصل او از طایفہ تکلو بود) ص۵۱۱

(۴) سعیدائے گیلانی (مخاطب بہ بے بدل خان بود و از عہد جہانگیر تا دور شاہجہانی داروغہ زرگر خانہ الٰہی بود) ص۵۱۱

(۵) صیدی طہرانی ص۱۲۱
(۶) میرزا محمد علی صائب تبریزی (ملک الشعراء و امام الفضلا بود) ص۱۲۳
(۷) میرزا حسن بیگ رفیع قزوینی ص۱۳۱
(۸) میر رضی دانش رضوی مشہدی ص۱۳۳
(۹) فرقتی کشمیری (از خوش طبعان کشمیر بود) ص۱۴۰
(۱۰) باقیائی نائینی (در عہد جہانگیری وارد ہندوستان شدہ در بنارس بود) ص۱۴۰
(۱۱) میر یحیائی کاشی شیرازی ص۱۵۰
(۱۲) محمد قلی سلیم کاشی طہرانی (از اتراک بود مخاطب بہ اسلام خان گشت) ص۱۵۰
(۱۳) سالک ایزدی (اول بہ دکن آمدہ چندے نزد قطب شاہ ماندہ از انجا بدہلی رسید) ص۱۵۰
(۱۴) شیخ محمد علی اکبرآبادی (ہندو پسرے بود بشرف اسلام مشرف شدہ) ص۱۵۰
(۱۵) سعید خان قریشی (نام او شیخ محمد است) ص۱۵۰
(۱۶) محسن فانی (از شعرائے شاہجہانی بود) ص۱۶۰
(۱۷) محمد طاہر غنی (تلمیذ محسن فانی است) ص۱۶۰
(۱۸) محمد افضل سرخوش (از مردم سرکار عبداللہ خان بود است) ص۱۷۰
(۱۹) مرزا محمد طاہر آشنا (مخاطب بہ عنایت خان بن ظفر خان صوبہ دار کشمیر بود) ص۱۷۰
(۲۰) حکیم حاذق پسر حکیم ہمام گیلانی ص۱۷۰
(۲۱) شادمان (از سلطان زادہائے قوم گکھر است) ص۱۷۰
(۲۲) ظفرا مشہدی ص۱۷۰
(۲۳) مفید (اصلش از بلخ است) ص۱۷۰
(۲۴) میر معصوم پسر میر حیدر معمائی ص۱۷۰
(۲۵) میرزا مبارک اللہ مخاطب بہ ارادت خان واضح ص۱۷۰
(۲۶) وفا ہروی ص۱۷۰
(۲۷) قاسم خان جوینی ص۱۷۰
(۲۸) قاسم دیوانہ مشہدی (از اصفہان بہندوستان رسید شاگرد صائب) ص۱۸۰
(۲۹) مرزا عبدالغنی قبول کشمیری (شاگرد میرزا داراب جویا) ص۱۸۰

(۳۰) گرامی (خلف و شاگرد میر عبدالغنی قبول است) ص۵۱۸
(۳۱) سید عبدالقادر قابلی بلگرامی ص۵۱۸
(۳۲) نسبت فارسی ص۵۱۸
(۳۳) میر جملہ (بمنصب بخشیگری شاہ جہاں بادشاہ سرافراز بود آخر ترک دنیا کردہ) ص۵۱۸
(۳۴) حسینی مشہدی (ملازم شاہ جہاں بادشاہ بود) ص۵۱۸
(۳۵) محمد تقی واقف (ابن خواجہ محمد از معززین عہد شاہ جہاں بادشاہ بود) ص۵۱۸
(۳۶) ملا درویش واکہ ص۵۱۸
(۳۷) متھرا داس ہندو ص۵۱۸
(۳۸) شاہ بلند اقبال شاہزادہ دارا شکوہ قادری (خلف اکبر شاہ جہاں بادشاہ بود و مرید ملا شاہ خلیفہ شاہ میر لاہوری) ص۵۱۸

(۴) شعرائے عہد عالمگیر بادشاہ۔
(۱) میرزا روشن ضمیر ص۵۵۳
(۲) میر ابو تراب بیضا ص۵۵۳
(۳) علی سرہندی (ناصر علی) ص۵۵۳
(۴) نعمت خان عالی (شیرازی الاصل بود) ص۵۵۴
(۵) میر عبدالجلیل الحسینی الواسطی بلگرامی ص۵۵۵
(۶) میر عسکری رازی مخاطب بہ نواب عاقل خان (از سادات خواف) ص۵۵۵
(۷) میرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی (اصل او از نژاد برلاس است) ص۵۵۶
(۸) ملا محمد سعید اشرف پسر محمد صالح مازندرانی ص۵۵۶
(۹) محمد رضا ہمدانی (مخاطب بہ قزلباش خان) امید ص۵۵۶
(۱۰) سید معزالدین موسوی خان فطرت (از سادات قم) ص۵۵۶
(۱۱) حکیم سعید سرمد سعید از حکیم سعید ارمنی (فرنگی بود) ص۵۵۶
(۱۲) میرزا ابو تراب جودت بدخشانی ص۵۵۷
(۱۳) میر محمد زمان راسخ ص۵۵۷
(۱۴) حاجی محمد اسلم سالم کشمیری ص۵۵۷

(۱۵) حکیم کاظم حسین صاحب ص۵۵۷

(۱۶) حاجی صادق صامت اصفہانی ص۵۵۷

(۱۷) صابر از سادات روارده است ص۵۵۷

(۱۸) محمد طاہر طاہر ص۵۵۸

(۱۹) شیخ عبدالعزیز عزت اکبرآبادی ص۵۵۸

(۲۰) میر عبدالرحمٰن گرامی (مخاطب بہ وزارت خان ص۵۵۸

(۲۱) نسبتی تھانیسری ص۵۵۸

(۲۲) میر محمد مراد لائق جون پوری ص۵۵۸

(۲۳) معین الدین غازی ص۵۵۸

(۲۴) محمد اکرم غنیمت (کنجاہی) ص۵۵۸

(۲۵) آقا محمد ابین وقا ص۵۵۸

(۲۶) ذکی (ہندوئے بود) ص۵۵۹

(۲۷) احمد یار خان یکتا (برلاس) ص۵۵۹

(۲۸) حافظ عبدالرحیم کم گو (کشمیری) ص۵۵۹

(۵) شعرائے عہد شاہ عالم بہادرشاہ (اول)

(۱) سید حسین مخاطب بہ امتیاز خان خالص صفاہانی ص۵۶۳

(۲) میر ابوالحسن شیرازی مخاطب بہ قابل خان ص۵۶۳

(۶) شعرائے عہد جہاں دار شاہ ابن شاہ عالم بہادرشاہ۔

(۱) میر محمد احسن ایجاد سامانوی (خطاب معنی یاب خان) ص۵۶۹

(۲) میرزا مقیمائی بخاری ص۵۸۰

(۳) میر عظمت اللہ بے خبر خلف میر لطف اللہ معروف بہ شاہ لدھا الحسینی الواسطی ص۵۸۰

(۴) میر عبدالجلیل حسینی بلگرامی ص۵۸۰

(۵) شیخ حسین شہرت ص۵۸۲

(۶) فضل علی خان ص۵۸۲

(۷) میر محمد حسین ناجی ص۵۸۲

(۸) میر محمد ہاشم جرأت مخاطب بہ موسوی خان ص۵۸۳

(۷) شعرائے عہد روشن اختر محمد شاہ بادشاہ

---

(۸) شعرائے عہد احمد شاہ بن محمد شاہ بادشاہ:۔

(۱) علی قلی خان والہ درغستانی ص۶۴۲

(۲) میر غلام علی آزاد بلگرامی ص۶۴۳

(۳) شیخ نور العین واقف ص۶۴۴

(۴) مرزا خان رسا ہمدانی ص۶۴۴

(۹) شعرائے عہد عالی گہر شاہ عالم (ثانی) آفتاب تخلص۔

(۱) سید جعفر روحی زبیر پوری (قریب بہ لکھنو) ص۶۸۵

(۲) میر جلال الدین غالب (از سادات زید پور) ص۶۸۵

(۳) میر قمر الدین منت ص۶۸۵

(۴) میر محمد تقی میر ص۶۸۵

(۵) مرزا محمد فاخر مکین دہلوی ص۶۸۵

(۶) خواجہ میر محمدی درد ص۶۸۶

(۷) میرزا رفیع سودا ص۶۸۶

(۸) سید جان جاناں مظہر دہلوی ص۶۸۶

(۹) شیخ غلام ہمدانی مصحفی ساکن امروہہ ص۶۸۶

(۱۰) میر انشاء اللہ خان انشا ص۶۸۶

(۱۰) شعرائے عہد اکبر شاہ ثانی ابن شاہ عالم (ثانی) وعہد سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر ابن اکبر شاہ (ثانی)

(۱) خاقانی ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق ص۶۹۲

(۲) مفتی صدر الدین خان آزردہ دہلوی ص۶۹۳

(۳) مولوی امام بخش صہبائی ص۶۹۳

(۴) مولوی عبداللہ خان علوی باشندہ متو قائم گنج ص۶۹۳

(۵) گل محمد خان ناطق مکرانی ص۶۹۳

(۶) محمد حسین قتیل پسر درگاہی مل کھتری ص۶۹۳

(۷) قاضی محمد صادق خان اختر ص۶۹۳

(۸) درویش علی رسوا خراسانی ص۶۹۳

۹) منشی فضل عظیم عظیمؔ بہادر مولوی فضل حق خیرآبادی ص۶۹۳
۱۰) حکیم محمد مومن خان مومنؔ دہلوی ص۶۹۳
۱۱) مرزا اسد اللہ خان غالبؔ دہلوی معروف بہ میرزا نوشہ ص۶۹۴
۱۲) نواب مصطفیٰ خان حسرتیؔ (شیفتہ) ص۶۹۴
۱۳) خواجہ حیدر علی آتشؔ ص۶۹۴
۱۴) شیخ امام بخش ناسخؔ ص۶۹۴
۱۵) سید محمد خان رندؔ ص۶۹۴
۱۶) فقیر محمد خان گویاؔ ص۶۹۴
۱۷) محمد رضا برقؔ ص۶۹۴
۱۸) خواجہ وزیر۔ ص۶۹۴
۱۹) سید مظفر علی اسیرؔ ص۶۹۴
۲۰) منشی امیر احمد امیر مینائیؔ ص۶۹۴
۲۱) فصیح الملک نواب میرزا خان داغؔ ص۶۹۵
۲۲) میر ضامن علی جلالؔ لکھنوی ص۶۹۵

اکثر شعراء کے حالات بہ تفصیل لکھے ہیں، ان کے اعزاز و امتیازات بھی بیان کئے ہیں۔ کسی بادشاہ یا امیر کے دربار سے وابستگی اور ان تک رسائی کے اسباب بھی بیان کئے ہیں۔ اسی طرح مؤلف نے شعراء کے انتقال کی تاریخ اور ممکن ہوا تو کسی کا قطعہ تاریخ بھی درج کر دیا ہے۔

میرے خیال میں دیوانِ محفل میں شعراء کے حالات جتنی تفصیل سے درج ہیں، اتنی تفصیل سے شاید ہی کسی تذکرۂ شعراء میں ہو۔

(بقیہ ص۵۷)

اور ۱۲۸۴ھ میں وہ بھی راہیٔ ملکِ بقا ہوئے جیسا کہ حکیم میر محمد جعفر حامیؔ نے کہا ہے

از کمال جبر دیوان سوم ترتیب داد ، دید اولیٰ بعد ازیں در لکھنؤ ترک سخن

اس واضح شہادت کے بعد یہ تسلیم نہ کر لینے کی کوئی وجہ نہیں کہ رشکؔ نے عراق کی روانگی کے وقت سے غزل گوئی ترک کر دی تھی ممکن ہے وہاں پہنچ کر سلام وغیرہ لکھتے رہے ہوں۔

پریم پرشاد شکستہ بدایونی

سحرِ عشق آبادی

بھگوان چند سحرؔ عشق آبادی میرٹھ کے ایک سربرآوردہ بھٹناگر کایستھ خاندان کے جوہر قابل ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۱ ستمبر ۱۹۰۲ء
ں عشق آباد (شہر میرٹھ) میں ہوئی۔ آپ کے والد منشی نندلال سررشتہ دار کا شمار میرٹھ کی ممتاز ہستیوں میں تھا۔ سحرؔ عشق آبادی کی ابتدائی تعلیم
ن ہائی اسکول میرٹھ میں ہوئی۔ اس کے بعد اور اسکولوں میں پڑھتے رہے۔ اوپرا مین آباد ہائی اسکول لکھنؤ میں آٹھویں کلاس میں داخل
گئے۔ اس اسکول میں آپ کے بڑے بھائی بابو بینی پرشاد بھٹناگر (ڈبل ایم اے ایل ایل بی) ہیڈ ماسٹر تھے اور یہیں مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی
اردو ٹیچر تھے۔ یہ ۱۹۱۶ء کا زمانہ تھا۔ اسی وقت سے آپ اپنے مجذوبانہ شعروں پر عزیزؔ صاحب سے اصلاح لیتے رہے۔ اس کے
بعد یہ سلسلہ بذریعہ مراسلت ہوتا رہا۔ نویں کلاس میں نانک چند ہائی اسکول میرٹھ میں داخل ہوئے اور دسویں تک وہیں تعلیم پائی۔ علاوہ دسی
تعلیم کے اردو فارسی کی تعلیم آپ نے اپنے والد محترم سے حاصل کی جو اردو اور فارسی کے جید عالم تھے۔ عربی کی تعلیم آپ نے مولانا مصطفیٰ صاحب
سے حاصل کی جو نولکشور پریس میں تصحیح قرآن و حدیث کرتے تھے۔ قرآن واحادیث مولانا صاحب نے لفظاً لفظاً آپ کو پڑھادئے اور سمجھادئے
بعد توریت انجیل سردھنے جاکر دہلی کے ایک بزرگ پادری سے پڑھیں۔ علم جوتش پنڈت متھرا پرشاد وید سے بہت دنوں سے حاصل کیا جو اپنے
فن میں یکتا تھے۔ لیکن جوتش پر آپ کا یقین بالکل نہیں رہا۔ ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا ہے: "لا اُحِبُّ الآفِلِینَ" میں ڈوبنے والوں کا یقین
نہیں کرتا۔ انہیں کی تائید اسلام نے کی ہے۔ سحرؔ عشق آبادی کے تین شعر اس سلسلے میں ملاحظہ فرمائیے۔

یہ ہے تجربہ اور حساب زمانہ	شہود عارمل فال جوتش قیافہ
نہیں غیب سے کوئی رکھتا علاقہ	بتی اور رشی تک بھی پایا نہ شعبہ
خبیر و غنی عالم الغیب تو ہے	نجومی کرے اس پہ لعنت ہو تو ہے

آپ کی زندہ نشانیاں دو بچیاں ہیں۔ دونوں شادی شدہ ہیں۔ آپ کے شاگردوں کا حلقہ بیخودؔ دہلوی مرحوم کی طرح کافی وسیع ہے
سندلال پروانہ کا شمار آپ کے ہونہار تلامذہ میں ہوتا ہے۔ اور یہ بھی اپنے استاد سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ انکی وفات سے سحرؔ صاحب کا
دل ہی بجھ گیا ہے۔ خوشنویسی کا پیشہ آپ نے ذریعہ آمدنی بنایا کیونکہ اس میں کسی کی ملازمت اور چاکری نہ تھی۔ آپکی تمام عمر خدمت

ادب یا حصول علم میں گذری ہے۔ لکھنؤ کی ٹکسالی پاکیزہ زبان نکھری ہوئی کے آپ مداح ہیں اور اسی کا استعمال کرتے ہیں۔ غلط الفاظ یا غلط محاوروں سے آپ گریز کرتے ہیں۔ آپکے انتقادی مضامین جواکثر "نگار" "لکھنؤ" "ماحول" دہلی "ہماری زبان" علی گڑھ اور دیگر ممالک کے جریدوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا کوئی جواب نہیں۔ اگر یہ مضامین کتابی شکل میں شائع ہوجائیں تو اردو ادب کے ذخیرے میں ایک قابل قدر اضافہ ثابت ہوں گے۔

حضرت سحر عشق آبادی کی تصانیف کی فہرست ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) "گلبانگ" مجموعہ ہے جناب سحر عشق آبادی کی نظموں غزلوں اور رباعیوں کا جسے سنگرام پبلشرز گوبند پورہ دلی نے ۱۹۶۵ء میں کافی اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ یہ مجموعہ ان کے عزیز شاگرد پروانہ مرحوم کے اصرار سے کسی طرح منظر عام پر آگیا ورنہ اس مجموعہ کے شائع ہونے کی کوئی امید نہ تھی۔ نادرہ سنہ ۱۹۶۰ء کے زمانہ برشگال کی لکھی ہوئی ہے جو تیرہ (۱۳) اوزان اٹھارہ (۱۸) بحور پر مشتمل ہے۔ متفق اور موتلف دو دو بحروں میں ہیں۔ لیکن دونوں بحریں ایک دوسرے سے مختلف کیا معنی متضاد ہیں اور ہر عروض کی کتاب لکھنے والا قریب قریب شاعر ہی ہے لیکن ایک شعر دائرہ پر کہیں نظر نہ آسکے گا۔ ان نظموں کو بڑے بڑے اہل نظر صاحبان نے نادرات میں شمار کیا ہے۔ آپ کا یہ مجموعہ اردو ادب میں ایک یادگار کارنامہ ہے۔ اور امید ہے کہ اردو سے ذوق رکھنے والے اس کتاب کی قدر کریں گے۔

(۲) "عیوب فصاحت" آپکی یہ کتاب شعراء اور ادیبوں کے لئے بہت مفید ہے۔ لیکن اب تک شائع نہ ہوسکی ہے۔ اس کتاب میں آپ نے فہرست متروکات کی وجہ ترک دلیلوں کے ساتھ بتائی ہے کیونکہ اب تک فہرست متروکات کی وجہ ترک سے ہمارے ادیبوں اور شاعروں نے چشم پوشی کی ہے۔

(۳) "سحر العروض" اس کتاب کے بہت سے مضامین مختلف رسالوں میں بھی شائع ہوچکے ہیں۔ ابھی یہ کتابی شکل میں منظر عام پر نہیں آئی۔

(۴) تاریخی اور دیگر نظمیں غزلیں اور رباعیاں بے ترتیب پڑی ہیں۔ ان کا بھی ایک مجموعہ شائع ہوسکتا ہے۔

جناب سحر عزیز لکھنوی کے شاگرد ہیں اور آپ کا شمار ہمارے اساتذہ سخن میں ہوتا ہے۔ آپ یک فنی شاعر نہیں بلکہ آپ نے ہر صنف سخن میں فکر سخن کی ہے۔ آپ کی غزلوں میں سوز و گداز کے ساتھ ساتھ پاکیزگی اور فنی پختگی بھی پائی جاتی ہے اور کسی بھی غزل کا ایک شعر ادھر سے ادھر نہیں ہٹایا جاسکتا۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

جو فنا فی الحبیب ہوتا ہے عشق کو حسن میں سموتا ہے

غیروں سے کیوں راز کی باتیں کہیں پوچھو جو مل جائیں کبھی وہ کہیں
چھایا فضا پر تھا سکوں ہی سکوں اے دل ناداں وہ ملے تھے یہیں

جب جوانی جوش پر آئی تو وہ رخصت ہوئے — زندگی کے قصر کی تعمیر آدھی رہ گئی

چمن کی روح کھنچ آتی نسیم مشکبو ہوتی — جو تم پہلو میں ہوتے قلب کی کیوں آرزو ہوتی

دو عالم رقص میں ہوتے فرشتے وجد میں آتے — جو خلوت میں مری اور آپ کی کچھ گفتگو ہوتی

مجھے آتشِ عشق نے پھونک ڈالا — میں دامن کی تیرے ہوا چاہتا ہوں!

اے شوق! تابِ دید کی آواز دے ذرا — آئینہ ٹکڑے ہو گیا انکی نگاہ سے

دم بخود ہوں ایک نامعلوم ادا سے دم بدم — دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروانِ زندگی

ماند ہے کائناتِ رنگ و بو — وہ نگاہیں ہیں کیا کسے معلوم

جو راہِ حق میں خار ہٹا کر بچھائے گل — اُس موت کو حیات بنانا ہے تیرا فرض!

دنیا کی آرزو میں تو مرتے ہیں سینکڑوں — اپنے وطن پہ جان کھپانا ہے تیرا فرض

تجھ سے بچھڑ سکے نہ کوئی فردِ کارواں — مڑ مڑ کے پیچھے دیکھتے جانا ہے تیرا فرض

حسن کے عالم میں جب عشق نے پرواز کی — مہرِ فلک سے سوا ذرہ کو اونچا کیا

حسن کی ہر شے حسین ہے مجھ کو یقین ہے — لطف پہ موقوف کیا ستم بھی حسین ہے

ہر جزوِ دل کا مل کامل نظر آتا ہے — ہر آئینہ محفل محفل نظر آتا ہے!

نئی کتابیں

یادگاری مجلہ محفلِ قرأت

جنوری ۱۹۶۸ء میں کراچی میں ایک بین الاقوامی محفل قرأت منعقد ہوئی تھی، اس موقع پر مجلس استقبالیہ نے پیش نظر یادگاری مجلہ شائع کیا تھا۔ شروع میں تحریک قرأت و تجوید کا تعارف کرایا گیا ہے اور اس قسم کی محافل کی غرض و غایت اور ان کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ پاکستان کے مشہور قاری محمد الیاس صاحب کا ایک مقالہ "علم قرأت اور تجوید — تاریخ کی روشنی میں" اور محافل قرأت کی اہمیت" کے عنوان سے قاسمی برادران کا ایک مضمون شامل ہے قاری محمد الیاس صاحب کا مقالہ نہایت محققانہ اور بڑی افادیت کا حامل ہے۔ انھوں نے اپنے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ دوسرا مضمون بھی افادیت سے خالی نہیں ہے

اس مجلے میں جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ سورہ فاتحہ اور چند آیات قرآنی کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ سید محمد اُویس صاحب نے کیا ہے۔

اردو میں قرآن مجید کے بہت سے ترجمے ہو چکے ہیں، جو اپنی مختلف خصوصیات کی بنا پر اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن ایک ترجمہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس میں عربی زبان، خصوصاً قرآن مجید کے اس آہنگ کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہو۔ جو قرآن مجید کا ہر قاری اور ہر سامع محسوس کرتا ہے اور قاری یا سامع کی عربی زبان سے عدم واقفیت کے باوجود اسے مسحور کر دیتا ہے اور قرآن مجید کی اثر آفرینی عربی زبان سے واقفوں کے محدود حلقے سے نکل کر نہ صرف عام مسلمانوں پر بلکہ غیر مسلم سامعین پر بھی ایک وجد کی کیفیت اور بے خودی طاری کر دیتی ہے۔ سید محمد اویس صاحب نے ترجمے میں قرآن مجید کے اصل آہنگ کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے، جس کی وجہ سے دیگر ترجموں کے مقابلے میں اس کی اثر آفرینی کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ ترجمے میں یہ کمال اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب عربی اور اردو، دونوں زبانوں کی نفسیات سے گہری واقفیت ہو اور ان پر عبور ہو۔ ترجمہ دیکھ کر فاضل مترجم کی دونوں زبانوں پر قدرت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

سورہ فاتحہ کے ترجمے میں، اردو تراجم کے ابتدائی دور ہی سے ایک غلطی چلی آ رہی ہے جو یہ ہے کہ سورۃ کی آخری آیات "اہدنا الصراط المستقیم ...... ولا الضالین" میں "المغضوب علیہم" اور "الضالین" کو دو فرقے سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ یہ "الذین انعمت علیہم" کی توصیف مزید ہے۔ یعنی "ان لوگوں کے راستے کی طرف ہدایت فرما جن کو تو نے نعمتیں

بخشی ہیں اور جن پر تیرا نہ تو غضب ہوا اور جو گمراہ بھی نہیں تھے " عام مترجمین اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ "الذین انعمت علیہم" سے علیحدہ دو گروہ ہیں اور ان سے مقصود یہود و نصاریٰ ہیں۔ فاضل مترجم نے یہ غلط فہمی رفع کرنے کے لئے نہ اس کی تفسیر کی ہے نہ کوئی حاشیہ لکھا ہے۔ لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ ترجمے کے چند لفظوں ہی میں اس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے۔ سید محمد اویس صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

دے ہم کو ہدایت سیدھے رستے کی ،
رستہ ان کا بخشیں نعمت جن کو ،
جن پہ غضب تیرا نہ ہوا ،
اور جو گمراہ نہیں !

اگر اس زبان، اس اسلوب نگارش اور صوتی آہنگ کو برقرار رکھتے ہوئے پورے قرآن مجید کا ترجمہ شائع ہو جائے تو یہ بڑی خدمت ہو گی۔

جاگ رہا ہے پاکستان

مرتب :۔ ادریس صدیقی ، صفحات :۔ ۴۵۶ قیمت : سات روپے ناشر : اردو اکیڈمی سندھ کراچی

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ سے متعلق ادبی تحریروں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ ادبی محاذ پر ہمارے ادیبوں اور شاعروں نے جو قلمی جنگ لڑی تھی ، وہ ہماری ادبی تاریخ ہی کا نہیں بلکہ ہماری قومی تاریخ کا بھی ایک درخشاں باب ہے۔ اس قسم کی تحریروں کے کئی مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں "جاگ رہا ہے پاکستان" نظموں اور گیتوں کا مجموعہ ہے، جس میں تقریباً تین سو شاعروں کی تخلیقات جمع کر دی گئی ہیں۔ مرتب نے حتی الامکان تمام اخبارات و جرائد کو سامنے رکھا ہے۔ اس سعی و تلاش کے نتیجے میں یہ مجموعہ تیار ہوا ہے جسے ہر اعتبار سے ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ سے متعلق منظومات کا نمائندہ کہا جاسکتا ہے۔ مرتب نے تخلیقات کے انتخاب میں خاصی وسیع القلبی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ بآسانی اس مجموعے کی ضخامت کو کم کر سکتے تھے لیکن اس طرح ایک فائدہ یہ ہوا کہ اس مجموعے میں تقریباً سبھی شاعروں کو جگہ مل گئی ہے۔ اور یوں آئندہ ایک اچھا انتخاب شائع کرنے کے لئے سارا بنیادی مواد ایک جگہ جمع ہو گیا ہے۔ ناشر نے اس کتاب کو بڑے سلیقے سے چھاپا ہے ، ایسی خوبصورت کتابیں اردو میں کم ہی شائع ہوتی ہیں۔

ابو سلمان شاہجہانپوری

نئے خزانے

عنوانات

پیش نظر اشاریے کی ترتیب میں ماہ دسمبر ۱۹۶۶ء اور دیگر مہینوں کے مندرجہ ذیل اخبارات و رسائل سے مدد لی گئی ہے

ماہنامہ ادب لطیف لاہور نومبر دسمبر ۱۹۶۶ء ماہنامہ ثقافت لاہور دسمبر ۱۹۶۶ء ماہنامہ معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۶۶ء
" ادبی دنیا " " " جامعہ دہلی " " " میثاق لاہور " "
" اردو ادب علی گڑھ ۱۹۶۶ء شمارہ (۲) " جام نو کراچی " " " نقش کراچی نومبر دسمبر "
" اردو ڈائجسٹ لاہور دسمبر ۱۹۶۶ء " چراغ راہ " " " " نئی قدریں حیدرآباد دکن دسمبر "
" اردو زبان سرگودھا نومبر دسمبر " " زاویے حیدرآباد " " " نیرنگ خیال لاہور نومبر دسمبر "
" اردو نامہ کراچی دسمبر " " زندگی رام پور " " " ہندستانی ادب حیدرآباد دکن دسمبر "
" افکار " " " " ساقی کراچی
نومبر دسمبر " ہفت روزہ المنبر لائل پور " "
" البلاغ بمبئی " " " سب رس حیدرآباد دکن
دسمبر " " جہاں نما لاہور " "
" الشجاع کراچی " " " سیارہ لاہور
" " " چٹان "
" انجمن اسلامیہ میگزین " نومبر دسمبر " " صبح امید بمبئی
" " " شہاب لاہور " "
" صحیفہ اہل حدیث " دسمبر " " طلوع اسلام لاہور
نومبر دسمبر " " صدق جدید لکھنؤ " "
" آجکل دہلی اکتوبر تا دسمبر " " عالمی ڈائجسٹ کراچی
دسمبر " " قندیل لاہور " "
" برہان " دسمبر " " فاران "
" " " لاہور " " "
" بینات کراچی " " " فروغ اردو لکھنؤ
" " " ہماری زبان علی گڑھ " "
" تجلی دیوبند " " " قومی زبان کراچی
" " روزنامہ انجام کراچی جمعہ و اتوار اڈیشن
" تحریک دہلی " " " کتاب لاہور
" " " جنگ " "
" ترجمان القرآن لاہور " " " " لکھنؤ
" " " حریت " "
" تہذیب الاخلاق " " " " کتابی دنیا کراچی

ادبیات اردو —— تحقیق و تنقید

انسے، پی کے

ایم ایچ پرکار (مترجم)	امبر شیخ مراٹھی کا رزمیہ شاعر	صبح امید، ص ۲۸ تا ۴۰، دسمبر
احتشام احمد ندوی، سید	دیار دکن ادبی آئینہ میں	سب رس، ص ۳ تا ۱۱، "
احمد نظامی	ذوق کی قصیدہ نگاری	قومی زبان، ص ۴۱ تا ۵۰، "
اختر، ملک حسن	تنقید اور تخلیق	ادب لطیف، ص ۶۹ تا ۷۳، نومبر دسمبر
اختر، وحید	بیالیس نظمیں (کلیم الدین احمد) ایک تبصرہ	ہماری زبان، ص ۳ تا ۴ + ۱۲۰، ۲۲ دسمبر
اسلم، ایم	ادب اور ادبی اکھاڑے	ساقی، ص ۵ تا ۸، دسمبر
اشتیاق اظہر	ایک قدیم مشاعرہ (زیر اہتمام مسلم کلب کانپور ۱۹۱۳ء)	اردو زبان، ص ۵ تا ۳۴، نومبر دسمبر
انجم اعظمی	دیباچہ عشق	افکار، ص ۱۱ تا ۱۳، دسمبر
بختیاری، قیصر حسین خاں	بچوں کے غیر درسی ادب کا مسئلہ	ساقی، ص ۳۱ تا ۳۲ + ۴۴، دسمبر
بسمل، راجیندر فراق	جگر بریلوی کی غزل	اردو ادب، ص ۵ تا ۴۰،
بومیرے، عبدالحمید	ادھورے خاکے (کلام شرف کمالی)	صبح امید، ص ۲۱ تا ۲۲، نومبر
بیگم افضل اعظمی	فنکار اور مصلح نذیر احمد میں تصادم	افکار، ص ۲۰ تا ۲۶، دسمبر
جالسی، کبیر احمد	حافظ بحیثیت فرد	ادبی دنیا، ص ۴۸ تا ۵۸، نومبر دسمبر
جعفری، ڈاکٹر محمد یونس	خواتین کی کہاوتیں	ساقی، ص ۳۵ تا ۴۳، دسمبر
حسن، ڈاکٹر محمد	نیاز کا ادبی مرتبہ	کتاب لکھنؤ، ص ۳ تا ۱۸، "
حسین، ڈاکٹر رفیق	سید محمود کی دو نظمیں — تہذیب الاخلاق میں	ہماری زبان، ص ۳ تا ۴، ۱۵ دسمبر
حیدری، کرم	ادب کی دوامی اقدار	ادبی دنیا، ص ۷۱ تا ۷۶، نومبر دسمبر
خیال امروہوی	جدید شاعری ادب اور ابہام	چٹان، ص ۱۰ تا ۱۲، ۵ دسمبر
خیام، اے	حمید کاشمیری کا فن	نئی قدریں، ص ۵ تا ۹، "
دارا، پروفیسر محمد طفیل	مثنوی خواب و خیال	تہذیب الاخلاق، ص [illegible]، دسمبر
سبزواری، ڈاکٹر شوکت	داغ حسرت (مجموعہ کلام شفقت کاظمی)	ادبی دنیا، ص ۵ تا ۳۰، نومبر دسمبر
سروری، عبدالقادر	پنڈت سالک رام سالک کشمیری کی داستان جگت روپ	آجکل، ص ۴ تا ۱۲، دسمبر

سلام سندیلوی، ڈاکٹر	فطرت حسن اور شاعری	اردو زبان، ص ۱۰ تا ۱۴، نومبر دسمبر
شیخ، ثاقب	کیا اسٹیج ڈراما ترقی پذیر ہے	نیرنگ خیال، ص ۷ تا ۸، " "
صالحہ عابد حسین	ناول — زندگی کی تصویر، تعبیر و تفسیر	آجکل، ص ۱۱ تا ۱۳، اکتوبر
صدیقی، حبیب احمد	کیا مولانا ابوالکلام آزاد کی اردو ٹکسالی ہے؟ [1]	فروغ اردو، ص ۳ تا ۱۵، دسمبر
صدیقی، شکیل احمد	غالب کی فارسی شاعری	نیرنگ خیال، ص ۹ تا ۱۶، نومبر دسمبر
صغیر بلگرامی	مثنوی عبرت الناظرین	قومی زبان، ص ۵۱ تا ۶۴، دسمبر
عابدی، ڈاکٹر سید امیر حسن	نظیر اکبرآبادی اور سبک ہندی	" ، ص ۶۵ تا ۸۴، "
عارف، اخلاق حسین	ثاقب لکھنوی اور ان کی ادبی محفلیں	آجکل، ص ۲۷ تا ۳۳، اکتوبر
عارفی، امیر	ترانۂ علی گڑھ یونیورسٹی کا خالق - اشتیاق بحیثیت فن کار	صبح امید، ص ۱۷ تا ۲۲، دسمبر
عاشق ہرگانوی، مناظر	مختصر افسانے کی تکنیک	جام نو، ص ۳۲، دسمبر
عباس، اصغر	زبان گل سے حسن یار کی تفسیر	ہماری زبان، ص ۶ تا ۷، ۲۲ دسمبر
عرش ملیح آبادی، محمد علی	عہد اورنگ زیب کی ایک اردو نظم	قومی زبان، ص ۱۵ تا ۲۰، دسمبر
عزیز حاصل پوری	حضرت سلطان باہو اور ان کا عارفانہ کلام	ادبی دنیا، ص ۴۱ تا ۷۴، نومبر دسمبر
عطا کاکوی	دو آتشہ شاد	آج کل، ص ۲۰ تا ۲۸، نومبر
عقیل، ڈاکٹر سید محمد	امانت کی اندر سبھا	ساقی، ص ۴۴ تا ۵۲، دسمبر
فاضلی، فدا	جدید اردو شاعری اور ایک شام	کتاب لکھنؤ، ص ۴۹ تا ۵۴، "
فخر دسولیوی، پروفیسر افتخار احمد	جگر مرادآبادی، فن، شخصیت اور شاعری	فاران، ص ۲۷ تا ۳۲، "
فراق گورکھپوری	جدید اردو شاعری	کتاب لکھنؤ، ص ۷ تا ۸، "
فرحت قمر	عشق — ماضی، حال، مستقبل	آجکل، ص ۲۴ تا ۲۶، اکتوبر
کمال، عبدالعزیز	اثر صہبائی — شاعر پاک میں	ادبی دنیا، ص ۶۵ تا ۷۴، نومبر دسمبر
کندیانی، امجد	سب رس کا تنقیدی جائزہ	اردو نامہ، ص ۳۴ تا ۴۴، دسمبر
مدنی، ڈاکٹر ظہیر الدین	ہندوستان ادب میں "ایسے" (ESSAY)	ہندوستانی ادب، ص ۴ تا ۹، "
مظہر، محمد رمضان	ساحر صدیقی مرحوم کی یاد میں مشاعرہ	چٹان، ص ۱۷، ۵ دسمبر

[1] منقول از نیا دور، لکھنؤ

منیجری، رفیعہ شبنم	راجندر سنگھ بیدی اور ایک چادر میلی سی	صبح امید، ص ۵ تا ۱۸، دسمبر
منہاس، کسری	آئینِ وفا — ڈاکٹر سید صفدر حسین کے مرثیہ پر ایک نظر	ادب لطیف، ص ۶۵ تا ۶۸، نومبر دسمبر
"	ظرافت اور ظریف لکھنوی	ادبی دنیا، ص ۱۸ تا ۳۹، " "
نذیر احمد، پروفیسر	عرش نگاری کا فن افسانہ نگاری	نئی قدریں، ص ۱۳ تا ۱۹،
نصرت قریشی	ظرف غزل	فاران، ص ۶۰ تا ۶۲، دسمبر
نعمانی، احمد اسحاق	شبلی کی محرومیاں	الشجاع، ص ۴۳ تا ۵۰، "
نیر، ڈاکٹر حکم چند	نوادر بنارس	اردو ادب، ص ۷۵ تا ۸۷،
	تخلیق و تنقید میں اشتراک کی نوعیت	تحریک، ص ۵ تا ۱۷، دسمبر

اردو زبان اور اس کے مسائل

اختر صدیقی، سفیر	لندن میں اردو	ہماری زبان، ص ۸، ۲۲ دسمبر
افتخار حسین، آغا	چیکوسلوواکیہ میں اردو	افکار، ص ۱۴ تا ۱۹، دسمبر
بخاری، ڈاکٹر سہیل	اردو زبان کی پیدائش اور تاریخ	اردو زبان، ص ۸ تا ۹، نومبر دسمبر
بوہیرے، عبدالحمید	ہماری سماجی و سیاسی زندگی پر اردو کا اثر	صبح امید، ص ۴ تا ۵، دسمبر
چغتائی، محمد اکرام	اردو، یعنی زبان کے متعلق نئی تحقیق	اردو نامہ، ص ۲۷ تا ۳۳، "
سعد، ابراہیم	اردو میں قانونی کتب	کتاب لاہور، ص ۳۶ تا ۴۴، "
صارم الازہری، عبدالصمد	اردو کے نام	ادبی دنیا، ص ۲۹ تا ۳۴، نومبر دسمبر
معین الرحمان، سید	انجمن ترقی اردو	کتاب لاہور، ص ۴۷ تا ۵۲، دسمبر
مفتون کوٹوی	راجستھان میں فروغ اردو کا صد سالہ جائزہ	اردو ادب، ص ۵۷ تا ۶۰،

تاریخ و سیاست

ابو اللیث، ڈاکٹر	تاریخ تصوف کا ایرانی اور ہندی پس منظر	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۹ تا ۱۸، نومبر دسمبر
ابو سلمان شاہجہانپوری	انقلاب — حقیقت و مقاصد کی روشنی میں	عثمان، ص [illegible]، دسمبر
اختر، شیر محمد	قائد اعظم اور عوام	قندیل، ص ۳، ۵ دسمبر
اسرار احمد، ڈاکٹر	تحریک جماعت اسلامی — نقش اول (۲)	میثاق، [illegible]، دسمبر

اوج، حبیب اللہ	جنگ آزادی — حصول آزادی تک	جہاں نما، ص ۲۷ تا ۴۲، ۱۴ر اگست
اکبر آبادی، خواجہ طہارت حسین	مسلمانان ہند کا سیاسی ارتقاء	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۱۴ تا ۴۲، نومبر دسمبر
بگرامی، سبط اصغر	کراچی — قائد اعظم کا شہر	عالمی ڈائجسٹ، ص ۲۵ تا ۵۹، دسمبر
جعفری، رئیس احمد	تاریخ پاکستان کی جھلکیاں [1]	انجام، ص ۱۲، ۱۰ر دسمبر
"	عربوں کی فکری تخلیقات	ثقافت، ص ۱۱ تا ۲۷، دسمبر
حامدی، خلیل	الاخوان المسلمون (۳)	ترجمان القرآن، ص ۲۷ تا ۴۸، دسمبر
حمید راؤ، ممتاز	کشمیر — ایک جائزہ	جہاں نما، ص ۱۱ تا ۱۴، ۳۰ر اکتوبر
خلیل اللہ، پروفیسر محمد	علاقائی تعاون برائے ترقی (پاکستان ایران اور ترکی کا اتحاد)	عالمی ڈائجسٹ، ص ۸۰ تا ۸۲، دسمبر
خورشید، عبدالسلام	مشرقی اور مغربی پاکستان میں یگانگت کی تخلیق	جہاں نما، ص ۱۶ تا ۱۷، ۱۱ر ستمبر
خورشید عالم	چین کا عالمی کردار (۱)	طلوع اسلام، ص ۱۴ تا ۲۰، دسمبر
راشدی، پیر علی محمد	مشرق و مغرب [2]	جنگ، ص ۱۲، ۳ر دسمبر
رضوی، سید امیر حیدر	میکاولی اور اس کا فلسفہ وسیاست	شہاب، ص ۸ + ۹، ۲۵ر دسمبر
رضوی، سید قاسم	قائد اعظم اور حیدرآباد دکن [3]	جہاں نما، ص ۲۷ تا ۲۸، ۳ر اکتوبر
شہابی، مفتی انتظام اللہ	دہلی کی علمی داستان	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۵۲ تا ۶۰، نومبر دسمبر
عالم، انوار	ذہنی الحجاؤ اور سلبی تفکر (محمود احمد عباسی کے انداز فکر و تحقیق پر ایک جنبش قلم)	فاران، ص ۱۵ تا ۲۰، دسمبر
عبدالرحمان، سید صباح الدین	آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کا ۲۳واں اجلاس	معارف، ص ۴۴۹ تا ۴۶۷، "
عبداللہ، پروفیسر محمد	حاجی شریعت اللہ اور فرائضی تحریک	سیارہ، ص ۲۲ تا ۲۶، "
عظمیٰ ملک	تحریک پاکستان کی نامور خواتین	جہاں نما، ص ۸ تا ۹، ۱۴ر اگست

---

[1] دیگر اقساط کے لئے دیکھئے انجام ۱۷ر ۲۴ر و ۳۱ر دسمبر ۱۹۶۶ء

[2] ملکی اور عالمی سیاسی مسائل پر تبصروں کا مستقل سلسلہ ہر جمعہ کی اشاعت میں دیکھئے۔

[3] دیگر اقساط کے لئے دیکھئے جہاں نما ۱۰ر ۲۵ر دسمبر

مصنف	عنوان	رسالہ / صفحہ / تاریخ
عاقل علی خان، محمد	جمہوریت اور رائے عامہ	آجکل، ص ۳۳ تا ۳۵، نومبر
فاروق، شریف	وزیر خارجہ پیرزادہ شریف الدین سے خصوصی انٹرویو	جہاں نما، ص ۲۷ تا ۳۳، ۱۸ ستمبر
قریشی، پروفیسر شبیر حسین	قائداعظم کی سیاسی زندگی	جنگ، ص ۲، ۲۶ دسمبر
قریشی، فاروق حسن	ہمارا قومی تصور اور قائداعظم محمد علی جناح	حریت، ص ۲+۱۱، ۲۶ "
صادق کاشمیری	لاہور کے عجائب گھر	چٹان، ص ۱۰ تا ۱۲+۱۷، ۲۷ دسمبر
کشفی، میر غلام احمد	قائداعظم اور عالم اسلام	قندیل، ص ۱۱+۲۰، ۲۵ دسمبر
سلیم کیانی	اخوان المسلمون	جہاں نما، ص ۱۸ تا ۲۰، ۱۱ ستمبر
لودھی، نبی احمد	قبرص (سیاسی حالات)	" " ۱۲ تا ۱۳، ۱۶ اکتوبر
م - ش	ایں قصہ پارینہ (نہرو رپورٹ اور اس کے بعد)	" " ۳۲ تا ۳۳، ۱۷ اگست
" "	جب قائداعظم مسٹر محمد علی جناح تھے	" " ۱۲ تا ۱۳، ۲۸ "
" "	" " "	" " ۳۰ تا ۳۱، ۲۵ ستمبر
" "	ملی جدوجہد کے چند اوراق	" " ۳۴، ۲ " "
گوپال متل	اسپینی نوآبادیوں کی تحریک آزادی	تحریک، ص ۴، دسمبر
" "	" "	المنبر، ص ۵، ۲ "
محمد احمد، سید	سزائے موت عہد قدیم سے عہد جدید تک	عالمی ڈائجسٹ، ص ۸۲ تا ۱۰۱، دسمبر
محمود الرحمان (پرویز کاکوی)	قائداعظم — عظیم آدمی	جنگ، ص ، ۲۶ دسمبر
محمود علی حکیم	سنسکرت پر مسلمانوں کے احسان	تہذیب الاخلاق، ص ۸ تا ۱۱، دسمبر
مرتضیٰ، حافظ غلام	قرون وسطیٰ میں عرب و ہند کے سیاسی تعلقات	معارف، ص ۲۲۴ تا ۲۳۵، "
میر، وارث	ترکیہ — پاکستان کا عظیم حلیف	جہاں نما، ص ۱۷ تا ۱۹، ۲ اکتوبر
" "	ہوچی منہ اور کاؤ کی شخصیتوں کے پس منظر میں	" " ۱۹ تا ۲۲، ۳ اگست
نظامی دہلوی، خواجہ حسن	میں دلی ہوں	ہندوستانی ادب، ص ۱۷ تا ۲۰، دسمبر
	افریقہ میں مسلمانوں کا حال	ترجمان القرآن، ص ۴۹ تا ۶۲، "
نعمت اللہ خاں	دارا شکوہ اور اکبر	چٹان، ص ۸+۱۴، ۱۲ دسمبر

تعلیم

مصنف	عنوان	رسالہ / صفحہ / تاریخ
احسان اللہ	پنجاب میں وٹرنری کالج	ہماری زبان، ص ۷، یکم دسمبر

ادیب، سید مسعود حسن رضوی — مدرسہ قیصریہ مٹیا برج کلکتہ بناکردہ واجد علی شاہ — ہماری زبان، ص ۶، یکم دسمبر

حامد الحسینی، مولانا مشتاق احمد — آزاد ہندوستان میں مذہبی تعلیم کا مسئلہ — البلاغ، ص ۳۳ تا ۴۱، دسمبر

، مولانا احمد حسین — التحصیل والتکمیل (۲) — " " ۱۴ تا ۲۳، "

گاڈکر، ایس کل — جامعہ کا خطبہ کانووکیشن (۱۹۶۶ء) — جامعہ، ص ۲۸۳ تا ۲۹۰، "

ولی بخش قادری، عبداللہ — جامعہ اور اساتذہ کی تربیت — " " ۳۰۳ تا ۳۰۹، "

خودنوشت

جگت سنگھ، سردار — میری زندگی — جامعہ، ص ۲۰۳ تا ۲۲۲، دسمبر

شخصیات

اقبال

اقبال — خطوط اقبال — ادبی دنیا، ص ۹ تا ۱۴، نومبر دسمبر

جوہر، نربھے رام — اقبال اور مرد مومن — ساقی، ص ۱۲ تا ۲۳، دسمبر

رفعت، علی احمد — اقبال اور فریدہ — لاہور، ص ۱۰ تا ۱۱، ۵ر "

سعدی، حافظ محمد اسعد — اقبال اور علم معاشیات — چٹان، ص ۱۳ تا ۱۴، ۲۶ر "

ممتاز حسن — اقبال ایک پیغمبر کی حیثیت سے — نقش، ص ۹ تا ۲۵، نومبر دسمبر

محمود حسین، مہر — علامہ اقبال کی داستان دکن [1]، — صبح امید، ص ۸ تا ۱۴، دسمبر

دیگر شخصیات

ابوسلمان شاہجہانپوری — محمد علی جناح ۔ پیکر حق وصداقت — جنگ، ص ۷، ۲۶ر دسمبر

احمد، رضوان — قائداعظم ایک وکیل کی حیثیت سے — حریت، ص ۳، ۲۶ر "

احمد، سید رشید — ایک مسلم رام سنگت قدیم صوفی شاعر ۔ علاء الدین وصالی — جامعہ، ص ۲۹۱ تا ۳۰۲، دسمبر

---

[1] ماہنامہ سب رس حیدرآباد سے نقل کیا گیا۔

مصنف	عنوان	ماخذ
ادیب، پروفیسر اولیس احمد	قائداعظم کی تقریریں اور ان کے معاشی پہلو	جنگ، ص ۱۰، ۲۶ر دسمبر
ادیب، ڈاکٹر سید لطیف حسین	شیخ علی بخش بیمار	معارف، ص ۴۳۶ تا ۴۴۸، دسمبر
ارشاد احمد خاں	قائداعظم — جی الانا سے ایک ملاقات	انجام، ص ۵، ۲۶ر دسمبر
اسحاق، محمد	امام سفیان ثوری	ثقافت، ص ۴۶ تا ۵۲، دسمبر
اسلام، حافظ محمد	سید حسین شہید سہروردی	جنگ، ص ۲، ۵ر دسمبر
اسلم حیات، ملک	آغا شورش کاشمیری	چٹان، ص ۴، ۱۲ر "
اصفہانی، ایم اے ایچ	قائداعظم	انجام، ص ۲، ۲۶ر "
اعظمی، عبداللطیف	جامعہ اور اس کے طلبا قدیم	جامعہ، ص ۳۱۸ تا ۳۲۰، دسمبر
البنا، حسن		
معروف شاہ طہیری (مترجم)	مذاکرات حسن البنا (۲)	چراغ راہ، ص ۱۷ تا ۲۲، دسمبر
الحسینی، حکیم مختار	قاضی احسان احمد شجاع آبادی مرحوم	چٹان، ص ۶، ۱۲ر دسمبر
انور صدیقی	جامعہ (ملیہ اسلامیہ دہلی) کی کچھ ممتاز ادبی شخصیتیں	جامعہ، ص ۳۱۰ تا ۳۱۷، دسمبر
آغا، ڈاکٹر وزیر	شاد امرتسری	اردو زبان، ص ۳ تا ۷، دسمبر
بٹالوی، ڈاکٹر عاشق حسین	مولانا صلاح الدین احمد	ادبی دنیا، ص ۱۲۹ تا ۱۳۷، نومبر دسمبر
بدایونی، یعقوب	ایک گمنام شاعر — جناب وحشی شاہجہانپوری	ہماری زبان، ص ۶ تا ۷، ۱۵ر دسمبر
بولا بکھو، ہیکٹر		
زہیر صدیقی (مترجم)	قائداعظم کا بچپن	جنگ، ص ۲۶ر دسمبر
حسرت کاسگنجوی	قرۃ العین حیدر	نئی قدریں، ص ۴۰ تا ۴۳،
•	عزیز احمد (ناول نگار)	سب رس، ص ۱۲ تا ۱۳، دسمبر
خلیل، وقار	ڈاکٹر نیّر کی یاد میں	قومی زبان، ص ۳۳ تا ۴۰، "
خورشید، ڈاکٹر عبدالسلام	قائداعظم	انجام، ص ۵ تا ۶، ۲۶ر "
دت، اندرجیت	حسرت دیدار باقی ہے — راجہ مہدی علی خاں	سب رس، ص ۲۲ تا ۲۴، دسمبر
ذکار الرحمان	شکیب جلالی کی موت — ایک لمحہ فکریہ	ادب لطیف، ص ۵ تا ۶، نومبر دسمبر
رضوی، ڈاکٹر یٰسین	قائداعظم	جنگ، ص ۴، ۲۶ر دسمبر
سروش، رفعت	میرا دوست — مجاز	ساقی، ص ۳۳ تا ۵۰، دسمبر

مصنف	عنوان	ماخذ
شامی، مجیب الرحمان	قائداعظم کی باتیں — میجر جنرل اکبر خاں سے ایک ملاقات	حریت، ص ۱۶ + ۲۲، ۲۰ر دسمبر
شریف حیدرآبادی، ایم	گلبدن بیگم	چٹان، ص ۸ + ۱۸، ۱۹ر دسمبر
شیرازی، سید معروف شاہ	اخوان المسلمون کے مرشد عام حسن	چراغ راہ، ص ۱۰ تا ۱۳، دسمبر
طاہر قدوائی، ڈاکٹر عقیل	شوق قدوائی	قومی زبان، ص ۱۲ تا ۱۳، "
عمران خاں، حکیم مولانا محمد	مولانا حیدر علی ٹونکی	برہان، ص ۳۵۳ تا ۳۶۳، "
فاضل لکھنوی، مرتضیٰ حسین	طالب انصاری بدایونی	ادبی دنیا، ص ۹۵ تا ۱۰۲، نومبر دسمبر
فخر الزماں، ڈاکٹر امرانی	دسویں صدی ہجری کے دو رجال	معارف، ص ۴۶۸ تا ۴۷۳، دسمبر
فرقان، عظیم الرحمان	پاکستان کے پہلے وزیراعظم (لیاقت علی خاں)	جہاں نما، ص ۳۲ تا ۵۲، ۲۰ر اکتوبر
"	ڈاکٹر سید عبداللہ	" " ۲۰ تا ۲۳ + ۲۶، ۲۳ر اکتوبر
قادری، پروفیسر اطہر	کیپٹن قمر صدیقی مرحوم	جام نو، ص ۱۵ تا ۲۲، دسمبر
قادری، مولانا حامد حسن	حیران شکوہ آبادی	قومی زبان، ص ۹ تا ۱۴، "
قریشی، ڈاکٹر وحید	قائداعظم کی سوانح	کتاب لاہور، ص ۷ تا ۱۴، "
کلاٹے، شبیر احمد	سر جگدیش چندر بوس	آجکل، ص ۷ تا ۱۰، نومبر
گوپال، مدن	پریم چند کی زندگی کے حالات	" " ۱۱ تا ۱۹، "
محمود حارچوی، ممتاز حسن	حسین شہید سہروردی کی سیاسی زندگی کا آخری دور	جنگ، ص ۱۹، ۵ر دسمبر
مزمل الرحمان	ایک عالم ایک مجاہد — جمال الدین افغانی	" " ۱۱، ۱۷ر "
ملسیانی، جوش	داغ کے نامور شاگرد	آجکل، ص ۳ تا ۱۲، دسمبر
میر، وارث	بابائے قوم — بانی پاکستان	جہاں نما، ص ۲۰ تا ۲۳، ۱۲ر اگست
ناز، ایم ایس	قائداعظم	قندیل، ص ۲ + ۲۰، ۲۵ر دسمبر
نجید، حمید اصغر	آہ — میاں محمد شفیع مرحوم	چٹان، ص ۲، ۲۶ر دسمبر
نیرواسطی، پروفیسر حکیم	امیر البحر عروج بار بروسہ	جہاں نما، ص ۸ تا ۲۹، ۱۲ر اکتوبر
مختلف ادیب و اکابر[1]	قائداعظم	انجام، ص ۶ تا ۱۱ + ۱۷ + ۲۱، ۲۶ر دسمبر

---

[1] نسیم شاد، فاروقی مہاجر، نسیم رضوی، جمیل الدین احمد، بیگم نصرت عبداللہ ہارون، حاتم علوی، ناظر صدیقی، حامد حسین آزاد صاحبان کے مضامین یا انٹرویو

ہاشمی، سید نورالحسن	مفتی انوار الرحمان (ایک صحافی)	جہاں نما، ص ۸۲ تا ۹۹، ۱۵ ستمبر
یوسف، قمر	آتش نوا شاعر استاد واحسن	چٹان، ص ۹، ۲۶ دسمبر
———	مشاہیر اولیاء ہند و پاکستان	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۹۵ تا ۱۱۲، نومبر دسمبر
———	گلیلیو گلیلی	عالمی ڈائجسٹ، ص ۳۳ تا ۳۸، دسمبر
———	حکیم محمد سعید دہلوی	شہاب، ص ۱۳، ۲۵ دسمبر

صحافت

ذاکرہ غوث	مظہر الاخبار — مدراس کا ایک صدی پیشتر کا اخبار	اردو ادب، ص ۷۶ تا ۱۲۳،
فضل المتین، سید	اختر شیرانی کا 'رومان'	" " ۱۰۱ تا ۱۱۶،
م۔ش	خبر کہاں سے لاؤں؟ (ایک صحافی کی زندگی)	جہاں نما، ص ۴ تا ۲۵، ۱۴ اگست

کتابیات و کتاب خانے

ابو سلمان شاہجہانپوری	نئے خزانے (سی تہ رکے (?) اخبارات و رسائل کا اشاریہ)	قومی زبان کراچی، ص ۵۸ تا ۱۴۴، دسمبر
اختر حسین صدر انجمن ترقی اردو	کتب خانوں کی اہمیت	" " ۴ تا ۶، "
بیدار، عابد رضا	علوم اسلامیہ کی ایک انسائیکلوپیڈیا (اشاریہ معارف اعظم گڑھ)	برہان، ص ۳۷۱ تا ۳۷۹، دسمبر
خورشید، انیس	مشرقی پاکستان کے کتب خانے	کتابی دنیا، ص ۵ تا ۱۰، "
سخاوت مرزا	مثنوی پدم راؤ کدم راؤ	اردو ادب، ص ۴۱ تا ۵۶،

فنون لطیفہ

جیت لال، اندر	جدید فن مصوری پر ایک نظر	ادب لطیف، ص ۹۵ تا ۹۷، نومبر دسمبر

لسانیات

جینا بڑے، علاؤالدین	مرہٹی لغات	صبح امید، ص ۱۷ تا ۱۸، نومبر
سبزواری، ڈاکٹر شوکت	اشتقاقیات	اردو نامہ، ص ۵۵ تا ۸۸، دسمبر

سخاوت مرزا	فارسی و اردو کی ایک قدیم لغت	اردونامہ، ص ۴۴ تا ۴۹، دسمبر
صدیقی، آنسہ شاہدہ تسنیم	اردو کی آوازیں	" " ۸۲ تا ۸۶، "
عقیدت نقوی، سید	تحقیق الفاظ	" " ۷ تا ۲۶، "
ادارہ	اردو لغت مجمل ایڈیشن قسط نمبر ۲۰	" " ۳۷۹ تا ۳۹۲، "

مذہبیات

تفسیر قرآن مجید

اصلاحی، مولانا امین احسن	تفسیر سورہ آل عمران (۱۲)	میثاق، ص ۱۱ تا ۲۵، دسمبر
"	مقدمہ (تفسیر قرآن) نمبر ۳	" " ۱ تا ۱۰، "
کیفی، محمد جمیل	قرآن اور جغرافیہ	جنگ، ص ۱۲، ۱۳ر "
دریابادی، مولانا عبدالماجد	سورہ ملک (۶ نمبر)	صدق جدید، ص ۴ تا ۵، ۱۶ر "
مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ	تفہیم القرآن - سورہ الطور (۲) والنجم	ترجمان القرآن، ص ۱۷ تا ۳۶، دسمبر

سنت وسیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الاصفہانی، حافظ ابوالشیخ	اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم	بینات، ص ۱۱ تا ۱۴، دسمبر
انورشاہ، مولوی محمد	تاریخ حدیث وعلم اصول حدیث	" " ۳۳ تا ۴۸، "
حسن عباس رضوی و محمد فضل قدیر ندوی	نبی اور رسول	طلوع اسلام، ص ۵۷ تا ۷۶، دسمبر
شفیع احمد، ابوسلمہ	مسند احمد	برہان، ص ۳۳۵ تا ۳۴۰، "
عبدالستار، مولانا	نصرۃ الباری شرح صحیح البخاری	صحیفہ اہلحدیث، ص ۹ تا ۱۲، ۱۵ر دسمبر
"	"	" ص ۳ تا ۴، ۲۹ر "

مسائل ومباحث

فضل خاں، مولانا محمد	اسلام کا اجتماعی نظام	صحیفہ اہلحدیث، ص ۱۳ تا ۱۵، ۱۹ر دسمبر
لجیری، مولانا عبدالغفار	اسلام کی تعلیم	" " ۱۲ تا ۱۶، ۱۵ر "
ماہم الدین رام نگری، حافظ ابومحمد	تناسخ یا تماسخ	تجلی، ص ۷۱ تا ۹۹، دسمبر

امیر حمزہ شاموی، صاحبزادہ محمد	وحدت الوجود اور مظاہر پرستی	سیارہ، ص ۷۱ تا ۸۴، دسمبر
امینی، مولانا محمد تقی	احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت	برہان، ص ۳۴۱ تا ۳۵۲، "
پرویز	مفسدین کا انجام	طلوع اسلام، ص ۴۴ تا ۵۶، "
پھلواروی، شاہ محمد جعفر	طلاق سکراں	ثقافت، ص ۳۵ تا ۴۱، "
زبیری، ڈاکٹر احمد	خدا ہندوستانی کلچر میں (۲)	زندگی، ص ۴۵ تا ۵۰، "
شریف محمد	دیار حبیب کی باتیں	المنبر، ص ۲۲ تا ۱۱، ۲ر "
صدیقی، نجات اللہ	شرکت و مضاربت کے شرعی اصول	زندگی، ص ۹ تا ۴۲، دسمبر
طفیل، ایم	اسلام کا معاشی نظام	چٹان، ص ۹ و ۱۳، ۱۲ر "
عبدالمعید، ابو عبیدہ	مکہ معظمہ اور ہندوستان کی تاریخوں میں فرق اور رویت ہلال کی حقیقت	برہان، ص ۳۴۳ تا ۳۶۰، دسمبر
کٹرپوری، غلام رسول	حضرت شاہ کٹرپوری کا مسلک	سب رس، ص ۲۷ تا ۳۴، "
کمال، ڈاکٹر احمد حسین	کچھ اسلام کے معاشی نظام کے بارے میں	شہاب، ص ۸ تا ۱۰، ۱۱ر دسمبر
کمال مبارکپوری، مولانا خالد	حج بیت اللہ	البلاغ، ص ۳۳ تا ۴۶، "
گندور، ایم ڈبلیو	فقہ حنفی کی خصوصیات	ثقافت، ص ۱۸ تا ۲۲، "
مسعود، خالد	زکوٰۃ	میثاق، ص ۲۴ تا ۳۲، "
وحیدالدین خاں	اسلام اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ	ثقافت، ص ۳۴ تا ۴۵، دسمبر

مکاتیب

امتیاز الدین	مولوی محمد بشیر الدین کے نام مہدی افادی کا ایک غیر مطبوعہ خط	ہماری زبان، ص ۳ تا ۴، یکم دسمبر
شریف الحسن	چند ادبی خطوط (ہاشمی فریدآبادی مرحوم)	اردو نامہ، ص ۵۰ تا ۸۱، دسمبر

گلگت سے کاکس بازار تک ...

... پاکستان کے گوشے گوشے میں
جہاں بھی آپ جائیں
پوسٹ آفس سیونگ بینک موجود ہے

پوسٹ آفس سیونگ بینک کی ۹۰۰ سے زیادہ شاخیں مشرقی اور مغربی پاکستان کے گوشے گوشے میں آپ کی خدمت کیلئے پھیلی ہوئی ہیں۔ آپ دو روپے کی معمولی رقم سے اپنا حساب کھول سکتے ہیں۔ یکم جولائی ۱۹۶۶ سے جمع شدہ رقوم پر شرح منافع بڑھانے کے علاوہ ڈیپازٹس کی حد بھی دگنی کر دی گئی ہے آج ہی اپنے قریبی ڈاکخانے میں حساب کھولئے۔

یہ پاکستان کا واحد بینک ہے جس کی ملک بھر میں ۹۰۰ سے زیادہ شاخیں ہیں۔

پوسٹ آفس سیونگ بینک

انجمن ترقی اردو پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ

قومی زبان

آزادی نمبر

شمارہ ۲

جلد ۳۱

اگست ۱۹۶۷ء

فی پرچہ
ایک روپیہ

سالانہ قیمت
دس روپے

انجمن ترقی اردو پاکستان
بابائے اردو روڈ
کراچی

فہرست

ارکانِ تحریر

جمیل الدین عالی

مشفق خواجہ

یوم بابائے اردو

۱۶ اگست ۶۷ء کو بابائے اردو کی چھٹی برسی پر جناب اختر حسین کی صدارت میں ایک جلسۂ عام ہوگا جس میں جناب سید ہاشم رضا، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر وحید قریشی، جناب شمس امروہوی، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، جناب سید محمد تقی، ڈاکٹر شوکت سبزواری، مولانا ماہر القادری، جناب حکیم محمد سعید، جناب سید محمد جعفری، جناب جمیل نقوی اور جناب جمیل الدین عالی اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں گے۔

یکم ستمبر کو "قومی زبان" کا عبدالحق نمبر شائع ہوگا۔ جس میں پروفیسر ہارون خان شیروانی، فضل احمد صدیقی، سید قدرت نقوی، حبیب اللہ رشدی اور دیگر اہل قلم کے مضامین ہوں گے۔ نیز بابائے اردو کی متعدد نادر تحریریں شائع کی جائیں گی۔

زیر تعمیر اُردو کالج کے لئے عطیات

اب تک زیر تعمیر اردو کالج کے لئے مبلغ ایک لاکھ پچہتر ہزار اسی روپے تراسی پیسے (۱،۷۵،۰۸۰.۸۳) جمع ہو چکے ہیں۔ ذاتی طور پر عطیہ دینے والے اور رسائد کی فروخت سے رقم جمع کرانے والے حضرات اور اداروں کے نام مسلسل شائع کئے جا رہے ہیں۔ گزشتہ ایک ماہ میں جو عطیات وصول ہوئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:-

عطیات:-

	نام	رقم
۱:-	یونائیٹڈ بنک کراچی	مبلغ ایک ہزار روپے
۲:-	نیشنل کمرشیل بنک لمیٹڈ کراچی	مبلغ ایک ہزار روپے
۳:-	جناب سید محمد طاہر صاحب۔ پری محل۔ شاہدرہ ٹاؤن۔ لاہور	مبلغ ایک سو روپے
۴:-	ایم ایچ اسمٰعیل اینڈ کمپنی - میریٹ روڈ۔ کراچی	مبلغ پچاس روپے

رسائد کی فروخت سے مندرجہ ذیل حضرات نے رقوم جمع کرائیں:-

	نام	رقم
۱:-	جناب ایس مطہر صاحب۔ ریجنل ٹرانسپورٹ اتھارٹی۔ کراچی۔	مبلغ پانچ ہزار روپے
۲:-	لفٹننٹ کرنل ذوالفقار علی صاحب	مبلغ تین سو پچاس روپے
۳:-	بیگم ونگ کمانڈر اکبر حسین صاحب	مبلغ تین سو روپے
۴:-	محمد یونس خان صاحب	مبلغ تین سو روپے
۵:-	جناب محمد خلیل اللہ صاحب۔ وائس پرنسپل اردو کالج۔ کراچی۔	مبلغ دو سو روپے
۶:-	بیگم صادق علی صاحب	مبلغ پینتیس روپے
۷:-	جناب محمد علی صاحب۔	مبلغ چونتیس روپے
۸:-	جناب بیگم شیریں وہاب صاحبہ۔	مبلغ پچیس روپے
۹:-	جناب سلیمان خان صاحب۔	مبلغ پانچ روپے

مولانا مظہر علی کامل

قیامِ پاکستان کا مقصدِ اولیٰ

۱۲ر جولائی ۱۹۴۶ء صبح ناشتہ سے فارغ ہو کر قائد اعظم نے مجھے اور نواب صدیق علی خاں صاحب کو یاد فرمایا نواب صاحب سے کچھ کاغذات اور خطوط کے متعلق گفتگو فرمائی اور مجھ سے آج کی مصروفیات کے متعلق دریافت فرمایا۔ جس کی تفصیل میں نے عرض کردی پھر اخبار دیکھنے میں مصروف ہو گئے۔

آج مسلم خواتین حیدر آباد کی جانب سے زمرد محل ٹاکیز میں قائد اعظم کی تشریف آوری کے سلسلے میں جلسہ تھا صبح نو بجے سے خواتین کی آمد شروع ہوئی۔ گیارہ بجے تک ہال کھچا کھچ بھر گیا۔ قلت گنجائش کی وجہ سے اکثر خواتین کو باہر ہی کھڑا رہنا پڑا۔ مملکتی مجلس اتحاد المسلمین کی جانب سے پردہ کے معقول انتظامات کئے گئے تھے۔ عابد روڈ پر قائد اعظم کو دیکھنے کے لئے دورویہ عوام کا اجتماع تھا قائد اعظم ٹھیک گیارہ بجے تشریف لائے جلسہ گاہ کے اندرونی باب الداخلہ پر ارکانِ استقبالیہ نے قائد اعظم کو خوش آمدید کہا۔ ڈائیس کو بڑی خوش اسلوبی سے آراستہ کیا گیا تھا۔ جلسہ گاہ میں قائد اعظم کی تشریف آوری کے ساتھ ہی طالبات و خواتین نے قائد اعظم زندہ باد اور پاکستان پائندہ باد کے پرجوش نعرے بلند کئے بیگم شاہ جہاں صاحبہ صوفی نے قرأت کلام مجید سے جلسہ کا آغاز کیا۔ بیگم صاحبہ بہادر یار جنگ مرحوم، بیگم صاحبہ بابو خان صاحب، بیگم صاحبہ تجمل حسین صاحب کی طرف سے

قائد اعظم کو پھول پہنائے گئے اور قائد اعظم کی خدمت میں کیب ہائے نذر پیش کئے گئے۔ طالبات نے خوش الحانی سے ترانۂ مسلم لیگ سنایا۔ بیگم صاحبہ ہمایوں مرزا نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا جس میں تعلیم نسواں کی ضرورت اور اس کے انتظامات کی توسیع اور ملکی و معاشرتی اصلاح میں خواتین کی خدمات کی اہمیت اور ان امور کے لئے مناسب

حاجت فراہم کرنے پر زور دیا گیا تھا۔ اس کے بعد بیگم صاحبہ حفیظ و بیگم صاحبہ ڈاکٹر منور علی نے تقریریں کیں، جن میں قائداعظم کی مخلصانہ خدمات کی تعریف اور آپ کی تشریف آوری پر مسرت ظاہر کی گئی۔ بشیر النسا بیگم صاحبہ نے اردو میں اور لطیف النسا بیگم صاحبہ نے فارسی میں نظمیں سنائیں۔ بیگم صاحبہ بہادر یار جنگ مرحوم نے پردہ سے سپاسنامہ پڑھا اور بھی کئی سپاسنامے پیش ہونے والے تھے۔ مگر قائداعظم کی عدیم الفرصتی کی وجہ سے ان کی پیش کشی ملتوی کر دی گئی۔ قائداعظم نعروں کی گونج میں تقریر کے لئے کھڑے ہوئے۔ آپ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے :-

"خواتین! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے سپاسنامہ میرے سامنے پیش کیا اور مجھے عزت بخشی میں دیکھ رہا ہوں جیسا کہ ایک نظم میں کہا گیا ہے، ہم شان سے آگے بڑھ رہے ہیں اسی طرح میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلم خواتین بھی شان سے آگے بڑھ رہی ہیں میں کئی دفعہ حیدرآباد آیا اب کی بار جب میں نے یہاں کا دورہ کیا تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ خواتین بہت ترقی کر گئی ہیں آپ کا یہ جلسہ پہلے کی بہ نسبت دگنا نظر آتا ہے اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ آپ میں کافی بیداری پیدا ہو گئی ہے۔ ہم حکومت کے لائق جب ہی ہوں گے جب کہ ہم میں مرد اور عورت دونوں کام کے لئے تیار ہو جائیں۔ مجھے آپ کے کام کرنے سے خوشی ہے بعض خواتین مجھ سے کہتی ہیں کہ ہم کیا کریں ہم کو مرد آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ جب ہم نے مسلم لیگ کو قائم کیا اور کام شروع کیا تھا تو اسی طرح مشکلات پیدا ہو گئی تھیں خود ہمارے بھائی ہم کو آگے بڑھنے نہیں دیتے تھے۔ قائداعظم نے فرمایا کہ مردوں کو سمجھاؤ کہ آپ کے دوش بدوش عورتوں کی بھی آپ کو ضرورت ہے آپ جو کام کر سکتی ہیں مرد نہیں کر سکتے اور دونوں مل کر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ آپ میں بہت سی تعلیم یافتہ ہیں، سمجھدار ہیں، ہمارے آگے بہت سے مسائل ہیں پہلا کام آپ کا تعلیمی ہے اگر آپ تعلیم نہیں پائیں گی تو آپ کے بچے بھی اچھی تعلیم سے محروم رہیں گے جب آپ کو معلوم ہو گا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے تو آپ کا بچہ بھی سمجھے گا یہ بات چھوٹی نہیں ہے بڑی اہم ہے۔ آپ کا دوسرا کام غریب ساتھیوں کی ہمدردی کا ہے آپ اس کے لئے کمیٹیاں بنائیے ان کی حالت بہتر کیجئے مہذب ملکوں میں ایسی کمیٹیاں بڑے بڑے کام کر رہی ہیں اور قومی مشکلات کا حل نکال سکتی ہیں۔ مراکز بہبودی اطفال کی ضرورت ہے یہ کام آپ ہی سے نکلے گا ان کاموں کے لئے نہ صرف پیسوں کی بلکہ جان و مال کی قربانی سے دریغ نہ کیجئے

یہی اصول ہے جس سے آپ اپنی قوم کو مضبوط بنا سکتی ہیں۔ بلاشبہ [illegible] ہے کہ آپ منظم [illegible] دیکھ [illegible] ہو سکے۔ ہمارا مقصد تو یہی ہے کہ ہم کسی [illegible] نہیں چاہتے بلکہ دنیا میں اپنا بالا تر مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ کام نہ صرف مردوں سے بلکہ آپ کی

مشترکہ جدوجہد سے ہوگا "

یہاں سے تقریباً بارہ بجے قائداعظم گسٹ ہاؤس (مہمان خانہ) واپس ہوئے۔ راستہ میں قائداعظم خواتین کے جلسے کے انتظامات اور ان کے نظم و ضبط کی تعریف فرماتے رہے۔ آج آپ نماز جمعہ مکہ مسجد میں ادا فرمانے والے تھے۔ سوا بارہ بجے میں قائداعظم کو گسٹ ہاؤس سے لے کر روانہ ہوا۔ نواب صدیق علی خاں صاحب بھی ہمراہ تھے۔ ہم ٹھیک ساڑھے بارہ بجے مکہ مسجد پہنچے۔ مسجد غیر معمولی وسعت کے باوجود آج اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کر رہی تھی۔ مسلمانوں کا اجتماع مسجد کے باہر شاہ راہ عام پر چار مینار تک پہنچ گیا تھا۔ محکمہ امور مذہبی کی طرف سے مسجد میں غیر معمولی انتظامات عمل میں آئے تھے۔ صحن مسجد میں شامیانے نصب کئے گئے تھے۔ مسجد کے باب الداخلہ پر علما و مشائخین کی جانب سے مولانا سید بادشاہ حسینی صاحب معتمد مجلس علمائے دکن اور مولوی سید ولی اللہ حسینی صاحب افتخاری۔ مجلس اتحاد المسلمین کی طرف سے مولوی محمد یامین زبیری صاحب معتمد، مولوی سید محمود علی صاحب ہاشمی خازن معہ اراکین عاملہ۔ حکومت کی جانب سے نواب دین یار جنگ بہادر کوتوال بلدہ اور مولوی عبدالقیوم خاں صاحب ناظم محکمہ امور مذہبی (حال فرسٹ سکریٹری جنرل حیدرآباد مقیم پاکستان) استقبال کے لئے موجود تھے۔

قائداعظم کے لیے صف اول میں منبر کے پاس جگہ مختص کی گئی تھی۔ آپ کے تشریف رکھنے کے بعد مکہ مسجد کے خطیب علامہ ابراہیم رشید مکی صاحب مرحوم نے عربی میں خطبہ شروع کیا۔ رشید صاحب مرحوم عربی النسل تھے زبان عربی پر اچھا عبور حاصل تھا بڑے اچھے انداز سے فی البدیہہ خطبہ دیتے تھے۔ اثنا رخطبہ میں رشید صاحب مرحوم نے قائداعظم کی اسلامی خدمات کو سراہا اور آپ کی کامیابی کی دعا کی۔ قائداعظم نے خطبہ میں اپنا نام سن کر مجھ سے دریافت فرمایا کہ خطیب صاحب کیا کہہ رہے ہیں میں نے اس کی وضاحت کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد مولانا سید بادشاہ حسینی صاحب کے ساتھ قائداعظم صحن مسجد کے منبر کے پاس تشریف لائے۔ جہاں مولوی سید صابر حسینی صاحب۔ مولوی شیخ احمد صاحب شطاری مولوی فرید بادشاہ صاحب، مولوی سید ولی اللہ حسینی صاحب اور دیگر علماء و مشائخین نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کو منبر پر بٹھایا گیا۔ مولانا سید بادشاہ حسینی صاحب نے قائداعظم کو پھول پہنائے دیگر مشائخین کی جانب سے بھی پھول کے ہار پیش کئے گئے جن کو قائداعظم نے مولانا سید بادشاہ حسینی صاحب کے ہاتھ سے لے کر گلے پہنایا۔ مولانا سید بادشاہ حسینی صاحب تقریر کے لئے کھڑے ہوئے۔ پہلے قائداعظم کی تشریف آوری پر اظہار مسرت کیا اور سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ۔

" یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اپنی قوت اور اپنے حق سے غافل رہ کر مسلمانانِ ہند کو بیدار و متحد کرنے اور اسلامی اصول پر چلانے میں جس مرد مجاہد نے کیا کام انجام دے کر ہم کو تسکین کیا گیا ہے اس کے حصول کے لئے ہمیں اس کا ساتھ دینا چاہئے جن کی بدولت قیادت پر ہم کو پورا اعتماد ہے اللہ ایک ہے اور قرآن ایک ہے تو یقیناً قیادت بھی ایک ہی ہونا چاہئے

تاکہ خلافت کا احیا ہو اور مسلمانوں کو خلیفہ نصیب ہو سکے۔ ہم قائداعظم کی کامیابی کے لئے ہر وقت دست بہ دعا ہیں۔"

جواب میں قائداعظم نے فرمایا۔

"برادران اسلام! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری بڑی قدر افزائی کی، ہمارے ہندوستان کے لئے یہ ایک نازک وقت ہے جہاں ہم پاکستان کے لئے ہر طرح سے کوشش کر رہے ہیں انشاء اللہ اس کو حاصل کر کے رہیں گے۔ مسلم لیگ میں اب وہ قوت آگئی ہے جس کو کوئی قوت توڑ نہیں سکتی۔ علماء کی دعا اور دس کروڑ مسلمانوں کی امداد سے ہماری کامیابی اٹل ہے۔ یہ تو پاکستان اور ہندوستان کی باتیں ہیں مگر حیدرآباد کی بات کچھ اور ہے اور صورت حال خوفناک ہے خدا کے لئے ایک رہو اگر تم ایک ہو جاؤ گے تو اقلیت میں ہونے کے باوجود تم کو تمہارے مقاصد سے کوئی روک نہیں سکتا۔"

آج مولوی سید تقی الدین صاحب مرحوم معتمد امور دستوری کے پاس قائداعظم ظہرانہ پر مدعو تھے مکہ مسجد سے ہم بیربن روانہ ہوئے جو قلعہ گولکنڈہ کے قریب ہے۔ یہیں مولوی سید تقی الدین صاحب مرحوم کا مکان تھا۔ نواب صدیق علی خاں صاحب بھی ظہرانہ میں مدعو اور ہمارے ساتھ تھے۔

راستہ میں قائداعظم نے خطبہ کے متعلق مجھ سے دریافت فرمایا کہ مسجد کے کثیر مجمع میں جہاں ہزاروں مسلمان جمع تھے کتنے ایسے مسلمان ہوں گے جنھوں نے خطیب صاحب کا عربی خطبہ سمجھا ہو؟ میں نے عرض کیا کہ سو سوا سو مسلمانوں نے سمجھا ہوگا۔ فرمایا اس سے خطبہ کا مقصد پورا نہیں ہوتا کیونکہ اُردو میں خطبہ دینے کے متعلق علماء میں اختلاف ہے۔ قائداعظم نے فرمایا کہ سمجھدار اور مسلمہ علماء کی ایک کانفرنس کیوں طلب نہیں کی جاتی جو خطبہ کے مقصد اور اس کے متعلقات پر متبدلہ حالات کو پیش نظر رکھ کر غور کرے اور اس مسئلہ کا تصفیہ کرے۔ میں نے کہا کہ ایسی کانفرنس کون طلب کرے؟ اس پر قائداعظم نے فرمایا کہ اسلام کا ہر عمل افادیت پر مبنی ہے بشرطیکہ ہم زمانہ اور قوم کے حالات کے لحاظ سے اس میں جزوی ترمیم کریں میں بنیادی تبدیلی کا قائل نہیں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ بعض اعمال میں ان کی اصلی روح اور ان کے بنیادی مقاصد کو باقی رکھتے ہوئے متبدلہ حالات کے لحاظ سے ایسی مناسب ترمیم کی جائے جس سے اس کی افادیت عام ہو جائے اور مسلمان اس کے مقصد کو سمجھیں اور مستفید ہوں فرمایا کہ اسی خطبہ کے مسئلہ پر غور کرو میں سمجھتا ہوں کہ جمعہ کے خطبہ کا مقصد یہ ہے کہ گذرے ہوئے ہفتہ کے حالات کا جائزہ لے کر اس پر تبصرہ کیا

جائے اور آئندہ ہفتہ کے لئے نظام العمل پیش کیا جائے۔ قوم کو بیدار کر کے۔ ان کی غلطیوں اور کمزوریوں سے ان کو واقف کرانے کا یہ کتنا آسان اور بہتر طریقہ ہے اگر صحیح طور سے ہم اس پر عمل کریں تو بہت جلد قوم میں ایک بڑا انقلاب پیدا کیا جا سکتا ہے پھر فرمایا کہ ہم پاکستان اسی لئے چاہتے ہیں کہ آزادی کے ساتھ اسلامی مسائل پر غور و فکر کر کے ان کو معقولیت کے ساتھ ایسے صحیح اور اچھے روپ میں پیش کریں جن میں جاذبیت و افادیت دونوں موجود ہوں تاکہ ہر مسلمان توجہ کرے اور آسانی کے ساتھ عمل کر کے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرے۔

اسی اثنا میں ہم مولوی سید تقی الدین صاحب مرحوم کے گھر پہنچ گئے اور سلسلۂ گفتگو ختم ہو گیا یہاں ظہرانہ میں مخصوص اصحاب مدعو تھے جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ نواب ذوالقدر جنگ مرحوم، مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مرحوم (صدر شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی) نواب معین نواز جنگ بہادر وزیر امور خارجہ حیدرآباد، نواب دین یار جنگ بہادر کوتوال بلدہ، مولوی رضی الدین صاحب معتمد محکمہ رسد، مولوی سید محی الدین صاحب وظیفہ یاب معتمد تعلیمات بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب۔ مولوی سید واسع الہدیٰ صاحب مرحوم تعلقدار، ڈاکٹر سید شافع الہدیٰ صاحب واضح الہدیٰ صاحب مرحوم مددگار محکمہ اطلاعات۔ مولوی آفتاب حسن صاحب مددگار ناظم تعلیمات حال ناظم شعبہ تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی۔ دسترخوان پُرتکلف اور مشرقی وضع کا تھا۔ چوکیوں پر کھانا چنا گیا تھا کھانے بھی سب مشرقی تھے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مولوی سید تقی الدین صاحب مرحوم کے بچے قائداعظم کو بازو کے برآمدے میں لے گئے جہاں ان بچوں نے قائداعظم کی گل پوشی اور مسلم لیگ کے لئے چندہ پیش کرنے کا انتظام کیا تھا۔ بچوں کی طرف سے مولانا سید مناظر احسن صاحب مرحوم نے قائداعظم کو پھول پہنائے اور مختصر سی تقریر کی آپ نے فرمایا۔

"قائداعظم! آپ دس کروڑ مسلمانانِ ہند کے قائد اور ان کی کشتی کے کھینے والے ہیں اس نازک دور میں سب آپ ہی کو اپنا سہارا سمجھتے ہیں اور آپ پر کامل اعتماد رکھتے ہیں۔ قائداعظم! جس قابلیت و دلسوزی سے آپ مسلمانوں کے حقوق کے لئے کوشش فرما رہے ہیں اس کی تعریف نہیں ہو سکتی ہم بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہیں کہ وہ آپ کو کامیابی عطا فرمائے اور مسلمانوں کا مستقبل بہتر بنائے۔"

جواب میں قائداعظم نے فرمایا۔

"مولانا! میں قائداعظم نہیں ہوں یہ درجہ بہت بڑا ہے آپ جانتے ہیں میں وکیل ہوں میرے پاس مختلف مقدمات آتے ہیں اور میں ان کی پیروی کرتا ہوں منجملہ ان مقدمات کے مسلم لیگ

کا بھی ایک مقدمہ میرے پاس ہے جس کی میں پیروی کر رہا ہوں - میری حیثیت ایک وکیل کی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں - مجھے اللہ کے فضل اور آپ بزرگوں کی دعا پر بھروسہ ہے اور اس امر کا یقین ہے کہ ہم اس مقدمہ میں ضرور کامیابی حاصل کریں گے ۔"

قائد اعظم کی اس مختصر تقریر نے مولانا پر عجیب رقت کی کیفیت طاری کر دی - قائد اعظم کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر مولانا بے اختیار رونے لگے - اس وقت قائد اعظم مولانا کی پیٹھ تھپکتے ہوئے فرما رہے تھے " مولانا رونا نہیں ہمت - ہمت -" یہاں سے واپسی میں قلعہ اور فوجی عمارتوں کے متعلق قائد اعظم نے استفسار فرمایا میں نے وضاحت کی کہ یہی قلعہ گولکنڈہ ہے اور یہ عمارتیں حیدر آباد کنٹنجنٹ کے فرسٹ لانسر اور سکنڈ لانسر کی رہائشی عمارتیں ہیں - اثنائے راہ میں قائد اعظم نے ایک اہم مسئلہ پر بڑی دل چسپ اور معنی خیز گفتگو فرمائی جو حقیقت میں ایک پیشین گوئی تھی جو سقوط حیدر آباد کے سلسلہ میں حرف بہ حرف پوری ہوئی - پانچ بجے چاء نوشی کے بعد قائد اعظم نے مولوی اشفاق احمد خاں صاحب اے - ڈی - سی - مولوی عبد الکریم بابو خاں صاحب اور دیگر چند حضرات سے ملاقات کی پھر نواب صدیق علی خاں کو یاد فرمایا اور کچھ دیر ان سے گفتگو کی - مغرب کے بعد ضروری کاغذات کے ملاحظہ میں مصروف رہے -

حکیم اسرار احمد

جنگ آزادی میں اردو کا حصّہ

برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد حقیقت میں تاریخ عالم کے اس فکری انقلاب کا ایک درخشاں اور قابل ذکر باب ہے جو چودہ سو برس پہلے عرب کے بے آب وگیاہ صحرا سے اُٹھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین کے ایک بڑے حصے پر رحمت بن کر چھا گیا نبی امی مدنی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں جو سب سے بڑا معجزہ ظہور میں آیا وہ یہی تھا کہ آپ کے فیض صحبت اور حسن تربیت سے ان بادیہ نشینوں کو اقوام عالم کی رہبری اور سربراہی کا شرف حاصل ہوا۔ جن کا شمار بھی اس وقت کی زندہ قوموں میں نہ تھا، اور جو تہذیب و تمدن کے مفہوم سے بھی ناآشنا خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ......

اور اسی انقلاب کا ایک جھونکا جب سرزمین ہند کی طرف آیا۔ تو اس کی بھی کایا پلٹ گئی۔ اس بابرکت انقلاب کی روداد اور اس کے جو خوش گوار اہل ہند کی معاشرت، مذہب، سیاست اور خیالات پر پڑے اس کا حال ایک ہندو دانشمند اور مفکر جسٹس رانا راؤ کی زبان سے سنئے۔

"علاوہ سرچشمہ قوت ہونے کے اسلامی حکومت نے سینکڑوں طریقوں سے ہندوؤں کے آداب و اطوار اور ذوق کے لطیف بنانے میں مدد دی۔ مسلمان حکومت کے فن کو پرانے ہندو حکم رانوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ فن جنگ مسلمانوں کی آمد سے قبل نہایت ناقص تھا۔ بارود اور توپ و تفنگ کا استعمال ان کی بدولت رائج ہوا۔ بہت سی دست کاریوں اور صناعیوں میں وہ بقول بابر کے جدت و ایجاد کو کام میں لائے۔ ان کے نام اور ان کی اصطلاحیں جو غیر ہندو ہیں۔ بتاتی ہیں کہ ان کی اصل بدیسی ہے۔ انھوں نے شمع کاغذ، گھر کے ساز و سامان اور زین وغیرہ کو رواج دیا۔ انھوں نے موسیقی (گانے بجانے) اور طب اور ہیئت کے علم میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ ان کی تقلید میں ہندوؤں نے بھی ان دونوں علوم اور نجوم اور کیمیا میں اصلاح و ترقی کی اور مسلمانوں ہی کی بدولت جغرافیہ اور تاریخ پہلی بار علم و ادب کے شعبے قرار پائے۔ انھوں نے سڑکیں، پل، نہریں، کارواں سرائیں اور ڈاک خانے

بنائے۔ اور فن تعمیر کے اعلیٰ نمونے پیش کئے۔ فن باغبانی کو ترقی دی نیز ہمیں نئے پھلوں اور پھولوں سے آشنا کیا۔ نظام مال گذاری جو اکبر نے زمانے میں ٹوڈرمل نے رائج کیا تھا۔ موجودہ طریقہ مال گزاری کی بنیاد اسی پر ہے۔ وہ تمام تجارت سمندر کے راستے دور دراز ملکوں سے کرتے تھے۔ انھوں نے اہل ہند کے دل میں یہ احساس پیدا کیا کہ ہندوستان بھی آباد دنیا کا ایک حصہ ہے اور دوسرے ممالک سے تعلق رکھتا ہے اور معاشرتی لحاظ سے دوسروں سے منقطع نہیں۔ ان تمام اعتبارات سے مسلمانوں اور ہندوؤں کی متحدہ قوتوں کا تمدن جس کے نمائندے دہلی کے مغل تھے۔ ایسی نمایاں ترقی کا حامل تھا جس کا وجود میں آنا دسویں صدی عیسوی سے قبل ناممکن تھا"

(خطبات عبدالحق ص۱۵۰ تا ص۱۵۱)

یہ تصویر کا وہ روشن رُخ ہے، جس کا عکس قدیم باشندگان ہند پر پڑا، لیکن اس کا تاریک پہلو بھی ہے، جس کے بھیانک اثرات خود مسلمانوں کی زندگی پر مرتب ہوئے۔ اس سے پہلے کہ ان مضر اثرات کا تجزیہ کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے دور اول کی تاریخ پر نظر ڈال لی جائے اور پھر اس پس منظر کے ساتھ کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے میں آسانی ہو۔ اسلام اپنے اصول عقائد، عبادات اور معاملات کے اعتبار سے ایک ایسی انقلابی اجتماعیت کا مظہر ہے جو اپنے پیروؤں میں کسی امتیاز کو خواہ وہ نسلی ہوں، لسانی یا تہذیبی روا نہیں رکھتا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مبارک دور میں اسلام کی اجتماعی روح پوری طرح کار فرما تھی۔ بنی امیہ کے عہد میں بھی اگرچہ ملوکیت کا عہد تھا لیکن کسی نہ کسی حد تک اس کے اثرات باقی رہے۔ البتہ بنی عباس کے برسراقتدار آتے ہی جب معاملات مملکت میں عجمیوں کا اثر و نفوذ بڑھا تو ساری بساط ہی الٹ گئی۔ اب مسلمانوں کی حکومت قدیم ایرانی شہنشاہیت کا ایک بے جان چربہ بن کر رہ گئی، جو شان و شوکت اور ظاہری طمطراق کے اعتبار سے تو بلاشبہ اس عہد میں دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ حکومت تھی، لیکن جہاں تک اسلام کی اجتماعیت کا تعلق ہے نہ صرف بنی عباس کی حکومت بلکہ مسلمانوں کی وہ ساری حکومتیں جو اس کی خاک سے اٹھیں سرتاسر غیر اسلامی حکومتیں تھیں، چناں چہ برصغیر پاک و ہند میں بھی اگر محمد بن قاسمؒ اور اس کے جانشینوں کے مختصر دور حکومت کو نظر انداز کر دیا جائے تو مسلمانوں کی جتنی حکومتیں قائم ہوئیں، آئین اور نظم مملکت دونوں حیثیتوں سے خالص عجمی حکومتیں تھیں اور ایرانی ملوکیت کی ورثہ دار تھیں۔ ملوکیت اور جاگیردارانہ نظام میں کچھ خوبیاں بھی ہیں لیکن اس کی سب سے بڑی خرابی جو اس کی ساری خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے یہ ہے کہ اس میں عوام کی جملہ خواہشوں اور کوششوں کا مرکز بادشاہ اور شاہی خاندان سے وابستہ ہوتا ہے اور یہ مرکز بادشاہوں کے عروج و زوال کے ساتھ وقتاً فوقتاً بدلتا رہتا ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ برعظیم میں ہزار سالہ کا ہزار سالہ دور حکومت اسی ملوکانہ اور جاگیردارانہ نقطۂ نظر کا آئینہ دار اور ترجمان ہے۔ جس نے جسٹس رانا ڈے کے خیال کے مطابق اہل ملک کی معاشرت، سیاست،

مذہب اور ان کے دیگر رجحانات اور احساسات کو بڑی حد تک سے متاثر کیا۔ اور اس ملک میں ایک عظیم تہذیب وتمدن کی بنیاد ڈالی۔

> لیکن بد قسمتی سے ہندوستان کی برائے نام اسلامی حکومتوں کے یہ نمائندے اعلیٰ پائے کے حکمراں علوم وفنون کے سرپرست اور بے مثل تعمیری و تہذیبی صلاحیتوں سے متصف ہونے کے باوجود اسلام کی اجتماعی روح سے بے گانہ تھے یا موروثی اور ذاتی مفادات کے تحفظ کی خاطر انھوں نے اس اجتماعی روح کو دیدہ و دانستہ نظر انداز کیا۔ چنانچہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا جائزہ لینے کے بعد یہ تکلیف دہ حقیقت ہمارے سامنے عریاں ہو جاتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے اگرچہ اس ملک کی کایا پلٹ دی، حکمرانی کے آئین سکھائے، علوم وفنون کو فروغ دیا، سڑکیں اور شاہراہیں بنائیں، بستیاں آباد کیں اور بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کیں جو آج بھی زبان حال سے ان کی عظمت وجلال کی داستانیں سنا رہی ہیں لیکن وہ خود روشنی کے سرچشمے سے محروم ہو گئے ...... انھوں نے دوسروں کی رہبری کی لیکن خود گم راہ ہو گئے۔

حقیقت میں اسلامی طاقت کا سرچشمہ اس کی اجتماعی روح ہے۔ جس کا مظہر مسلمانوں کا ملی شعور ہے اور یہی ملی شعور ان کے قومی شیرازے کو مربوط ومنظم رکھتا ہے۔ مسلمانان برعظیم پاک وہند کی تاریخ میں ہمیں ان کی بے مثل شجاعت، مافوق الفطرت کشورکشائی، اور غیر معمولی معارف پروری کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں، لیکن نہیں ملتی تو قربانی اور ایثار کی مثال۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہزار سال کی اس مدت میں چند مستثنیات کو چھوڑ کر عوام میں ملی شعور کے مظاہر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے، ان کی ساری سرگرمیاں ایک شاہی خاندان کو برسر اقتدار رکھنے اور دوسرے خاندانوں کو بادشاہت کے سائے سے دور رکھنے تک محدود رہیں۔ انھوں نے مغلوں کی وفاداری کے نام پر بہادر پٹھانوں کے کس بل نکال دیے اور اس طرح ایک بادشاہ یا چند بادشاہوں کے مفاد کے لئے ہمیشہ ملت کے مصالح کو نظر انداز کیا۔

یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اس دور میں بھول کر بھی، مسلمان بادشاہوں، مسلمان دانش وروں اور عام مسلمانوں نے اجتماعی طور پر ملت کے مفاد کو اپنی توجہات کا مرکز نہ بنایا اور وہ صرف ذاتی سربلندیوں کے حصول کے لئے ایک ہزار سال تک باہم دست وگریباں رہے۔

انگریزی کی ایک مثل ہے کہ مستثنیات مسلمات کو ثابت کرتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہند میں مسلمانوں کے ہزار سالہ دور حکومت میں شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، نجیب الدولہ اور سلطان شہید ٹیپو جیسی غیر معمولی ہستیاں پیدا ہوئیں۔ یہی وہ چند قدسی نفوس ہیں جن کی نگاہیں ملت کے اجتماعی مفادات پر بھی

تھیں، اور انھوں نے کسی نہ کسی حد تک فکری اور عملی حیثیت سے مسلمانان ہند کی فلاح و بہبود کے لئے سلسلہ جنبانی کی لیکن افسوس کہ شخصی مفادات کے طوفان میں اسلام کی اجتماعی روح اور ملّی شعور کی شمعیں اچھی طرح روشن بھی نہ ہونے پائی تھیں کہ خاموش ہو گئیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلام بجائے خود ایک طاقت ور اجتماعی تحریک کا دوسرا نام ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں اس کے نام لیوا، اسلام کی اس حقیقی روح سے بے گانہ رہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو وہ عجمی اثرات ہیں جو بنی عباس کے عہد سے دنیائے اسلام پر مسلّط ہوئے۔ اور جو تمدّن ایرانی ملوکیت کے پروردہ تھے۔ ظاہر ہے کہ ملوکیت میں اجتماعی مفاد کی گنجائش بمشکل ہی نکل سکتی ہے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ سندھ کی ابتدائی اسلامی حکومت سے قطع نظر، اس دور میں جتنی مسلمان بادشاہتیں برعظیم میں قائم ہوئیں ان کی سرکاری درباری زبان فارسی تھی یہ بڑی مہذب اور شائستہ زبان ہے۔ لیکن افسوس کہ اس عہد تک اس کا سرمایہ شعر و شاعری، تاریخ نویسی اور وقائع نگاری تک محدود تھا۔ علاوہ بریں وہ کسی زمانے میں بھی عام لوگوں کی زبان نہ تھی۔ اول تو اس زبان میں ان موضوعات اور مباحث پر کتابیں تھی ہی نہیں جو عوام کی فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر سکتیں اور اگر کبھی کبھار ان موضوعات پر ایک دو کتابیں لکھی بھی گئیں تو مسلمان عوام اس لئے ان سے مستفید نہ ہو سکے کہ وہ ان کی دست رس سے باہر تھیں۔

اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ مسلمانان ہند میں قومی احساس اور ملّی شعور کی نشو و نما اس وقت سے شروع ہوئی جب وہ مغلوں کی برائے نام حکومت سے بھی محروم ہو کر محکومی کے دور میں داخل ہوئے سر سید احمد خاں مرحوم نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے ان کے ذہن و دماغ کو جھنجھوڑنا شروع کیا۔ حد ہو گئی کہ اس وقت تک قوم کا لفظ ذات کے معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔ اور اس سے مراد شیخ، سید، مغل اور پٹھان وغیرہ ہوتے تھے سید احمد خاں مرحوم نے سب سے پہلے لفظ قوم کو نیشن (NATION) کے معنوں میں استعمال کیا اور وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے مسلمانوں میں پہلی بار قومی مفاد اور قومی مصالح کا نعرہ بلند کیا اور اسلام کی اجتماعی روح کو عام مسلمانوں میں متعارف کرنے کے لئے تقریریں کیں۔ کتابیں لکھیں اور رسالے اور اخبار جاری کئے۔ انھوں نے اس کو عام روش کے خلاف عوامی بول چال کی سادہ زبان اُردو کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا۔

غرض کہ برعظیم پاک و ہند میں سر سید احمد خاں مسلمانوں کے ذہنی اور فکری انقلاب کے اولین داعی اور نقیب ہیں اور انھوں نے ہی اس مظلوم قوم کو جو مسلسل ایک ہزار سال سے شخصی مفادات کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھتی آ رہی تھی، اجتماعیت، قومیت اور ملّی شعور کے مفہوم سے آشنا کیا اور یہ سارا کام انھوں نے اس زبان اردو سے لیا جسے اس

ِقت مشرفا منھ لگانا بھی عار سمجھتے تھے ۔ سرسید مرحوم جس طرح ہماری قوم کے سب سے بڑے محسن ہیں ، اسی
رح وہ ہماری قوم کے سب سے بڑے مدبر بھی ہیں ...... چناں چہ انھوں نے اپنے مقدس مشن کو شروع کرنے سے
ہلے ہی اچھی طرح محسوس کر لیا تھا اور حق الیقین اور عین الیقین کے درجے تک پہنچ گئے تھے کہ مردہ اور سوئی ہوئی قوم کو
رف اسی زبان کے ذریعہ زندہ اور بیدار کیا جا سکتا ہے ، جو اب اس کے معتقدات نظریات ، احساسات ، خیالات اور اعمال
، صحیح نمائندہ اور مظہر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اردو کی اشاعت اور تحفظ کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا کیوں کہ وہ
ہی طرح سمجھتے تھے کہ وہ صرف اسی زبان کے ذریعہ اپنی بدبخت قوم کو ترقی اور سربلندی کی منزلوں تک کامیابی سے
ے جا سکتے ہیں ۔ سرسید مرحوم بڑے روشن خیال ، وسیع المشرب اور روادار بزرگ تھے ۔ ایسے لوگ غیر اہم باتوں
ی سے الجھنا اپنی شان اور وضع داری کے منافی تصور کرتے ہیں ۔ لیکن وہی سرسید اردو کے مسئلے پر برادران وطن
ے اس طرح اُلجھے کہ مرتے دم تک صاف نہ ہوئے اور انھوں نے غیر مبہم لفظوں میں اعلان کر دیا کہ " برادران وطن کی
ردو دشمنی کی وجہ سے اب اس ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا مل جل کر رہنا ممکن نہیں رہ گیا ۔ ان کے اس فیصلے سے
ٓسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اردو کی اہمیت ان کی نگاہ میں کتنی تھی اور وہ اسے مسلمانوں کی ترقی ، تہذیب و فکر کے لئے
س درجہ ناگزیر خیال کرتے تھے ۔

دورِ زوال کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ انسان کی ذہنی و فکری ترقی کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں ، اور وہ
رف اسلاف کی فرسودہ روایات ہی کے سہارے زندگی بسر کرنے کو اپنا مطمح نظر قرار دے لیتا ہے ۔ اسی کا دوسرا نام رجعت
ستی اور قدامت پسندی ہے ۔ اسی عادت بد کا نتیجہ ہے کہ انسان آگے دیکھنے کے بجائے ہمیشہ پیچھے دیکھنے کی کوشش
رتا ہے ۔ قوم کے لئے یہ وقت بڑا نازک ہوتا ہے ۔ چناں چہ ہمارے مفکر شاعر علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے اس شعر
ں اسی طرف اشارہ کیا ہے ؎

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اَڑنا　　　منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

سرسید مرحوم کا ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے فکر انگیز مقالات ، تالیفات اور تصانیف سے
جعت پرستی اور قدامت پسندی کے خلاف بڑا مضبوط محاذ قائم کیا ۔ کیوں کہ جب تک پرانے توہمات و تعصبات کی
داریں گرا نہ دی جائیں ، نئے خیالات و نظریات کے لئے گنجائش نہیں نکل سکتی ۔ اور جب تک نئے نظریات و خیالات
ے بیداری پیدا نہ ہوگی ، قومی بیداری کے سارے منصوبے طاق پر دھرے رہ جائیں گے ۔ اس باب میں سرسیّد
حوم کی اردو تحریروں اور تقریروں نے مسلمان قوم کے ذہن و دماغ پر جو غیر معمولی اور دیرپا اثرات چھوڑے ہیں
ن کا فیض اب تک جاری ہے اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ خطۂ زمین کے اس حصے کے مسلمانوں میں آج جو
بیداری نظر آ رہی ہے ۔ اس کی خشت اول سرسیّد مرحوم نے ہی رکھی تھی اور اس لحاظ سے قوم ان کی گونا گوں

احسانات سے کبھی عہدہ برا نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ اگر ان کے خیالات کی اشاعت کا ذریعہ اردو جیسی عام فہم، سادہ مگر جاندار زبان نہ ہوتی تو نتائج اتنے شاندار اور حیران کن نہ ہوتے کہ وہی قوم جو زوال و پستی کی آخری حدود سے بھی تجاوز کر گئی تھی۔ صرف نوے سال کے اندر برعظیم میں اپنے لئے ایک آزاد مملکت کے قیام پر کامیاب ہو جاتی۔ اور مزید یہ کہ اب اس کا مطمح نظر جیسا کہ ماضی میں تھا، شخصی مصالح اور مخصوص و محدود مفادات کا تحفظ و استحکام نہیں بلکہ اب اس کا نقطۂ نظر اجتماعی طور پر ملک و ملت کا نفع و نقصان ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک ہزار سال تک مسلمان فکر و نظر کے جس مثالی نصب العین کے مفہوم سے بھی ناآشنا رہے۔ ایک سو سال کے دور محکومی میں کس طرح اس دولت سے سرفراز ہوئے۔

سرسید کے رفقائے کار میں مولانا حالی مرحوم کا درجہ اس اعتبار سے بہت بلند ہے کہ انھوں نے سرسید کے مشن کو اچھی طرح سمجھا اور پھر اپنے مسدس کے ذریعہ اس کی تبلیغ و اشاعت کا مقدس فرض انجام دیا۔

مولانا کے مسدس نے قوم کے دل و دماغ کو جس طرح متاثر کیا۔ یہ اسی کا طفیل ہے کہ مسلمانوں میں "احتساب خویش" کا جذبہ محمود پیدا ہوا۔ دوسروں کے عیوب دیکھنے کے بجائے اب ان کی نگاہیں اپنے عیبوں کی طرف اٹھیں اور انھوں نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا کہ ان کی پستی و پس ماندگی تقدیر خداوندی کا نتیجہ ہے یا ان کے اپنے اعمال کا ثمرہ۔

دنیا میں بہت سی زبانیں ہیں اور ان کا ادبی سرمایہ بھی قابل رشک ہے۔ لیکن ان میں مسدس حالی کے درجے کی کوئی انقلابی نظم موجود نہیں ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جب یہ مسدس شائع ہوا تو کیا عالم کیا عامی سب اس کی مخالفت میں صف آرا ہو گئے۔ لیکن جذبات کی شدت کم ہونے کے ساتھ ہی سب نے اس کے مضمرات پر غور کرنا شروع کیا۔ اور عالم فاضل تاجر، مزدور، امیر غریب، استاد اور طالب علم سب ابقدر ظرف اس سے اثر پذیر ہونے پر مجبور ہوئے۔ بید کہنا غلط نہ واقعہ نہ ہوگا کہ مسلمانان برعظیم کے رجحانات و خیالات کی تعمیر و تشکیل میں جتنا حصہ مسدس حالی کا ہے اتنا اس زبان کے کسی بڑے سے بڑے علمی و ادبی شاہکار کا نہیں۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کی مثنوی کو فارسی زبان کے قرآن سے تشبیہ دی جاتی ہے لیکن گستاخی معاف ان معنوں میں اردو کے "مسدس حالی" کا مرتبہ بھی مثنوی سے کم نہیں، بلکہ بعض حیثیتوں سے اس نے ہندوستانی مسلمانوں کے دل و دماغ کو اس سے کہیں زیادہ متاثر کیا ہے، جتنا کہ مولانا روم کی مثنوی کا اثر فارسی داں افراد پر پڑا ہے۔

غرض کہ سرسید مرحوم نے مسلمانان ہند کی بیداری کی جس پاکیزہ مہم کا آغاز کیا تھا اور جو ان کی زندگی ہی میں ایک طاقتور تحریک کی حیثیت سے اسلامی معاشرے میں پھیل گئی تھی۔ اسے مولانا حالی کے مسدس سے بڑی تقویت پہنچی اور

مسلمانوں میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی ۔ مسدس نے مسلمانوں کی فکری سمتوں کے تعین میں جو غیر معمولی حصہ لیا ہے اسی کا اثر ہے کہ ان کے سارے مسائل کے تصفیہ میں خواہ وہ تعلیمی ہوں ، معاشرتی یا سیاسی اس کے روح پرور نغموں کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے ۔

سرسید اور حالی نے جس فکری انقلاب کی صورت نکالی ، آخری دور میں علامہ اقبال مرحوم نے اس میں نئے تصورات کا اضافہ کیا ۔

> سرسید کے طفیل قوم نیند سے بیدار ہو چکی تھی ۔ اور مولانا حالی کی بدولت وہ اپنے مرض کی تشخیص کر چکی تھی اور اب اس کی ضرورت تھی کہ کوئی " دانائے راز " اسے عمل اور جد و جہد کے اسرار و رموز سے آگاہ کرے ، چناں چہ اس عالم میں اقبال نے اپنا نغمہ بلند کیا ۔ اور اس شان سے کہ تھکا ماندہ لیکن عہد حاضر کے تقاضوں سے آشنا قافلہ منزل مقصود کی طرف گام زن ہو گیا ۔ اور پہلے پہل اس کے دل میں اپنے موقف کا احساس بیدار ہوا ۔

سرسید کی تحریروں ، حالی کے مسدس اور اقبال کے نغموں نے صرف اس لئے قوم کے دل و دماغ کو متاثر کیا ، اور ان کے اجتماعی و ملی شعور کو بیدار کیا جو حقیقت میں ترقی کا پہلا زینہ ہے کہ قوم کے ان محسنوں نے اردو زبان کو اظہار و بیان اور اپنے خیالات کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنایا جو برعظیم کے سارے مسلمانوں کی مشترک زبان تھی ۔ اور جو کشمیر سے راس کماری تک اور خلیج بنگال سے درۂ خیبر تک مسلمانوں کی آرزوؤں تمناؤں اور عزائم کا مظہر تھی ۔

اگر ۱۸۵۷ء کے بعد سے مسلمانان برعظیم کی قومی و سیاسی تحریکوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اردو ہی تھی ۔ جس نے قومی زندگی کے ہر موڑ پر ان کی صحیح رہبری کی ، انھیں عزم و حوصلہ دیا اور کامیابی سے ہمکنار کیا ۔ وہ کام جو مسلمان بادشاہ اپنے ہزار سالہ دور حکومت میں نہ کر سکے تھے ، وہ اس نے کر دیا ۔ ان میں وحدت خیال و عمل پیدا کی اور مشترک مقصد کے لئے مل کر کام کرنے کا گر سکھایا ۔ انھیں اسلام کی اجتماعی روح سے آشنا کیا اور ہزار سال کے خوابیدہ ملی شعور کو پیدا کیا ۔ یہ اردو ہی کا احسان ہے کہ اس نے مسلمانان ہند کو وطنیت علاقائیت اور خطہ جاتی تعصبات کے دلدل میں پھنسنے نہ دیا ۔ ان کے احساسات کو ملی اور قومی مفادات کے زیر اثر رکھا ، چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب یورپ کی بڑی طاقتوں نے قدیم ترکی خلافت کو پارہ پارہ کرنے کا منصوبہ بنایا ۔ اور یورپ کے مرد بیمار کو بلقان اور طرابلس کی لڑائیوں میں الجھا کر اس کے نام و نشان کو مٹانا چاہا تو ہندوستان کے

مسلمان کسب اسکے۔ اسلامی وحدت کا یہ احساس مسلمانوں میں کس نے پیدا کیا۔ اردو اخباروں اور اردو رسالوں نے اردو انشاپردازوں اور سیاست دانوں نے جن کی ذہنی اور دماغی نشو ونما اردو تہذیب وثقافت کے زیر اثر ہوئی تھی۔ خلافت کمیٹی، مسلم لیگ، مجلس احرار، خدائی خدمت گار، خاکسار اور جمیعتہ علمائے ہند کی تحریکیں اسی اردو زبان کے سہارے پروان چڑھیں۔ خصوصاً ۱۹۳۶ء کے بعد مسلم لیگ کی تحریک کو از سر نو زندہ وسرسبز کرنے میں اس کا جو حصّہ ہے پچھلے واقعات اس کی زبردست شہادت دے رہے ہیں۔ آخر میں پاکستان کا پیغام اسی زبان نے گھر گھر پہنچایا۔ تقسیم سے پہلے ملک میں جو عام انتخابات ہوئے اور مسلم لیگ کو ان میں جو عدیم النظیر کامیابی حاصل ہوئی۔ وہ بھی بڑی حد تک اردو زبان ہی کا صدقہ تھی۔ ہزاروں رضا کاروں اور کارکنوں نے ملک کے گوشے گوشے میں پھر کر اردو زبان ہی کے ذریعہ مسلمانوں کو پاکستان کے پیغام سے روشناس کیا اور اردو روزناموں نے نعرہ دار مقالات اور مضامین شائع کرکے پاکستان کے موقف کو تقویت پہنچائی۔

سچ تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں اجتماعی روح پیدا کرنے اور ان کے ملّی شعور کو بیدار کرنے اور ۱۸۵۷ء کی تباہی وبربادی کے بعد ان کے مردہ دلوں کو حیات نو کی حرارت سے آشنا کرنے میں اردو زبان نے جو اہم کردار ادا کیا ہے، بدقسمتی سے اس کا صحیح اندازہ اب بھی بہت کم لوگوں کو ہے۔ حقیقت میں یہ زبان مسلمانانِ برعظیم کی حیات اجتماعی کا مظہر اور ایک ایسا مجلّی ومصفّا آئینہ ہے جس میں ان کی قومی زندگی کے خط وخال اور نازک سے نازک نقوش پوری آب وتاب سے جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ یہی وہ زبان ہے جس نے مسلمانانِ برعظیم کی ساری قومی تحریکوں اور اجتماعی کوششوں کو پروان چڑھایا اور پاکستان کی جدوجہد کو کم سے کم عرصے میں کامیابی اور کامرانی سے ہم کنار کیا۔

> قصہ مختصر یہ زبان نہ صرف مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کا مخزن۔ ان کے علوم وفنون کا سرچشمہ اور ان کی مادی وروحانی ترقیوں کا وسیلہ ہے بلکہ یہ ان کی حیات قومی واجتماعی کے لئے بمنزلہ شہ رگ کے ہے جس کے بغیر ان کی بیداری کا تصور بھی بہ مشکل کیا جا سکتا تھا۔ عربی زبان کے بعد جس زبان نے مسلمانوں کے خیالات واحساسات کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہی زبان اردو ہے اور جس کی قوت وصلاحیت سے متاثر ہو کر ہی قائد اعظم محمد علی جناح نے ڈھاکہ میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ "پاکستان کی قومی زبان اردو اور صرف اردو ہوگی"

لیکن افسوس کہ قائد اعظم کے وصال کے بعد جہاں ہماری اور بہت سی قومی قدریں پامال ہوئیں اردو کی مستقل حیثیت اور اہمیت کو بھی شدید صدمہ پہنچا ؎

هرکس از جور غیر گله کند   سعدی از دست خویشتن فریاد

میاں بشیر احمد

اسلامی ہند کی بیداری

ہندوستان میں اسلامی حکومت اگرچہ کہنے کو اورنگ زیب کی وفات ۱۷۰۷ء کے ڈیڑھ سو سال بعد تک قائم رہی دراصل حکومت اور امراؤں کی عظمت و سطوت اٹھارہویں صدی کے وسط تک ختم ہو چکی تھی۔ انیسویں صدی کے شروع میں مسلمانوں کے سیاسی تنزل کی تکمیل ہوئی۔ چنانچہ ۱۸۰۳ء میں انگریز دہلی میں داخل ہوئے لیکن اسی زمانہ میں ان کے بعض افراد کے دل میں مذہبی احیاء اور معاشرتی اصلاح کا خیال پیدا ہوا۔ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز وغیرہ کی کوششوں سے علم دوست لوگوں میں مذہب کی صحیح واقفیت بڑھ گئی لیکن عوام کی مذہبی حالت بہت گری ہوئی تھی اور مذموم معاشرتی رسموں میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی زیادہ فرق نہ تھا۔

سیاسی تنزل اور معاشرتی تخریب کے اس دور میں ایک پرخلوص مصلح سید احمد بریلوی پیدا ہوئے۔ جنھوں نے وہابی عقائد سے متاثر ہو کر ۱۸۱۶ء سے ۱۸۳۱ء تک پندرہ سال مسلمانوں کی مذہبی و معاشرتی خرابیوں کو دور کرنے کی پوری کوشش کی۔ اس سلسلے میں مذہبی آزادی کے حصول کے لئے انھوں نے دسمبر ۱۸۲۶ء میں سکھوں کے خلاف مذہبی جہاد کی مہم شروع کی، جس کے دوران ساٹھ ہزار مجاہدین نے پشاور کے قریب میدان جنگ میں نمایاں کامیابی حاصل کی، اور سیّد احمد نے ایک نظام حکومت قائم کر کے قبائل کی معاشرتی اصلاح کے احکام نافذ کئے۔ لیکن بعض افغانوں کی غداری سے جو سکھوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ آخر کار مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کا رہنما مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ میں شہید ہوا۔ یعنی مسلمانوں کی مساعی خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں برباد ہو گئیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سید احمد بریلوی نے پہلی بار ہندوستان کے مسلمانوں کو دوسری قوموں کے مقابلے میں جمع کیا۔ اور ان کے اصلاحی کاموں کو ان کے بعض جانشینوں نے جاری رکھا۔ سر سیّد کئی باتوں میں اپنے ہم نام کے ہم خیال تھے۔ اور ان کے عقیدت مند تھے۔ اسی زمانے میں بہار میں مسلمانوں میں فرائضی تحریک اٹھی، جس کا مقصد غریب مسلمانوں اور خصوصاً مومنوں کی ناگفتہ بہ حالت کی اصلاح اور ان کی [illegible] تھا۔

[illegible] مسلمانوں کی رہی سہی حکومت ملک میں ملا دی، انگریزی حکومت [illegible] کی [illegible] کے

دہ پہلے تھی۔ بتدریج مسلمانوں کی زمینیں اور عہدے چھین لئے گئے۔ اسلامی تعلیم کے ذرائع ختم کر دئے گئے۔ ۱۸۳۷ء میں فارسی زبان عدالتوں سے خارج کردی گئی۔ غدر کے بعد ان پر عتاب اور بڑھتا گیا۔ اس طرح مسلمان پسپا بھی ہوئے، انگریزوں کے مظالم سے متاثر ہوکر نئی حکومت اور اس کے اداروں سے بیزار بھی ہوتے گئے۔ ادھر ہندوؤں کی بے رُخی نے اُن کے زخموں پر اور بھی نمک چھڑکا۔ اس ناگفتہ بہ حالت میں ایک دوراندیش ہمدردِ ملت اٹھا جس نے اپنی مایوس پسماندہ قوم کو امید محنت اور ترقی کا زندگی بخش پیغام دیا۔ یہ مردِ خدا سرسید احمد خاں تھا۔ یہ انھیں کی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ گو ملک ہاتھوں سے گیا۔ ملت کی آنکھیں کھل گئیں۔"

سرسید نے قدامت پسند مسلمانوں کو نئے زمانے کی ضروریات سے آگاہ کیا۔ اور ہزار دقتوں سے اُن کو نئے علوم کے حصول اور نئی حکومت سے تعاون پر آمادہ کیا۔ اپنی مذہبی تصانیف اور رسالہ تہذیب الاخلاق کے اجرا سے انھوں نے ثابت کردیا کہ اسلام عقل کے اصولوں پر مبنی ہے۔ ان کی تعلیمی مساعی ۱۸۷۷ء میں تکمیل کو پہنچیں۔ جب علی گڑھ کالج کا افتتاح ہوا جو کم از کم تیس برس تک مسلمانانِ ہند کا واحد قومی مرکز بنا رہا ۱۸۸۴ء میں سرسید نے پنجاب کا دورہ کیا۔ جہاں زندہ دلانِ پنجاب کی قدردانی سے اُن کو بڑی تقویت پہنچی۔ پنجاب کے مسلمان سرسیّد کی منادی پر اس طرح دوڑے۔ جس طرح پیاسا پانی پر دوڑتا ہے۔ ایک طرف وہ علی گڑھ سے وابستہ ہوئے دوسری طرف انھوں نے لاہور میں انجمن حمایتِ اسلام کا ادارہ قائم کیا۔

۱۸۸۶ء ۱۸۸۴ء میں سرسید نے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ جس کے اجلاس ہر سال مختلف مقامات پر منعقد ہوکر مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پھونکنے کا باعث ہوئے ۱۸۶۷ء میں بنارس کے بعض ہندوؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اردو موقوف کرکے ملک میں بھاشا زبان جاری کی جائے۔ سرسید کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع ہے کہ جب مجھے یقین ہوگیا کہ اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ ساتھ چلنا محال ہے اور دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہوسکیں گی۔

۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی۔ سرسید نے مسلمانوں کو اس میں شرکت کرنے سے منع کیا کیوں کہ اُن کی دوراندیش نگاہ نے دیکھ لیا کہ اس سے مسلمانوں کو بحیثیت قوم کے نقصان پہنچے گا۔ اپنے ایک اہم بیان میں انھوں نے کہا کہ جمہوری سوراخ پیدا کر لیتے ہیں کہ خود زمین کے اندر غائب ہوجائیں۔ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ پورے کا پورا دریا کہاں چلا گیا۔ اور کیوں زمین کے اندر اندر دریا کا پانی کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے اور پھر کس مقام پر ظاہر ہوتا ہے یہ طریقہ ہندوستان کے لئے موزوں نہیں۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ سرسیّد کے پیشِ نظر انگریزوں کی خوشنودی نہ تھی بلکہ اپنی قوم کی ترقی، حقیقت یہ ہے کہ وہ پہلے ہندوستانی تھے۔ جنھوں نے غدر کے بعد ۱۸۵۹ء میں اپنی مشہور تصنیف اسبابِ بغاوتِ ہند لکھ کر حکومت کو توجہ دلائی کہ غدر کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو ملک کی سیاسی

کونسلوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ پھر ۱۸۷۸ء میں جب وہ کونسل کے ممبر نامزد ہوئے۔ تو انھوں نے ملکی و قومی مفاد پر پے در پے تقریریں کیں ۱۸۹۸ء میں جب سرسید احمد نے انتقال کیا تو ان کی قوم اپنے خواب گراں سے جاگ چکی تھی۔

سرسید کے بعد ان کے رفقا نے ان کا شاندار کام جاری رکھا۔ محسن الملک، حالی، نذیر احمد، ذکا اللہ۔ شبلی وغیرہ نے تعلیمی، سیاسی اور ادبی خدمات سر انجام دیں۔ محسن الملک نے علی گڑھ کالج کو ترقی دی۔ وقار الملک ایک سیاسی جماعت کی تشکیل میں معاون ہوئے۔ حالی کے مسدس نے ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی میں انقلاب کی ہر دوڑا دی۔ شبلی نے اسلامی تاریخ کے آئینے میں انھیں اپنی گزشتہ عظمت و حکمرانی کے دنوں کو گرما دیا۔ امیر علی نے اپنی انگریزی تصانیف سے مغربی حلقوں میں اسلام کی وقعت پیدا کی۔

غرض مسلمانانِ ہند کی جدید سیاسی زندگی کی داستان یہ ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس کے بعد سرسید نے علی گڑھ میں مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ کے لئے قدم اٹھایا۔ لیکن بالعموم ان کی قومی سیاست یہ ہی تھی کہ مسلمان ملکی سیاست سے الگ تھلگ رہیں۔ اور پہلے مغربی علوم کے حصول سے اپنی قوم کی حالت کو درست اور مضبوط کرلیں۔ مگر بیسویں صدی کے شروع سے ایشیا اور اس کے ساتھ ہندوستان میں صورت حال دگرگوں ہونے لگی۔ جاپان کی فتح سے ہندوؤں میں جذبۂ قومیت ادر ابھرا اور انھوں نے تقسیم بنگال کے خلاف ۱۹۰۵ء میں ایک زبردست تحریک شروع کی۔

علاوہ ازیں اردو ہندی کے جھگڑے کے سلسلے میں یو پی کی حکومت نے علی گڑھ کے تعلیمی ادارے کو اس نیم سیاسی مسئلے میں دخل دینے سے حکماً روک دیا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کے۔ لئے اور بھی ضروری ہوگیا کہ وہ اپنے تمدنی و سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے ایک سیاسی جماعت کی بنیاد رکھیں۔

(دسمبر ۱۹۰۶ء میں) مسلم لیگ قائم ہوئی اور ۱۹۰۹ء کی اصلاحات میں مسلمانوں نے جداگانہ انتخابات کا اہم حق حاصل کیا پھر بنگال کی تنسیخ ۱۹۱۱ء اور جنگ بلقان وطرابلس ۱۲ ۱۹ سے جب مسلمانوں کو یقین ہوگیا کہ ان کے قومی اور بین الاقوامی حقوق حکومت برطانیہ کے ہاتھ میں محفوظ نہیں رہ سکتے تو انھوں نے ہندوستان کے لئے سلف گورنمنٹ کا مطالبہ کیا اور کانگریس کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ جنگ عظیم نے ہندوستانیوں کے دلوں میں حرکت پیدا کی۔ کانگریس اور لیگ میں میثاق لکھنؤ کا مشہور معاہدہ ہوا جس کی وجہ سے برطانیہ ۲۰ راگست ۱۹۱۷ء کو یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوگیا کہ ہندوستان کو بتدریج خود مختار حکومت دی جائے گی۔ لیکن جنگ ختم ہوتے ہی برطانیہ حکومت نے ہندوستانیوں سے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ انتقامانہ قوانین نافذ کرنے کی ٹھان لی۔

اور ——— خالق عظیم و برتر کی لامحدود عنایات و برکات کے طفیل آج دنیا کے نقشہ پر مملکت خداداد پاکستان کا وجود قائم ہے۔ نہ صرف قائم ہے بلکہ اس اسلامی مملکت کا پرچم دس کروڑ مسلمانوں کی عظمت و شوکت کا نشان بن کر فضا کی وسعتوں میں لہرا رہا ہے۔ اور اس پرچم کے حیات بخش سائے میں ملک کے باشندے قومی تعمیر وارتقاء کی

منزلیں کی طرف رواں دواں ہیں۔ اس ملک کے بانی حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی ہمہ گیر اور منفرد شخصیت سے کون واقف نہیں۔ اس عالم آب و خاک میں جب تک یہ خطۂ پاک قائم ہے۔ قائداعظم کا نام و مقام زندہ رہے گا۔ اور حادثات زمانہ کا بڑے سے بڑا طوفان بھی اس عظمت کے آفتاب کی روشنی کو کم نہیں کرسکتا۔ ملت کا یہ آفتاب عظیم اگرچہ ظاہری طور پر غروب ہو چکا ہے لیکن اس کی لازوال شعاعوں سے ارض پاک کی فضائیں اسی انداز سے جگمگا رہی ہیں۔ یہ آفتاب پاکستان کے لئے آسمان پر تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ کئی اور چراغوں کی روشنی بھی ہم آہنگ تھی جن کی ضو سے ہندوستان کی سرزمین سے برطانوی استعماریت کی تاریکی دور ہوئی اور صبح آزادی کے سورج کی پہلی کرن نے ارض پاک کی پہنائیوں میں سبز پرچم کو لہراتے ہوئے دیکھا، ان میں ایک چراغ کوہسار مری میں روشن تھا جو پہاڑ کے نوے ہزار غلام باشندوں کے دل و دماغ میں آزادی کی منزلوں کے نشانات روشن کر کے نئی صبح کے طلوع سے پہلے ہی گل ہو گیا تھا۔

یہ تحریک آزادی کا ہیرو سمندر خاں تھا۔ جس نے اپنے ناقابل شکست عزائم اور حسن کردار کی قوت سے مری کے ناخواندہ، اور مفلوک الحال باشندوں کو منظم کرنے کی کوشش کی۔ اس پر گاندھی نے علی برادران کی مدد سے عدم تعاون کی زبردست تحریک شروع کی۔ (۱۹۲۰ء) اس تحریک کا ختم ہونا تھا کہ دوسرے ہند و لیڈروں نے شدھی اور سنگھٹن کی اشتعال انگیز کارروائیوں سے ہند و مسلم تعلقات کو قطعاً خراب کر دیا۔ اس زمانے میں مسلمان لیڈر غفلت کی نیند سوئے رہے لیکن سائمن کمیشن کی آمد اور نہرو رپورٹ کی مسلم کش تجاویز پر وہ اپنے خواب گراں سے چونکے (۱۹۲۸ء) اور آل انڈیا مسلم کانفرنس میں جمع ہو کر انھوں نے ایک متحدہ سیاسی مطالبہ جو مسٹر جناح کے چودہ نکات سے مطابقت رکھتا تھا دنیا کے سامنے پیش کیا۔

۱۹۲۹ء میں کانگریس نے گاندھی کی قیادت میں مکمل آزادی کا اعلان کر کے سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ اس دوران میں لندن میں گول میز کانفرنس کا انعقاد ہوا (۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء) اور برطانوی حکومت نے اپنا فرقہ وارانہ فیصلہ سنایا۔ لیکن ہند و لیڈروں کی ہٹ دھرمی کے باعث ہندو اور مسلمانوں میں کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔

۱۹۳۵ء میں نیا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ نافذ ہوا جس کی رو سے مرکز میں فیڈریشن اور صوبوں میں خود اختیاری حکومت کا نفاذ پایا۔

۱۹۳۷ء کے انتخابات کے بعد کانگریس پہلے چھ اور پھر دو اور صوبوں میں حکومت کرنے لگی جس سے اس کا سر پھر گیا۔ اور اس نے مسلم لیگ سے منہ پھیر کر مسلمانوں کو بحیثیت ایک قوم کے ملیامیٹ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ کانگریسی حکومت نے اردو کو مٹایا۔ ہندی کو ابھارا اور ہندو تمدن کے دیگر اداروں اور نشانات کو فروغ دے کر ہندوستانی مسلمانوں کی جداگانہ ہستی کو ہندوؤں میں مدغم کرنے کی بیسیوں اعلانیہ اور خفیہ سازشیں کیں۔ یہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک بے حد نازک وقت تھا۔ مسلمانوں میں کچھ کوئی سیاسی با اختیار تھیں

مسلم لیگ جو ۱۹۰۶ء میں قائم ہوئی کبھی سوتی اور کبھی جاگتی رہی۔ اس کے بعد ۱۹۱۹ء کے ہنگامہ خیز سال میں جمعیتہ العلمائے ہند، ۱۹۲۹ء میں خدائی خدمتگار اور مجلس احرار کا قیام عمل میں آیا۔ اسی سال نیشنلسٹ مسلمانوں نے بھی ایک کانفرنس منعقد کی وقتاً فوقتاً کئی اور فرقہ وارانہ انجمنیں مثلاً شیعہ کانفرنس وغیرہ بھی ظہور میں آتی رہیں۔ ۱۹۳۷ء میں جب کانگریس برسراقتدار ہوئی اور اس نے مسلمانوں کی قومی ہستی کو ختم کرنا چاہا تو سوال پیدا ہوا کہ مسلمان اس کا جواب کیا دیتے ہیں۔ اس خطرناک وقت میں مسلم لیگ کی قیادت جس زبردست شخصیت کے ہاتھ میں تھی اس نے کانگریس کے چیلنج کو دلیری سے قبول کیا۔ یہ قائداعظم محمد علی جناح تھا۔ جو ایک طرف سیاسی بات چیت میں انگریزی حکومت اور کانگریسی لیڈروں کے ساتھ پورا اترا اور جس نے دوسری طرف اپنی لاجواب شخصیت کے بل بوتے پر ایک پراگندہ اقلیت کو ایک مستقل قوم بنانے میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔

یہاں تک کہ جنوری ۱۹۴۷ء میں مسلم لیگ کی ایک زبردست تحریک اٹھی جس میں مردوں اور عورتوں نے یکساں حصہ لیا اور جو صرف ایک ماہ جاری رہ کر بہت نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ برطانوی حکومت اس سے متاثر ہوئی۔ اور اسے یقین ہوگیا کہ اسلامیان ہند کے قومی مطالبے کو اب دیر تک معرض التوا میں نہیں رکھا جاسکتا۔ ادھر پاکستان کے مخالفین نے ملک بھر میں فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ شروع کر دیا، جو آخر سال تک جاری رہا جس کے ضمن میں ایک منظم سازش کے تحت آٹھ دس لاکھ بے گناہ مسلمانوں کو بے رحمی سے تہ تیغ کر دیا گیا۔ اسی دوران میں برطانیہ نے ۳ جون کو ہندوستان و پاکستان کی آزادی کے متعلق اپنا نیا منصوبہ شائع کیا جس کے مطابق ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو دونوں ملکوں میں دو علیحدہ علیحدہ خود مختار حکومتیں قائم ہوگئیں۔ یوں اسلامی ہند کے دس کروڑ فرزندان توحید کی تنظیم اور قربانیاں پھل لائیں اور مشرقی اور مغربی ہند میں مشرقی و مغربی پاکستان کی بنیاد پڑی۔

اگست ۶۷ء

قومی زبان کراچی
فون ۷۵۴۴۹

انجمن ترقی اردو ☆ لاہور

۱۷- اردو نگر، ملتان روڈ
لاہور

ناظم اعلیٰ —
ڈاکٹر سید عبد اللہ

دکانداروں، بڑے تاجروں اور فرموں کے مالکوں کے نام

مکرم و محترم - السلام علیکم - مزاج شریف

ہمیں یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوتی ہے کہ آپ، اپنے کاروبار اور تجارتی اشتہار کے لیے قومی زبان اردو کو اپنا رہے ہیں۔ ہم نے مختلف رسالوں کے علاوہ، عام گزرگاہوں اور بسوں پر بھی آپ کے اردو اشتہار دیکھے ہیں، ہمارا تاثر یہ ہے کہ جمہور پر آپ کے اردو اشتہار کا اچھا اثر پڑتا ہے اور یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ قومی زبان میں لکھا ہوا اشتہار انگریزی سے زیادہ پڑھا جاتا ہے اور پسند بھی کیا جاتا ہے ہم آپ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ ہم آپ کی قومی حمیت کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور توقع رکھتے ہیں کہ آپ اس نیک عمل کو جاری رکھیں گے۔

اس سلسلے میں ہم آپ کو اپنے تعاون کا یقین دلاتے ہیں اور آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ

(۱) آپ کو اپنے اشتہار کی زبان کے سلسلے میں اگر کوئی تکلیف ہو تو آپ ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ ہم زبان کی مشکلات دور کرنے کے لیے ہر وقت موجود ہیں۔

(۲) آپ نے اس وقت تک، اردو میں جو جو اشتہار لکھوائے یا چھپوائے ہیں، ان کی نقول ہمیں اپنے دفتری اندراجات کے لیے درکار ہیں — ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۳) ہمارا ارادہ ہے کہ ستمبر ۱۹۶۷ء کے آخر میں اشتہارات کی ایک نمائش کریں اور اس موقعے پر ایک جلسہ عام منعقد کر کے، بہترین اور پسندیدہ ترین اشتہارات والی فرموں کا تمغوں کے ذریعے اعتراف کیا جائے اس کے لیے نقول اشتہارات مطلوب ہیں، از راہ کرم جلد توجہ کر کے ممنون ہونے کا موقع دیجیے۔ شکریہ

نیاز مند
(ڈاکٹر) سید عبد اللہ
ناظم اعلیٰ انجمن ترقی اردو، لاہور

شمیم احمد

بیس سال کے ادبی رجحانات اور اُن کا پس منظر

۱۹۴۷ء برصغیر کی تاریخ ہی میں ایک اہم موڑ نہیں تھا بلکہ اس نے ادب اور تہذیب کے دھارے پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں جن کی وجہ سے یہ سال برصغیر کے ذہنی اور شعوری سفر میں ایک تعطل بنکر ابھرتا ہے۔ جس نے آزادی اور ما آزادی سے قبل کے ادب اور فکری تحریکوں کو اگر یکافت زمین بوس نہیں کیا تو کم از کم انہیں اتنا سُست رو، کمزور اور بے سہارا ضرور کر دیا جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کسی بہت بڑے فکری افق اور ذہنی انقلاب کی ضرورت شدت سے روز بروز محسوس ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ لکھنے والوں میں صرف خلوص کی کمی یا تخلیقی جذبوں کا بے جہت ہو جانا اور کسی آدرش پر خواہشات کا غالب آ جانا ہی نہیں ہے بلکہ برصغیر کی فکری سطح اور اس کے شعوری سفر کا دو عظیم نقصانات سے دوچار ہو جانا ہے۔ جن کی جگہ جن تخلیقی اور تعمیری قوتوں کو لینی تھی وہ بروئے کار نہ آ سکیں۔ اس کے نتیجے میں پاکستان کا بیس سال کا ادب لڑکھڑا کر رہ گیا۔ یہ نقصانات کیا تھے اُن کا تجزیہ میں آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں تاکہ پاکستان کے ذہنی سفر کی ان ہی منزلوں کا ادبی، سیاسی اور شعوری پس منظر ذرا وضاحت سے ہمارے سامنے آ سکے۔

۱۹۴۷ء برصغیر کی تاریخ میں وہ مقدس موڑ ہے جب برصغیر کی دو بڑی اقوام نے غیر ملکی تسلط اور غلامی سے نجات حاصل کی۔ اور یہ نجات یوں ہی حاصل نہیں ہو گئی تھی بلکہ اس کے پیچھے ۴۰ کروڑ افراد کی سو سالہ جدوجہد، قربانیاں، قید و بند، ظلم و ستم اور ایک مسلسل شعوری جنگ کی قوت نبرد آزما تھی۔ یہ آزادی ایک بہت بڑی سیاسی جدوجہد، اور برصغیر کی ان امیدوں اور امنگوں کا حاصل تھی جس کے حصول میں دلوں کا قطرہ قطرہ آتشِ شوق میں شمعِ آزادی بن گیا تھا۔ ہر بڑی جدوجہد اگر وہ غلامی سے نجات پانے کی جدوجہد ہو تو قوموں کے لئے موت و زیست کا مسئلہ بن جاتی ہے۔ جس میں اس کے تمام باطنی تضادات مٹ جاتے ہیں اور اس کی تمام شعوری، تخلیقی، جذباتی، خارجی اور عملی توانائیاں ہم آہنگ ہو کر اسے ایک پر قوت شخصیت اور مضبوط کردار عطا کرتی ہیں۔ جس میں ہر قوم کی تمام نفسی خواہشات، ذہنی اور جذباتی تفریق اور تضاد، ذاتی اغراض اور مفادات، رنگا رنگ شخصی عناصر اور رنگ الگ ذہنی سفر سب غیر اہم بن جاتے ہیں اور ان سے بلند کوئی آدرش ان سب کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور یہی آدرش بالآخر اُن کی تاریخ کی سب سے بڑی سچائی اور مینارۂ نور بن جاتا ہے جس کی روشنی میں وہ صدیوں اپنے نقوشِ قدم ثبت کرتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہر ایسی قوم کا ادب، قوم کی اس جدوجہد میں برابر کا شریک ہوتا ہے، اس کی توانائی کا عکاس ہوتا ہے اور اس کی تعمیری اور تخلیقی قوتوں کا حامل [illegible]

ردے ادوار کے معاشرتی تضاد یا تہذیبی حل سے چونکہ جنہیں سمجھا تھا اس لئے وہ برصغیر کی اجتماعی سطح پر کوئی حرکت نہیں رکھتا
تھا۔ اس حل کو ایک اور کمزوری بالکل ہی بے ڈوبی اور وہ یہ تھی کہ برصغیر میں اشتراکی رجحانات اور اشتراکی نظام فکر ایک منفی اور ایک
سیاسی قوت کے زیر اثر قبول کئے گئے تھے۔ جنکی بنیاد میں برصغیر کی معاشی اور معاشرتی حقیقتوں سے زیادہ ایک اونچے درجے کے ادود
بقے کی رومانیت کام کر رہی تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت روس میں اشتراکی نظام کامیاب ہو چکا تھا اور وہ مغرب کی بڑی
اقتوں کی مشرق دشمنی، معاشی استحصال اور سیاسی ریشہ دوانیوں کے خلاف آزادی کے لئے کوشاں اور ابلوں انسانوں کے
حقوق کا سب سے بڑا داعی تھا جو بہر صورت غلامی اور اپنے معاشی مسائل کا حل چاہتے تھے۔ روس اس وقت ایک ایسی سیاسی طاقت
بن چکا تھا جس کو نظر انداز کرنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ اشتراکی نظام فکر نے واضح طور پر مغرب کے زوال آمادہ نظام حکومت کو شدید ضربیں
لگائی تھیں اور صدیوں کے غلام مشرق کو غلامی کی زنجیریں توڑ پھینکنے کی دعوت دے کر تحریک آزادی کو برق رفتار بنا دیا تھا۔ یہ روس کے
سیاسی استحکام اور عالمی مقبولیت اور نفوذ کے انتہائی نقطہ عروج کا زمانہ تھا۔ اسی کردار کی وجہ سے اشتراکیت سے اختلاف رکھنے
والے مفکرین اور لکھنے والے بھی اس کے مثبت اثرات اور بے پناہ مقبولیت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ دراصل اشتراکی نظام فکر
۱۹۱۷ء سے ۱۹۴۷ء تک تمام عالمی مسائل اور ان کی پیچیدگیوں کا سب سے واضح حل تھا جس کا سب سے بڑا نشانہ مغربی استعماریت اور
شہنشاہیت تھی۔ جو مشرق کے لئے تریاق کا حکم رکھتی تھی۔ اسی کی اہمیت کے پیش نظر وہ چاہے خواہ حکیم الامت اقبال ہوں خواہ رویندر ناتھ
ٹیگور سب کے لئے ایک اہم ترین فکری مرکز کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ مغربی نظام حکومت اور استعماریت کے خلاف روس کی
اس جدوجہد کو مشرق کی کوئی سیاسی جماعت اور تحریک نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ جس کے نتیجے کے طور پر برصغیر میں بھی اشتراکی نظام فکر
اور روس کی اشتراکی مملکت کو ایک آدرش کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ اس وقت کی سیاسی
معاشی ضرورت سے پیدا ہوئی تھی اور اس کا مقصد سماجی انقلاب سے زیادہ سیاسی مفادات کو بروئے کار لانا تھا۔ اشتراکیت
صغیر میں یہاں کی معاشی، معاشرتی، سیاسی اور تہذیبی تضادات کا لازمی نتیجہ نہیں تھی اور نہ وہ یہاں کی تاریخ کے دھارے
سے پھوٹ سکتی تھی بلکہ اس کو ایک مشرق اور انسانیت دوست سیاسی طاقت کی وجہ سے مقبولیت حاصل تھی جس کو روس کی معاشی
ر سیاسی کامیابی نے مزید استحکام بخشا تھا۔ اس لئے بالکل اسی طرح جیسے موجودہ دنیا تین دھڑوں، امریکہ اور اس کے مغربی حلیفوں
س اور اس کے مشرقی حلیفوں اور چین کے درمیان بٹ گئی ہے۔ اور نو آزاد اور معاشی طور پر فرو دست مشرقی ممالک ان میں
ے کسی ایک کے ساتھ وابستہ ہونا یا سب کے ساتھ معتدل روش رکھنا ضروری سمجھ رہے ہیں۔ بالکل اسی طرح ۱۹۲۶ء سے
ل ان تمام ملکوں کے لئے ایک ہی ہمدرد دوست اور آخری امید تھی اور وہ صرف روس تھا۔ اس لئے برصغیر کی تمام سیاسی تحریکیں
آزادی کے لئے لڑ رہی تھیں روس کو نظر انداز کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ نظریاتی طور پر اشتراکی فکر نے اس پورے عمل کے ساتھ
ری دنیا کے لئے آدرش کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ جس سے برصغیر کا سب سے حساس طبقہ کیسے آنکھیں چرا سکتا تھا۔ چنانچہ ہمارے
ملک کے ادیبوں نے بھی خود کو دنیا بھر میں روس کی سب سے بڑی دین یعنی منظم تحریکیں یا تنظیمی طریقہ کار سے وابستہ کر لیا اور

ادیبوں کی ایک تنظیم قائم کر کے اپنے عصری کردار کو پوری قوت سے انجام دینے کی کوشش کی۔ یہ ایک ایسی رومان پرستی تھی جس کی حقیقت یہی اور مادی قدر کا شعور تو بہت تھا مگر اس کے سلسلے میں برصغیر میں اس کے حقیقی کردار، زمینی تعلق اور ذہنی رشتوں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ یہ اسی رومان پرستی کا نتیجہ تھا کہ لکھنے والوں کی نظر سے وہ حقائق اوجھل رہے جنکی بنیاد پر برصغیر۔ ایک اور سمت تیز رفتاری سے رواں دواں تھا۔ یہ سمت قوم پرستی اور احیائے مذاہب اور تہذیبی اکائیوں کی سمت تھی۔ اس رویئے اور عمل میں ایک اور حقیقت بھی کام کر رہی تھی اور وہ یہ تھی کہ ادبی محاذ پر جو جماعتیں کام کر رہی تھیں وہ کم و بیش تمام تر متوسط طبقہ یا اونچے طبقے کے پڑھے لکھے نوجوانوں پر مشتمل تھیں جن کا ربط اور تعلق اس ملک کے کروڑوں افراد سے اور اس اصل اور بنیادی آبادی سے بالکل نہیں تھا جو شہروں سے باہر بستی تھی۔ اس طرح وہ اپنے معاشرے کی تمام قوموں کی شخصیت کے اشتراک اور بنیادی مسائل، طرز معاشرت اور طرز احساس سے بیگانہ ہو کر برصغیر کے اصل باشندوں کے باطنی عمل، ذہنی مسائل، جذباتی لگاؤ اور رجحانات کا کوئی اندازہ نہ کر سکے۔ وہ صرف شہری زندگی کے نمائندے تھے اور صرف شہری شعور اور مسائل کا اظہار کر کے اس پر سارے ملک کا قیاس کر رہے تھے۔ اس کے برخلاف خالص سیاسی تحریکوں کا تعلق عوام سے براہ راست اور بہت گہرا تھا۔ وہ ان کو صرف حصول آزادی پر ہی نہیں لگائے ہوئے تھیں بلکہ ان کے ذہنی اور جذباتی عوامل سے بھی خوب واقف تھیں۔ چنانچہ برصغیر کی تحریک آزادی کے انتہائی نقطۂ عروج پر بھی صرف دو ہی سیاسی جماعتیں کانگریس اور مسلم لیگ سب سے نمایاں اور اہم نظر آتی ہیں۔ اور ان کی مقبولیت اور حلقۂ اثر کے سامنے اشتراکیت کا حلقۂ اثر بہت محدود اور غیر اہم نظر آتا تھا۔ اگر ہم ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۷ء تک سیاسی قوت کی تقسیم کر کے ان کا وزن دیکھنا چاہیں تو ہمیں کمیونسٹ پارٹی صرف شہروں کے نوجوانوں کے حلقوں، طالب علموں کے طبقے اور نوجوان سیاسی کارکنوں کی تنظیم کے علاوہ کہیں اور اپنا وجود ثابت کرتی نظر نہیں آئیگی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تاریخی طور پر مسلم لیگ، کانگریس کے مسلم دشمنی کے رویئے سے پیدا ہوئی ہے۔ مگر یہ اصل حقیقت نہیں ہے بلکہ اس سے بھی بڑی حقیقت یہ تھی کہ مسلم لیگ برصغیر کے دس کروڑ افراد پر مشتمل ایک قوم کی معاشی، سیاسی اور معاشی ضرورت کے احساس سے پیدا ہوئی تھی۔ جس کو الگ حیثیت ایک منفرد قومی ورثے، منفرد تہذیب اور کردار کی بنیاد پر ملتی تھی۔ مسلم لیگ کو یہ آسانی اسلئے اور بھی حاصل تھی کہ وہ ایک ایسے نظام معاشرت اور ضابطۂ حیات کی دعویدار تھی جو خود ایک آدرش کی صورت میں اس کے باطن میں صدیوں سے موجود تھا۔ اسلام کی صحیح ترین بنیادوں اور روح پر مشتمل ایک ایسے معاشرے کا قیام جہاں انسانی اقدار اور کردار کی کامل نعمتیں حاصل ہو سکیں۔ جس کا صحیح ترین ترجمہ خلافت راشدہ تھی۔ خلافت راشدہ کی صورت میں خالص قرآنی معاشرے کا مختصر ہی سہی۔ مگر کامیاب تجربے نے مسلمانوں کو دنیا کی دیگر اقوام پر اس لئے فوقیت دے دی تھی کہ سوائے روس کے دنیا کے کسی اور خطے میں کسی ایسے آدرش کا سراغ نہیں ملتا جو ایک کامیاب عملی تجربے کی حیثیت میں پورے معاشرے کو بدل کر صرف آدرشی بنیادوں پر نئے سرے سے تعمیر ہو سکا ہو۔ خواہ اسے تیرہ سو برس ہی کیوں نہ گزر گئے ہوں مگر ایک ایسے مثالی معاشرے کے دوبارہ قیام کی تمنا تمام عالم اسلام کی ایک سچی اور زندہ خواہش ہے جو انہیں ہمیشہ جدوجہد پر آمادہ کرتی رہتی ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ

ایک اسلامی معاشرے کے تصور پر ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ از سر نو منظم ہوئی ہے اور صرف سات سال کی مدت میں یہ ثابت کر دیتی ہے کہ
دس کروڑ افراد پر مشتمل ایک ایسی منظم قوت ہے جس کو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت دبا نہیں سکتی۔ کمیونسٹ پارٹی اور ترقی پسند
مصنفین کو برصغیر کی اقوام کے باطنی عمل کا چونکہ کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ روس کی اور اشتراکی نظریے کے ایک مخصوص علاقے
کی کامیابی کے نشے میں ایک رومانی دنیا میں بسر کرتے رہے۔ قومی نظریات صرف محض فرقہ پرستی نہیں تھے بلکہ اس کی جڑیں عوام
کے دلوں میں بڑی گہرائی تک پیوست تھیں۔ اور اسی وجہ سے چند سال کی مدت میں اس سے ایک انقلاب کا کام لیا جا سکا۔ خواہ
اس کا تجزیہ اور توجیہ کسی طرح بھی کی جائے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ اپنے عمل اور فکر میں اسی آدرش
سے متاثر تھے اور اس میں کسی قسم کی سیاسی مصلحت اور مفادات کے پیش نظر نہیں تھا۔ تقریباً یہ وہ سیاسی اور ادبی فضا تھی
جس میں مسلمانوں کی سب سے بڑی مملکت وجود میں آئی اور دنیا میں ایک ایسا ملک پہلی بار ظہور میں آیا جسکو خالصتاً ایک آدرش،
ایک مثالی معاشرے اور ایک بڑے مبنی تصور کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ سخت بدنصیبی ہوگی اگر اس حقیقت کا اعتراف نہ کیا جائے
کہ مسلم لیگ کی ساری سیاسی جد وجہد اور تصور پاکستان کی عملی تحریک ایک مرکزی شخصیت میں ڈھل گئی تھی جس کا نام
قائداعظم محمد علی جناح تھا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اس مرکزی شخصیت نے بساط عالم پر پاکستان کی بساط جما کر جس سیاسی منصوبے اور طریقہ کار کو سامنے
رکھا اس میں روس کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ یہ بات بالکل طے ہے کہ قائداعظم اپنے سیاسی تدبر اور دور اندیشی کے لحاظ سے اپنی
تمام ہم عصر تاریخ ساز شخصیتوں میں ممتاز اور منفرد تھے۔ اور ان کی دور اندیش نگاہ نے سب سے پہلے یہ بھانپ لیا تھا کہ معاشی
اور سیاسی مفاد کے تقاضے کے پیش نظر پاکستان کو کس راستے پر چلنا ہے۔ یہی وہ راستہ تھا جس پر بعد میں ایشیا اور افریقہ کی ممتاز ترین
سیاسی شخصیتیں جادہ پیما ہوئیں۔ پاکستان کے قیام کے فوراً بعد قائداعظم کا سب سے اہم بیان وہ تھا جس میں انہوں نے اسلامی سوشلزم
کو پاکستان کے لئے لازمی قرار دیا تھا۔ اور روس کی دعوت کو فوراً قبول کر لیا تھا۔ یہ اسلامی سوشلزم دراصل ان کی سیاسی سمجھ
بوجھ اور دانشمندی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ جسکو بعض غلط اندیشوں نے اس کے سیاسی تصور سے ہٹا کر اپنے گھناؤنے اور ذاتی
اغراض اور مفاد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور آج اس کو برے پہلو پر ہوا دی جا رہی ہے۔ مگر تاریخ اور دیانت
دونوں سے عاری ہو کر۔ قائداعظم کی نظر میں اسلامی سوشلزم کے وہی معنی تھے جس پر بعد میں نہرو نے ہندوستان کو اشتراکی
معاشرے کی طرف لے جانے کا نعرہ لگایا تھا اور اس سے بڑے فوائد حاصل کئے تھے۔ دوسری اہم بات جسکو نظر انداز کرنا پاکستان کے
مخلص ترین فرزندوں کو زیب نہیں دیتا۔ یہ ہے کہ قائداعظم کو یہ بہت اچھی طرح معلوم تھا کہ مغرب بالخصوص برطانیہ پاکستان کے ساتھ
کبھی انصاف نہیں کر سکتا۔ اور یہ بات انہیں حصول پاکستان اور اس کے بعض نتائج کے عملی تجربے نے بتائی تھی۔ جس کا سب سے
بڑا ثبوت ریڈکلف ایوارڈ کی جانبداری اور کشمیر کا پیدا کیا ہوا ناسور ہے۔ قائداعظم کی بے خطا سیاسی سمجھ بوجھ نے اپنے لئے صحیح
نشانہ اور رویہ منتخب کر لیا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قائداعظم سب سے پہلی قانونی آزادی حاصل ہوتے ہی سب سے پہلے

دولت جمہوریہ سے علیحدگی اختیار کر لیتے۔ یہ بات برطانیہ کے گرگ باراں دیدہ خوب جانتے تھے کہ وہ پہلے شخص ہونگے جو اس فیصلے کو عملی جامہ پہنا سکتے تھے۔ اور اس کی سب سے بنیادی حقیقت یہ تھی کہ ان کا پاکستان کے عوام پر بے پناہ اثر اور ان کے خلوص و دیانت کی بے مثال شہرت تھی۔ چنانچہ پاکستان نے بہت جلد آہوں اور سسکیوں کے درمیان اس مرکزی شخصیت کو سپرد خاک کر دیا۔ اس سانحے کے بعد پاکستان صرف نوآبادیاتی سطح کا ملک رہ گیا۔ کیونکہ اس کا آدرش، اسکی قوت خاک میں مل چکی تھی۔ اور پھر وہ زمانہ بھی آیا جب پاکستان استعماری طاقتوں کا کھلونا معنوی سیارہ بن کر رہ گیا۔ تحریک پاکستان کی سب سے بڑی قوت اور مسلمانان ہند کا آدرش اسلام صرف ایک دھوکا بنا اور انجمن ترقی پسند مصنفین تک ممنوع قرار دے دی۔

اس منزل سے آگے بڑھنے سے پہلے ہمیں دنیا کے ان تین سیاسی محوروں کا ایک سرسری جائزہ لینا ہوگا۔ جن سے پاکستان کی سیاسی اور ذہنی تاریخ کا المیہ وابستہ ہے۔ امریکہ - جس کے در دولت سے پاکستان کو قائد اعظم کے بعد وابستہ کیا گیا۔ خالصتاً استعماری قوت کا مظہر تھا جس کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ تھی کہ اس کے پاس کوئی ایسا نظام خیال یا ایسا نظام معاشرت نہیں تھا جسکی بنیادوں پر کوئی نوآزاد قوم اپنا مستقبل اس سے وابستہ کر سکتی۔ وہ فکری قوت اور ایک نظام خیال کی صورت میں محض صفر تھا۔ اس کے پاس بے اندازہ دولت تھی۔ اور اناج کی لاتعداد ذخیرہ گاہیں تھیں۔ امریکہ وہ واحد قوم تھی جو تنہا ایک ملک نہیں بلکہ ایک براعظم کو اپنے مصرف میں لا رہی تھی اور قدرت کے اس" وافر اتفاق" سے دنیا کو اپنے حلقہ اثر میں لانے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھی۔ دوسری بے بضاعتی یہ تھی کہ وہ عالمی نقشے میں ایک ایسی تازہ ابھرتی ہوئی قوم تھی جسکو صرف تین سو برس کی تاریخ حاصل تھی۔ اور جسکو خود غلام بننے اور غلام بنانے کے مسائل ہنوز حاصل نہیں ہوئے تھے۔ دراس اعتبار سے اس کا تعلق ربط اور واقفیت مشرق سے نہ ہونے کے برابر تھی۔ جس کی سیاسی بصیرت ناقص اور معلومات ناکافی تھیں۔ گو کہ وہ برطانیہ کی نا مستحق امداد فروز تھی مگر ایک سیاسی طاقت کی صورت میں وہ ناپختہ ذہنیت اور طفلانہ تصورات کی حامل تھی۔ اسی وجہ سے اس کا خیال تھا کہ صرف دولت اور اناج کی فراہمی کی بنیاد پر وہ ساری دنیا کو اگر نہیں تو سارے مشرق کو ضرور اپنا حلقہ بگوش بنا سکتی ہے۔ جبکہ اس کے سیاسی رہنماؤں کو اتنا بھی نہیں معلوم تھا کہ صرف مال سودے بازی میں فروخت ہونا قوموں اور ممالک ضمیر فروشی کے ذہنی خلجان میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی جتنا کھاتا جاتا ہے اتنا ہی اسکو گالیاں بھی دیتا جاتا ہے۔ صرف معاشی فروخت اور سودے بازی کی بنا پر جھکنے والی قوم ہمیشہ اس احسان کے وزن کا بوجھ اپنے ضمیر پر محسوس کرتی رہتی ہے۔ اور یہی امریکہ کی تقدیر ہے۔ اس کے نتیجے میں پاکستان کو امریکہ سے وابستہ کرنے والوں نے جس عالمی حقیقت کو جھٹلانے کی غلطی کی تھی اس کی بنا پر امریکہ آج تک کسی بھی ملک کو حقیقی طور پر اپنا دوست نہیں بنا سکا۔ امریکہ کی طرف سے جانے میں پس پردہ جس قوت نے سب سے زیادہ تگ و دو کی تھی گو کہ آج اسے وہ طاقت حاصل نہیں اور وہ ایک سسکتی ہوئی قوم ہے مگر اس پر دنیا کے سب سے بڑے گناہوں کا بوجھ ہے۔ یہ طاقت جس پر اب یہ مثل پوری طرح صادق آتی ہے۔

قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

یہ برطانیہ تھا جس نے مشرق کے خون پر مغرب کو توانا بنایا تھا۔ اور جو سارے مشرق پر دو سو سال تک یکہ و تنہا حکومت کرتا رہا تھا۔ اس کے پاس بھی نظریاتی طور پر کچھ نہیں تھا۔ مگر مشرق سے اس کے روابط کسی اور مغربی ملک کے مقابلے پر سب سے زیادہ تھے۔ وہ مشرق کی گہرائی تک دور رس اثرات رکھتا تھا۔ مشرق کے ہر خطے میں اس کے پروردہ اور آوردہ بڑی مضبوط بنیادوں پر کھڑے تھے اور قومی محاذوں پر اس کے سایۂ عاطفت میں ماضی کی اچھی خدمات کو آج بھی انجام دے رہے تھے جن سے کبھی قومی مقاصد کو ختم کرانے اور قوموں کو غلام بنانے کا کام لیا گیا تھا۔ آج بھی ان لوگوں میں سرکار برطانیہ کا خون گردش کر رہا ہے۔ برطانیہ کے یہ نادیدہ ہاتھ جو آج بھی قوموں اور ملکوں کی تقدیر بدل دیتے ہیں مشرق میں برطانیہ کے مفادات کے سب سے بڑے محافظ ہیں — اس طرح یہ بوڑھی، ناتوان اور دم توڑتی مکارانہ سیاست آج بھی مشرق کی حکمران ہے۔ اور وسیع تر عالمی سطح پر امریکہ کے ہاتھ مضبوط کرتی رہتی ہے۔ برطانیہ ایک طاقتور ملک کی صورت میں گو کہ افسانۂ ماضی بن چکا ہے مگر اسکی اصلی قوت اس کے وہ سیاسی گرگے ہیں۔ جن کے سامنے مشرقی اقوام ہنوز طفل مکتب ہیں۔ یہ انہی کی چالاک سیاست ہے کہ جب چاہتے ہیں مشرقی اقوام میں سیاسی دباؤ اور سازشوں سے سیاسی اتار چڑھاؤ لاتے رہتے ہیں۔ جن کی سب سے بڑی فراست یہ ہے کہ اس کا رخ کبھی برطانیہ کی طرف نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ کبھی سیاسی تنازعات اور سیاسی دباؤ میں اپنی جھلک آنے دیتا ہے۔ وہ نہایت عیارانہ خاموشی سے مشرق کے سیاسی توازن کو اپنے اور اپنے حلیف ممالک کے حق میں کرتا رہتا ہے۔ اس کو اگر مشرق کی کسی چیز سے خوف ہے تو دو چیزوں سے ہے۔ ایک کسی مملکت کی ایسی مرکزی شخصیت کی موجودگی جو عوام میں بے پناہ مقبول ہو اور اپنی دیانت اور کردار کے لحاظ سے مثالی ہو۔ ایسی مرکزی شخصیت کی موجودگی میں اسے ایک خوف ستاتا رہتا ہے کہ اگر ایسی شخصیت کہیں موجود ہے تو وہ کسی لمحے میں بھی اپنی قوم کو اس کے سیاسی دائرے اور دھڑے بندی سے آگاہ ہو کر اس کے سیاسی اقتدار کے سرچشمہ دولت مشترکہ سے علیحدہ کر سکتی ہے — دوسرا خطرہ اسے من حیث المجموع اسلام سے ہے — اور صرف اسی وجہ سے نہیں ہے کہ پوری عیسائی دنیا اور مغربی ملکوں کو اس سے ہمیشہ قلبی نفرت رہی ہے بلکہ اس لئے بھی ہے کہ دنیا کے نئے آزاد ہونے والے ممالک میں مسلمان ملکوں کی اکثریت ہے۔ جن سے دنیا میں ایک نیا بلاک بننے کے امکان روشن ہو گئے تھے۔ برطانیہ کی اپنی ساری کوششوں کے باوجود اسلام اب بھی ایک عالمی سیاسی قوت بنتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور یہ خطرہ اسے دوسرے مغربی ملکوں سے اس لئے زیادہ ہے کہ اسے پچھلے دو سو سالہ دور اقتدار میں بارہا اس کا تجربہ ہوتا رہا ہے کہ وہ اچانک طوفان بن جانے کے پورے جراثیم رکھتا ہے۔ برطانیہ مشرق کے لئے ایک ایسا بھوت ہے جسکو اپنے مدفنوں میں بھی آرام میسر نہیں۔ تیسری طرف روس کی طاقت تھی جسکو ایک ایسی قوت حاصل تھی جس سے پورا مغرب محروم تھا۔ یہ اس کی نظریاتی قوت تھی جس کے پیرو، حامی اور پاسبان دنیا کے ہر ملک میں [illegible] لوگ [illegible] بغیر کسی [illegible] بازی اور ضمیر فروشی کے [illegible] کے [illegible] سے [illegible] کی [illegible] آواز [illegible] ہیں۔ [illegible] سیاست [illegible] کی [illegible] سیاست

کی ہی وہ نظریاتی قوت تھی جس کا مقابلہ یقیناً دنیا کی زوال آمادہ تہذیبی گردش کی حامل اقوام صرف دولت کے بھروسے پر نہیں کر سکتی تھیں۔ مشرقی ملکوں کیلئے روس عالمی توازن حاصل کرنے کے لئے ایک اچھا سیاسی حربہ بھی تصور کیا جاتا رہا ہے۔ اور اس میں اس کی سائنسی اور ریاستی قوت کارفرما ہے۔ جسکی بنیاد پر وہ دنیا کی دو عظیم طاقتوں میں سے ایک ہے۔ ۱۹۴۷ء تک پاکستان کے اطراف عالمی سیاست کے دباؤ اور داخلی سطح پر اس کے نظریاتی بحران کی یہ صورت حال تھی جس میں پاکستانی قوم تعمیر نو کے پہلے مرحلے میں داخل ہو رہی تھی۔ قائداعظم نے اس پیچیدہ صورت حال میں پاکستان کے لئے ایک متوازن لائحہ عمل کا انتخاب کر لیا تھا۔ مگر برطانیہ نے اپنے سیاسی ہتھکنڈوں سے اور اپنے پروردہ عناصر کے ہاتھوں اس منصوبے کو بروئے کار نہیں آنے دیا۔ اور پاکستان کو کلی طور پر امریکہ سے وابستہ کر دیا گیا۔

۱۹۵۴ء میں پاکستان عالمی سیاست میں نظریات کے فقدان کی طرف جس طرح بڑھ رہا ہے اس کی سرسری روئداد آپ کے سامنے ہے۔ مگر داخلی طور پر اسکی تصویر اس صورت حال سے بھی زیادہ بھیانک تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستانی قوم اور اس کے دس کروڑ افراد کی سیاسی تربیت صرف سات سال کی مدت میں نہیں ہو سکتی تھی۔ تحریک پاکستان جس طرح اور جس تاریخی لمحے میں شروع کی گئی اس کے لئے مناسب ترین موقع یہی تھا۔ مگر اتنی بڑی تحریک اور اس کے مقاصد کو جتنی وضاحت کے ساتھ پاکستان کے ہر فرد کے ذہنی، جذباتی اور سیاسی شعور میں رچ بس جانا چاہئے تھا اس کے لئے یہ مدت ناکافی تھی۔ دراصل مسلم لیگ کے آدرشی پیمانے پر تحریک پاکستان کا بنیادی تصور ہر پاکستانی کے ذہن میں ایک اسلامی مملکت سے وابستہ تھا جس کے پیش نظر اسلام اور پاکستان دو الگ چیزیں نہیں تھیں۔ اس کے سیدھے معنی یہی تھے کہ پاکستان میں ایک عام آدمی جس آدرش اور تصور کو ایک نئی مملکت کی صورت میں ڈھلتا دیکھنا چاہ رہا تھا وہ اسلام ہی تھا۔ جس کی وجہ سے تحریک پاکستان کو ثمر لگ گئے۔ مگر اس میں وہ سیاسی شعور پیدا نہیں ہو سکا تھا جو اس آدرش کو زندہ رکھتا اور اس کو نظر انداز کرنے والے عناصر کی اہمیت کو سمجھنے کی قوت رکھتا۔ جس کا فوری خیال یہ نکلا کہ مرکزی شخصیت اٹھ جانے کے بعد ملک کے دونوں حصوں میں ایسے نام برائے نام رہ گئے جن کی سیاسی بصیرت پر پوری قوم کو بھروسا ہوا اور وہ خود ایک نئی ۔ قوم کی تشکیل اور اس کے فکری افق کی تعمیر کا کوئی واضح تصور بھی اپنے ذہن میں رکھتے ہوں یہاں تک کہ ان میں سے بیشتر کی شخصی اور سیاسی دیانت بھی قوم کی نظر میں مشکوک تھی۔ اس ناقص سیاسی شعور کی وجہ سے پاکستانیوں کے پاس سوائے اپنی امیدوں، آرزوؤں اور آدرش کے ان شخصیتوں کو اپنے ادراک پر اثر انداز ہونے کا کوئی طریقہ کار بھی نہیں رہا تھا۔ اگر عالمی سطح پر ایک غلط قدم اٹھا لینے کے بعد بھی داخلی طور پر قوم کی ذہنی اور آدرشی تربیت خلوص سے کی جاتی تو شاید یہ صورت حال اتنی جلد مکروہ ترین شکلیں تبدیل نہ کرتی۔ لیکن ہوا یہ کہ پاکستان کے تمام باشندوں کو ذہنی اور جذباتی طور پر مفلوج بنانے کا عمل ۱۹۴۸ء ہی سے شروع کر دیا گیا۔ جس کا یہ سب سے گھناؤنا پہلو سامنے آیا کہ حکومت اور عوام کے درمیان کوئی ربط اور ہم آہنگی پیدا ہونے کے بجائے یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہوگئے اور بعد میں ان دونوں عناصر میں سے ایک ذہنی مایوسی کا اور شکست کا شکار ہو گیا جس سے بڑا نقصان کسی قوم کے لئے بھی اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

اور اس کے نتیجہ میں ہمارے رہنماؤں نے حاکم کی حیثیت اختیار کرلی اور وہ عوام کی بزورِ تسخیر کرنے کے عمل میں مصروف ہوگئے اور ان پر فتح پانے کی اس جدوجہد میں ملک دو طبقوں میں تقسیم ہوگیا ایک حکومت کرنے والا طبقہ، دوسرا محکوم طبقہ ـــــ جس کی ذہنیت اس سے الگ نہیں رہتی جو آزادی سے پہلے سرکار برطانیہ کے حکام بالا دست اور عوام کے درمیان تھی۔ اس عمل کے لئے یہ ضروری تھا کہ عوام کے اس آدرش کو سب سے پہلے ضرب لگائی جائے۔ جس کے ذریعہ عوام اس فاصلے کو پاٹنے کی تمنا کرسکتے ہوں، قوت حاصل کرنے کی جدوجہد کرسکتے ہوں یا اس تقسیم کو بے اثر بنانے کی خواہش کرسکتے ہوں۔ یہ آدرش پاکستان میں صرف اسلام تھا۔ جس کو بہت چالاکی سے دھوکے اور منافقت میں تبدیل کرکے اس میں جسمانی، اور فرد کی خواہشات کو ابھرنے کا موقع دیا گیا اور اس میں مغرب کی زوال آمادہ تہذیبی عناصر کے تعیشات کو فروغ دینے اور پروان چڑھانے کا موقع دے گئے۔ عام خواہشات میں بہت سی چیزیں مشترک ہوا کرتی ہیں۔ اس افسوسناک سیاسی کھیل کے نتیجہ میں قوم خود اپنے آدرش سے دور ہٹتی چلی گئی۔ اور اس میں ایک اجتماعی منافقت نے گھر کرلیا۔ جو اس آدرش کی نفی کے لئے ازخود کافی تھی۔

دوسری طرف شہری آبادی۔ نوجوان طبقہ اور طالب علموں میں اشتراکی آدرش کے جراثیم دیکھ کر کمیونسٹ پارٹی اور انجمن ترقی پسند مصنفین دونوں کو ممنوع قرار دیدیا گیا۔ جس کی وجہ سے یہ متبادل آدرش بھی سسک سسک کردم توڑ بیٹھا۔ ایک مخلص، قوم کی تعمیر سے دلچسپی رکھنے والی دور اندیش لیڈرشپ ان دونوں آدرشوں کو کبھی مرنے نہیں دے سکتی تھی۔ کیونکہ یہ دونوں آدرش، اُن کی آویزش، اُن کا ذہنی افق اور قوم کی تعمیر کا سب سے بنیادی عنصر بن سکتے تھے۔ اسلام پاکستان کے عوام کے لئے اتنی بڑی قوت تھی کہ ہندوستان کے صوبہ یو۔پی کی کمیونسٹ پارٹی کے سکریٹری مسٹر احمدؔ نے پاکستان میں اشتراکیت کے فروغ کے امکانات کا جائزہ لینے کے بعد اپنی رپورٹ میں اشتراکیت کا مستقبل پاکستان میں بالکل تاریک بتایا تھا اور اس کا سب سے بڑا جواز یہ دیا تھا کہ جہاں کے بھوکے اور مفلس عوام سے روٹی کی بات کی جائے اور وہ خدا کی بات کریں وہاں اشتراکیت کے فروغ کا حال معلوم۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان دونوں نظریات کو اگر باقی رکھا جاتا تو اُن کی آویزش قوم کو کبھی ذہنی مایوسی کا شکار نہ بننے دیتی۔ جسکا انجام یہ ہوا کہ پاکستان کے دس کروڑ افراد ذہنی طور پر مفلوج ہوکر رہ گئے۔ وہ ایک بے منزل بے مقصد اور بے آدرش قوم بن کر رہ گئے۔ جن کے لئے اپنی ذاتی، نجی، خارجی اور جسمانی خواہشات ہی سب کچھ بن گئیں۔ جن کی قومی معذوریت صرف یہ رہ گئی کہ وہ کیسے لندن و پیرس کے ننگے کلبوں کو اپنا آدرش اور مقصدِ حیات بنالیں۔ آدرشوں کے اس فقدان نے قومی سطح پر جو ناقابلِ تلافی نقصان پاکستان کو پہنچایا وہ یہ تھا کہ پاکستان کے دو بعید ترین گوشوں میں جن میں سوائے تحریک پاکستان اور اسلام کے علاوہ کوئی رشتہ اور ہم آہنگی پہلے ہی سے موجود نہیں تھی، اس کے بعد ایک سرے سے کوئی رابطہ ہی نہ رہا، جب مختلف عناصر کو متحد اور ہم آہنگ کرنے کا جوہر ختم کردیا جاتا ہے تو اُن کے درمیان اختلافات بالکل اسی طرح اُبھر آتے ہیں جیسے کسی پختہ سڑک میں سے شدید بارش کے بعد گڑھے نمودار ہوجاتے ہیں۔ جس کا منطقی انجام یہ ہوا کہ صرف مشرقی اور مغربی پاکستان ہی نہیں بلکہ مغربی پاکستان کے مختلف صوبوں کے درمیان بھی یہ رشتہ ختم ہوگیا وہ صوبائی عصبیت کا شکار ہوگئے۔ تصوّرِ پاکستان۔

[illegible]
آدرش، نصب العین سب خاک میں مل گئے تھے اور ان میں سوائے ایک دوسرے سے نفرت، عداوت اور تحریک پاکستان سے
عدم دلچسپی اور مقصود پاکستان کی تضحیک کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ ایک گہرے تجزیئے کی روشنی میں اگر چند معاشی مفادات اور
بیرونی خطرہ نہ ہو تو یہ اتحاد ایک بھی مشترک عنصر کا پتہ نہیں دے سکتا۔

اس بیس سال کے عرصہ میں ہم اس منزل سے جس پر ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۸ء تک تھے، کتنی دور آ چکے ہیں۔ اس کا کوئی اندازہ بھی
نہیں کیا جا سکتا۔ قیام پاکستان کے ابتدائی زمانہ میں رہنماؤں کو کم از کم ایک بات کا لحاظ ضرور تھا کہ خواہ ان کی ذاتی کمزوریاں کیسی ہی کیوں
نہ ہوں مگر وہ مسلمہ اخلاقی اور دینی اقدار کا احترام دل سے ضرور کرتے تھے اور انھیں دہراتے رہتے تھے۔ مگر بعد میں ان اعلیٰ اقدار پر ذاتی
خواہشات، مفادات اور شخصی اغراض کو اس طرح حاوی کیا گیا ہے کہ پاکستان میں اعمال اور افعال کا کوئی پیمانہ اور معیار
باقی ہی نہیں رہا۔ اسی لئے ہر شخص اپنے ضمیر اور اجتماعی اقدار پر اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دینے میں ذرا بھی باک محسوس نہیں کرتا۔
قومی سطح پر یہ رجحان سب سے خطرناک رجحان ہے جو قوم کو اندر سے کھوکھلا بنا چکا ہے جس کے ذریعہ ہر شخص خود غرضی،
منافقت اور چالاکی سے اپنے مفاد کو جائز قرار دینے کا جواز بھی تراش لیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہر قسم کی ذمہ داری
سے عاری ہو چکا ہے۔ اور یہی قومی کردار بن گیا ہے۔ کیا یہ ایک تاریخی حقیقت نہیں کہ مقاصد پاکستان اور تصور پاکستان
کو بار بار کانوں اور قلب تک پہنچانے والی وہ آواز بھی بالآخر پچھلے دنوں مایوسی کے عالم میں دم توڑ گئی ہے۔ جس کے اجتناب
قوم کے بے حس ضمیر کو شاید اب وہ ناگواری بھی محسوس نہ ہو جو اسے ہر ۱۴ر اگست ہر ۱۱ر ستمبر اور ہر ۲۵ر دسمبر کو ہوا کرتی تھی۔

یہ اس حقیقت کا خود تنقیدی مگر سرسری جائزہ ہے۔ جس سے پاکستان کے لکھنے والے بیس سال ذہنی اور جذباتی
طور پر گزرتے رہے ہیں۔ ہر لکھنے والا اپنی قوم کے جذباتی وجود میں برابر کا شریک ہوتا ہے اور ہیئت اجتماعی کی خواہشات اور
تبدیلیاں اسے بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہتیں۔ چنانچہ ہم اگر گزشتہ بیس سال کے ادب کا جائزہ لینے بیٹھیں تو ہمیں اس پس منظر
کا ثبوت ہر قدم پر مل سکتا ہے۔ ادیبوں کی خواہشات بھی بدلتے ہوئے معاشرے سے ہم آہنگ ہو گئیں۔ اس کا سراغ بھی اقدار
کی شکست میں مل سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ لکھنے والا ایک عام آدمی کے مقابلے پر زیادہ آدرش پرست ہوتا ہے اور وہ بغیر کسی اعلیٰ و بلند
آدرش اور وسعت تصور کے کچھ نہیں لکھ سکتا۔ خواہ یہ عمل خالصتاً انفرادی ہو۔ پاکستان کے ادیبوں کا آدرش اجتماعی خواہشات کے ساتھ بدل گیا۔ اس کے
اتنی جلدی بدل جانے کی وجہ یہ تھی کہ لکھنے والوں کی اکثریت تحریک پاکستان اور تصور پاکستان سے ہم آہنگ نہ تھی۔ ہر قوم کی تاریخ میں ایک لمحہ ایسا آتا ہے جب
وہ کسی نصب العین یا جذبہ آدرش کے لئے یکایک اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اور اس کا یہ سفر اتنا تیز رو اور ہنگامہ پرور ہوتا ہے کہ اس کی اجتماعی جد و جہد کے سامنے ادیب کا قلم
سست پڑنے لگتا ہے۔ تحریک پاکستان کی سات سالہ جد و جہد بھی ایک ایسی ہی شعلہ خیز تحریک تھی جس کا ساتھ قلم نہیں دے سکتا
تھا۔ اور یہاں تو معاملہ یہ تھا کہ ان میں سے بیشتر کا آدرش تصور پاکستان تھا بھی نہیں۔ لیکن جب وہ وقت آیا کہ پاکستان کی معنویت
کا اظہار ادب میں ہو سکتا تو اس وقت تک فکر و ادب رہین ستم ہائے ارباب سیاست ہو چکی تھی مگر یہ قصہ ۱۹۵۸ء کے بعد
کا ہے۔ پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قیام پاکستان کے وقت ادیبوں کا طبقہ کیا سوچ رہا تھا۔ جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ ادیب

قوم کے جذباتی وجود میں برابر کا شریک ہوتا ہے مگر پاکستان بننے [illegible] ادیب کا جذباتی وجود اپنی قوم سے الگ ہو گیا تھا اور ان کی بیشتر تعداد آزادی سے قبل کے مشترک رویہ کو بدلنے کی کوئی کاوش نہیں کر سکی تھی۔

پاکستان میں بھی ۱۹۴۷ء سے قبل کی طرح ادیبوں کا تعلق صرف شہری آبادی سے تھا۔ نئے آنے والوں نے بھی اپنا مسکن شہروں کو بنایا۔ جس کی وجہ سے لکھنے والوں کا رابطہ پاکستان کی اصلی آبادی کے جذباتی تانے بانے، ذہنی عمل اور معاشرتی مسائل سے پیدا نہیں ہو سکا تھا۔ جس کی وجہ سے یہاں پیدا ہونے والا نیا ذہن بجائے پھیلنے کے سکڑنے لگا۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے کم از کم ادب میں ایک آدرش اور نصب العین ہونے کی وجہ سے خواہ وہ رومانی اور غیر حقیقی ہی ہو مگر عوام کی زندگی اور اس کے مسائل کا ذکر ضرور مل جاتا تھا۔ مگر آزادی کے بعد تو اس کا ذکر نہ کرنا ہی ادب کی سب سے بڑی خصوصیت بن گیا تھا۔ اس طرح پاکستان میں شہری ادیبوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جو پاکستان کو صرف شراب کے پیالوں اور کافی اور چائے کی پیالیوں میں دیکھ کر مطمئن ہو جاتا تھا اس میں کوئی شک نہیں اس رویہ کی پیدائش کا سبب ادب کے دونوں تصورات کا بے اثر ہو جانا تھا۔ اس کا ثبوت اس حقیقت سے بھی ملتا ہے کہ پاک و ہند کے تمام لکھنے والوں نے آزادی کے فوراً بعد فسادات کے تجربات کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ اس میں یقیناً انسان کی بہیمیت کے اس ہلناک تجربے کا عمل دخل تھا مگر اس میں ایک اور حقیقت بھی کام کر رہی تھی۔ دراصل ادیب آزادی کے بعد دونوں آدرشوں کی موت کا ماتم بھی کر رہے تھے۔ رومانی ذہنیت اور تصوراتی فکر جب کسی حقیقت سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہے تو اس کا نتیجہ آہ و بکا ہی نکلتا ہے۔ فسادات کا ادب اور اس کا ایک عہد دراصل رومانی ذہنیت کا نوحہ ہے۔ جس میں وہ ہر چیز کو ایک فیشن، سیاسی ہلچل اور ذاتی شہرت اور تسکین کے لیے اختیار کیے ہوئے تھے۔ ۱۹۴۷ء ادب کی ہنگامہ خیزی اور آدرش پرستی کے نقطۂ عروج پر آزادی کے بعد کی مایوسی اور شکستگی کا ایک عجیب موڑ ہے۔ اگر ہنکارتا ہوا لہجہ چند ماہ میں ٹوٹ جائے تو اس سے یہ خود معلوم ہو جاتا ہے کہ ہنکارتا ہوا لہجہ اصلی نہیں تھا۔ خواہ آپ اس کا تجزیہ کسی طور بھی کریں مگر یہ بات بہرصورت قابلِ ذکر رہتی ہے کہ اگر تنظیمیں ختم کر دی گئی تھیں تو انفرادی طور پر انھیں علیحدہ اپنے پسندیدہ موضوعات پر ضرور لکھنا چاہیے تھا۔ فسادات کے ادب کے بعد اکا دکا ادیبوں نے پاکستانی اور اسلامی ادب کا نعرہ ضرور لگایا تھا۔ اور بعض ترقی پسندوں نے بھی اپنے موضوعات پر دوبارہ طبع آزمائی کی تھی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آزادی سے قبل کے ادب کے موضوعات بھی پڑھنے والوں اور لکھنے والوں دونوں کے لیے بے معنی ہو چکے تھے۔ تحریک پاکستان اپنے ساتھ لکھنے والوں کی کوئی منظم تحریک پیدا نہ کر سکی اور ترقی پسند مصنفین پر پابندی لگ گئی مگر کیا تنظیم کے بغیر ادب پیدا نہیں ہوتا ہے [illegible] تنظیم کی روایت [illegible] جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان پیدا ہوئی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے دنیا میں کسی لکھنے والے نے کوئی تنظیم قائم نہیں کی تھی۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۰ء تک کے پاکستانی ادب کے مطالعے سے یہ بات بالکل ظاہر ہو جاتی ہے کہ پاکستان میں تنظیموں کا دور ختم ہو چکا تھا اور صرف یہاں نہیں بلکہ ساری دنیا میں اس سے قبل ہی تنظیموں کے خلاف انفرادی

تخلیقی شعور کا احیاء ہو چکا تھا ۔ اس عہد میں پاکستان کا سارا ادب شدّت سے انفرادی طرزِ فکر کا اظہار کرتا ہے ۔ تنظیموں کی اس بلغار کی کا ایک بہت بڑا سبب بین الاقوامی سطح پر اشتراکی نظریے کے زوال کو قرار دیا جاسکتا ہے ۔ اشتراکی نظریہ کی کامیابی میں روس کی نظریاتی ریاست کے استحکام کو بہت بڑا دخل رہا ہے ۔ اور اس ابتدائی زمانے کو چھوڑ کر دنیا بھر کے لکھنے والوں کو روس کی آمریت، جبری نظریۂ حیات اور انفرادی آزادی کے خاتمے کے ستم کا انکشاف ۔ عالمی انجمن میں مبتلا کرتا رہا تھا مگر اس زمانے تک آتے آتے روس سیاسی حیثیت سے بھی چند شوکریں کھا چکا تھا اور دنیا کے سامنے اس کی ایک استعماری ذہنیت بھی آشکارا ہو چکی تھی ۔ اس کے ساتھ ہی نو آزاد ملکوں میں قوم پرستی کی تحریکات کی کامیابی نے اشتراکی نظریہ کی مقبولیت پر کافی ضرب لگائی تھی ۔ اور مختلف نظریاتی تحریکوں نے اشتراکیت کا بازار ٹھنڈا کر دیا تھا اتفاق سے مسلمانوں کی تحریک آزادی کا سب سے مقبول نظریہ اسلام تھا جو طور ایک آورشی نظام رکھتا ہے ۔ جس کو آزادی کے بعد اولیت حاصل ہو گئی یہ بات الگ ہے ان ممالک کا حکمران طبقہ خود اسے اپنے لئے خطرہ سمجھنے لگا ہو ۔ پاکستان میں بھی انفرادی شعور اور تخلیقی انفرادیت کے پھلنے پھولنے میں یہ اسباب کام کر رہے تھے جس کی وجہ سے اشتراکی نظریہ تخلیقی عمل میں بھی گہرائی کے ساتھ پیوست نہ ہو سکا ۔ ۱۹۵۸ء کے بعد پاکستان میں حکمران طبقہ کی مصلحتوں کے پیشِ نظر مغرب کی زوال آمادہ تہذیبی روایات اور خواہشات کے مظاہر مقبول ہونے شروع ہوئے اور ادب میں بھی وہاں کی جدید تر ادبی تحریکات متبادل طرزِ فکر کی صورت میں مقبول ہونی شروع ہوئیں ۔ یہ متبادل طرزِ فکر بین الاقوامی سطح پر سوچنے کا عمل تھا ۔ ویسے تو یہ ایک خوش آیند طرزِ فکر تھا مگر جن حالات میں وہ شروع ہوا تھا اس نے ادب کو اس کی رہی سہی انفرادیت سے بھی محروم کر دیا ۔ پاکستانی ادیب ابھی اپنے پڑوس اور گلی سے بھی اپنے رشتہ اور رابطہ پیدا نہیں کر سکا تھا کہ اسے دنیا کے اربوں انسانوں " مختلف نظریہ ہائے حیات " مختلف ممالک اور ان کے طرزِ احساس کے درمیان اپنی جگہ تلاش کرنے کی دھن لگ گئی ۔ جو صلاحیت اپنے ملک اپنے شہر اپنے محلّہ کی تصویر کشی نہ کر سکتی ہو وہ بین الاقوامی روح، عالمی رنگ اور وسیع تر تخلیقی امکانات پر کیا طبع آزمائی کر سکتی تھی اس کا انجام معلوم ۔ لہٰذا ایسا ادب اور شاعری پاکستان بھر میں ایک فیشن بن گئی جو بے رنگ بے روح تھی اور جس کے کسی پہلو اور رُخ کا تعلق پاکستان کی باطنی گہرائیوں اور شخصیت سے نہیں تھا ۔ شہر کے چند نوجوانوں اور بوڑھے ادبی اجارہ داروں کی بے شعوری اور تخلیقی عمل سے ناآشنائی نے ادب کو جذبوں کے رنگوں سے بھی محروم کر دیا ۔ جب روس نے پہلا اسپٹنک فضا میں اڑایا تو مغرب پر اس کی فوقیت کے سبب پاکستان میں لکھنے والوں کے ایک طبقہ نے ایک بار پھر پر کی لی ۔ مگر یہ بھی ایک سیاسی طاقت کی فتح کا نشہ ثابت کر رہ گئی اور چند دن عدم حرارت بھی باقی نہ رہی ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لکھنے والوں کو یہ پتہ نہیں تھا کہ روس کا جدلیاتی نظریہ خود ایک "جدلیات" سے گذر رہا تھا ۔ یہ انہیں اسٹالن کی موت کے بعد پتہ چلا کہ اسٹالن کا اجتماعی اشتراکی مفاد، خروشیف کے "انفرادی روسی مفاد" میں بدل چکا ہے ۔ اور پھر روس پر بدحواسی کے پے در پے حملے ہوئے اور اس کا انجام یہ ہوا کہ وہ روس جو اسپٹنک اڑا کر بعض حلقوں میں دنیا کی سب سے ترقی یافتہ سائنسی قوت بن چکا تھا ۔ اچانک امریکہ سے غلّہ خرید بیٹھا ۔ یہ معمولی سا واقعہ کس

عظیم تر حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس کو جدید دنیا کا مورخ ۱۹۱۷ء کے بعد جدید دنیا کے ہیرو روس کے سیاسی زوال کو بنیادی نقطہ اور ثبوت قرار دیگا — اس کے ساتھ ہی روس سیاسی طور پر اپنا اعتبار اور اپنی آدرشی قوت کھو بیٹھا ہو اردو ادب ایک بے منزل سفر پر قانع ہے جس میں انفرادی تسکین، منفعت، اخباری شہرت، بے مقصد رنگین تصویر، تخلیقی عمل سے زیادہ اہمیت اختیار کرتے جا رہے ہیں — ادب کو سنجیدہ مشغلہ ماننے والے اپنے سامع اور قاری کو کتاب پڑھنے کی زحمت سے بھی بچا کر خالص تفریحی سطح پر لے آئے ہیں اور دیوان غالب کی اشاعت پر توجہ دینے سے زیادہ اس کے پرزے اڑانے کے لئے ناٹک دکھا رہے ہیں آزادی سے تقریباً ۱۰ سال بعد آدرشوں کے فقدان کا ردعمل اب شروع ہوا ہے۔ مگر اردو ادب میں ایک صحت مند رجحان بھی پیدا ہوا ہے اور وہ ناول نگاری ہے۔ پچھلے چند سالوں میں دو تین ایسے ناول لکھے گئے ہیں جو قابلِ ذکر ہیں ان کو پڑھنے کے بعد یہ آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہمارے معاشرہ کا نوحہ ہیں — جن میں ان ہی اقدار کے خاتمہ پر ماتم کیا گیا ہے جس سے گزر کر اردو ادب اخباری کالموں تک پہنچ گیا ہے۔

بیس سال کے اس ادبی پس منظر اور اس کے بدلتے ہوئے بنیادی رجحانات کے اس مختصر سے جائزے سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پاکستان کا ادب اجتماعی اور انفرادی آدرش، نصب العین، تخلیقی صداقت اور تحریک کی وسعت سے تہی ہو چکا ہے۔ ایک بنتے ہوئے معاشرہ میں اگر معاشرتی صداقتوں اور آدرشوں کا بیج مار دیا جائے تو پھر وہ اندر سے سکڑنے لگتا ہے اور اس کی تمام صلاحیتیں منتشر کر دی جاتی ہیں۔ خدا جانے انہیں دوبارہ کیسے پیدا کیا جا سکتا ہے مگر اس کی فکر ہمارے معاشرہ کو کیوں ہو اور کس لئے ہو؟؟

مرتبہ:- اکرام احمد

سنہ ۱۹۶۷ء کی اردو مطبوعات

تنقید اور تجربہ ادب و تنقید مصنف:- جمیل جالبی ناشر:- مشتاق بک ڈپو، کراچی ع۱

مضامین سرسید ؍؍ ؍؍ سرسید احمد خاں مرتبہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ؍؍ :- مکتبہ خیابان ادب، لاہور

انشائیے ؍؍ ؍؍ فضل احمد صدیقی ؍؍ :- آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۸

تاثرات و مشاہدات ؍؍ ؍؍ انیس فاطمہ بریلوی ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

انوار اقبال اقبالیات مرتبہ بشیر احمد ڈار ؍؍ اقبال اکادمی پاکستان، کراچی ۲۹

روح اسلام کی نظر میں ؍؍ مصنف ڈاکٹر غلام عمر خاں ؍؍ صفیہ اکادمی، کراچی ع۲

آئینہ اقبال ؍؍ مرتبہ محمد عبداللہ قریشی ؍؍ آئینہ ادب لاہور

کلیات ذوق شعر و شاعری مصنف:- محمد ابراہیم ذوق دہلوی مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی ناشر:- مجلس ترقی ادب، لاہور

نجوم و جواہر ؍؍ ؍؍ شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی ناشر:- جوش اکادمی، کراچی

جنون زار خیال ؍؍ ؍؍ میجر محمد عاشق ؍؍ عارف پبلی کیشنز، لاہور

عنوان آہنگ ؍؍ ؍؍ نعیم صدیقی ؍؍ مکتبہ کارواں، لاہور

پھر ایک کارواں لٹا ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ادارۂ مطبوعات طلبہ، کراچی

مجاز ایک آہنگ (نیا ایڈیشن) فن و شخصیت ؍؍ مختلف اہل قلم کے مضامین کا مجموعہ ؍؍ مکتبۂ افکار، کراچی ع۱

حمزہ بیگ شہید سوانح ؍؍ اصغر علی گھرال ؍؍ مکتبۃ الوکیل، گجرات

تاریخ طبری جلد دوم تاریخ ؍؍ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری ترجمہ محمد ابراہیم ندوی ناشر نفیس اکادمی، کراچی ع۱

اسلام اور انسانی قانون قانون ؍؍ عبدالقادر عودہ شہید ترجمہ عمر عبداللہ ؍؍ صفیہ اکادمی، کراچی ع۵

تدریس نسخ تاریخ رسم الخط ؍؍ عبدالقیوم ؍؍ آزاد بک ڈپو، لاہور

مخطوطات تاریخ (پاکستانیات)، کتابیات ؍؍ حکیم شمس اللہ قادری ؍؍ واحد بک ڈپو، کراچی ع۵

فتح اور قیاس [illegible] ؍؍ ؍؍ ہائی اسٹیرین۔ گگن ڈی کنگر مترجمہ آفتاب احمد سہیل ناشر:- اردو اکادمی سندھ، کراچی ع۱

اسلام اور آزادی (نیا ایڈیشن) مذہب ؍؍ ابوالکلام آزاد ناشر:- سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

زندگی ایک دل کے ویرانے میں ناول مصنف رشیدہ رضویہ ؍؍ شیش محل کتاب گھر، لاہور

کہاں ہے تو ؍؍ ؍؍ اختر سلیمی ؍؍ مکتبۂ حسن کار، لاہور

دروازے کا دیا پاؤں افسانے ؍؍ ذکاء الرحمٰن ؍؍ مکتبۂ میری لائبریری، لاہور

یہ سلسلہ وار فہرست صرف ان کتابوں پر مشتمل ہے جو پہلی بار سن اشاعت ۱۹۶۷ء چھپا ہوا ہے۔

تہنشاں ابدالی

مسدس اختر

مسجد مچھلی بازار کان پور کی شہادت کا حادثہ، انگریزوں کے دورِ حکومت ہند کا بہت بڑا اور مشہور تاریخی واقعہ ہے، جو ۱۹۱۳ء کا المیہ ہے، صرف ایک سڑک کے درست کرنے کی خاطر، نہ صرف کان پور شہر بلکہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی عرض و استدعا ٹھکرا کر ان کے جذبات مذہبی و احساسات ملی یکسر نظر انداز کر کے مسجد کے ایک حصّے کا انہدام بظاہر ایک عمارت کا جزوی طور پر ٹوٹنا نہ تھا بلکہ مسلمانانِ ہند کے دلوں کو توڑنا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ واقعہ ہندی مسلمانوں میں ایک بڑے ہیجان کا سبب بنا اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مسلمانانِ ہند کی سیاسی بیداری میں حادثۂ کانپور کو بڑا دخل ہے۔ مولانا محمد علی کے "ہمدرد" اور "کامریڈ" کی آتش بار تحریریں، "الہلال" کا مشہد اکبر جیسا شعلہ بار مقالہ، خواجہ حسن نظامی کا "کہو تکبیر" کا نعرہ اور علامہ شبلی نعمانی کی نظمیں اس حادثے کی یادگار اور اس دور کے تبرکات ادبی ہیں۔ مولانا شبلی کی نظم کا مصرع

"مساجد کی حفاظت کے لئے پولس کی حاجت ہے"

اور یہ "ہم کشتگانِ معرکۂ کان پور ہیں" کی صدائے بازگشت ایک عرصے تک کانوں میں سنی جاتی رہی۔

حضرت اختر بہاری نے بھی اس حادثے سے متاثر ہو کر ۱۶ بند پر مشتمل ایک مسدس لکھا جس کے متعلق طرح طرح کی افواہیں مشہور تھیں، کسی نے کہا مسدس ضبط ہو گیا، مگر ان کے ایک عزیز قریب سے جو معلوم ہوا اس کا ماحصل یہ ہے کہ مقدمہ چلا، اور صرف ایک سال کے لئے مچلکا ہوا، اور کسی مجمع میں کلام سنانے کی پابندی ایک سال کے لئے عاید کر دی گئی — اب یہ مسدس "قومی زبان" کی وساطت سے ارباب ذوق کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

شاعر کے حالات پر راقم کا ایک مقالہ بعنوان "حضرت اختر بہاری" "قومی زبان" ہی کی اشاعت ۱۴ دسمبر ۶۸ء میں اور ایک اور مقالہ ماہنامہ "مہر نیمروز" کراچی ماہ اگست ۷۰ء میں شائع

ہوچکا ہے اس لئے حالات پیش کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

" تذکرۂ ضیغم " نیز مقالہ مطبوعہ معارف اعظم گڑھ ماہ رجب ۱۳۵۲ھ اور جناب معین الدین دردائی کے تذکرہ "بہار اور اردو شاعری" اور "تذکرۂ مسلم شعرائے بہار" مؤلفہ مولانا سید احمد اللہ ندوی صاحب مطبوعہ کراچی میں حضرت اختر کا تذکرہ ملتا ہے۔

بلبل وہ ہوں کہ وقتِ خزاں ہے چمن مرا کنجِ قفس مجھے ہے ریاضِ وطن مرا
زخمی ہے تیغِ ظلم و ستم سے بدن مرا شاہد ہے میرے خون پہ خونیں کفن مرا
سنتا ہے کون، کس سے کہوں، کیوں ملول ہوں
ہیں ارد گرد خار مرے، میں وہ پھول ہوں

چلتی ہے باغِ دہر میں صرصر، نسیمِ غم ہیں لاکھ بانیانِ ستم، اور ایک ہم
ہے وقتِ آزمائشِ خلاقِ ذوالکرم ڈِگنے نہ پائیں دیکھ دلِ ناتواں! قدم
ہر حال میں نگاہ رہے امتحان پر
کٹ جائے سر تو شکر ہو جاری زبان پر

سُن سُن کے حالِ مسجدِ مشہور کان پور ٹوٹا پہاڑ غم کا ہوا قلب چور چور
کس درجہ عدل و داد سے حکام ہیں نفور ظالم تلاش کرتے ہیں مظلوم کا قصور
اللہ یہ سلوک رعیت کے ساتھ واہ!
کمزوریاں دکھاتے ہو طاقت کے ساتھ واہ!

اے ظالمو خدا کے لئے کچھ کرو تو غور کمزور پر یہ زور، یہ سفاکیاں، یہ جور
کیا عادلوں کی شان یہی ہے؟ یہی ہے طور مسجد کے توڑنے کے سوا تھی نہ راہ اور؟
سوچو اگر تو تم سے بڑا کام رہ گیا
نوشیرواں نے عدل کیا، نام رہ گیا

مسجد گرائی، خون بہایا، غضب کیا زخمی قلوبِ اہلِ وفا بے سبب کیا
اچھا علاج یہ دلِ درماں طلب کیا کرنا نہ تھا جو ظلم غریبوں پہ سب کیا
ہم پر تو ایک وقت تھا آیا نکل گیا
لیکن ہزار شکر کہ موسم بدل گیا

پھر دل میں تم خیالِ عقوبت نہ لائیو ۔ آساں ہیں بیڑیوں کی کڑیں جھیل جائیو
ہو کر ضعیف قوم کی قوت بڑھائیو ۔ تم عاجزی میں شانِ تکبّر دکھائیو

احسان تمہارا حشر تک اب قوم پر رہا
سہرا رضائے حق کا شہیدوں کے سر رہا

اللہ یہ نصیب تمہارے یہ قسمتیں ۔ یہ حوصلے بلند یہ مردانہ ہمتیں
دیتی ہیں امرِ حق کی شہادت شہادتیں ۔ پہچانتی ہیں اہلِ ستم کو عدالتیں

افسوس ہم تڑپتے ہیں قیدِ ہائے زشت میں
تم اب مزے اڑاتے ہو باغِ بہشت میں

اب تم ہو اور سیرِ جناں ہے زہے نصیب ۔ حوریں ہیں تحفے کا مکاں ہے زہے نصیب
ہر سو چمن میں نہر رواں ہے زہے نصیب ۔ گلچیں کا ڈر نہ خوفِ خزاں ہے زہے نصیب

جوبن ہے گلزار و چمن پر شباب کا
کیا فضل ہے کہ خوف نہیں انقلاب کا

ہر جا نئی بہار ہے، ہر سو نیا سماں ۔ طاؤس کا وہ رقص، پپیہے کی پی کہاں
گل کا فسانہ بلبلِ نالاں کو بر زباں ۔ کوئل کی کوک نغمۂ گلہائے روح و جاں

جو جو پرند داخلِ دار السلام ہے
سینوں پہ سب کے نقشِ محمدؐ کا نام ہے

تم بھی جو دل پہ نقش کرو مصطفیٰؐ کا نام ۔ بگڑے ہوئے ہزار بنیں ایک دم میں کام
دوزخ سے ہو نجات، ملے خلد میں مقام ۔ اللہ رے نام شافعِ کل، سیدِ انام

جو طیر ہے وہ [illegible] سے ہلاک ہے
جاری زباں پہ نغمۂ [illegible] ہر

وہ صورتیں ملیح کہ [illegible] رنگ رنگ ۔ نغمے ہیں دلفریبیاں رفتار [illegible]
دیکھے بشر تو دیکھ کے ہو جائے عقل دنگ ۔ اے تیری شان ایک گل میں ہزار رنگ

وہ [illegible] کے جواہر نگاہ پر
آتا ہے [illegible] پر

سبزہ لہک رہا ہے عجب آب و تاب سے　　گل کی قبا بسی ہوئی عطرِ گلاب سے
ہر سو چمن میں بارشِ رحمت سحاب سے　　حیران بشر ترے کرمِ بے حساب سے

کیا دل شہیدِ راہِ خدا کا ہرا ہوا
پایا گلِ مراد سے دامن بھرا ہوا

مرغانِ باغِ خلد کسی سمت نغمہ خواں　　دلکش وہ حسنِ صوت وہ چلتی ہوئی زباں
بیٹھے چہک کے یہاں سے کبھی وہاں　　چونکے ہوا سے نخل کی جڑ میں جوڑا لیا

کھٹکا ہوا جو دل میں تو ہشیار ہو گئے
وحشت پڑی تو اڑنے کو تیار ہو گئے

ان کا کبھی اُدھر سے اِدھر آ کے بیٹھنا　　کرپال میں پروں کو وہ پھیلا کے بیٹھنا
موقع وہ زیرِ نخل کبھی پا کے بیٹھنا　　سب سے جدا کسی کا الگ جا کے بیٹھنا

کوئی اٹھا ہوا میں پر و بال کھول کر
وہ رہ گیا پروں کو کوئی تول تول کر

وہ بلبلانِ گلشنِ فردوس کی صدائیں　　وہ بے خزاں بہار وہ راحت فزا فضائیں
دستِ ہوس عنادلِ گلشن اگر بڑھائیں　　بولیں چٹخ چٹخ کے یہ غنچے کہ ہائیں ہائیں

آ ہوش میں احساس پکڑ، کچھ خبر بھی ہے
اے بے خبر بغل میں نسیمِ سحر بھی ہے

خوانِ کرم میں گلشنِ فردوس کے نہال　　جھک جھک گئی ثمر سے ہر ایک ڈال
میووں کے توڑنے کا جو پیدا ہوا خیال　　خود آ گئے قریب زہے شانِ ذوالجلال

تاکا اسے جو تاک نظر دور آ گئی
بس منہ کے سامنے مئے انگور آ گئی

وہ میوہ ہائے باغِ جناں فردِ بے عدیل　　وہ سیب وہ انار وہ خرما وہ نارجیل
وہ آبِ صاف کوثر و تسنیم و سلسبیل　　شکلیں وہ بن گئی ہیں مثلث و مستطیل

یہ نعمتیں یہ سیرِ جناں بے عمل نہیں
کہتا ہے کون نخلِ شہادت میں پھل نہیں

حملہ کریں عدو پہ جو یہ کہہ کے یا علی ‏ ‏ پڑ جائے ہر طرف صفِ اعدا میں کھلبلی
اسرارِ کارزار کے سب اُن پہ منجلی ‏ ‏ میدان صاف ہو گیا تلوار جب چلی

بڑھتے ہیں سوئے فوجِ ستم جھوم جھوم کے
کرتے ہیں وارِ تیغ کے قبضے کو چوم کے

ہٹتے نہیں انھیں کے قدم کارزار سے ‏ ‏ بچے انہیں کے کھیلے ہیں ذوالفقار سے
ان میں کا ایک بھی نہیں دبتا ہزار سے ‏ ‏ ہاں مٹ گئے ہیں اب ستمِ روزگار سے

پژمردہ دل ہیں غم سے جگر داغدار ہیں
اجڑے ہوئے چمن کے یہ گل یادگار ہیں

افسوس ان کی قدر نہ کی روزگار نے ‏ ‏ گھیرا ہے چار سمت سے بھولوں کو خار نے
دل چور کر دیا فلک کج مدار نے ‏ ‏ مرنے کی ٹھان لی ہے غریب الدیار نے

عزت کے مستحق ہیں یہ ہر اعتبار سے
زینت ہے تاج کی گہرِ آبدار سے

اب کیا کہیں کہ کون ہیں یہ اور کیا ہیں یہ ‏ ‏ ابرِ کرم ہیں آج بھی گو بے نوا ہیں یہ
قیصر پہ جان و مال سے اپنے فدا ہیں یہ ‏ ‏ سرشارِ جامِ بادۂ مہر و وفا ہیں یہ

ہم کہہ کے اپنا واقعہ شرمائے جاتے ہیں
یورپ میں اب بھی نقشِ قدم پائے جاتے ہیں

تھے ایک روز مالکِ دیہیم و تاج ہم ‏ ‏ شاہان و تاجدار سے لیتے تھے باج ہم
رکھتے نہ تھے کسی سے کوئی احتیاج ہم ‏ ‏ ہے کل کی بات یہ جسے کہتے ہیں آج ہم

دنیا میں اب تو قوم ہماری ذلیل ہے
المختصر یہ ایک فسانہ طویل ہے

آئے ہیں آج پاس ترے لو لگا کے ہم ‏ ‏ اے صدرِ بزمِ عدل! تغافل ہے یہ ستم
انصاف کر کے دور ہو سینے سے کوہِ غم ‏ ‏ ہم سب وفا شعار ہیں، اللہ کی قسم

ناواقفوں کی خدمتِ عالی میں عرض ہے
مسلم پہ پیرویٔ اولوالامر فرض ہے

اے خفتگانِ خوابِ گراں، اب اٹھو اٹھو!   اے مسلمو قوم بڑھ کے کروش شاد!!
اے پیروانِ امتِ مرحوم! عمل پڑھو!!   اے عاقبتوں راز! کرو کچھ جو ہو سکے

تازہ ہے بات، ابھی سحر غم کی شام ہے
کچھ دیر کی تو قوم کی ترکی تمام ہے

کوشش جو آپ آج بھی مل کر کریں ہم   پہنچیں ابھی ابھی در مقصد پہ قدم
کہلائے آپ کے جہاں میں اب معبتغاز   کرتے تھے دل سے پیروی شافع امم

مومن تھے دیں فروش نہ تھے، پاکباز تھے
ثابت قدم تھے، عاشق شاہ حجاز تھے

اسلاف کی شجاعت و جرات دکھائیے   تصویر کھینچ کر وہی صورت دکھائیے
اب وقت آگیا ہے کہ ہمت دکھائیے   ان منکروں کو حق کی صداقت دکھائیے

سچے بیاں میں خوف کسی کا فضول ہے
ہے صدق میں نجات، یہ قول رسولؐ ہے

اچھی ہو بات اگر تو کسی سے گلہ نہ ہو   راضی ہو تم سے قوم، حکومت خفا نہ ہو
وہ دل بھی کوئی دل ہے جو درد آشنا نہ ہو   غارت ہو جس میں خلق رسول خدا نہ ہو

مانے نہ تارک بات مری، کوئی بات ہے
اچھے اگر عمل ہیں تو بے شک نجات ہے

رہتے تھے دور دور سلف کبر و غرور سے   روشن تھے دل چراغ ہدایت کے نور سے
کرتے تھے روز کسب ضیا شمع طور سے   دبتی نہ تھا کیا صنم پر غرور سے

[illegible] ہو پھر وہ بات [illegible] پھر زمانہ ہو
یہ ضرب کا [illegible] اگر تازیانہ ہو

تم کو خیال قوم کبھی کیا نہ آئے گا   اک دن بہت یہ زور نقاہت ستائے گا
بڑھ جائے گا مرض تو دوا سے نہ جائے گا   دنیا ہے یہ جو کام کرے گا وہ پائے گا

تفتیش ظلم و جور نہ ہو یا سزا نہ ہو
چاہے جو دل سے قوم ہماری تو کیا نہ ہو

لندن میں چند صاحب ہمت بہم آئے ان کو نہیں ہے عزت و ناقی کی احتیاج
کیا قوم کی، وطن کی تمہیں کچھ نہیں ہے لاج اللہ کیسی رسم ہے کیسا ہے یہ رواج

جلسے ہوں شکوۂ ستم روزگار کے
یاروں یہ اعتبار ہے، کہہ دو پکار کے

ہوگی جو وفد و تاج سے اک روز گفتگو آئینہ بن کے واقعہ آئیگا روبرو
ہے اس کے دم سے شیخ و برہمن کی آبرو ہستیم ما بہ ہند و نظر ہا بہ سوئے او

دے داد و عدل جارج پنجم خدا کرے
احقر! اسی پہ چھوڑ دو جو فیصلہ کرے

جلیل قدوائی

اثر صاحب کی یاد

وہ شکلیں یاد سے جن کی جگر میں ہوک اٹھتی ہے
جلیل اس دہر میں پیدا نہ ہو گا اب جواب اُن کا!

اس مضمون کی اپنے مقطع سے ابتدا کرنے کی میرے پاس ایک معذرت ہے۔ ۱۹۵۱ء میں اپنے دوسرے مجموعہ کلام "نوائے سینہ تاب" کے مطبوعہ اجزاء کتاب کی اشاعت سے قبل بہ غرض اظہار رائے میں نے اثر صاحب کے پاس بھیجے تو انھوں نے اپنی رائے کے ساتھ [1] غزلیات سے متعلق چار صفحات پر مشتمل میرے بعض اشعار میں اپنی مجوزہ ترمیمات کی ایک فہرست بھی مجھے ارسال کی اور لکھا "ان پر غور کر لو۔ رد و قبول کا تمھیں اختیار ہے" دوسروں کے کلام میں خواہ بڑے سے بڑے شاعر کا ہو اگر ان کے نزدیک اس میں کوئی سقم یا کمزوری ہو وہ ترمیم پیش کرنے سے باز نہیں رہ سکتے تھے چاہے اس کی زد میں کسی کا سارے کا سارا دیوان ہی

---

[1] اثر صاحب کی رائے میں نے "نوائے سینہ تاب" کے گرد پوش پر بابائے اردو، نیاز فتحپوری اور بعض دیگر ارباب علم کی آراء کے ساتھ شامل کی تھی مگر ترمیمات میں سے کچھ قبول کیں کچھ رد کر دیں اگرچہ مجموعہ میں اشعار اپنی اصلی حالت ہی میں برقرار ہے اس لئے کہ صفحات طبع ہو چکے تھے۔ اب اگلے ایڈیشن ہی میں اگر اس کی نوبت آئی وہ اشعار تبدیل شدہ صورت میں چھپ سکیں گے۔ قبول کی ہوئی ترمیمات میں سے ایک مثال ملاحظہ ہو۔ میری پہلی ہی غزل کا مطلع ہے ؎

روز و شب حسن رخ یار پہ حیراں ہونا — ہے محبت میں یہی صاحب ایمان ہونا

اثر صاحب نے مصرعۂ اولیٰ میں ترمیم کی ؏

دیکھ کر حسن رخ یار کو حیراں ہونا

جو ترمیمات رد کر دی گئیں ان میں سے ایک مثال یہ ہے۔ میرا شعر تھا ؎

(باقی ۲۲ صفحہ پر)

کیوں نہ آجائے اور اس کام میں انھیں کتنا ہی زیادہ وقت عزیز کیوں نہ صرف کرنا پڑے۔ شاید اس روش کے وہی بانی تھے اور مختتم بھی۔ اپنے متعلقہ علم و فن سے کسی کو اتنا گہرا لگاؤ، اتنی شدید عقیدت اتنا والہانہ ربط تو ہو... خیر ان کی اس خصوصیت کا مفصل ذکر تو آگے آئے گا مجھے کہنا یہ تھا کہ ان ترمیمات کے علاوہ میرے بعض اشعار پر موصوف نے صاد بھی فرمایا اور یہ مقطع انھیں اشعار میں سے ہے۔ میں نے تو ایک معمولی سا شعر کہا تھا مگر آج ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے صاد فرماکر اثر صاحب نے اسے اپنے لوحِ مزار کے لئے پسند کر لیا تھا۔

غالباً ۱۹۲۷ء[1] میں اپنی طالب علمی کے ایام میں علی گڑھ سے کسی تعطیل میں اپنے سابق وطن اناؤ آیا تھا کہ رواں صاحب[1] کے ہاں یا ان کے ذریعہ اثر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ وہاں ڈپٹی کلکٹر ہو کر آئے تھے اور اگرچہ خان بہادر نواب مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی کہلاتے تھے مگر وہ زندگی بھر اپنے دوستوں سے بہ اصرار لفظ "نواب" کو ترک کرنے کی فرمائش کرتے رہے یہی وہ زمانہ تھا جب جگر بھی رواں کے ہاں مقیم تھے اور کبھی کبھی موخرالذکر نیز اثر صاحب ہر دو کے استاد لسان الہند مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی بھی اناؤ کھینچ بلائے جاتے تھے۔ ایک دو بار اصغر صاحب بھی گونڈہ سے اناؤ آئے اگرچہ جہاں تک مجھے یاد ہے عزیز صاحب اور ان کا ساتھ کبھی نہیں ہوا۔ جگر صاحب عزیز صاحب کے کچھ زیادہ قائل نہ تھے مگر رواں کے سبب ان کا مناسب احترام کرتے تھے ہم سب اثر صاحب کی کوٹھی پر جو شہر سے باہر ایک باغ سے ملحق اور ایک پختہ تالاب کے کنارے واقع تھی جمع ہوتے تھے اور ایک دوسرے کا کلام سنتے سناتے تھے۔ سچ پوچھئے تو اس جماعت میں عمر اور شاعری دونوں کے اعتبار سے میں سب سے چھوٹا تھا اگرچہ میری بعض مطبوعہ تنقیدیں اور میری علی گڑھ کی طالب علمی میرے لئے وجہ اعزاز ہو گئی تھیں۔ رواں صاحب وکیل کی حیثیت سے ڈپٹی کلکٹر اثر سے اور نسبتاً کم عمر نیز کاشتکار ہونے کی سبب شاعر اثر اور جگر دونوں سے مرعوب تھے۔ اس لئے شعر سنانے کا فریضہ دراصل جگر اور اثر ہی ادا کرتے تھے بلکہ شعر گوئی اور شعر خوانی چونکہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ سابق)

حسینانِ جہاں دیکھے ہیں میں نے　　ہیں سب ناکام نقلیں اس جوان کی

انھوں نے مصرعۂ ثانی تجویز کیا ع

کہاں بانکی ادائیں اس جواں کی

ایک اور کرم یہ فرمایا کہ میری غزل سے

اس بت کی کشیدگی نہ پوچھو　　آنکھوں کی رمیدگی نہ پوچھو

گلنار ہوئے ہیں جیب و دامن　　اشکوں کی چکیدگی نہ پوچھو　　وغیرہ

پر لکھا "ایک شعر ہو گیا۔ پسند ہو تو حاضر ہے" سے

ان آنکھوں کی جو کھنچی ہوئی ہے　　اس مے کی رسیدگی نہ پوچھو

[1] اس عطیۂ اثر کو بہ خوشی بلکہ بہ صد افتخار قبول کیا گیا۔

آثر صاحب کی کمزوری تھی ان کی موجودگی میں اور خصوصاً ان کے دولت کدہ پر شعر سنانے کے معاملہ میں کسی اور کا ان سے پیش پانا مشکل تھا حتیٰ کہ جگر بھی زیادہ تر سامع کا پارٹ ادا کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ فارغ ہو کر جگر صاحب کی شہرت ابھی کم و بیش مثالی تھی اور معاشی اعتبار سے خصوصاً شراب کے لئے وہ دوسروں کے دست نگر تھے۔

آثر صاحب کی قیام گاہ پر ان کی زبان سے شعر سننے سے بھی زیادہ دل پسند وہ ماحول ہوتا تھا جس میں شعر و شاعری کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ یوں سمجھئے کہ ہم تالاب کے کنارے ایک کشادہ پختہ چبوترہ پر یا ان کے مغربی طرز پر آراستہ گول کمرے میں بیٹھے ہیں۔ یہ حصہ اگرچہ زنان خانہ سے الگ تھلگ ہے مگر خاصدان پر خاصدان جن کے اندر گیریوں میں لگے، بھیگے ہوئے سرخ کپڑے میں لپٹے، خوشبو میں بسے پانوں کے بیڑے بند ہیں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے آ رہے ہیں۔ برقی قوام کی شیشی ساتھ رکھی ہے۔ پان بنانے کا فرض آثر صاحب کے ایک مصاحب خاص کے سپرد ہے جو اسے ملحقہ برآمدے میں سبزے اور پھولوں کی کیاریوں اور گملوں کے درمیان بان کی ایک کھری چارپائی پر بیٹھے انجام دے رہے ہیں۔ نفیس ترین پان کہ منہ میں رکھتے ہی گھلنے لگیں، باریک کتری ہوئی چھالیا، لطیف کتھے اور چونے کی آمیزش، الائچی دانے وغیرہ۔ حقہ دور میں ہے اس کی تمباکو کی مہک کمرے میں پھیلی ہوئی ہے۔ اِدھر اُدھر احباب ہیں اور صدر نشین کی حیثیت سے آثر صاحب اپنی بیاض کھولے سنہری کمانیوں کا چشمہ لگائے اپنی قدرتی مسکراہٹ کے ساتھ دھیمی آواز اور تحت اللفظ انداز میں قدرے دانت بھینچ کر یا چبا چبا کر سامعین سے زیادہ گویا خود اپنے کو شعر سنا رہے ہیں اور سنائے چلے جا رہے ہیں۔ وہ داد کے طالب ضرور ہوتے تھے مگر یہ ضروری نہ تھا کہ داد نہ ملنے سے ان کی دل شکنی ہو۔ صبر کے ساتھ سنے جانا ہی ان کے لئے بڑی داد تھی۔

آثر صاحب باہر اعلیٰ درجے کے سوٹ پہنتے تھے اور گھر پر بھی کبھی کبھی پورے انگریزی لباس میں ملتے تھے مگر عموماً سفید براق ململ کے کرتے اور ڈھیلے پاجامے میں ہوتے تھے۔ شعر کہنا اور شعر سنانا ان کے خمیر میں تھا۔ کثرت سے کہتے تھے اور فرصت ہی کے اوقات میں نہیں، دوران مقدمہ، برسر اجلاس، اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے ساتھ شعر بھی کہتے رہتے تھے۔ بارہا مقدمات کی مسلوں یا فریقین مقدمہ کے بیانات میں ان کے کہے ہوئے اشعار کے پرچے ملے یا خود سرکاری تحریروں کے صفحات پر ان کا کلام مندرج پایا گیا۔ جو بعد میں اہلکاران متعلقہ نے ان تک پہنچا دیا۔ کچہری جانے سے پہلے یا وہاں سے واپسی پر ہم میں سے کسی کے ہاں اپنا تازہ ترین کلام سنانے تشریف لے آتے۔ ایک بار میں بیماری کے باعث یونیورسٹی سے گھر آیا ہوا تھا۔ دیکھا کہ دوپہر کے وقت چلے آ رہے ہیں۔ میں نے کہا یہ تو کچہری کا وقت ہے۔ فرمایا "ہٹو اور پولیس کے معائنے کا دن تھا ان کے جلد ہونے میں دیر تھی میں نے کہا چلیں جلیل کو بدلت کی کہی ہوئی غزل سنا آؤں"۔

انہیں دنوں ان کا پہلا مجموعۂ کلام "آثرستان" شائع ہوا جو انہوں نے مجھے بغرض تبصرہ عنایت کیا۔ مجھے نہیں معلوم مجھ سے ان کی کیا توقعات تھیں۔ مگر میں نے رسالہ "ناظر" لکھنؤ میں اس پر سخت تنقید کی[۱]۔ شاید یہ کہنا زیادہ صحیح

[۱] یہ مضمون میرے مجموعہ "تنقیدیں اور خاکے" میں شامل ہے۔

ہوکر ان کی شاعری کی تحسین میں بھی لکھا مگر ان کے قدیم کلام یعنی میت، جنازہ، گورِ غریباں، ڈوبتی ہوئی نبضیں، پتھرائی
آنکھیں وغیرہ جیسے خیالات کے بارے میں جن سے وہ اس وقت تک قطعاً آزاد نہ ہوسکے تھے انھیں سختی سے ٹوکا اور انھیں توجہ
دلائی کہ ایسے اشعار مجموعے سے خارج کردینا مناسب تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ میری اس جسارت پر وہ مجھ سے ناخوش نہیں ہوئے
اگرچہ اپنی صفائی میں کئی ملاقاتوں میں برابر کچھ نہ کچھ کہا۔ مثلاً یہ کہ جو اشعار مجھے ناپسند ہیں ان کے کئی دوسرے احباب نے
ان میں سے بعض کو بہت پسند کیا۔ یا یہ کہ شاعر انسان ہوتا ہے اور اسے اپنی زندگی کے جملہ تجربات رقم کرنے کی آزادی ہونی
چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔ مگر عرصے کے بعد جب انھوں نے اپنا کلیات "بہاراں" کے نام سے شائع کیا تو اس میں "اثرستان"
کا انتخاب شامل کیا جس میں سے قابل اعتراض اشعار حذف کردیے۔

وہ تو ناخوش نہیں ہوئے اور نہ ہمارے تعلقات میں کسی قسم کا فرق آیا مگر میرے والد صاحب اور ایک قریبی عزیز
مجھ پر برہم ہوئے اور میرے پیچھے پڑ گئے کہ میں نے چھوٹا ہوکر ایک بزرگ کی توہین کی ہے اس لئے ان سے معذرت طلب
کروں۔ انھیں عزیز سے مجھے معلوم ہوا کہ اثر صاحب کی ابتدائی ملازمت کی تربیتی میعاد کے دوران میرے والد صاحب نے
انھیں کام سکھایا تھا، اس کی تائید بعد میں والد صاحب اور اثر صاحب دونوں نے کی مگر مجھ پر اس دلیل کا کوئی اثر نہ ہوا اور میں
نے معذرت نہیں چاہی۔ اثر صاحب نے عرصۂ دراز کے بعد مجھ سے اس کا بدلہ یوں لیا کہ میرے پہلے مجموعۂ کلام "نقش و نگار" پر ہندستانی
اکیڈمی الہ آباد کے ترجمان رسالے "ہندستانی" میں ایک مفصل مضمون تحریر فرمایا جس میں میرے کلام کی تحسین کے سوا کچھ نہ تھا اور
اس میں ایسی ایسی نزاکتیں پیدا کیں اشعار کے ایسے ایسے معنی نکالے کہ شاید ... اس کی وجہ یہ بتائی کہ "ہم لوگوں میں دوست کے بیٹے
کو دوست نہیں کہتے بلکہ مثل اولاد کے سمجھتے ہیں... اور چھوٹوں پر بھری محفل میں نکتہ چینی کچھ عجیب سی بات ہوگی لہذا اس مضمون میں آپ جلیل
کی قوتِ فکر و لطافتِ خیال کی تعریف ہی پائیں گے"[1]

تنقید کے معاملے میں اثر صاحب کا رویہ عموماً بے لاگ ہوتا تھا۔ انھیں قدما کے علاوہ میر اور غالب سے خاص طور پر
فیض پہنچا تھا۔ اور اول الذکر سے تو غلو تھا۔ ان کے استاد حضرت عزیز خود ان ہر دو اساتذہ کے پرستار اور لکھنوی شاعری
میں انقلاب پیدا کرنے والوں میں سے تھے۔ اثر صاحب کا انگریزی ادب عالیہ کا مطالعہ بھی وسیع تھا خصوصاً رابرٹ برنس
اور کیٹس کی آتش نفسی کے بے حد قائل تھے۔

... زبان، بیان، محاورہ اور روزمرہ کے علاوہ تخیل، ... ، فلسفۂ حسن و عشق اور حقائق زندگی پر بھی ان
کی نظر رہتی تھی۔ خود ان کی شاعری روایتی لکھنوی رنگ کی حد تک ... ۔ وہ اپنی ذات سے وسیع النظر تھے، اور اپنے معاصر
شعرا کے کلام میں جدت اور ترقی کی دل کھول کر داد دیتے تھے جب اصغر صاحب کا پہلا مجموعہ "نشاطِ روح" شائع ہوا تو

---

[1] ملاحظہ ہو "اثر کے تنقیدی مضامین"

انھوں نے ان کے کلام کی بڑی داد دی ۔ اصغر صاحب کے شعر ؎

میں ہوں ازل سے گرم روِ عرصۂ وجود
میرا ہی کچھ غبار ہے دنیا کہیں جسے

کی بابت لکھنؤ میں وصل بلگرامی مرحوم کے ہاں ایک محفل میں انھوں نے بڑے جوش کے ساتھ اصغر صاحب سے کہہ دیا کہ "آپ نے غالب کو اس کی اپنی ہی زمین میں شکست دی ہے" ساتھ ہی وصل کے رسالے "مرقع" میں نشاط روح" پر ایک زبردست تحسینی مقالہ تحریر کیا ۔ جس میں ان کی بلاغت کی خوب خوب داد دی اور ان کے اشعار کی تشریح میں قلم توڑ دیا ۔ اس سے اصغر صاحب کے کلام کی خوبیوں کے علاوہ اثر صاحب کی اعلیٰ شعر فہمی بلکہ سخن سنجی کا ثبوت بھی بہم پہنچتا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ داد کا یہ بھرپور انداز ان کے استاد کو پسند نہ آیا جن کے اشارے پر بعد میں "مرقع" ہی میں اثر صاحب نے اصغر صاحب کی شاعری کی دھجیاں بکھیر دیں ۔

اگر میں غلطی نہیں کرتا تو اردو میں اس بدعت کی ابتدا جسے نیاز صاحب نے بھی اپنایا اثر صاحب ہی نے کی تھی کہ تنقید کے سلسلے میں شعر کی اصلاح بھی تجویز کی جائے ۔ بلکہ شاعر اپنا سارا اصل کلام دریا برد کر کے تنقید نگار کی طرف سے بہم پہنچایا ہوا اصلاح شدہ کلام قبول کر لے ۔ اصغر صاحب کے کلام پر اپنے دوسرے مضمون میں اثر صاحب نے یہی انداز اختیار کیا تھا ۔ اور ان کے بے شمار اشعار پر اصلاحیں تجویز کی تھیں ۔ بہرحال داد ہو یا بے داد، از خود ہو یا کسی کے اشارے پر، یہ ماننا پڑتا ہے کہ شعر کے حسن و قبح کے تمام پہلوؤں پر ان کی انتہائی غائر نظر رہتی تھی اور ایسے ایسے انداز سے تنقید کرتے تھے، اتنے مختلف پہلوؤں سے شعر پر کھتے تھے، اور اس قدر تفصیل اور تشریح میں جاتے تھے کہ خود شاعر اپنے اشعار کے بارے میں اپنا ذہن ان پہلوؤں کی طرف منتقل نہ کر سکتا تھا ۔

بہ حالات ان کے اناؤ کے دوران قیام کے ہیں اس زمانے میں بارہا ودہ میں رودَاں اور جگر کانپور کے مشاعروں میں ان کے ساتھ شریک ہوئے اور ایک ہی طرح پر غزلیں کہیں اور پڑھیں وہ کانپور میونسپل کمیٹی کے اگزکٹو افسر رہ چکے تھے ۔ اس کے بعد ان کا تبادلہ بہ حیثیت ڈپٹی کمشنر لکھیم پور کھیری (یوپی) کا ہو گیا، مجھ سے ان کے خلوص اور شاعرانہ مودت کا یہ ادنیٰ ثبوت ہے کہ اسی زمانے میں میں نے انھیں علی گڑھ کے ایک مشاعرے میں شرکت کی دعوت بھجوائی اور خود بھی خط لکھا ۔ اول تو کھیری علی گڑھ سے سینکڑوں میل دور، پھر جاڑے کا موسم، اور وہ صدر مقام سے بہت دور کسی دیہات میں دورے کے سلسلے میں پڑاؤ ڈالے پڑے تھے مگر میرا خط پا کر اور ہزار جتن کر کے علی گڑھ چلے ہی تو آئے ۔ مشاعرے میں شریک ہوئے ۔ میرے ہاں ٹھہرے اور کئی دن مختلف جگہوں پر شعر و شاعری کی نشستیں رہیں اور ان کی وہاں بڑی عزت و توقیر ہوئی، پھر جب وہ کشمیر میں وزیر ہو کر چلے گئے تھے تو وہاں مجھے بلایا مگر میں نہ جا سکا ۔ سالہا سال بعد غالباً ۱۹۵۴ء میں کراچی میں منعقدہ ایک ہند و پاکستان مشاعرے میں جس کی صدارت نیاز صاحب نے لکھنؤ سے آ کر کی تھی اور جس میں جوش اور فراق بھی ہندوستان سے آ کر شریک ہوئے تھے ۔

آثر صاحب سے ملاقات ہوئی - بے انتہا بدل گئے تھے - موٹے کبھی نہ تھے ، اب اور دبلے ہو گئے تھے ، چہرہ ستا گیا تھا - گالوں میں گڑھے پڑ گئے تھے مگر مسکراہٹ کی ادا وہی تھی - چہرے پر حسن تھا نہ رعب ' عمر کا تقاضا تھا - سوٹ کے بجائے شیروانی اور گاندھی کیپ میں انھیں میں نے پہلی بار دیکھا ، طبیعت مرجھا گئی - مگر وہ جس گرم جوشی سے بغل گیر ہوئے ، اُس نے پرانی یادیں تازہ کر دیں - سابق سے کہیں زیادہ محبت اور خلوص سے ملے - میرے اور بیوی بچوں نیز دیگر اہل خاندان کے حالات دریافت کرتے رہے - دیر تک ساتھ رہا مگر مشاعرے سے باہر کوئی ملاقات نہ ہو سکی - افسوس اس کے بعد انھیں دیکھنا نصیب نہ ہوا - چند دن ہوئے کہ اچانک اُن کی وفات کی خبر ملی - اپنی دلگیری کا عالم بیان نہیں کر سکتا اور اُس زمانہ کا میرا بیان [illegible] کیسے بتاؤں -

جہاں تک آثر صاحب کی شاعری کا تعلق ہے ، جب میری اور ان کی ملاقات کی ابتدا ہوئی ، اُن کی شعر گوئی پر خاصا عرصہ گزر چکا تھا اگرچہ انھوں نے کوئی غیر معمولی مقام حاصل نہیں کیا تھا - اُس کے بعد سے اب تک چالیس سال سے زائد کی مدت میں انھوں نے نہ جانے کتنا اور کیا کچھ کہا - اور طبع کرانے پر کبھی نہ جانے کیا کیا اور کتنا کلام غیر مطبوعہ رہا - اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے مسلسل مشقِ سخن سے اپنے استاد سے کہیں زیادہ نام پیدا کیا تھا - اور موجودہ زمانے میں اُن کا شمار غزل کے اساتذہ میں ہوتا تھا انگریزی سے اردو منظوم ترجمہ کرنے میں بھی انھوں نے بڑی مہارت حاصل کر لی تھی حالانکہ زبان سے واقف نہ تھے مگر نذر الاسلام کے اردو نثری ترجموں کو سامنے رکھ کر بعض پوری کے منظوم ترجمے کئے تھے -

میرے پاس موصوف کے بہت سے خطوط تھے اُن میں سے کچھ خطوط زمانہ گزر گیا صفدر مرزا پوری کو اُن کے مجموعے کے سلسلے میں دے دیئے تھے - ان کی وفات کے بعد کہاں گئے ، کچھ نہیں معلوم - پاکستان میں میرے نام آئے ہوئے اُن کے بہت سے خطوط میں سے کچھ " ماہِ نو " کے دفتر میں رہ گئے جب میں اس رسالے کا نگراں تھا چند جو دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ سکے ، اس مضمون کے آخر میں شامل کئے جاتے ہیں - ان میں سے بعض سے میرے بیانات کی تائید ہو گی اور ان کے کلام و تحریرات کی کچھ تفصیلات معلوم ہو سکیں گی - اس وقت میری زبان پر اُن کے یہ چند اشعار بار بار آ رہے ہیں جنھیں اثر صاحب سے ابتدائی ملاقات کے بعد سے آج تک نہیں بھولا ہوں اور جنھیں انھیں کے نہیں ، اردو شاعری کے معجزات میں سمجھتا ہوں ؎

تیرے شہر کا نام جس نے لیا　　میں سمجھا کہ خط کا جواب آ گیا

مسجدوں اور خانقاہوں کا تماشا دیکھ کر　　میں پھرا دل کی طرف شکرِ خدا کرتا ہوا

سنتے ہیں حشر میں ہوگا ترا دیدار نصیب　　ہائے کیا لطف ہو اُس دن کی اگر رات کبھی ہو

رہیں تر زبان نعمت صہبا میں شیخ عصر　　یہ تلخ تجربے انھیں آخر کہاں کے ہیں

تمھیں ہو رونقِ گلشن تمھیں ہو رنگِ بہار　　مگر کسی کو تمھارا گماں نہیں ہوتا

وہ پھول اوس میں ڈوبے ہوئے دمِ صبحِ بہار　　کہ جیسے جام میں صہبائے ناب جوش پہ ہے

ایسے باکمال منجھے ہوئے کا دنیا سے اٹھ جانا اردو زبان و ادب کا زبردست سانحہ ہے - ہر اہم شخصیت کی وفات پر یہ کہا جاتا

ہے کہ اس کا نعم البدل ملنا مشکل ہوگا - میرا خیال ہے اپنے گوناگوں اوصاف کے سبب آثر صاحب نے اردو غزل کی محفل میں جو جگہ خالی کی ہے اس کا پُر ہونا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے - انھوں نے کوئی شاگرد بھی نہیں چھوڑا ہے اس لئے اس شاخ سے کوئی دوسری شمع روشن نہیں ہوگی۔

(۱)

کشمیری محلہ - لکھنؤ

۱۳ر جولائی ۱۹۵۰ء

عزیزی خلیل قدوائی

تمھارا ایک خط مدت کے بعد ملا - معلوم ہوا کہ ایک دولت مل گئی - تمھارے خط میں ۳۰ر جون تاریخ پڑی ہوئی ہے مگر مجھے دو دن ادھر ملا - تصویر ڈھونڈتا رہا - افسوس کوئی کاپی موجود نہیں - حال ہی میں اپنے بعض تنقیدی مضامین کا مجموعہ جہان بین کے نام سے شائع کیا ہے - ناشرین کو ہدایت کرتا ہوں کہ ایک کاپی تمھارے نام روانہ کردیں -

رزم ردولوی کا ایک خط میرے پاس آیا تھا کہ کراچی میں ایک عظیم الشان مشاعرہ ہونے والا ہے اور یہ کام ان کے سپرد کیا گیا ہے کہ مجھے شرکت پر رضامند کریں - خط اس قدر مبہم اور عجیب تھا کہ میں نے معذوری کا اظہار کیا - تمھارا خط ملنے سے دل کلبلاتا ہے کہ اسی بہانے سے مرنے سے پیشتر تمھیں دیکھ لوں - اگر مفصل حالات دریافت کرکے لکھو اور یہ کہ پرمٹ وغیرہ کا کیا انتظام ہوگا - ہوائی جہاز میں PASSAGE بک کرانے کا کیا انتظام ہوگا - راستہ کون اختیار کرنا پڑے گا تو سفر کی نیت کروں - بچوں کو اور اپنی بیگم صاحبہ کو ہماری دعا -

خیر طلب آثر

(۲)

کشمیری محلہ - لکھنؤ

۲۷ر جولائی ۵۰ء

پیارے خلیل قدوائی دعا

۲۰ر جولائی کا تحریر کردہ خط ملا - میری تصنیفات کی ایک طویل فہرست ہے - کتنی ہی طبع ہوچکی ہیں اور کتنی ہی باقی ہیں - لیکن افسوس کہ اکثر خود میرے پاس موجود نہیں - دو کتابیں بہاراں دیوان اور لالہ و گل، مجموعہ رباعیات و قطعات موجود تھیں - ان کی روانگی کا انتظام دانش محل کتاب گھر کی معرفت کیا ہے - امید ہے کہ جلد ہی وصول ہوں -

میرا کوئی فوٹو بھی میرے پاس نہیں اور ۷۷ برس کی عمر میں تصویر کھنچواتے گھن آتی ہے -

۱ر اگست کو دہلی اسٹیشن سے ایک مشاعرہ نشر ہوگا - میرا بھی ارادہ شرکت کا ہے - موقع ملے تو سننا - غالباً دس بجے شب سے براڈکاسٹ شروع ہو - اپنی بعض مطبوعات کے نام لکھتا ہوں ممکن ہے کہ ان میں سے بعض لاہور میں مل جائیں -

۱- رنگ بست (منظوم تراجم) اردو اکیڈمی لاہور -

۲۔ مرزا میر (انتخاب کلام میر) کتابی دنیا دہلی۔
۳۔ ہلاک فریب (ڈرامہ) . . . .
۴۔ نغمۂ جاوید (گیتا کا منظوم ترجمہ) راج محل پبلشرز جموں کشمیر
۵۔ اثر کے تنقیدی مضامین ۔ نظامی پریس بدایوں

دعاگو ۔ اثر

(۳)

کشمیری محلہ ۔ لکھنؤ
۲۰ر اگست ۶۰ء

پیارے جلیل قدوائی

تمھارا ۱۰ر اگست کا مرقومہ خط کل شام کو ملا ..... لکھنؤ والوں پر کچھ ایسا انحطاط چھایا ہوا ہے کہ حضرت صفی مرحوم کے حالات وہ لوگ بھی جو ان سے بخوبی واقف تھے مہیا کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں یا کاہلی برتتے ہیں۔ مجھے ان کی خدمت میں حاضری کے بہت کم مواقع ملے ۔ چاہتا ہوں مضمون لکھنے کے لئے کافی مواد فراہم ہو جائے تو قلم اٹھاؤں ۔

تمھاری محبت اور اثر نوازی کا کہاں تک شکریہ ادا کروں ..... سیتا پور کے ایک نہایت شریف اور باوقار خاندان سے تعلق رکھتا ہے ۔ خود بھی ہونہار معلوم ہوتا ہے ۔ میرے ایما پر تم سے ملا تھا اور جس خلوص و محبت سے تم اس سے پیش آئے کہ میں اس کی فلاح و بہبودی کا خواہش مند ہوں اس کے لئے نہ صرف وہ بلکہ میں بھی احسان مند ہوں ۔

غیر زبانوں کے تراجم کا ایک اور مجموعہ تیار ہے .... اور نہ جانے کتنے تراجم شامل ہیں ۔ مگر کون چھپوائے ۔ نہ معلوم کتنے غیر مطبوعہ تنقیدی مضامین اکٹھا ہو گئے ہیں ۔ کتنے جو مختلف رسائل میں چھپے تھے وہ ملتے نہیں اور نقلیں میرے پاس موجود نہیں ۔ تیسرا دیوان مکمل ہے ۔ کتنے ہی قصائد ہیں ۔ سلام ہیں ۔ نوحے ہیں ۔ ایک مرثیہ بھی ہے غزلوں کے علاوہ سوا سو نظمیں ہیں لڑکیوں کو وصیت کر جاؤں گا کہ میرے مرنے کے بعد یہ سب تمھارے سپرد کر دیں ۔ ممکن ہے کہ یونہی محفوظ ہو جائیں ۔ کلام اس قابل نہیں مگر شاید تاریخی حیثیت سے کارآمد ہو ۔

دعاگو ۔ اثر

(۴)

کشمیری محلہ ۔ لکھنؤ
۱۰ر ستمبر ۶۰ء

عزیزی جلیل قدوائی

"نورِ سینہ تاب" کا ایک نسخہ ملا ۔ حسب فرمائش ایک مختصر نوٹ لکھ دیا ہے ۔ علاوہ بعض تجویزیں بمقتضائے محبت ہیں

ان پر غور کر لو - رد و قبول کا تمہیں اختیار ہے -

- "ماہِ نو" کا جشنِ استقلال نمبر بھی ملا - سرسری نظر ڈالی - ہر لحاظ سے خوب ہے -

اپنی بیگم اور بچوں کو میری دعا کہو -

خیر طلب - اثر

(۵)

کشمیری محلہ - لکھنؤ

۸ نومبر [illegible]

عزیزی جلیل قدوائی دعا

صفحی پر ایک نظم اور چند غزلیں بھیج رہا ہوں تاکہ جب چاہو "ماہِ نو" میں چھاپو -

جو رسالے رجسٹری کر کے بھیجے جاتے ہیں وہ مل جاتے ہیں - رجسٹری کے مصارف اگر ضوابط کی بنا پر محکمے کو برداشت نہ کرنا چاہیئے تو میرے ذمے رکھو - میں نے محکمۂ پوسٹ آفس کو شکایت کا خط لکھ دیا ہے، دیکھئے کیا نتیجہ ہوتا ہے -

کیپٹن طباطبائی[1] نے مکان بدل دیا ہے اور اب ان کا پتہ:

۲۲۷ کاف روڈ، راولپنڈی

ہے - باقی حالات بدستور ہیں -

دعاگو - اثر

(۶)

کشمیری محلہ - لکھنؤ

۱۱ جون [illegible]

عزیزی جلیل قدوائی

خط ملا - یاد آوری کا شکریہ -

ارے بھائی میں بہت بیمار اور موت کا منتظر رہتا ہوں - کلام اتنا جمع ہو گیا ہے کہ اس کا انتخاب کرنا اور کتابی صورت میں اشاعت کے لئے ترتیب دینا میری طاقت سے باہر ہے -

"نقش و نگار" کا ایک نسخہ میرے پاس تھا ضرور اور خیال ہوتا ہے کہ "ہندستانی" میں میرا تحریر کردہ تبصرہ بھی شائع ہوا تھا - ڈھونڈوں گا - اگر مل گیا تو حسبِ حکم تعمیل کروں گا - مگر اب "[illegible] پہلا اثر نہیں ہے"

بچوں کو دعا -

خیر طلب - اثر

---

[1] اثر صاحب کے داماد

(۷)

کشمیری محلہ ۔ لکھنؤ
یکم جولائی ۱۹۶۱ء

پیارے جلیل قدوائی

تمھارا خط ملا۔ دل باغ باغ ہو گیا بھلا میں تم کو بھول سکتا ہوں ۔ اگرچہ ۸۰ برس کے قریب عمر ہوئی اور قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں مگر ان دنوں کی صحبتیں آنکھوں میں پھرتی ہیں ۔ جب تم علی گڑھ میں تھے اور مجھے بلایا تھا اور میں نہ معلوم کتنی مصیبت جھیل کے پہنچا تھا ۔ حافظہ جواب دے چکا ہے مگر وہ باتیں اب تک یاد ہیں ۔ اگر میری اولاد نرینہ ہوتی تو شاید اُس سے اتنی ہی محبت کرتا جتنی تم سے ہے ۔ میں نے نہ معلوم کتنا لکھا اور کیا کیا لکھا ۔ غیر مطبوعہ مضامین تو ایک طرف رہے بعض مطبوعہ کتابوں کے نسخے بھی میرے پاس نہیں ۔ تم نے اپنے جن مطبوعات کا ذکر کیا ہے یاد نہیں پڑتا کہ میری نظر سے گزرے ہوں ۔

دو اشخاص میرے وہ مضامین اکٹھا کر رہے ہیں جو اب تک مختلف رسالوں میں نکلے مگر کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئے ہیں ۔ جو کچھ میرے پاس تھے وہ بھی لے گئے ۔ پھر بھی ڈھونڈنے سے شاید کچھ مل جائیں ۔ اگر کامیابی ہوئی تو بھیج دوں گا ۔ انشاء اللہ خدا تمھیں سلامت رکھے اور خوش رہو آباد رہو ۔

تمھارا شیدا ۔ اثر

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار

افادات اکبر

سنہ ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم فرمانروائے سلطنت برطانیہ کا جشنِ تاج پوشی منایا گیا۔ برعظیم بھارت و پاکستان میں بھی شاندار تقریبات منعقد ہوئیں۔ اخبارات نے اپنے خاص نمبر نکالے۔ ہفتہ وار زمیندار نے بھی (جو ابھی روزنامہ نہیں ہوا تھا) ۲۴ جون ۱۹۱۱ء کو اپنا کارونیشن نمبر نکالا۔ اس نمبر میں دیگر ادبا و شعرا کی نگارشات کے علاوہ اکبر الٰہ آبادی کی ایک رباعی بھی شامل ہے۔ (اور اس رباعی کے ساتھ (ظفر علی خان کے نام) ایک طویل خط ہے جس میں دو فارسی کے اور ایک اردو کا شعر ہے۔ اکبر کی یہ رباعی ان کے کلیات حصہ دوم، صفحہ ۸۷ پر ہے۔ دوسرے اشعار اور یہ خط ان کے کسی مجموعے میں شامل نہیں۔ یہ خط اس رباعی کے پس منظر کے علاوہ اکبر کے ذہن و فکر کے بعض زاویوں پر بھی روشنی ڈالتا ہے اس لئے بہت اہم ہے۔ خط درج ذیل ہے:

"از الٰہ آباد۔ ۱۶ جون ۱۹۱۱ء

جناب من! آج چھٹا مسہّل ہے۔ سخت ناتواں ہو گیا ہوں۔ شدید تکلیف اٹھائی ہے۔ دنیا سے دل بالکل سرد ہے۔ رزق بالاحتیاج مل رہا ہے۔ کسب معاش پر مجبور ہوتا تو کچھ کام کرنے کی شاید ضرورت ہوتی۔ اوضاعِ زمانہ خلافِ طبیعت ہیں۔ تنہائی نعمت ہے۔ ایسے یار جو مطلبی ہوں اور صرف سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کے ورد کو مقصودِ زندگانی اور حظِ زندگانی سمجھیں، ناپید ہو گئے۔ آپ کہاں سے سپٹ کی فکر میں مصروف ہیں۔

ہمارے شاہ صاحب سے کبھی اگلا رنگ خارج ہے
کبھی تھا اللہ ہی اللہ اب کالج ہی کالج ہے

دنیا کا یہی رنگ رہا ہے۔ خدا سب کو خوش رکھے۔ ہمارے ساتھ فلک نے نوکری سرسید کے ساتھ وفادار رہا۔

حضرت جارج خوش رہیں۔ لیکن ہمیں کیا۔ ہم تو دنیا سے آمادۂ سفر بیٹھے ہیں۔ خدا کو نہ دیکھا نہ اس کا قرب نصیب ہے۔ لیکن حمد کرنے سے جنت کی امید ہے۔ حضرت جارج کو بھی نہ دیکھا نہ قرب نصیب۔ لیکن قصیدہ خوانی پر جنت مشروط نہیں اور دنیاوی فائدے کی نا امید ہے نہ استحقاق۔ عیسائی ہو جائیں جب بھی واغ نیٹوئیت نہیں جاتا۔ پھر کیا دل ابھرے زمینداری نہیں۔ ملک و مال نہیں۔ لگاوٹ کی ضرورت کیا اور کریں بھی تو اس کا نوٹس کون لیتا ہے۔ یہی کافی ہے کہ ہم گورنمنٹ کے بدخواہ نہیں ہیں بلکہ خیر طلب ہیں۔ کوئی بھلا آدمی جس کے دماغ میں ذرا بھی عقل ہو۔ گورنمنٹ کا بدخواہ نہیں ہو سکتا۔

مشاعرے کی طرح ہوتی ہے تو نوخیز شاعروں کو طرح پر غزل کہنے کا ولولہ ہوتا ہے۔ قافیہ بندی ہو جائے، مطلب حاصل ہے۔ یہ مقصود شاعری کی بحث سے کیا مطلب۔ یہی حال آج کل ہو رہا ہے۔ دو طرحیں موجود ہیں۔ یونیورسٹی[1] اور کاروبار نیشن۔ غزلیں ہو رہی ہیں لیکن

چو بادِ صبا بر گلستان وزد
چمیدن درختِ جواں را سزد

خصوصاً ایسی حالت میں کہ قوم مبتلا ہو رہی ہے۔

شکل مذہب را کہ می سازند تحسیں میکنم
معنی دیں را کہ می سوزند خلق آگاہ نیست

میں بستر پر پڑا ہوا بمشکل یہ نیاز نامہ لکھ رہا ہوں۔ آپ کا خط پڑھ کر چاہا کہ اگر کچھ کہہ سکوں تو لکھوں، لیکن میں کوئی مشین نہیں ہوں۔ بھوپال سے خط آیا کہ سرکار نے یاد فرمایا۔ آپ کے اشعار پڑھ کر داد دی۔ ۲۵ جلدیں خرید بھی فرمائیں۔ فوراً آیئے۔ انعام کی امید ہے یہ ایک دوست کی مہربانی تھی۔ میری خواہش ہرگز نہ تھی۔

میں نے لکھا کہ اگر اس کام کو اور اس طرح میں آؤں تو جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ حبوط کہلائے۔ صبر اور استقلال اور سلامت وحکمت اور اسی قسم کے اخلاق اشعار کا کیا اثر ہوگا

---

[1] اس زمانہ میں مسلم یونیورسٹی کے قیام کا مسئلہ مسلمانان ہند کے پیش نظر تھا اور اس سلسلے میں چندے کی (؟) کے علاوہ اس کی حیثیت و تشکیل مسلمان اکابر کا موضوع بحث تھی۔

میں بھی ایک لٹریری خوش فکر والا سمجھا جاؤں گا۔ میں نہیں کہتا کہ درحقیقت میں کوئی بڑا فلاسفر یا ولی ہوں، استغفر اللہ، سخت گنہگار ہوں۔ اصل یہ ہے کہ بدن میں خون نہیں ہے۔ نشاط طبع نہیں ہے۔ سوائے اس کے میرے باپ ایک صوفی فلاسفر تھے۔ سقراط منش تھے۔ کچھ وہ اثر بھی ہے۔

ہاں شاعرانہ انوکھی ترکیب ذہن میں آئے تو کہیں بند نہیں ہوں، اگر آپ کو پسند آئے تو یہ رباعی حاضر ہے:

مفقود ہے گو کہ آج "یارو نیشن"	"قوم"
صد شکر ہوا ظہور "کارونیشن"	"تاجپوشی"
مانگو خالق سے حضرت جارج کی خیر	
تم بھی ہو جاؤ گے "ڈکارونیشن"	"[illegible]"

(اکبر)

اس مکتوب اور اشعار کے علاوہ اکبر الہ آبادی کے چند اور اشعار بھی بطور تبرک کے پیش کئے جاتے ہیں یہ اشعار بھی ان کے کسی مجموعۂ کلام میں راقم کی نظر سے نہیں گزرے۔ یہ اشعار اس زمانے کے ہیں جب پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴، ۱۹۱۸ء) ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ طرابلس کی جنگ (۱۹۱۱ء) کے بعد یورش بلقان (۱۹۱۲ء) نے عثمانی ترکوں میں ہیجان اور ہندوستانی مسلمانوں میں ایک کہرام برپا کر دیا تھا۔ اہل یورپ اس جنگ دجدل میں گہری دلچسپی لے رہی تھیں۔ ریاست ہائے بلقان کی افواج متحدہ کی یورش ادرنہ (ایڈریانوپل) پر قبضے سے یورپ کی سبھی سلطنتیں جوش مسرت سے بیتاب ہو گئیں۔ مسٹر ایسکوئتھ (وزیر اعظم برطانیہ) نے شاہ یونان کو

ل حسن اتفاق دیکھئے۔ اسی قسم کا ایک واقعہ اقبال کو بھی پیش آیا۔ یوم اقبال کے موقع پر نظام حیدرآباد (دکن) کے توشہ خانے سے اقبال کے لئے ایک ہزار روپے کا چیک بطور تواضع بھیجا گیا تھا۔ اقبال نے یہ چیک واپس کر دیا اور ذیل کا قطعہ سر اکبر حیدری (وزیر اعظم حیدرآباد) کے نام لکھا:

تھا یہ اللہ کا فرماں کہ شکوہ پرویز	دو قلندر کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات
مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشاہی کر	حسن تدبیر سے دے آنی و فانی کو ثبات
میں تو اس بار امانت کو اٹھاتا سر دوش	کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند نبات
غیرت فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول	جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات

(ارمغان حجاز)

مبارک باد کا پیغام بھیجا اور اس جنگ کو صلیب و ہلال کی آویزش قرار دیتے ہوئے قسطنطنیہ کی فتح کا مژدہ فرط سنایا لیکن ترکانِ احرار کے مجاہدانہ جوابی حملے نے صلیبیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور ریاست ہائے بلقان کی فوجیں نہایت سراسیمگی کے ساتھ ادرنہ خالی کرکے بھاگیں۔ اس کے بعد دول یورپ نے اپنے روایتی انداز میں صلح کا کھڑاگ کھڑا کیا، اور فاتح ترکوں کو پیش قدمی روک کر صلح پر مجبور کیا جانے لگا۔

اس زمانے کی عثمانی سیاست کے سلسلے میں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید ثانی بتیس سال تک حکومت کرنے کے بعد ۲۷ اپریل ۱۹۰۹ء کو ترکانِ احرار کے ہاتھوں معزول ہوئے تھے اور ان کے بعد سلطان محمد خامس کا عہد حکومت تھا جس میں اقتدار ترکانِ احرار کے قبضے میں تھا اور بطلِ حریت انور بے (بعد میں انور پاشا) وزیر حرب تھے۔

اس مختصر پس منظر کے ساتھ اکبر الہ آبادی کے مندرجہ ذیل اشعار (بحوالہ روزنامہ "زمیندار" ۲ فروری ۱۹۱۳ء) پیش کئے جاتے ہیں:

کمیٹی میں نہایت سچ کہا کل شیخ چھیدی نے
کہ ٹرکی کو خرابی میں پھنسایا گھر کے بھیدی نے
جناب حضرت عبدالحمید اک مرد عاقل تھے
کب اُن کے عہد میں اغیار یوں صحبت میں داخل تھے
وہی تلوار ہے لیکن کہاں وہ رعب باقی ہے
وہی ہے جام دھے لیکن کہاں بالکا وہ ساقی ہے

اگرچہ سخت ہے دھمکی شدید ہیں حربے
نہیں ابھی صلح پہ راضی جناب انور بے
اگرچہ شیر پہ بڑھتے ہیں ہر طرف سے تنے
مگر وہ خوش نہیں اس سے کہ لیپ ڈاگ بنے

سازش میں بتوں کی ہے تو پھر لڑ کے کون
اللہ کی فوج ہے تو پھر روکے کون!

ہے یہ رفتارِ جہاں کون سی حالت کی طرف
بس جواب اس کا یہی ہے کہ قیامت کی طرف

یہ دور اتحادِ عالمِ اسلامی کے جذبات سے سرشار تھا۔ اکبر بھی بین الاقوامی واقعات سے (خصوصاً جن کا تعلق مسلمانوں سے تھا) متاثر ہو کر کبھی کبھی اپنے احساسات کو شعر کا جامہ پہنا دیتے تھے۔ وہ طبعاً انتہا پسند یا انقلاب پسند نہیں تھے۔ تاہم اُن کا دل ملی سوز و درد سے معمور تھا۔ پہلی جنگِ عظیم اگست ۱۹۱۴ء میں ولی عہد آسٹریا کے قتل پر) آسٹریا اور سرویہ کے مابین شروع ہوئی۔ اکبر کی ایک نظم بعنوان "خونِ شہیداں" ہفتہ وار "مساوات" الہ آباد میں شائع ہوئی =

"مبارک ہو کہ اب خونِ شہیداں رنگ لایا ہے"

جس وقت یہ نظم چھپی، اس وقت تک برطانیہ بھی جنگ میں شریک ہو چکا تھا۔ حکومت نے اس نظم کو خلافِ قانون قرار دے کر "مساوات" کو سخت تنبیہ کی۔ اکبر سے بھی بازپرس ہوئی۔ اس کے بعد وہ محتاط ہو گئے تاہم زبان پر کوئی طنزیہ شعر اس قسم کا آ ہی جاتا تھا۔ جو سینہ بہ سینہ دور تک پھیل جاتا تھا۔

پرسیں ہمدرد کی خبروں سے نتیجہ یہ نکلتا ہے
فتح سرکار کی ہوتی ہے قبضہ ان کا ہوتا ہے

A.-.۶۰

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی

غالب کا فلسفۂ امید و یاس

غالب کے یہاں ہم کو دو بنیادی عناصر نظر آتے ہیں اور یہی دونوں عناصر ان کی شاعری کے فکری تانے بانے ہیں غالب ایک طرف بہت پر امید نظر آتے ہیں اور زندگی کی وسعتوں کو ناکافی سمجھتے ہیں دوسری طرف انسانی زندگی میں جو مجبوریاں اور مایوسیاں ہیں ان سے متاثر نظر آتے ہیں اور یاس اور امید کے دونوں پہلو شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کے کلام میں نمایاں ہو کر سامنے آجاتے ہیں ان کے کلام میں کشش اور حسن کا راز یہی ہے کہ انہوں نے انسانی زندگی کے ان پہلوؤں کا بڑا گہرائی سے مشاہدہ کیا ہے جن کا تعلق یاس و امید سے ہے غالب خوب سمجھتے تھے کہ انسان کی زندگی کے دو پہلو ایسے ہیں جنہیں انسان کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا جو اس کی زندگی میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک پہلو وہ ہے جس میں وہ خوش ہوتا ہے یعنی خوشی کا پہلو امیدیں قائم کرتا ہے اور دنیا کو ایک وسیع نظر سے دیکھتا ہے، اس کے دل میں امنگیں اور حوصلے پیدا ہوتے ہیں اور بلندیوں کے لئے اس کا دل بیقرار ہو جاتا ہے۔ امید کا یہ پہلو ایسا ہے کہ انسان اس کے سہارے بہت کچھ کرتا ہے۔ غالب اس پہلو کی بڑی ہی پرکیف تاویلیں کرتے ہیں اور امید کی ایسی دنیا آباد کرتے ہیں جس میں انسان اپنے حوصلوں اور آرزوؤں کا نشان پاتا ہے اور اس سے تسکین حاصل کرتا ہے اور کلام غالب پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اسی کے دل کی آرزوؤں اور امیدوں کو نچوڑ کر پیش کر دیا گیا ہے۔ اس نظر سے اگر ہم کلام غالب کو دیکھیں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ انہوں نے انسانی امیدوں کی کچھ ایسی تصویر کشی کی ہے اور اس کی دل کی دنیا کو کچھ اس طرح سمیٹ کر پیش کیا ہے کہ اس کی مثال دوسرے شعرا کے یہاں ملنی ناممکن ہے فرماتے ہیں۔

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے!

غالب نے اس شعر میں اپنے فلسفۂ امید کو بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے اور انسان کے اندر عزم کی کیفیت کو بڑے عمدہ انداز سے سمجھایا ہے۔

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

اس شعر میں غالب نے اسی فلسفۂ امید سے کام لیا ہے اور انسانی کیفیت امید کی اچھی تصویر کشی کی ہے۔

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام!
دل کو خوش کرنے کی فرصت ہی سہی

اس شعر میں وہ باوجود اس کے کہ زندگی کے مصائب سے باخبر ہیں لیکن اپنی امید کے لئے دل کی خوشی کا سہارا لیتے ہیں اسی کیفیت کا مصر گویٹڈ وہی نے بھی اچھی طرح پیش کیا ہے وہ کہتے ہیں۔

یہ ذوق دید یہ دیدار جلوہ خورشید
بلا سے قطرۂ شبنم کی زندگی کم ہے

وہ نا امیدیوں کے طوفان میں بھی امید کی کرن تلاش کر لیتے ہیں اور اپنی ناکامی میں بھی ایک لذت محسوس کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

اگر ان کا ذکر برائی سے ہوتا ہے جب بھی وہ اس میں بھلائی کا پہلو نکال لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے باایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

غالب ہجوم نا امیدی میں بھی کچھ ایسی باتیں تلاش کر لیتے ہیں جن سے دل بہلا رہے انہیں امید کا دامن کہیں نہ کہیں سے مل ہی جاتا ہے کہتے ہیں۔

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

گویا کہ غالب یہ کہہ کر کہ غم اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے اس لئے اس سے گھبرانا ہی کیا۔ ایک دوسری جگہ کہتے ہیں۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

دیکھیے یہاں غالب کس طرح سے درد و غم کو دوا میں تبدیل کرکے امید کا رشتہ قائم رکھتے ہیں اور اس حالت میں جہاں لوگ یاس میں ڈوب جاتے ہیں وہاں بھی ان کے ہاتھ میں آس کا دامن موجود رہتا ہے۔ ایک دوسری جگہ امید کو ایک دوسری طرح سے حاصل کرتے ہیں اور غم سے پیچھا چھڑاتے ہیں۔

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

دیکھئے یہاں کس طرح سے ہجوم غم میں امید کا رشتہ منقطع نہیں کرتے اور غم کی بہترین تعلیل کرتے ہیں۔ اگر ان کے یہاں کوئی زبردست مصیبت آجاتی یا ان کا سب کچھ لٹ جاتا تو وہ غم کی بجائے امید کے پہلو تلاش کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا!
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

غالب اگر شبِ فراق میں روتے ہیں تو وہ اس کی بھی تاویلیں کرتے ہیں اور امید کے پہلو تلاش کر لیتے ہیں اور آنسوؤں سے پُر آنکھوں کو امید کی شمع سمجھ کر اس سے کسب فیض کرتے ہیں۔

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

اس شعر کی تشریح حالی نے بڑی اچھی کی ہے غالب کو دل سے یقین بھی ہے کہ شاید بجلی انہیں کے آشیاں پر گری ہے لیکن امید کا یہ عالم ہے کہ یہ سوچ لیتے ہیں کہ وہ آشیاں میرا ہی کیوں ہو جس پر بجلی گری ہو کسی اور کا بھی ہو سکتا ہے۔

دونوں جہاں دیکے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم کہ اب تکرار کیا کریں

غالب بار بار دل کو بہلانے والی کیفیت پیدا کرتے ہیں اور امید کے رشتہ کو منقطع نہیں ہونے دیتے۔ کہتے ہیں۔

عشرت صحبت خوباں ہے غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالب اگر عمر طبیعی نہ سہی

یہاں غالب زندگی کی بعض لذتوں سے دل بہلا کر عمرِ طبعی کی محرومی کو بھی گوارا کر لیتے ہیں۔ جنت میں بھی غالب کو کچھ نظر آئے نہ آئے مگر امید ضرور نظر آتی ہے وہ کہتے ہیں۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن!
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں۔

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں!

اس شعر میں غالب غیر معمولی طور پر مایوسی کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک دوسرا شعر ملاحظہ ہو۔

جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا!

مذکورہ اشعار میں غالب کی مایوسی پوری طرح نمایاں ہے وہ انسان کی ایک ایسی کیفیت کی ترجمانی کرتے ہیں جس میں بڑا درد ہے اور کچھ ایسی کیفیتیں شامل ہیں جو انسان کے دل میں گھر کر جاتی ہیں چند اور اشعار ملاحظہ ہوں۔ وہ کہتے ہیں

فرصتِ کاروبارِ شوق کسے
ذوقِ نظارۂ جمال کہاں!

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

ان اشعار میں بھی غالب نے اسی فلسفۂ یاس سے کام لیا ہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

بے دلی ہائے تماشہ کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

اس شعر میں غالب نے کتنی گہری مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ جس کی مثال شاید اردو شاعری میں نہ مل سکے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہوگئیں

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

یہاں وہ موت جیسی تاریکی کو لذت سے تعبیر کرتے ہیں

اب غالب کی شاعری کا دوسرا عنصر دیکھئے یعنی یاس جس طرح وہ انسان کی امیدوں کو پوری طرح سامنے لے آئے ہیں اسی طرح وہ انسان کی مایوسیوں کو اپنے کلام میں پوری طرح سمیٹ لیتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

کوئی امید بر نہیں آتی ! کوئی صورت نظر نہیں آتی

ابن مریم ہوا کرے کوئی !
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

اس قسم کے اشعار غالب کے یہاں بہت ملتے ہیں۔ جو ان کی یاس کو ظاہر کرتے ہیں۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

غالب اکثر مایوس ہو جاتے ہیں اور مایوسی کے عالم میں وہ انسانی جذبات کی بہترین ترجمانی کر جاتے ہیں۔ کہتے ہیں۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا !

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام ایک مرگ ناگہانی اور ہے

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی

یہ اور اس قسم کے کتنے ہی اشعار ہیں غالب کے یہاں جن میں حسرت و مایوسی کی ایک ایسی کیفیت ہے جو کسی دوسرے شاعر کے یہاں ہمیں نہیں ملتی۔ وہ کہتے ہیں۔

یوں ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

قیدِ ہستی سے رہائی معلوم
اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

مذکورہ اشعار میں غالب انسان کی مایوسی کو مختلف انداز سے پیش کرتے ہیں اور زندگی کی ترجمانی کا عظیم کام انجام دیتے ہیں ایک شعر اور ملاحظہ ہو۔

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے

آہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جیئے ہوتے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھو کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کئے

رَو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

مذکورہ اشعار میں غالب انسانی مایوسی کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں اور کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کے دل میں بات اُتر جائے اور یہ درحقیقت ایسی انسانی آرزوئیں ہیں اور ایسی ناکامیاں ہیں جو سب کو معلوم ہیں لیکن جب غالب ان حقیقتوں کو آشکار کرتے ہیں تو قارئین کے دل جیت لیتے ہیں۔

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیئے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

دیکھئے اس شعر میں غالب نے انسان کی بے ثباتی کو کتنے یاس انگیز طور پر پیش کیا ہے۔

یہ ہے غالب کا مختصر طور پر فلسفۂ امید و یاس اگر اس نقطۂ نظر سے کلام غالب پر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ مسرت اور غم کے پہلوؤں کو غالب سے زیادہ کسی شاعر نے حکیمانہ طور پر پیش نہیں کیا ہے یہی وہ ان کی خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے ان کا کلام بہت جاندار ہوگیا ہے اس لئے کہ وہ جہاں ایک طرف ذہن و فکر کی دولت سے کام لیتے ہیں وہیں وہ انسانی زندگی کا گہرا مطالعہ کرکے وہ پہلو اس میں سے اخذ کر لیتے ہیں جو انسان کو اپنی زندگی میں بہت اہم معلوم ہوتے ہیں اور جن سے اس کو ہر وقت سابقہ پیش آتا رہتا ہے چونکہ غالب نے امید و یاس جیسے اہم پہلوؤں کو اپنی شاعری میں سمویا ہے اس لئے ان کی شاعری اس لائق ہوسکی کہ وہ انسانی جذبات کی خوشی و مسرت دونوں حالتوں میں ترجمانی کرسکے اور اسی وجہ سے غالب کا کلام انسانی مسرت و یاس سے پر ہے اور زندگی کے مختلف مواقع پر غالب کے اشعار کچھ اس طرح پیش کئے جاسکتے ہیں کہ سننے والا یہ سمجھے کہ شاید یہ اشعار اسی موقع کے لئے لکھے گئے تھے۔

بہر حال غالب کے فلسفۂ امید و یاس پر جتنا بھی غور کیجئے گا اتنے ہی پہلو بلندی کے نکلتے آئیں گے اور اس طرح وہ ہمیں ایک عظیم ماہر نفسیات اور فن کار کے لباس میں نظر آئیں گے۔

کوثر چاندپوری

جہانِ غالب

قومی زبان ماہ فروری ۶۷ء میں جہانِ غالب پر سید قدرت نقوی صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کو انتقادی کہنا اس لئے مناسب نہیں کہ تنقید کے لئے جس لب ولہجہ، توازن وسنجیدگی اور ضبط و وقار کی ضرورت ہے وہ اس میں سراسر مفقود ہے اس کی جگہ ایک قسم کی جھنجھلاہٹ اور کوئی ایسی بے نام سی چیز نمایاں ہے جس کو مضمون نگار کی زبان میں کسی مخصوص جذبے ہی سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ ادب میں جذبے کی شمولیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن مخصوص جذبات کی جستجو ادب ناشناسی کی دلیل ہے۔ ادب انسانیت اور محبت کا گہوارہ ہے۔ تخلیقی ذہن میں انسانیت کو طبقات میں بانٹنے کا تصور آ بھی نہیں سکتا۔ اس میں خلوص دیانت اور انصاف کا احساس ہی کارفرما رہنا چاہیئے۔ قدرت صاحب نے وہ اسلوب تحریر استعمال کیا ہے جسے تنقیص کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ تنقید میں بے راہ روی عام ہو گئی ہے اور تنقیص کا رجحان واضح طور پر ابھر آیا ہے حالانکہ کسی ادبی شہ پارے کو اس وقت تک پرکھا نہیں جا سکتا جب تک محاسن ومعائب کا تجزیہ نہ کیا جائے تخلیق کے ساتھ انصاف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو قدرت نے سنجیدہ انداز فکر عطا کیا ہو۔ اور جو دوستی اور دشمنی کی حس کو مرکز اعتدال پر قائم رکھنے کا شعور رکھتے ہوں۔ مضمون نگار جہانِ غالب پر اظہار خیال فرما رہے ہیں مگر ان کی پوری توجہ میری ذات اور دوسرے ادبی مشاغل پر مرکوز ہے۔ کہیں وہ مجھے مشہور افسانہ نگار کہتے ہیں اور کہیں معمولی افسانہ نگار۔ افسانہ ادب کی نہایت اہم صنف ہے لیکن انہیں افسانہ سے اتنا عناد ہے کہ وہ کسی افسانہ نگار کو تاریخ، تنقید، اور تحقیق کا اہل خیال نہیں کرتے، اگر مصنف شاعر بھی ہوتا تو ضرور وہ کہتے کہ شاعر کو تاریخی اور تحقیقی مباحث میں حصہ نہ لینا چاہیئے مضمون نگار اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوں گے کہ موجودہ دور میں شاعر اور افسانہ نگار دونوں تحقیقی، تاریخی اور انتقادی صلاحیتوں کا ثبوت دے رہے ہیں قدرت صاحب سے یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ انہیں کسی افسانہ نگار کا درجہ متعین کرنے کا حق کس نے دے دیا جبکہ وہ کسی ادبی صنف کے ساتھ انصاف ہی نہیں کر سکتے۔

جہانِ غالب لکھ کر میں نے اربابِ علم کو دعوت فکر دی۔ مقصد یہ تھا کہ غالب پرستی کے اس دور میں جب تاریخی حقائق پر بھی مشکل ہی سے توجہ کی جاسکتی ہے افراط وتفریط کے اس رجحان کو معتدل کرنے کا تصور پیش کیا جائے۔ میرے مخاطب وہ حضرات نہیں ہیں جو غالب کو پیغمبری کا درجہ دیتے ہیں۔ میں غالب کی عظمت ان کے کلام اور فکر وخیال کی بلندی کا ہر جگہ اعتراف کرتا ہوں اس کے باوجود میرے بیانات کو مخالفانہ اور منفی کہا جاتا ہے کسی شاعر یا ادیب میں شعر وادب کی خصوصیات ہی تلاش کی جاسکتی ہیں۔ اس میں پیغمبرانہ اوصاف کی جستجو کسی طرح مناسب نہیں۔ شاعر اور ادیب کا انسان ہونا ہی بہت بڑی بات ہے۔ وہ انسانی سطح پر رہ کر ہی تخلیق کے فرائض انجام دے سکتا ہے اس لئے کہ وہ انسانی سماج ہی کا ایک فرد ہوتا ہے، معزز مضمون نگار کی علمی اور تصنیفی حیثیت کا مجھے بالکل علم نہیں ہے میں نہیں جانتا کہ وہ مشہور تنقید نگار ہیں یا معمولی، اگر یہ مضمون قومی زبان میں شائع نہ ہوا ہوتا تو یہ سطور لکھنا بھی ضروری خیال نہ کرتا۔ قومی زبان ایک مشہور اور معیاری رسالہ ہے اس بنا پر جو مضامین اس کے صفحات پر جگہ پاتے ہیں ان کو اہمیت دینی ہی چاہیے۔ مضمون نگار نے اس مختصر سے مضمون میں حقائق کو بڑی بُری طرح مسخ کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ اور اعتراض کے لئے پوری کوشش سے گنجائش پیدا کی ہے ان کا ارشاد ہے کہ میں نے غالبیات کا مطالعہ نہیں کیا لیکن وہ جس کتاب پر تنقید فرما رہے ہیں ان کی تحریر سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تین سو (۳۰۰) صفحات کی اس کتاب کو غور سے پڑھنے کی زحمت نہیں کی ورنہ بہت سے اعتراضات کا جواب کتاب ہی سے مل جاتا۔ اگر کتاب کو انہوں نے پڑھ کر یہ مضمون لکھا ہے تو کہنا پڑے گا کہ ان کا نقطہ نظر نہ صرف مخالفانہ بلکہ تخریبی ہے اور وہ تنقید برائے تخریب کے قائل ہیں معلوم نہیں وہ کون سی طاقت ہے جو انہیں انصاف کے راستے پر گامزن ہونے سے روک رہی ہے اور وہ اپنی پوری طاقت خامیوں کی تلاش میں صرف کر رہے ہیں وہ اغلاط کتابت یا پروف ریڈر کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر مصنف کو تاریخ سے نابلد قرار دے رہے ہیں اسی کے ساتھ دوسرے مصنفین پر بھی خفگی و ناراضی کی آگ برسا رہے ہیں۔ جہانِ غالب کے پیش لفظ کی چند سطور ہی نقل کر کے انہوں نے ایک نتیجہ نکال لیا ہے انصاف اور دیانت کا تقاضا تھا کہ پیش لفظ کے باقی حصے پر بھی توجہ فرمائی جاتی تاکہ خیالات کا ربط اور تسلسل برقرار رہتا اور پڑھنے والوں کو مصنف کے عزائم کا علم ہو جاتا۔

"افراط وتفریط اور بغض ومحبت کا یہ رجحان صحیح نہیں ہے اور تنقیدی ذمہ داریاں اس صورت سے پوری نہیں ہوتیں معتدل راستہ یہ ہے کہ فن کار کے کلام کا تجزیہ کر کے دیکھا جائے جو چیز اچھی ہے اسے سراہا جائے اور جو بُری ہے۔ اس کو صرف اس لئے اچھا نہ کہا جائے کہ غالب سے منسوب ہے نہ ان اوصاف کو غالب سے منسوب کیا جائے جو اس میں موجود نہیں ہیں۔ غالب کی بڑائی کلام کی انہی خصوصیات سے واضح ہو سکتی ہے جو ایک خاص

رجحان یا عنصر کی حیثیت سے اس میں پائی جاتی ہیں۔ اب تک غالب پر چند ایسی کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں، جو بالکل مخالفانہ نقطۂ نظر سے بحث کرتی ہیں اور غالب کی بہت سی واقعی خوبیوں سے بھی انکار کرتی ہیں اور اسی طرح غالب کے ان حریفوں کی حمایت کرتی ہیں جو غالب کی زندگی میں اسے سمجھ نہ سکے اور منفی پہلو پر ہی زور دیتے رہے شاید اسی کا ردِ عمل ہے کہ غالب پرستی کا رجحان اور تیز ہو رہا ہے غالب ہو یا کوئی اور فنکار اس کے کلام کو تنقیدی نقطۂ نظر سے سراہنا یا اس پر نکتہ چینی کرنا برا نہیں مگر دونوں کے درمیان ایک ایسا فاصلہ ہونا چاہئے جو عقیدت اور عداوت سے خالی ہو ان حالات میں جہانِ غالب وقت اور خود کلام غالب کے بہت سے مطالبوں اور تقاضوں کو پورا کرتی ہے اور غالب کے احول سے لے کر اس کے فلسفۂ زندگی تک تحقیق اور تنقید کی سیدھی شاہراہ پر چلتی ہے اس میں نہ مخالفانہ نقطۂ نظر ہے۔ نہ غالب پرستی کا غیر معتدل رجحان" (جہانِ غالب صفحہ ۷، ۸)

اس پوری عبارت کو پڑھ کر ایک ذہین قاری میرے آئندہ طریقِ عمل سے اچھی طرح واقف ہو سکتا ہے جہاں تک مضمون نگار کا تعلق ہے ان کو بھی یہ فیصلہ کر لینا چاہئے تھا کہ جہاں غالب کے کلام میں فلسفۂ زندگی کی موجودگی سے انکار کیا گیا ہے وہاں بہت سی شاعرانہ خصوصیات کا کھلے دل سے اعتراف بھی کیا گیا ہے ہو سکتا ہے کہ پیشِ لفظ کی پل صراط پر چلتے چلتے ڈگمگا گیا ہوں اس لغزش کو مستانہ کہا جاتا تو ایک حد تک ٹھیک ہو سکتا تھا لیکن اس میں مخصوص جذبات کی کھوج یقیناً مناسب نہیں۔ غالب اور کلام غالب کی بلندیوں اور عظمتوں کا جس ڈھنگ سے اعتراف کیا گیا ہے، اس کی چند مثالیں دیکھئے۔

" ان کی فارسی استعداد بہت اچھی تھی۔ ملا عبدالصمد سے انہوں نے پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو اس میں شبہ نہیں کہ اساتذۂ فارسی کے کلام کا مطالعہ نہایت گہری نظر سے کیا تھا وہ ایران نہیں گئے نہ وہاں کے دیہات تک کی بول چال اور زبان کی عشق سیم پہنچائی لیکن پوری ذہانت اور دانشوری کے ساتھ اساتذہ کے کلام کو پڑھا اور اس طرح فارسی پر اپنی گرفت کو مضبوط کیا۔" (صفحہ ۳۰)۔

" اکثر فارسی اشعار کو انہوں نے دلچسپ اسلوب میں ڈھال کر اردو میں منتقل کیا ہے۔ (ص ۴۳)

اردو خطوط غالب کی نثر نگاری کا ایک انقلاب خیز اور فکر انگیز نمونہ ہیں۔ (ص ۴۴)

" یہاں پرکاری اور شوخی ہے جو ان کی شخصیت کے آئینے ہے گزر کر کلام پر عکس فگن ہوتی ہے اور اسلوب میں جدت اور ندرت کی شکل میں جھلکتی ہے۔" (ص ۴۷)

" اپنی طبیعت کے لحاظ سے غالب آزاد اور رند مشرب آدمی تھے انہوں نے بڑی بے باکی سے آپ ہی اپنی کمزوریوں کو بے نقاب کر دیا ہے حقائق کے بیان میں ان کا قلم اتنا ہی نڈر اور بے باک ہے جتنا جیسا نگر کا تھا۔" (ص [illegible])

"غالب کی زندگی اور شاعری پر حسن پرستی کے احساس کا رنگ بہت نمایاں ہے۔ وہ نہایت بیباکی انہماک خلوص اور سادگی سے حسن کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کے عشقیہ اشعار نہایت لطف اور پاکیزگی کے حامل ہیں" (ص ۴۴)

"غالب نے اردو نثر میں اپنے خطوط سے بیش بہا اضافہ کیا ہے اور نثر نگاری کی تاریخ میں انقلاب پیدا کیا ہے۔ انہوں نے مراسلے کو واقعی مکالمہ بنا دیا ہے نثر کا یہ رواں دواں برجستہ اور دل نشین پیرایہ اردو میں تو بالکل نیا تھا۔ (ص ۸۸)

"کوئی شبہ نہیں کہ غالب کے یہاں ایسی ترکیبیں موجود ہیں جو عام بول چال سے بالکل الگ ہیں لیکن ایسی جدید اور نادر تشبیہات کی بھی کمی نہیں جو اظہار مطالب کے لئے نہایت موزوں ہیں غالب دو الفاظ کو ملا کر ان سے مکمل تصویر بنا دیتے ہیں۔ موج نگاہ۔ دام تمنا۔ وادیٔ خیال اور اسی قسم کی بہت سی ترکیبیں اور استعارے ان کے یہاں پائے جاتے ہیں جن کے اندر معانی کا سمندر بند ہو جاتا ہے نئی نئی تشبیہات و استعارات کے سلسلے میں غالب نہ صرف اردو بلکہ دنیا کی اور بڑی زبانوں کے شاعروں میں بھی امتیاز کے مالک ہیں۔" (ص ۲۱۵)

"اس تمام گفتگو سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ غالب اپنے اسلوب پیرایۂ اظہار طرز ادا اور انداز بیان کے اعتبار سے وہ شہرت و امتیاز رکھتے ہیں جو کسی شاعر کو محض اس کے خیال کی بلندی اور فکر و خیال کی رفعت کے تحت حاصل نہیں ہو جایا کرتا کیونکہ جب تک جدت بیان و اسلوب حاصل نہ ہو اس وقت تک معنی آفرینی بیکار رہتی ہے۔ (۲۱۹)

لیکن یہ خود ستائی اگر کسی اچھے شاعرانہ پیرائے میں ہو تو اس میں حسن پیدا ہو جاتا ہے غالب اپنے سب سے بڑے مداح ہیں ان کا ایگو (EGO) ہر جگہ نمایاں ہوتا ہے" (ص ۲۲۱)

"غالب کو محض اسلوب ہی کا شاعر نہ سمجھنا چاہئے خیالات کی بلندی نگاہ کی باریک بینی اور شعور کی نکتہ آفرینی کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے" (ص ۲۱۴)

"غالب کا شمار بھی ان شاعروں میں کیا جا سکتا ہے جو قدیم روش اور فرسودہ سے ہٹ کر اپنی زبان بناتے ہیں نئی تشبیہات اختراع کرتے ہیں خوبصورت استعارے وضع کرتے ہیں" (۲۲۷)

"غالب نے اردو شاعری کو ایک نیا اسلوب دیا انہوں نے زبان کے مقبول اور مروجہ اسلوب کو چھوڑ کر ایک نیا راستہ بنایا" (ص ۲۳۸)

"غالب کی شخصیت میں فکری عنصر نمایاں ہے" (ص ۲۴۰)

ان اقتباسات کی روشنی میں کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ پورا پیش لفظ پڑھنے سے احساس ہوتا ہے کہ مصنف میزان عدل کو قائم رکھے گا مگر مصنف نے اس رفعت اور اونچی جگہ کا انجام یہ دکھایا ہے: (پیش لفظ کا ایک حصہ)

• اگر رجائیت کو روشنی اور قنوطیت کو تاریکی فرض کر لیا جائے اور اس سے انکار ممکن بھی نہیں کہ ان دونوں میں یہی نسبت پائی جاتی ہے تو اس حقیقت کا تجسس ایک ادبی عزلیفہ بن جاتا ہے کہ غالب ہمیں روشنی زیادہ دیتے ہیں یا ذہن میں جلتے ہوئے چراغ بجھا کر تاریکی میں اضافہ کرتے ہیں" (۲۵۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار غالب پر کسی قسم کی نکتہ چینی ہی کو جائز نہیں قرار دیتے وہ چاہتے ہیں کہ انہیں ہر قسم کی لغزش سے پاک سمجھا جائے ہونا یہ چاہئے تھا کہ اعتراض کرنے سے پہلے غالب کے کلام میں رجائیت کا کوئی ایسا مسلسل مربوط اور ناقابل شکست فلسفہ تلاش کیا جاتا جس سے بقول مضمون نگار میرے اس نتیجۂ تجسس کی تکذیب ہو جاتی۔

• ایسا ادب جو غم اور مسرت کے باہمی امتیاز کو مٹانے اور آلام کے ساتھ مسرتوں کو بھی ناقابل التفات قرار دے وہ زندگی کا ادب نہیں اور جس ادب کو زندگی سے ربط نہ ہو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ غالب کا یہ نظریۂ حیات کسی وقت بھی قابل تسلیم نہیں تاریکی اور روشنی کے درمیان فرق ہمیشہ باقی رہے گا جو شاعر اسے فنا کرنا چاہے وہ بصارت اور بصیرت دونوں سے خالی سمجھا جائیگا"

قدرت صاحب نے اسی سلسلے میں ان اشعار کو غلط سمجھنے کا الزام عاید کیا ہے۔

برد بہ شادی و اندوہ دل منہ کہ قضا۔	چو قرہ بر نمط امتحاں بگرداند۔
یزید را بہ بساط خلیفہ بنشاند	حکیم را بہ لباس شباں بگرداند

اکرام صاحب نے بھی انہی اشعار کو اپنی کتاب کے تیسرے حصے میں زندگی کے عنوان سے منتخب کیا ہے مضمون نگار نے ایک شعر چھوڑ دیا ہے۔

نونالی از خلۂ خار و نگری کہ سپہر	سر حسین علی بر سناں بگرداند

قدرت صاحب اشعار مذکورۂ بالا کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

• ان دونوں کو (یعنی خوشی اور غم کو) حقیقت یا زندگی کے اصل اصولوں کا مرتبہ نہیں دینا چاہیے"
• اگر زندگی انسانی فلاح اور مسرت کی مسلسل جستجو کا نام ہے تو خوشی کو اہمیت کیوں نہ دی جائے"

یہ تمام گفتگو فلسفۂ حیات سے متعلق ہے جس کی موجودگی سے انکار کیا جا رہا ہے لیکن غالب کے سماجی حالات کا خیال کرتے ہوئے غالب کو معذور بھی رکھا گیا ہے۔

• لیکن کوئی خاص پیغام اور فلسفۂ حیات وہ پیش نہ کر سکے۔ در اصل کوئی ایسا نظریۂ حیات اس وقت موجود بھی نہیں تھا جو کسی ایک مذہب جماعت یا مدرسۂ فکر سے منسوب کیا جا سکتا اس لئے غالب سے اس کی امید بھی نہیں رکھنی چاہیے" (۲۹۶)

• غالب نے کسی مخصوص فلسفۂ زندگی کو پیش کرنے کا ادعا کبھی نہیں کیا ان کا اصل کام زبان کی صفائی، درستی اور توضیح تھا اس مقصد کو انہوں نے جدید تشبیہات استعارات کی اختراع اور ایک اچھوتے اسلوب سے انجام دیا ہے۔ غالب پر ان نکتہ سنج ناقدوں کے کسی فعل کی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی جو ہر چیز ان کے کلام میں تلاش کرتے ہیں (صفحہ ۲۹۸/۲۹۹)

مضمون نگار نے غالب کا یہ شعر۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری　　کچھ شاعری ہی باعث عزت نہیں مجھے

نقل کر کے بہت سے الزامات عاید کئے ہیں، انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ بعض اشعار مختلف انداز سے یاد رہ جاتے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف مقامات پر ان کا اندراج یکساں نہیں ہوتا۔ میں سو پشت" کی جگہ سو سال" پڑھتا رہا ہوں مسودے میں بھی یہی الفاظ ہیں" کاپی درست کرنے یا پروف پڑھنے والے نے۔ "سو سال" پر خط کھینچ کر لکھ دیا ہے سو پشت" چاہئے۔ مگر انہوں نے اس عبارت کو غور سے نہیں دیکھا

• ان کے اسلاف فوج سے تعلق رکھتے تھے جو شمشیر و سناں اور گرز و تیر سے اپنی مردانہ صفات کا ثبوت دیتے تھے اس خاندان کے افراد ایک صدی تک خاک و خون کی ہولی کھیلتے رہے غالب نے بڑے فخر سے اس کا ذکر کیا ہے ذاتی طور پر انہیں شاعری کے ذریعہ امتیاز حاصل ہوا تھا مگر انہیں اپنے اجداد کی سو سالہ سپہ گری پر ناز تھا جو انہیں معاصرین سے ممتاز کرتی تھی :

اس عبارت میں ایک صدی اور سو سالہ کا لفظ موجود ہے جو اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ مصرعہ اولیٰ یوں درج کیا گیا ہے۔

سو سال سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری

سو پشت سے سو سال" مراد نہیں لے سکتا تھا۔ اگرچہ آغا محمد باقر صاحب ایم اے نے بیان غالب میں پشت سے سال ہی مراد لیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

میرے آباؤ اجداد کا پیشہ سو سال سے سپہ گری ہے اور یہی پیشہ میرے لئے باعث فخر ہے۔

بیان غالب، شرح دیوان غالب (صفحہ ۲۴۶)

اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ مورخین نے غالب کے اسلاف کا شجرہ چند پشتوں تک ہی ظاہر کیا ہے، اور جتنے نام بتائے گئے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ایک صدی پر ہی حاوی ہوتے ہیں غالب کی سو پشتوں کا شجرہ کوئی بڑے سے بڑا مورخ بھی تسلسل کے ساتھ مرتب نہیں کر سکتا، غالب نے سو پشت لکھ کر شاعرانہ مبالغہ ہی کیا ہے زیادہ حقیقت اور واقعیت سو سال" پڑھنے ہی میں ہے، رہا " ذریعہ" اور یہی باعث"

کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ یہ اعتراض برائے اعتراض ہے مضمون نگار کے الفاظ سے کوئی عالمانہ کردار نہیں جھلکتا ایک جگہ رقمطراز ہیں۔

• غلام حسین خاں کو غالب کا خسر بتا دینا انتہائی عدم واقفیت کی دلیل ہے غلام حسین خاں غالب کے نانا تھے اور غالب کے خسر نواب الٰہی بخش معروف تھے :

اور جہان غالب ہی کی اس تحریر کو نظر انداز کر دینا غالباً بڑی واقفیت کی دلیل ہے۔ مضمون نگار کا یہ تجاہل عارفانہ تنقیدی ذمہ داری کے قطعی خلاف ہے انہوں نے جہانِ غالب کا صفحہ ۱۸ ضرور پڑھا ہوگا جس پر لکھا ہے۔

• غالب کے نانا خواجہ غلام حسین سرکار میرٹھ کے معزز عہدیدار تھے اور آگرے کے عائدین میں شمار ہوتے تھے۔ اس موقع پر انہیں دیانت سے کام لے کر صرف یہی لکھ دینا چاہئے تھا کہ صفحہ ۱۸ اور صفحہ ۴۹ پر یہ متضاد بیانات کیوں نظر آتے ہیں اور اس کی کیا وجہ ہے نواب الٰہی بخش کے متعلق جہان غالب ہی میں بتایا گیا ہے۔

• ان کی شادی میرزا الٰہی بخش کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ (ص ۱۰۵)

پھر امراؤ بیگم کی درخواست پر بھی مضمون نگار کی نگاہ پڑی ہوگی جہاں لکھا ہے۔ "امراؤ بیگم بنت الٰہی بخش"۔ جہانِ غالب ہی کی شہادت سے ظاہر ہے کہ مصنف ان رشتوں سے واقف ہے اس کی تاریخ دانی کی قلعی کھولنے سے پہلے اگر یہ سوچ لیا جاتا کہ مصنف ہندوستان میں ہے اور کتاب چھپی ہے لاہور میں ایسی صورت میں اسے کاپیوں کی تصیح اور پروف پڑھنے کا موقع نہیں ملا ہوگا اگر یہ موقع مجھے نصیب ہوجاتا تو یقیناً یہ سقم باقی نہ رہتا اغلاط نامہ مرتب ہوکر چھپ رہا ہے اس میں عبارت درست کر دی گئی ہے۔

غالب کے جس خط کی چند سطور مضمون نگار نے نقل کی ہیں اس کو جب تک پورا نہ پڑھا جائے اس وقت تک اصل مفہوم واضح نہیں ہوتا اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس سے غالب کا مقصد کیا تھا۔

• حضرت [illegible] رحمت سلامت بعد تسلیم معروض ہے کہ آج شہر میں شہرت ہے کہ حضرت امیرالمومنین نے مفتی صدرالدین مرحوم کی زوجہ کو پانچ سو روپے مفتی جی کی تجہیز و تکفین کے واسطے [illegible] بھیجے ہیں فقیر کو بھی [illegible] کا [illegible] ہے کا جیسا کہ مرزا جلال اسیر کہتا ہے

[illegible]

میں نے کل ایک خط نواب مرزا خان [illegible] صاحب [illegible] حضرت کی نظر سے گزرے یا نہ گزرے اس خط میں میں نے زوجہ مفتی جی کا حال یہ لکھا ہے کہ [illegible] ہے بعد ازاں [illegible] روپے کرائے کے مکان [illegible] کے تحت میں [illegible] (آئندہ نے احسان [illegible] نام [illegible]) اس کا [illegible] ہے۔ مفتی جی کا کوئی نہیں [illegible] حقیقت

عرض کرتا ہوں اور آخر عمر میں تین التجائیں ہیں آپ سے ایک تو یہ کہ میں ہزار بارہ سو کا قرض رکھتا ہوں، چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں ادا ہو جائے دوسرا التماس یہ ہے کہ حسین علی خاں کی شادی آپ کی بخشش خاص سے ہو جائے اور یہ سو روپے مہینہ جو مجھے ملتا ہے اس کے نام پر اس کے حینِ حیات قرار پائے یہ دو خواہشیں خواہ میری زندگی میں خواہ میرے بعد اجرا پائیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس دولت و عز و جاہ روز افزوں

مفتی صاحب کی بیوہ کو رقم واقعی مل چکی ہے اور بقول مضمون نگار غالب نے یہ کبھی نہیں لکھا کہ مفتی صاحب کی بیوہ کی مدد نہ کی جائے لیکن ان کی حیثیت کے اظہار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی ناداری اور کم مائیگی کو واضح کر رہے ہیں جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ نواب کی توجہ مفتی صاحب کی زوجہ سے ہٹ کر ان کی ذات پر مرکوز ہو جائے پھر انہیں لاولد کہہ کر یہ بتانا کہ امین الرحمٰن مفتی جی کا کوئی نہیں ان کی بیوی کا بھانجا ہے اسی کے ساتھ حسین علی خاں کا ذکر اور اس کی شادی کے سلسلہ میں امداد کی درخواست سے پتہ چلتا ہے کہ غالب کیا چاہتے ہیں۔ امین الرحمٰن اگر مفتی صاحب کا کچھ نہیں تھا تو حسین علی خاں غالب کے کون تھے، غالباً انہی باتوں کا اثر تھا کہ غالب کا قرض رام پور سے ادا نہیں کیا گیا حسین علی خاں کی شادی کے لئے بھی روپیہ نہیں ملا البتہ انہیں پچیس ۲۵ روپیہ ماہوار منصب مل گیا،

جہان غالب میں جن کتابوں کے حوالے موجود ہیں ان کے پیش نظر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ "غالب کی تحریروں کے اقتباسات کا صحیح مآخذ مصنف کی نظر میں نہیں" مضمون نگار سہو کتابت سے شعوری طور پر فائدہ اٹھاتے ہوئے قارئین کو پھر ایک حسین مغالطہ دیتا ہے"

۔ اس کے مآخذ کی نشاندہی میں غالب از قتیل لکھا ہے حالانکہ غالب کے متعلق قتیل نے کوئی کتاب نہیں لکھی دراصل کتاب کا نام غالب اور قتیل ہے"

اگر مضمون نگار اس عبارت کے آخر میں صرف اتنا اور لکھ دیتا (جیسا کہ اسی صفحہ کی گیارہویں سطر میں مرقوم ہے) تو معاملہ صاف ہو جاتا اور مضمون نگار کی دیانت داری پر کوئی حرف نہ آتا لیکن مطلب تو صرف اعتراض کرنا ہے اور وہ بھی حقائق کو چھپا کر، قتیل نے غالب پر یقیناً کوئی کتاب نہیں لکھی نہ ایسا ممکن تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جہان غالب کے آخر میں جو حوالے دیئے گئے ہیں ان میں صفحہ ۱۳۶ پر غالب کا علمی پس منظر" کے ذیل میں ایک جگہ کاتب نے " غالب از قتیل" لکھ دیا ہے مضمون نگار نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ایک اعتراض کا اور اضافہ کر دیا ستم بالائے ستم یہ کہ علامہ نیاز فتحپوری کو بھی اپنے ناوکِ بیداد کا شکار بنا لیا۔ اگر مضمون نگار صرف ۹ سطر کے بعد ہی غالب کا عنا دلہ رومانی" والے حوالوں پر نظر ڈال لیتا اور پھر اس سے اگلے عنوان کے حوالوں کو دیکھنے کی زحمت برداشت

کرتا تو معلوم ہو جاتا کہ اصل ماخذ غالب اور قتیل ہے کاتب نے پہلے باب میں اور کئی جگہ از لکھ دیا ہے یہ تو ناممکن ہے کہ مضمون نگار نے آئندہ ابواب میں غالب اور قتیل نہ پڑھا ہو انہیں کاتب کی اس لغزش سے فائدہ اٹھا کر ان آئندہ حوالوں سے دانستہ صرف نظر کر کے اعتراضات کی فہرست طویل کر دی تھی ـــ غالب اور قتیل سید اسد علی انوری فرید آبادی۔ بی۔ ایس۔ سی۔ علیگ) آئی۔ ایف۔ ایس کی تصنیف ہے اور ۱۹۳۹ء میں جید برقی پریس دہلی میں چھپی ہے یہ کوئی ایسا ماخذ نہ تھا جو دسترس سے باہر ہوتا۔

مضمون نگار لکھتے ہیں۔

غالب کے بعض اشعار کو قدیم شعراء سے ماخوذ و مستعار بتایا اس باب میں بڑی کوتاہی یہ ہے کہ صرف اشعار لکھ دیئے ہیں محاکمہ نہیں کیا گیا؛

اس میں شک نہیں کہ تمام اشعار پر الگ الگ محاکمہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی لیکن مجموعی طور پر اظہار خیال کر دیا گیا ہے جو پورے باب پر حاوی ہے چند عبارتیں ملاحظہ فرمایئے۔

"انہوں نے اپنے اسلوب کی طاقت سے فائدہ اٹھا کر اپنے افکار و خیالات اور آخذ و اقتباسات کے ذریعہ حاصل کیئے ہوئے مواد کے لئے ایسا ظرف منتخب کیا ہے جس میں سما کر ہر خیال ایک رنگین سیال اور میٹھے مشروب کی مانند جاذب نظر دلفریب اور لذت بخش ہو جاتا ہے۔" (ص ۲۱۱)

"غالب دوسروں کے تخیلات کو اپنا کر ان میں ایک نئی روح پھونک دیتے ہیں۔ اس طرح پرانے خیالات از سر نو زندہ ہو کر زبان کے بڑھتے ہوئے ذخیرے میں شامل ہو جاتے ہیں۔" (ص ۲۱۴)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ غالب کا پیرایۂ اظہار نہایت نادر اچھوتا اور دل میں اتر جانے والا ہے وہ فرسودہ اور پامال مضامین کو بھی اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ ان کی سطح بلند ہو جاتی ہے اور فرسودگی، یا پامالی کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔" (ص ۲۱۸)

آخر میں ایک بار یہ اور عرض کر دوں کہ جہان غالب پیش کر کے صاحبان علم و ادب کو دعوت فکر دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا جائے اس کا لب ولہجہ متوازن اور سنجیدہ ہونا چاہئے۔ قدرت صاحب جس قدر چاہیں لکھیں مگر مجھ سے جواب الجواب کی توقع نہ رکھیں ـــ میں نے بقول ان کے مبتدیوں کو گمراہ کیا ہے مگر وہ منتہی حضرات کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

سید قدرت نقوی

معادل کی تلاش

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کا پوری قوم پر ایک زبردست نفسیاتی ردعمل یہ ہوا کہ ہم میں خودنگری کا انداز ابھرنے لگا ہے۔ اسی انداز سے قومی شعور کی بیداری کا پتہ چلتا ہے۔ اب ہم شدت سے یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ ہمارے پاس اپنا کیا ہے؟ اور جو اپنا نہیں ہے اسے کس طرح اپنا بنالیں۔ یہ جذبہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ادب میں بھی رونما ہونے لگا ہے۔ یہ ادبی ترقی کے لئے ایک نیک فال ہے۔ لیکن ابھی تک ہمارے ہاں ایک طبقہ ہر شعبۂ حیات میں ایسا پایا جاتا ہے جو اپنے قومی احساس میں خود بھی احساس کمتری کا شکار ہے اور دوسروں کو بھی اسی احساس کا شکار بنانے میں کوشاں نظر آتا ہے۔ وہ غیروں کی برتری کے گن گا گا کر خوش ہوتا اور اپنی دانست میں اس کارنامے کو سرمایۂ افتخار سمجھتا ہے۔ اپنے ملکی اور قومی سرمایۂ ادب کو قابل اعتنا نہیں گردانتا اپنے ادیبوں اور شاعروں کو غیروں کے مقابلے میں کوئی رتبہ دینے کے لئے تیار نہیں۔ ان میں اس طبقہ کو عظمت کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ یہ طبقہ وہ ہے، جس نے اپنے ملک و قوم کی تاریخ کا گہرا مطالعہ نہیں کیا۔ اپنے آباد اجداد کی تہذیبی اقدار سے واقف نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ادیب و شاعر اور اس کے فن کو اس کے دور کی تاریخ اور تہذیبی اقدار کی روشنی میں جانچنا اور پرکھنا چاہئے۔ حق و انصاف کا یہی تقاضہ ہے۔ آج کے تہذیبی عوامل اور عوامی تقاضوں کے اظہار کی توقع اب سے بیس تیس برس ہی پہلے کے ادیب و شاعر سے بھی ایک لایعنی امر ہے۔ چہ جائیکہ ایک دو صدی پہلے کے ادیب و شاعر سے۔ اس لئے منفی نظریہ رکھنے والے طبقہ کو سکون قلب سے غور کرنا چاہئے کہ ہم کیا ہیں اور ہمیں کیا بننا چاہئے؟

مقصدی اعتبار سے ہم ابھی عبوری دور میں ہیں۔ عبوری دور میں کوئی متعینہ امر نہیں ہوتا۔ بلکہ متعین و مقرر بنانے کی کوشش ہوا کرتی ہے۔ اس لئے ہمیں دنیا کی طرف سے آنکھیں تو بند نہیں کرلینی چاہئیں۔ بلکہ یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ہم انتہائی تیز رفتاری سے کام کریں۔ اور اس کو استقلال بخشیں۔ اگرچہ پچھلے برسوں ہماری ملکی و قومی زندگی میں ایک موڑ آیا جس کی بدولت علم و ادب میں بھی ٹھوس کام ہونے لگے۔ تخلیقی ادب

میں بھی ایک نیا شعور کار فرما ہوا۔ تنقیدی و تحقیقی کام کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔ اُردو کو قومی زبان بنانے کے لئے کوششیں بروئے کار آئیں۔ اسی ضمن میں، بیان و اظہار کی صلاحیتوں کو وسیع تر بنانے کے لئے بیرونی علوم و فنون کی اصطلاحات کے تراجم پر زور دیا جانے لگا۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کے بعد سے یہ احساس قوی تر ہو گیا کہ ملکی و قومی امور کی انجام دہی کے لئے ملکی و قومی زبان ہی موثر ترین ذریعہ ہے۔ یہ کام غیر ملکی زبان سرانجام نہیں دے سکتی اور اب بیش از بیش اس طرف توجہ مرکوز ہے کہ اپنی قومی زبان و ادب کو عظمت و فوقیت دی جائے۔

میرا شروع ہی سے یہ نظریہ رہا ہے کہ بے شک ہم اس ترقی کی دوڑ میں دوسری اقوام کی ہمسری نہیں کر سکتے کیونکہ اتفاق ہے کہ انہوں نے ہم سے پہلے ترقی کے میدان میں قدم رکھا۔ لیکن اگر ہم اس احساس میں مبتلا ہو گئے وہ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ خود احساس کمتری کا شکار ہو جائیں تو یقیناً ہمارے لئے یہ پستی اور زوال کا راستہ ثابت ہوگا۔ بلکہ ہم میں رشک پیدا ہونا چاہیئے۔ تاکہ مقابلہ و مسابقہ کا جذبہ ابھرے اور ہم ترقی کے راستے پر گامزن ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ انگریزی کے توسل سے ہمارے ادب و تنقید میں نئے اسالیب و اصول آئے اور آج ہم نے ان کو قبول کر رکھا ہے۔ لیکن ان اسالیب و اصول کے سلسلے میں اب یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ ہم ان میں ایسا رنگ بھریں کہ یہ ہماری اپنی چیزیں بن جائیں۔ ان کی غیریت و غرابت کو دور کر کے اپنائیت اور مانوسیت پیدا کرنی چاہیئے۔ اس سلسلے میں ہمیں اپنے قدیم سرمایہ کی طرف بھی نظر ڈال کر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ کہ ان اسالیب و اصول کا سلسلہ ہماری ادبی و تنقیدی روایات سے کسی طرح مل سکتا ہے یا نہیں۔؟ اس طرح مانوسیت کو تقویت ہوگی۔

میں اپنے مضامین میں اس امر کی نشاندہی کر چکا ہوں کہ اصطلاحات وغیرہ کا ترجمہ کرتے وقت کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہیئے؟ غیر ملکی بالخصوص یوروپی علوم و فنون سے استفادہ کرنے کے لئے انہیں اپنی قومی زبان میں منتقل کرنا ازبس ضروری ہے۔ ان علوم و فنون کی اصطلاحات کے متعلق میرا نظریہ یہ ہے کہ اگر کسی اصطلاح کا معادل پہلے سے قومی زبان میں موجود ہے تو اس کو استعمال کرنا چاہیئے، جیسے "METAPHOR" کا معادل استعارہ موجود و مروج ہے۔ اس لئے استعارہ استعمال کرنا چاہیئے اگر کسی اصطلاح کا معادل موجود و مروج نہیں ہے تو ہمیں سب سے پہلے ان زبانوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ جن کے کثیر الفاظ ہماری قومی زبان میں مروج ہیں۔ یعنی ہندی و سنسکرت، عربی، فارسی، اگر ان زبانوں میں اس کا معادل نہ ملے۔ تو پھر سب سے پہلی صورت یہ اختیار کرنی چاہیئے کہ اصطلاح زیر غور کو دیکھا جائے کہ وہ صوتی اعتبار سے ہماری قومی زبان کے مزاج و آہنگ سے مناسبت رکھتی ہے یا نہیں۔ اگر رکھتی ہے تو اس کو جوں کا توں قبول کر لینا انتہائی دانشمندانہ بات ہے اور اگر نہیں ہے تو پھر معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ مرکب اصطلاح بنالی جائے۔ لیکن اس میں بھی مرکب کے

اجزائے ترکیبی کا عام اور مانوس ہونا ضروری ہے۔ اگر عام اور مانوس نہ ہوئے تو اس مرکب ترجمے اور غیر ملکی اصطلاح میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اس لئے اگر مناسب اجزائے ترکیبی ملتے تو اس غیر ملکی اصطلاح کو بعینہٖ قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ کثرتِ استعمال سے اس کی ثقالت و نامانوسیت یا مزاج و آہنگ زبان سے عدم مطابقت کا دور ہوجانا ممکن ہی نہیں، یقینی امر ہے۔

امورِ مذکورہ کے بعد آیئے ہم "IMAGE" اور "IMAGERY" کے متعلق غور کرتے ہیں یہ دونوں انگریزی تنقید میں بہت زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ان کے لئے ایسے جامع الفاظ تلاش کئے جائیں جو ان کا مفہوم بخوبی ادا کرسکیں اور زبان میں بآسانی استعمال کئے جاسکیں۔ امج "IMAGE" انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ لغوی و اصطلاحی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں لغوی معنی، کسی شخص یا محسوس شے کا قائم مقام یا نمائندہ، کسی بچے کی اپنے والدین سے مشابہت۔ کسی محسوس شے کا پوجا کے لئے قائم ہونا (بت) کسی محسوس شے کی تصویر جو کسی محدب شیشے کے مرکز شعاعی پر یا کسی آئینے پر روشنی کی شعاعوں کے انعکاس سے بنے۔ اس کا ماخذ لاطینی زبان کا لفظ "IMAGO" ہے جہاں اس کے معنے یہی ہیں جو مذکور ہوئے۔ البتہ ایک معنی اور بھی ہیں یعنی کرم حیات کی آخری اور مکمل شکل۔ دراصل اسی معنی سے اصطلاح بنی ہے۔ یعنی اصطلاح میں "امج" محسوس اشیاء کی الفاظ کی مدد سے ایسی تصویر وجود میں آنا۔ گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ کیونکہ اس صورت کے بننے میں چشم تصور۔ منازل تخلیق اسی طرح طے کرتی ہے۔ جس طرح کرمِ حیات آخری اور مکمل شکل اختیار کرنے میں منازل طے کرتا ہے۔ جب چشم تصور میں تصویر مکمل ہو جاتی ہے تو اس کو "امج" کہا جاتا ہے اور شاعری میں اس قسم کے عمل کو "امیجری" یعنی الفاظ کے ذریعے محسوس اشیاء کی ایسی تصویر پیش کرنا کہ گویا محسوس ہو کہ وہ شے ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور ہم اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ شاعری میں ذریعہ اظہار و ابلاغ الفاظ اور ترکیبیں ہیں۔ اس لئے "امجری" کی مختلف حالتیں ہو جاتی ہیں۔ ہر حالت کی مناسبت سے اس کے نام بدلتے چلے جاتے ہیں۔ یہ حالتیں فی الحال بحث طلب نہیں۔

امج اور امیجری کی بحث کے بعد بہتر ہوگا کہ ان کے معادل تلاش کئے جائیں۔ ہمیں بظاہر ان کے معادل مروج نظر نہیں آتے۔ اس لئے اصولاً ہمیں سنسکرت، عربی اور فارسی میں اس کا معادل تلاش کرنا چاہیئے کیونکہ ہماری زبان میں بیشتر علوم و فنون کی اصطلاحات عربی و فارسی سے منتقل ہوئی ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے انہی زبانوں میں تلاش مناسب ہوگی۔ موجودہ دور میں سب سے بڑی قباحت یہی ہے کہ ملک میں تعلیم یافتہ طبقہ دو گروہوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک وہ جو انگریزی سے بہرہ ور ہے۔ دوسرا وہ جو عربی و فارسی جانتا ہے۔ ان دو گروہوں میں وہ روابط اور اسم نہیں جو ترسیع زبان کے لئے ضروری ہیں۔ اصولاً تو اصطلاحات

کے ترجمے کے لئے ایک وسطی گروہ کا ہونا ضروری ہے جو انگریزی کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی میں بھی مہارت رکھتا ہو۔ ہمارے ہاں اس وسطی گروہ کا وجود تو ہے۔ مگر یا تو وہ عمداً اس طرف توجہ نہیں کرتا۔ یا کرتا ہے تو اپنے رجحان طبع کی وجہ سے افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا ہے۔ یا پھر اسے ادب سے وابستگی نہیں اس لئے یہ مسائل لاینحل بنے ہوئے ہیں۔ اگر یہ وسطی گروہ کوشش کرے اور بالغ نظری سے کام لے۔ ذوق سلیم کو اپنا رہنما بنائے افراط و تفریط کا شکار نہ ہو تو اس قسم کے مسائل جلد طے ہو سکتے ہیں۔

امیج اور امیجری کے مذکورہ معنی اور تعریف کی روشنی میں، جب میں نے عربی و فارسی کی طرف رجوع کیا تو مجھے عربی میں ایک اصطلاح ملی جو عربی سے فارسی تک تو پہنچی مگر اردو میں اس اصطلاح کی دوسری باتیں تو پہنچ گئیں۔ لیکن وہ خود روپوش ہو گئی۔ ایک بڑی قباحت یہ بھی ہے کہ آج ہماری قدیم و جدید اصطلاحات کا مفہوم غیر متعین اس لئے ہے کہ اصطلاحات تو ہیں۔ مگر ان کی تحصیل و تعلیم کا تدریسی طریقہ نہیں رہا۔ ہر شخص اپنی منشا و مفہوم کے مطابق ان کے مختلف معنی مراد لے کر استعمال کرتا ہے مگر قاری کے ذہن میں عام طور پر لغوی معنی رہتے ہیں، اصطلاحی نہیں۔ یہی انتشار کا سبب ہے۔ اس انتشار نے بہت سی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ سب سے پہلے اس انتشار کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یعنی مفہوم کی تعیین انتہائی ضروری ہے۔ مثلاً ہمارے ہاں "معانی و بیان" مشہور ہے۔ بیان سے عموماً ذکر مراد لیتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بیان ذکر ہی کو کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں بیان، الفاظ کا اس طرح استعمال کرنا کہ وہ کلام میں اپنے معنی پر دلالت کریں اور معنی کے لوازمات ان میں ملحوظ ہوں۔ گویا ایک معنی کو کئی طرح با دلیل ادا کرنا بیان ہے۔ اس سلسلے میں تشبیہ۔ استعارہ، مجاز، کنایہ زیر بحث آتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ذریعے الفاظ گوناگوں معنی ادا کرتے ہیں۔ یا ایک معنی کو کئی طرح ادا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح معانی حقائق گوناگوں اور سوانح مختلفہ کی صورتوں کا عکس ہے۔ یعنی حواس خمسۂ ظاہری کے ذریعے حواس باطنی کو حالات و واقعات کا ہر طرح کا علم ہوتا ہے۔ ان حالات و واقعات کے حقائق کی شعاعوں سے آئینۂ دماغ پر جو تصاویر بنتی ہیں۔ انہی کا انعکاس "شعور" کہلاتا ہے اور اسی شعور و لاشعور سے پیدا ہونے والی کیفیات کا نام "معانی" ہے۔

عام حالات اور روزمرہ گفتگو میں بھی، اگرچہ ہم معانی کی تصویر کھینچتے ہیں لیکن اس تصویر میں اور [illegible] شعری تصویر میں فرق ہوتا ہے۔ شاعر کے دل پر جب کوئی چیز خاص طور پر اثر انداز ہوتی ہے تو وہ اس کو شعر کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ کبھی کبھی یہ حقیقت خارجی، بجائے خود اتنی حسین و دلکش ہوتی ہے کہ شاعر کی نگاہ اس کے دام حسن میں الجھ کر رہ جاتی ہے اس عالم میں وہ جو شعر کہتا ہے اس میں صورت کی ہو بہو تصویر پیش ہو جاتی ہے ایسی شاعری کو عربی میں "وصف" کہتے ہیں۔ اس کے ضمن میں مختلف تصاویر آ جاتی ہیں مثلاً تصویر جذبات، تصویر خیال،

تصویر خیال۔ تصویر تخیل۔ تصویر فکر و حقیقت وغیرہ۔ ان سب کی تفصیل یہاں مقصود نہیں۔
حواس خمسہ ظاہری ذریعۂ علم ہیں۔ مگر ہر حس اپنی خاصیت کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی۔ یعنی قوتِ باصرہ دیکھ سکتی ہے، سونگھ نہیں سکتی، یہ کام قوتِ شامہ سے مخصوص ہے۔ اسی طرح قوتِ لامسہ۔ سامعہ و ذائقہ اپنے اپنے ہی فرائض انجام دے سکتی ہیں۔ ایک دوسرے کے نہیں۔ لیکن ان سب کا مرکز دماغ ہے۔ گویا وہ ایک ایسی لوح ہے جو محسوساتِ خمسہ سے عکس پذیر ہوتی ہے۔ اس کو حسِ مشترک اور آئینۂ نفس بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ نفس کو اسی قوت کے ذریعے باہر کا علم ہوتا ہے یہی علم اولین صورت میں شعور کہلاتا ہے۔ اس شعور کے اثرات کا نام جذبات ہے۔ یہ شعورِ نفسانی کبھی پیدا ہوا اور کبھی ختم ہو گیا۔ کبھی باقی و قائم رہتا ہے۔ اس کو تصور کہتے ہیں۔ اگر تصور اس طرح قائم ہو جائے کہ نفس جب چاہے اس کا اعادہ کرے تو قیام و استقرار کی محافظ قوت کو حافظہ کہتے ہیں اور اعادہ کرنے والی قوت کو خیال۔ تصور۔ اور خیال میں تصرف کرنے والی قوت کو متصرفہ کہتے ہیں۔ قوتِ متصرفہ جب نظم و ترتیب قائم کرے تو متفکرہ کہلاتی ہے اور اگر جزئیات و صور میں تصرف کرے تو متخیلہ۔ بعض کے نزدیک خیال قوت پاکر جب صورِ ذہنیہ میں تصرف و خلاقی کرتا ہے تو وہی واہمہ و متخیلہ کہلاتا ہے۔ بہر حال دماغ انسانی پر یہ کیفیات طاری ہوتی ہیں اور شعر کی تخلیق میں ان کا عمل رہتا ہے۔

یہ باتیں اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ شعر کی تخلیق میں جو قوتیں کارفرما ہوتی ہیں ان کا عمل اور حیثیت سامنے آجائے۔ کیونکہ شاعر جو کچھ کہتا ہے وہ نتیجہ ہوتا ہے اس کے مشاہدے اور تجربے کا۔ مشاہدے اور تجربے کے دوران وہ کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ دماغ اپنے معاون قویٰ کے ذریعے انہیں محفوظ کر لیتا ہے۔ اور پھر ان کے تاثر سے کیفیت پذیر ہو کر ان کی عکاسی کرتا ہے۔ اب اگر یہ عکاسی ایسی ہے کہ تصویر بالکل آنکھوں کے سامنے آجائے تو اس کو ہم وصف کہیں گے۔ پس وصف کی تعریف یہ ہوئی کہ شاعر جو حالت و کیفیت بیان کرے۔ اپنے سامعین کو بھی اسی عالم میں پہنچا دے۔ جہاں خود موجود ہے، تاکہ سن کر یہ محسوس ہونے لگے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ چنانچہ وصف کے متعلق کہا جاتا ہے: "وصف وہ ہے جو کانوں کو آنکھ بنا دے": گویا وصف ہمارے سامنے بیان کی جانے والی حالت و کیفیت پیش کرنے کا نام ہے اس لئے "ارج" کو "وصف" اور "اجری" کو "صفیت" کہا جائے تو تطبیق ہو جاتی ہے۔ اب ان کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ بیان کی اقسام میں بھی وصف کا دخل ہے، یعنی تشبیہ، استعارہ، مجاز و کنایہ میں بھی وصف ہے۔ کیونکہ ان میں بھی تصویر پائی جاتی ہے اور معانی تو کلیتہً ہی حالات و حقائق گوناگوں کے عکس ہی کو کہتے ہیں۔

غرض وصف کا شعر ایک قسم کی معنوی تصویر ہے۔ اگرچہ شاعر بہت کم کسی چیز کی پوری پوری تصویر کھینچتا ہے۔ اکثر جس چیز کا وصف کرنا چاہتا ہے۔ اس کی چند نمایاں پسندیدہ اور آنکھوں میں بسی ہوئی چند ایسی

خصوصیات چن لیتا ہے جو تصویر کی جان ہوتی ہیں اور انہی سے تصویر، سامع کی چشمِ تصور میں مکمل ہو جاتی ہے اور سامع کو عالمِ خیال میں وہاں پہنچا دیتی ہے جہاں شاعر پہنچا تھا اور ذہنی طور پر اس تصویر سے محظوظ ہوتا ہے۔

وصف عام طور پر مناظر و مرئیات کی تصویر کو کہتے ہیں۔ لیکن شعر وصفی ہو یا غیر وصفی بہرحال حقائق مرئیہ کا عکس نہیں، بلکہ عکس ہوتا ہے صورِ خیالیہ کا۔ اس لئے شعر کسی قسم کا ہو تصویرِ معنی ہوتا ہے اور شاعری معنوی مصوری ہے یہ دوسری بات ہے کہ شعر صورتِ ذہنیہ پر منطبق ہوتے ہوتے کبھی صورتِ خارجیہ پر بھی منطبق ہو جائے۔ یا صورتِ خارجیہ شعری تصویر پر۔ شعر باستثنائے قدرِ قلیل وصف میں داخل ہے۔ وہ تشبیہ سے ملتا جلتا ہے لیکن تشبیہ نہیں۔ تشبیہ اکثر وصف ہی میں آتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ وصف خبر ہوتا ہے کسی حقیقت کی اور تشبیہ محض مجاز و تمثیل۔ بعض حضرات وصف کو محاکات سے تعبیر کرتے ہیں اور تخیل کو اس کا مقابل بتلاتے ہیں اس طرح حکائی اور تخیلی اقسام ہو جاتی ہیں۔ محاکات کی تعریف میں اختلاف ہے۔ لیکن اکثر کے نزدیک یہ تعریف ہے کہ کسی شے یا حالت کو الفاظ میں اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کی تصویر نظر کے سامنے آ جائے۔ محاکات جذبات و افکار کے نتائج کو محیط نہیں ہے۔ تخیل کے متعلق بھی یہی ہے کیونکہ حس بصر کے ذریعے جن اشیا کی شبیہ دماغ تک پہنچتی ہے۔ وہ قوتِ متخیلہ کو تصورات و اشکال کی نعمت بخشتی ہے اور تخیل کی تفریحات انہی اشیا سے مہیا ہوتی ہیں جنہیں ہم نے دیکھا ہو خواہ اس وقت جب کہ وہ ہمارے سامنے موجود ہوں یا اس وقت جب تصویر، مجسمے یا الفاظ میں ان کے بیان سے ان کا تصور ہمارے پیشِ نظر ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ قوتِ متخیلہ، کوئی شبیہ بھی ایسی پیش نہیں کر سکتی جو حسِ بصر کے ذریعے حاصل نہ ہوئی ہو۔ یہ ضرور ہے کہ ان شبیہوں کو محفوظ رکھنے، تبدیل کرنے یا ان میں اضافہ کرنے کی قوت ہمارے اندر موجود ہے۔

شعر میں پیش کی جانے والی تصویر خواہ حکائی ہو یا تخیلی یا فکری یا جذباتی وہ داخل وصف ہے۔ کیونکہ یہ سب تصویرِ معانی ہیں اور تصویرِ معانی کا دوسرا نام وصف ہے اس لئے "امیج" کو وصف کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ بعض نے امیج کا ترجمہ، تصور، خیالی تصویر، صورت، مجسمہ، بت اور شکل کیا ہے۔ مگر اصطلاحِ ادب کے طور پر میرے نزدیک وصف بہتر ہے۔ اگر امیج کو محسوس (مرئی) اشیا کی تصویر تک محدود خیال کیا جائے تو اس صورت میں وصف، امیج سے برتر و افضل ہے۔ کیونکہ وصف میں محسوس (مرئی) غیر محسوس (غیر مرئی) دونوں کی تصویر پیش کی جا سکتی ہے۔ بعض نے "امجری" کا ترجمہ تصویر آفرینی کیا ہے۔ ان کے مقصد کے لحاظ سے یہ ترجمہ بھی اس لئے درست نہیں کہ لفظ تصویر مادی و محسوس اشیا تک محدود ہے اور اس صورت میں امیج کا ترجمہ تصویر آفریں ہوگا تو اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ ہم "امیج" کے لئے تصور اور امجری کے لئے "تصوریت" اختیار کر لیں۔ پس اگر محسوس اشیا کی تصویر کشی کو مقصود بنایا جائے تو تصور و تصوریت

اور اگر مطلق تصویر خواہ وہ محسوس اشیاء کی ہو یا فکر و خیال کی۔ تو پھر وصف اور وصفیت مناسب ہے۔

معادل کی اس تلاش و جستجو کے بعد امیج اور امجری کے متعلق لسانیات کی روشنی میں غور کرتے ہیں تو یہ صوتی اعتبار سے قومی زبان میں رچ بس جانے کے قابل نظر آتا ہے۔ کیونکہ "وصف" بھی عام نہیں ہے۔ اس لئے اب وہ دونوں لفظ ایک ہی جیسے ہیں۔ دونوں کے اختیار کی منزل یکساں ہے۔ "وصف" ہر طبقے کے لئے اجنبی ہے۔ اور امیج کم از کم انگریزی داں طبقے کے لئے معروف و آشنا ہے۔ اس لئے اگر "امیج" ہی کو اختیار کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہونا چاہیئے کہ اس کا مفہوم متعین اور استعمال کا اصول مقرر کر لیا جائے لیکن اگر "امیج" کا معادل "تصور" قرار پاتا ہے تو پھر "تصور" کو ہر حال میں فوقیت حاصل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم تصور کو معادل قرار دے لیں تو یہ نہایت ہی مناسب ہے۔ تصور ہر حیثیت و ہر حالت میں امیج کے ادبی و تنقیدی مفہوم کو محیط ہو سکتا ہے مثلاً غالب کے کلام میں تصوریت (امجری) کی بہتات ہے۔ غالب نے مختلف حیثیت سے تصوریت کی تکمیل چابکدستی سے کی ہے:

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز　　　پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

کہہ سکتے ہیں کہ اس شعر میں ایک مکمل حسین تصور (امیج) ہے یا:

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس　　　برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

اس شعر میں یکے بعد دیگرے کئی تصور (امیج) ہمارے سامنے آتے ہیں اور بھرپور تاثر چھوڑتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام پاپڑ بیلنے اسی وقت درست ہیں جب ہم قومی شعور سے کام لیں اور اس بات کا عزم کر لیں کہ ہم اپنی قومی زبان کو فروغ و فوقیت دیں گے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ الفاظ کی زندگی استعمال پر منحصر ہے۔ اگر استعمال ترک کر دیا جائے تو الفاظ مر جاتے ہیں۔ اسی طرح نئے الفاظ کو استعمال نہ کیا جائے تو ان کی تلاش اور ترکیب میں محنت کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مثلاً ہمارے ہاں "ٹیوب ویل" استعمال ہوتا ہے جس کا لفظی مطلب عوام بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ وہ ٹیوب اور ویل کے معنی نہیں جانتے لیکن اگر اس کی جگہ "نل کنواں" استعمال کرنے لگیں تو ایک جاہل بھی اس کے مفہوم و معنی سے خود بخود آگاہ ہو جائے گا۔ مگر مغرب زدگی کی بدولت ایسے الفاظ و مرکبات استعمال کرنا کسر شان سمجھتے ہیں، جو سراسر احساس کمتری پر مبنی ہے۔ کم از کم اب تو ایسا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ زیادہ سے زیادہ قومی زبان کے الفاظ و مرکبات استعمال کرنے کا رجحان پیدا کرنا چاہیئے۔ اور جو ایسا کرتے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔

ماہنامہ

قومی زبان

کا

بابائے اردو نمبر

سنہ ۱۹۶۶ء

ڈاکٹر سید عبداللہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی میاں بشیر احمد خواجہ غلام السیدین رئیس احمد جعفری
ماہر القادری زرقت کاکوروی نواب مشتاق احمد خاں ڈاکٹر محشر عابدی ڈاکٹر احسن فاروقی
سید شبیر علی کاظمی ڈاکٹر وزیر آغا سید قدرت نقوی رئیس امروہوی
اور دیگر اہل قلم کے گرانقدر مضامین کا مجموعہ

•

"مرقع عبدالحق" کے نام سے بابائے اردو کی دو درجن سے زائد نادر و نایاب تصاویر شائع کی گئی ہیں۔

•

"بزم عبدالحق" کے عنوان سے بابائے اردو کے دوستوں اور نیازمندوں کا تذکرہ

•

بابائے اردو کے متعدد غیر مطبوعہ خطوط

•

آفسٹ کی چھپائی عمدہ سفید کاغذ صفحات ساڑھے تین سو قیمت چھ روپے

انجمن ترقی اردو
بابائے اردو روڈ
کراچی۱

نئی کتابیں

PARALLEISM IN ENGLISH AND URDU POETS.

یہ اپنے موضوع پر پہلی اور نہایت دلچسپ کتاب ہے جس میں فاضل مرتب نے اردو اور یورپین شعراء کے ہم معنی اشعار کو یکجا کر دیا ہے، اس میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ عہد جدید کے کسی شاعر کے کلام سے (بہ استثنائے چند) مثالیں پیش نہیں کی گئیں بلکہ ایسے دور کے شعراء لئے گئے ہیں جن کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے ایک دوسرے کا نام سنا ہو یا وہ ایک دوسرے کی زبان سے بھی واقف ہوں۔ میر و سودا اور درد وغیرہ کے اشعار کے مقابل شیلے، کیٹس اور لانگ فیلو وغیرہ کے اقتباسات دیئے گئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ ایک دوسرے کا ترجمہ ہوں۔

فاضل مرتب نے بڑی دیدہ ریزی اور کاوش سے ہم معنی اشعار کا یہ سفینہ مرتب کرتا ہے جو اس امر کا ثبوت ہے کہ مرتب اردو اور انگریزی دونوں زبانوں سے پوری طرح واقف ہے اور اس کا ان زبانوں کے ادبیات کا مطالعہ وسیع ہی نہیں گہرا بھی ہے۔ اس کتاب کے مرتب جناب ایس اے مہدی لکھنؤ اور علی گڑھ کے تعلیم یافتہ ہیں اور آج کل ممباسہ (کینیا) میں مقیم ہیں۔ اپنے وطن سے اتنی دور بیٹھ کر بھی اپنی زبان کی خدمت سے وہ غافل نہیں ہوئے یہ کتاب مرتب کر کے انہوں نے ایک اہم ادبی خدمت انجام دی ہے۔ بقول پروفیسر سید احتشام حسین "یہ ایک لحاظ سے بنیادی کام ہے.... اس کو پیش نظر رکھ کر کوئی نقاد شاعروں کے عمل تخلیق کی نفسیاتی گتھیوں کو سلجھا سکتا ہے اور اس طرح کی یکسانیت اور مماثلت کے اسباب تلاش کر سکتا ہے":

یہ کتاب مرتب نے خود شائع کی ہے اور انہیں سے مل سکتی ہے۔ پتہ یہ ہے پوسٹ بکس ۵۰۲۳۔ ممباسہ کینیا۔ (ایسٹ افریقہ)

ترجمان القرآن :

سید سلیمان ندوی مرحوم نے لکھا ہے کہ "نوجوان مسلمانوں میں قرآن پاک کا ذوق ابوالکلام کے الہلال اور البلاغ نے پیدا کیا۔ اور جس اسلوب بلاغت، کمال انشاپردازی اور زور تحریر کے ساتھ انہوں نے انگریزی خواں نوجوانوں کے سامنے قرآن پاک کی ہر آیت کو پیش کیا اس نے ان پر ایمان و یقین کے نئے نئے دروازے کھول

دیے اور ان کے دلوں میں قرآن پاک کے معنی و مطالب کی بلندی اور وسعت کو پوری طرح نمایاں کر دیا: سید صاحب مرحوم نے اس "مبارک وقت" کی حسرت کی تھی کہ "اس موثر قلم سے قرآن پاک کی پوری تفسیر شائع ہو تاکہ عربی سے نابلد مسلمانوں کے لئے نور بینش اور افزائش بصیرت کا سروسامان اردو میں بھی میسر آئے" اور جب یہ تفسیر شائع ہوئی تو اس کی تفسیری حیثیت اور اس کے علمی معیار کی نسبت فرمایا تھا:

"اس میں سورہ فاتحہ کے ایک ایک لفظ کی ایسی دل نشیں تشریح، اور بصیرت افزا تفسیر ہے کہ اس سے اس سورہ کا ام الکتاب (اصل قرآن) ہونے کا مسئلہ مشاہدۃً معلوم ہونے لگتا ہے۔ اور اسلام کے تمام مہات مسائل اور اصول دین پر ایک تبصرہ ہو جاتا ہے، خصوصاً قرآن پاک کے طرز استدلال، خالق کائنات کی ربوبیت و رحمت کے آثار و دلائل اتنی تفصیل سے لکھے ہیں کہ مصنف کی وسعت علم و نظر کی داد بے اختیار دینی پڑتی ہے، اور امام غزالی نے "الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالیٰ" میں اور ابن تیمیہ نے "مفتاح دار السعادۃ" میں اس مبحث پر جو کچھ لکھا تھا۔ اس سے زیادہ بسط و تشریح اور مقتضیات زمانہ کی مطابقت سے "ترجمان القرآن" میں یہ بحث آگئی ہے۔ چنانچہ توحید اور دلائل توحید نیز تخلیق بالحق، الہدیٰ اور الدین کی مصنف نے جو قرآنی تشریحیں کی ہیں، وہ اگر ایک طرف نکتہ پرور ہیں، تو دوسری طرف ایمان پرور ہیں"

سید صاحب کی یہ رائے ترجمان القرآن کے "نقش اول" کی نسبت تھی۔

سید صاحب نے "ترجمان القرآن" کو "وقت کی اہم چیز" لکھا تھا اور اس ضرورت کا اظہار فرمایا تھا کہ "اس کو گھر گھر پھیلایا جائے اور نوجوانوں کو اس کے مطالعے کی ترغیب دی جائے اور ہر اسلامی دار المطالعہ میں اس کا ایک نسخہ منگا کر رکھا جائے": ایک قرن سے زیادہ مدت گزر چکی ہے جب سید صاحب نے اس کی اہمیت اور ضرورت کو محسوس کیا تھا۔ اس مدت میں ہماری اجتماعی زندگی میں خرابیوں کے سیلاب اور ترجمان القرآن پر مولانا کی نظر و فکر اور تبدیلیوں نے اس کی علمی حیثیت و اہمیت اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی ضرورت اس سے بہت زیادہ کر دی ہے جتنی کہ سید صاحب مرحوم نے محسوس کی تھی۔ ترجمان القرآن کا یہ ایڈیشن پہلی دونوں اشاعتوں سے اس درجہ مختلف چیز ہے کہ جن حضرات کے پاس اس کے پہلے دونوں ایڈیشن ہوں وہ بھی اس نسخے سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ ترجمان القرآن پہلے دو جلدوں میں شائع ہوا تھا لیکن اب جدید ترتیب کے مطابق یہ تین جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے، تیسری جلد میں سورہ نور کا ترجمہ بھی شامل ہوگا جو دستیاب ہو گیا ہے۔ زیر تبصرہ جلد، ترجمان القرآن کی پہلی جلد ہے اور صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب بیک وقت ہند و پاکستان میں شائع ہوئی ہے۔ ہندوستان میں اسے ساہتیہ اکیڈمی دہلی نے ٹائپ میں شائع کیا ہے۔ پاکستانی ایڈیشن سندھ ساگر اکیڈمی نے آفسٹ کے ذریعہ شائع کیا ہے۔ دونوں ایڈیشنوں کی قیمت ۔۔ الگ تھ

گردوپیش

تصویر کا ایک رُخ

۵ اردو مغربی پاکستان اسمبلی نے حزب اختلاف کے لیڈر خواجہ محمد صفدر کی یہ تحریک کثرت رائے سے مسترد کردی ہے کہ اردو کو ۱۹۶۸ء تک دفتری اور سرکاری زبان بنادیا جائے خواجہ محمد صفدر نے اپنی تقریر میں یہ بھی ثابت کردیا تھا کہ ب اردو کی علمی اور دفتری اصطلاحیں اتنی تعداد میں وضع کی جاچکی ہیں کہ ان سے سارا کام بخوبی لیا جاسکتا ہے لیکن نتیجہ اس ، علاوہ کچھ نہیں نکلا کہ ۱۹۷۲ء میں ایک کمیشن یہ فیصلہ کرے گا کہ اردو کو دفتری زبان قرار دیا جائے یا نہیں۔

تبصرہ روز نامہ امروز لاہور کے ۱۳ رمئی کے شمارے سے ایک خبر من وعن نقل کی جاتی ہے۔ "ایک طرف قومی زبان اردو کو ہر سطح پر ذریعہ تعلیم بنانے کے بلند بانگ دعوے کئے جارہے ہیں۔ تو دوسری طرف پرائمری کی سطح پر انگریزی ذریعۂ تعلیم بنانے والے کنڈر گارٹن اسکولوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔ پرائمری سطح پر انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی شش کے پیچھے میں یہ احساس کارفرما ہے کہ ملک میں ترقی کرنے کے لئے صرف انگریزی زبان ہی سب سے اہم ہے"

تصویر کا دوسرا رُخ

اردو کی ترقی کے لئے مرکزی حکومت نے ایک سرکاری اعلان میں ۲ رجولائی کو کہا ہے کہ مرکزی حکومت موجودہ منصو کے دوران اردو کی ترقی کے لئے ۲۵ لاکھ روپے صرف کرے گی۔ اس اسکیم میں سائنسی کتابوں بالخصو ۔ایس۔سی کے لئے درسی کتابوں کی تیاری بھی شامل ہے۔ اس مقصد کے لئے سات لاکھ روپے خرچ کئے جائیں گے۔ پاکستان رعام معلومات پر اردو کی کتابوں پر چار لاکھ ۵۰ ہزار روپے خرچ کئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ اردو مراکز مختلف علاقوں ، قائم ہوں گے۔ اور ان میں اردو شارٹ ہینڈ کی کلاسیں شروع ہوں گی۔

تہذیبی - تعلیمی اور علمی خبریں

اردو ادب پر روس میں کتابیں

گزشتہ چند برسوں میں سوویت یونین کے مشرقی زبانوں کے مترجمین نے اردو ادب کے بہت سے شہ پاروں کا روسی میں ترجمہ کیا اور روس کے عوام کو اردو ادب سے روشناس کرایا۔ ان مصنفین میں مرزا غالب، علامہ اقبال، میرامن، پریم چند اور کرشن چندر کے نام شامل ہیں اردو ادب کے متعلق روس کے ادبی رسالوں میں مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں -

اسپینی زبان میں کلام مجید کا ترجمہ

اسپین میں پاکستان کے مبلغ مولانا کرم الہٰی ظفر نے ۲۲ جون کو کراچی میں انکشاف کیا ہے کہ اسپینی زبان میں قرآن حکیم کا پہلا جامع ترجمہ تیار ہو چکا ہے - اور اب اس کی اشاعت کا بندوبست کیا جا رہا ہے - انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اسپین کے دارالحکومت میں ایک مسجد کی تعمیر پر بھی غور ہو رہا ہے مولانا نے ایک سوال کے جواب میں یہ انکشاف بھی کیا کہ حکومت اسپین نے حال میں ایک قانون منظور کیا ہے جس کے تحت اسپین میں ہر مذہب اور فرقے کو مکمل آزادی حاصل ہوگی -

میکگل یونیورسٹی میں

میکگل یونیورسٹی کی طرف سے ابتدائی اردو کے لئے ایک کورس جاری کیا گیا ہے - جس کا مقصد مسلمانان برصغیر کی معاشرت، زبان اور تہذیبی زندگی کا مطالعہ پیش کرنا ہے - یہ کورس اردو پر عربی اور فارسی کے اثرات کی نشان دہی بھی کرے گا - میکگل یونیورسٹی ایک اخباری ریڈر اور ایک اردو شاعری کی ریڈر بھی تیار کرا رہی ہے - جس کے نگراں ڈاکٹر عبدالرحمان بارکر ہیں -

مطبوعات کا منصوبہ

حیدرآباد کے اشاعتی ادارے "زاویہ مطبوعات" نے وادی مہران کے ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی اور اس علاقے میں اردو ادب کی اشاعت کا ایک جامع منصوبہ تیار کیا ہے - مہتمم زاویہ مطبوعات نے ادیبوں اور شاعروں سے اپنے مسودوں کی اشاعت کے لئے رابطہ قائم کرنے کی اپیل کی ہے -

مجاز ایک آہنگ

مکتبۂ افکار کی جانب سے شائع کی جانے والی کتاب "مجاز ایک آہنگ" کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے - یہ کتاب مجاز کی زندگی، شاعری اور شخصیت پر ایک مبسوط تصنیف خیال کی جاتی ہے جس کا پیش لفظ بابائے اردو کا لکھا ہوا ہے - اس میں نایاب تصویروں، خاکوں اور مضامین کے ساتھ مجاز کا غیر مطبوعہ کلام بھی شامل ہے - اس کتاب میں تمام مشہور اہل قلم نے حصہ لیا ہے -

بچوں کے صدارتی انعامات

بچوں کے بہترین مضمون پر ہر سال جو صدارتی انعامات دیئے جاتے ہیں امسال اس کے لئے عنوان تجویز کیا گیا ہے "میں کس طرح ایک طالب علم

کی حیثیت سے ملک کی بہترین خدمت کرسکتا ہوں گا یہ انعامات چھ ہیں - دو اردو دو بنگالی اور دو انگریزی کے لئے - اس کا اہتمام پاکستان کونسل برائے بہبودیٔ اطفال کر رہی ہے -

جمیل نقش کی تصاویر کی نمائش ۲۹ مئی کو گورنر اسٹیٹ بینک شجاعت علی حسنی نے جمیل نقش کی تصاویر کا افتتاح کیا - اس موقع پر ادیبوں، صحافیوں اور فنکاروں نے شرکت کی - جن میں جوش ملیح آبادی، رئیس امروہوی، پروفیسر احمد علی اور مصوری کے بہت سے پرستار شامل ہیں۔

مخطوطات پیرس ترقی اردو بورڈ کراچی نے ببلیوتک ناسیونال اور میوزے گیمے (پیرس) کے اردو، سندھی اور پنجابی مخطوطات کی فہرست شائع کردی ہے - یہ فہرست جسے آغا افتخار حسین نے مرتب کیا ہے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ہے اور اس میں تقریباً پچاس مخطوطات پر تعارفی نوٹ لکھے گئے ہیں -

آئینہ خانے میں

مادام بہنام کی تقریر ایرانی کلچر سینٹر لاہور کی ڈائرکٹر مادام مریم بہنام نے کہا ہے کہ ایران اور پاکستان کی نئی نسل میں ملی شعور پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ علامہ اقبال کی تعلیمات کو دونوں ملکوں کے نصاب تعلیم میں زیادہ سے زیادہ شامل کیا جائے - وہ گورنمنٹ کالج برائے خواتین کے جلسۂ تقسیم اسناد میں تقریر کر رہی تھیں -

"باغی شاعر" کو خراج تحسین ایسٹ پاکستان ایسوسی ایشن نے بنگالی کے آتش نوا اور باغی شاعر قاضی نذر الاسلام کی ۷۸ ویں سالگرہ بڑی دھوم سے منائی - اس موقع پر اپنے ایک پیغام میں گورنر مغربی پاکستان جناب محمد موسیٰ نے کہا قاضی نذر الاسلام پہلا بنگالی شاعر ہے جس نے سنسکرت الفاظ کی جگہ عربی اور فارسی الفاظ اپنے اشعار میں استعمال کئے - اور اس طرح بنگالی کے ذخیرۂ الفاظ کو وسعت بخشی - اسلامی تہذیب کو فروغ دینے میں ان کے اس رجحان نے بہت زبردست خدمات انجام دیں -

یادوں کے چراغ

بیاد اقبال فلاح یوتھ کلب میں علامہ اقبال کی یاد میں ایک مجلس منعقد ہوئی - جس میں کئی دانشوروں نے پر مغز مقالے پڑھے - مقالات پڑھنے والوں میں ڈاکٹر ابو حسن صدیقی خواجہ عبدالوحید، بشیر احمد ڈار، ڈاکٹر انوار احمد صدیقی اور شمیم جاوید اہم ہیں -

مولانا صلاح الدین کو خراج عقیدت

لاہور میں ۲ / جون کو ایک جلسۂ عام میں اردو کے صاحب طرز ادیب اور بے باک صحافی مولانا صلاح الدین احمد کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا گیا اور متعدد مقررین کی جانب سے ان کی علمی، ادبی اور ملی خدمات کو شاندار خراج تحسین پیش کیا گیا۔ یہ جلسہ مرکز تعمیر نو میں موتمر عالم اسلامی کی صوبائی شاخ کی جانب سے منعقد ہوا تھا جس کی صدارت حکیم محمد حسن قریشی نے کی۔ جلسے سے آغا محمد باقر، مولانا حامد علی خاں، الطاف فاطمہ اور حکیم نیر واسطی نے خطاب کیا۔

شکاگو یونیورسٹی میں غالب

۱۹۶۹ء میں غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر امریکہ میں غالب کی یاد منانے اور ان کی تصانیف شائع کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی گئی ہے۔ جس میں امریکہ کی مختلف یونیورسٹیوں کے وہ تمام اساتذہ شامل ہیں جن کو اردو ادب سے خاص شغف ہے۔ اس موقع پر پاکستان اور ہندوستان سے ایسے ادیبوں کو دعوت دی جائے گی جو غالب پر کام کر چکے ہیں اور ان کے لیکچرز کا اہتمام کیا جائے گا۔ ایک سیمینار ہوگا جس کا موضوع اردو ادب ہوگا اور اس کے لئے کئی تعلیمی اداروں کا تعاون حاصل کیا جائے گا اور ادیب اس میں اردو ادب پر اظہار رائے کریں گے۔ غالب کی بیس بہترین غزلوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا جائے گا جس میں ماہرین اردو امریکی شعرا کی مدد کریں گے۔ غالب پر شائع ہونے والے اعلیٰ مضامین کا انگریزی میں ترجمہ کیا جائے گا اور اسے انگریزی داں دنیا کے لئے شائع کیا جائے گا۔ شکاگو سے شائع ہونے والا انگریزی ادبی رسالہ "محفل" اسی سال ایک غالب نمبر بھی شائع کرے گا۔

قابل اجمیری پر تحقیقی مقالہ

جامعہ سندھ کے ایم۔ اے فائنل اردو کے طالب علم جناب تسنیم جعفری نے جواں مرگ شاعر قابل اجمیری پر تحقیق مکمل کر لی ہے۔ انھوں نے ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ایک مقالہ تحریر کیا ہے

حسرت موہانی اکادمی

۱۸ / جون کو لیاقت آباد کراچی میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ جس میں کراچی کے نامور شعرائے کرام اور ممتاز ادیبوں نے شرکت کی۔ اور کثرت رائے سے حسرت موہانی اکادمی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ دنیا کی تمام کلاسیکی اور جدید زبانوں سے اردو زبان میں تراجم کے ذریعے اعلیٰ درجے کی علمی ادبی اور فنی کتب کی اشاعت کے منصوبے پر بھی اس جلسے میں غور کیا گیا۔

ظفر علی خاں اکادمی

لاہور میں وکلا، علما، صحافیوں اور دانشوروں کا ایک نمائندہ اجلاس ہوا۔ جس میں مولانا ظفر علی خاں کو پرجوش خراج تحسین پیش کیا گیا۔ اس اجلاس میں لاہور، لائل پور، سرگودھا کے نمائندے بھی شامل تھے۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ مولانا ظفر علی خاں کے نام پر ایک اکادمی کا قیام عمل میں

لا پائی جائے۔ اکادمی کے اغراض ومقاصد میں مولانا کے افکار وتعلیمات کا فروغ، ان کی تصانیف کی اشاعت اور ان کی قومی اور ملی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنا شامل ہے۔

نیاز فتحپوری کی پہلی برسی حلقہ نیاز و نگار کے زیر اہتمام سندھ مسلم کالج کے ہال میں علامہ نیاز کی پہلی برسی منعقد ہوئی جس کے مہمان خصوصی ممتاز حسن صاحب تھے۔ جن حضرات نے علامہ نیاز فتحپوری کو خراج تحسین پیش کیا ان میں جوش ملیح آبادی، ڈاکٹر محمود حسین، ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی اور ممتاز حسن صاحب کے نام قابل ذکر ہیں۔

ماتم میں ہم شریک

مادر ملت کی وفات حسرت آیات پاکستان کے لئے یہ سانحہ ایک زبردست رنج والم کا سیلاب تھا۔ جب موت نے ان کے درمیان سے مادر ملت، خاتون پاکستان، ہمشیرۂ قائد اعظم محترمہ فاطمہ جناح کو ہمیشہ کے لئے اٹھالیا۔ اس سانحے پر پاکستان میں صف ماتم بچھ گئی — مادر ملت کی رحلت پر صدر مملکت سے لے کر ایک عامی تک سب کے جذبات ایک تھے کہ موت کے ظالم ہاتھوں نے پاکستان کی سب سے مقدس اور اصول پرست ہستی کو ہم سے چھین لیا۔ حکومت کے وزراء، عمال، عوامی رہنماؤں، سیاسی جماعتوں، تعلیمی اداروں اور تہذیبی انجمنوں نے اس سانحے کو پاکستان کے لئے زبردست نقصان بتایا ہے۔ ادیبوں اور شاعروں نے مادر ملت کی رحلت کو پورے ملک اور قوم کے لئے زبردست سانحہ قرار دیا ہے۔ ادارہ قومی زبان اس قومی سانحے پر دلی افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ سید قدرت نقوی نے مادر ملت کی وفات حسرت آیات پر جو قطعہ کہا ہے پیش کیا جاتا ہے۔

مادر ملت جناب فاطمہ　　بہر ملک وقوم بودہ خادمہ
چوں شدم "افسردہ" گفتم بر وفات　　رفت سوئے خلد اعلیٰ عالیہ

۱۹۶۷ = ۱۶۱۷ + ۳۵۰

شاہد احمد دہلوی کی رحلت اردو کے ممتاز ادیب صاحب طرز خاکہ نگار، مترجم، موسیقار اور مدیر جناب شاہد احمد دہلوی کے انتقال پر ملال پر مغربی پاکستان میں سخت رنج وافسوس کا اظہار کیا جارہا ہے۔ شاہد احمد دہلوی کا انتقال ۲۷ مئی کی شب کو ہوا تھا۔ کراچی میں کئی تعزیتی جلسے منعقد ہوئے۔ لاہور، پنڈی اور سندھ کے کئی شہروں میں ان کا سوگ منایا گیا۔

حضرت اثر لکھنوی کی وفات

اردو دنیا میں یہ خبر دلی رنج و اندوہ سے سنی گئی کہ مشہور صاحب طرز غزل گو اور رباعی نظر نقاد حضرت اثر لکھنوی ۱۳ رجون کو کشمیری محلہ لکھنؤ میں وفات پا گئے ۔ اس خبر پر تمام ادبی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی کیونکہ حضرت اثر کے ساتھ ایک پورے ادبی دور اور ایک عظیم روایت کا خاتمہ ہوگیا ۔ انتقال کے وقت مرحوم کی عمر ۸۲ سال تھی ۔ وہ خاصے عرصے تک بیمار رہے اور اچانک ان کی حالت بگڑ گئی ۔ حضرت اثر کشمیر کے قائم مقام وزیر اعظم بھی رہ چکے تھے ۔ اس سانحے پر اظہار افسوس کے لئے پاکستان اردو اکادمی کا ایک خصوصی اجلاس ہوا ۔ جس میں نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی کے انتقال پر اظہار تعزیت کے لئے ممتاز ادیب اور شاعر جمع ہوئے تعزیتی اجلاس کی صدارت ڈاکٹر شوکت سبزواری نے کی ۔ جناب جوش ملیح آبادی نے اثر لکھنوی کی ان خدمات کا ذکر کیا جو انھوں نے اردو شاعری کے سلسلے میں انجام دیں ۔ انھوں نے حضرت اثر کو ادب و تنقید کی مستند شخصیت قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان کے انتقال سے اردو شاعری کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے ۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے حضرت اثر لکھنوی کی موت کو اردو ادب کا ناقابل تلافی نقصان قرار دیا اور کہا وہ عظیم محقق شاعر اور نقاد تھے ۔ ادارہ قومی زبان اردو ادب کے اس زبردست نقصان پر دلی رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ان کے پسماندگان سے دلی ہمدردی کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خدا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے ۔

مولانا امین شرقپوری کی رحلت

مشہور صحافی اور صاحب قلم ادیب مولانا محمد امین شرقپوری کا انتقال لاہور میں ۲۹ رجون کی دوپہر کو ہوگیا ہے ۔ مرحوم کئی ماہ سے بیمار تھے اور میو اسپتال میں زیر علاج تھے ۔ ان کی تجہیز و تکفین ان کے آبائی وطن شرق پور میں ہوئی ۔

طالب الہ آبادی کا انتقال

مشہور صحافی اور مضمون نگار جناب طالب الہ آبادی کا انتقال حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے کراچی میں ۸ رجولائی کو ہوگیا ۔ مرحوم کو سوسائٹی میں دفن کردیا گیا ۔ آپ نے تقسیم سے قبل اور قیام پاکستان کے بعد پاک و ہند کے ممتاز رسائل اور اخبارات میں مضامین لکھے تھے ۔ اکبر الہ آبادی پر آپ کی تالیف علمی و ادبی حلقوں میں خاص شہرت رکھتی ہے ۔

آئینۂ ہند

یوپی میں زبان کے مسئلے پر اختلاف

زبان کے مسئلے پر اختلافات کی وجہ سے یوپی میں برسر اقتدار پارٹیوں میں پھوٹ پڑ رہی ہے جہاں تک وزیر اعلیٰ مسٹر چرن سنگھ کا تعلق ہے وہ اس بات کے حق میں ہیں کہ انگریزی ہندی اور ایک ہندوستانی زبان کا استعمال جاری رکھا جائے ۔ لیکن مخلوط حکومت کی سب سے بڑی پارٹی جن سنگھ صرف دو زبانیں چاہتی ہے ۔ لیکن یہ مسئلہ بجائے سلجھنے کے الجھا جا رہا ہے ۔

تحفظ اردو کے لئے

ہندوستانی اخبارات کی اطلاع کے مطابق لکھنؤ میں تحفظ اردو وفد نے احتجاج کے طور پر بھوک ہڑتال کردی ہے ۔ وفد نے یو پی کی حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ اردو کو اس کا صحیح مقام دلائے ۔ یو پی کے ایک نائب وزیر جناب شمیم عالم نے بھی اس مطالبے کی حمایت کی ہے اور کہا ہے اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا معقول انتظام کیا جائے ۔ یو پی کے نائب وزیر اعلیٰ جناب رام پرکاش نے وفد کو یقین دلایا ہے کہ ریاست میں اردو کو اس کا صحیح مقام دیا جائے گا ۔

ڈاکٹر نارنگ کا علمی سفر

خبر ہے کہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ریڈر اردو، دہلی یونیورسٹی کو مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی ہے ۔ کانگریس کا اجلاس اگست میں مشی گن یونیورسٹی ، امریکہ میں ہوگا ۔ ڈاکٹر نارنگ اس کے ایشیائی ادب کے شعبے میں اردو ادب کے جدید رجحانات پر مقالہ پڑھیں گے ۔ وہاں سے وہ وسکانسن ، واشنگٹن اور نیو یارک جائیں گے اور ستمبر کے آخر تک ہندوستان لوٹ آئیں گے ۔ واپسی پر وہ چند ہفتوں کے لئے یورپ میں رکیں گے اور اردو مثنویوں پر اپنی کتاب کے دوسرے اڈیشن کے لئے لندن اور پیرس کے کتب خانوں سے نادر مواد جمع کریں گے ۔

عابد رضا بیدار

اختر شہنشاہی

اشاریہ

(۴)

۴۲۹ **سحرِ بابل**[1]۔ فتحپور، ماہواری، ۱۲ ورق خورد، شعر و سخن کا گلدستہ ..... مالک نظام الدین شوق ... یکم ستمبر ۱۸۸۶ء

۴۳۰ **سرپنچ ہند**۔ لکھنؤ، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ... مالک امبکا پرشاد ... مہتمم عبدالغنی ... یکم ستمبر ۱۸۷۷ء

۴۳۱ **سرپنچ**۔ سید پور، ضلع غازی پور، ہفتہ وار، ۴ ورق خورد ... مالک شیو پرشاد ... مہتمم محمد اللبین شفق۔ پہلے اس کا نام نصرۃ المتانہ۔ ضمیمہ آئینۂ تہذیب تھا ... ۱۰ ستمبر ۱۸۸۲ء

۴۳۲ **سرپنچ** بمبئی ... مہینہ میں دوبار، ۲ ورق اوسط ... مہتمم سعید محمد عربی، ایڈیٹر ابوالحسن جوہر بریلوی۔ مہتمم اخبار ارمغان ... ۱۵ مئی ۱۸۸۳ء

۴۳۳ **سرپنچ** میرٹھ، ہفتہ وار، ۲ ورق کلاں ... مالک رفیع الدین، ہمشیرہ زادۂ سید جمیل الدین ہجر مرحوم مالک اخبار لارنس گزٹ ... اس کا دوسرا نام قیصر ہند ہے ... ۱۸۸۶ء

۴۳۴ **سراج الاخبار**۔ جہلم ... ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ... مالک فقیر محمد خاں ... یکم جنوری ۱۸۸۵ء

۴۳۵ **سرورِ قیصری**۔ پہلے یہ اخبار رام پور ضلع مراد آباد، ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط پر ... حکیم احمد رضا نے شائع کیا۔ اب جنوری ۱۸۸۸ء سے مطبع حیدری محلہ کٹرہ جلال الدین خان باہتمام حکیم حیدر علی خاں کے اشاعت پاتا ہے ... یکم مئی ۱۸۸۴ء

۴۳۶ **سرورِ قیصری**۔ کھیر ضلع علی گڑھ، پندرہ روزہ، ۴ ورق ... مالک جھنی لال ... اشتہار یکم ستمبر ۱۸۸۷ء بوعدہ اجرائے اخبار یکم جنوری ۱۸۸۸ء

۴۳۷ **سروشِ بنارس**: بنارس ... ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ... مالک شیخ ولی محمد شفا اثنا عشری ... ۱۶ ستمبر ۱۸۸۵ء

۴۳۸ **سرمایۂ فراست**۔ بھوپال، ماہواری ... سید اکرام الدین مہتمم رسالہ ... یکم اکتوبر ۱۸۸۵ء

۴۳۹ **سری گورمت پرکاشک**۔ یہ رسالہ قومی گورسکھ سنگھ سبھا، راولپنڈی، ماہواری، ۱۴ ورق خورد، مشترک حروف گورمکھی و زبان گورمکھی، حرف اردو ... مہتمم بھائی اوتار سنگھ ... اجرائے ناٹک شاہی ۱۸۱۶ء

[1] قسط نمبر ۳ میں شمار کی غلطی کی وجہ سے اخبارات کی تعداد میں تین کا اضافہ ہو گیا تھا لہٰذا موجودہ قسط کو ۴۳۲ کی بجائے ۴۲۹ سے شروع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

خالصہ سمت ۱۸۹ بکرم سمت ۱۹۴۳ اجرائے مئی ۱۸۸۶ء

۴۴۰ سرمور گزٹ ۔ ناہن براہ انبالہ، ہفتہ وار ۔۔۔ یکم مئی ۱۸۸۸ء

۴۴۱ سرمۂ روزگار ۔ آگرہ ۔۔۔ ہفتہ وار ۔۔۔ ۴ ورق اوسط ۔۔۔ مالک سید عشرت حسین ۔۔۔ یکم اگست ۱۸۸۷ء

۴۴۲ سفیر آگرہ ۔ آگرہ، ہفتہ وار، ۹ ورق ۔۔۔ اجرائے اشتہار ۱۴ جنوری ۱۸۵۶ء

۴۴۳ سفیر مدراس ۔ مدراس ۔۔۔ عشرہ وار، ۴ ورق کلاں ۔۔۔ مالک میر قاسم علی ۔۔۔ اکتوبر ۱۸۷۴ء

۴۴۴ سفیر صفیر ۔ آرہ، ضلع شاہ آباد، قسمت پٹنہ، محلہ پھاٹک سادات بلگرام، شعر و سخن کا ہفتہ وار، ۴ ورق خورد کا گلدستہ، ضمیمہ ضیاء الابصار ۔۔۔ مالک سید فرزند احمد صفیر بلگرامی اثنا عشری، مہتمم سید خورشید احمد اثنا عشری ۔۔۔ ۱۸۷۴ء

۴۴۵ سفیر ہند ۔ دہلی ۔۔۔ پندرہ روزہ، ۴ ورق اوسط ۔۔۔ مہتم بولاقی داس ۔۔۔ جنوری ۱۸۷۴ء

۴۴۶ سفیر ہند ۔ امرتسر، ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط ۔۔۔ مالک پادری رجب علی ۔۔۔ یکم جنوری ۱۸۷۸ء

۴۴۷ سفیر بڈھانہ ۔ قصبہ بڈھانہ ضلع مظفر نگر، ہفتہ وار، ۲ ورق کلاں ۔۔۔ مالک راؤ امر سنگھ ۔۔۔ یکم جنوری ۱۸۸۷ء

۴۴۸ سفیر پنجاب ۔ بجواڑہ ضلع ہوشیار پور ۔ ہفتہ وار ۔ ۲ ورق کلاں ۔۔۔ مالک سندھی خاں صفی ۔۔۔ یکم جون ۱۸۸۴ء

۴۴۹ سفیر گورنمنٹ ۔ انار کلی، ضلع لاہور، ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط ۔۔۔ دوسرا نام ناظم ہند ۔۔۔ مالک سید ناظر حسین ناظم ۔۔۔ اشتہار یکم جولائی ۱۸۸۵ء

۴۵۰ سفیر عام : بھوپال، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ۔۔۔ مہتمم عبدالواحد ۔۔۔ یکم ستمبر ۱۸۸۵ء

۴۵۱ سفیر ٹونک ۔ ٹونک، ہفتہ وار، ۲ ورق کلاں ۔۔۔ مالک غالب علی خاں ۔۔۔ ۴ جنوری ۱۸۸۷ء

۴۵۲ سفیر دکن ۔ حیدر آباد دکن، ایڈیٹر نثار علی شہرت ۔۔۔ ۱۸۸۸ء

۴۵۳ سکھدایک سبھا ۔ یہ رسالہ قومی ہندو برادری بہرو پیاں، ۲۰ ورق خورد ۔۔۔ سکرٹری ہری چند ساہنی ۔ یکم جنوری ۱۸۸۳ء

۴۵۴ سلطان الاخبار ۔ کلکتہ ۔۔۔ ہفتہ میں دوبار ۔۔۔ زبان فارسی ۔۔۔ مالک محمد طاہر، مہتمم سید جناب علی ۔ ایڈیٹر عزیز اللہ ۔ اجرا یکم جنوری ۱۸۳۷ء

۴۵۵ سلطان الاخبار ۔ یہ اخبار ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں ۔۔۔ یکم جنوری ۱۸۸۰ء کو جاری ہوا بنام نامی قیصر روم سلطان عبدالحمید خان پادشاہ غازی ۔۔۔ مہتمم سید قادر بادشاہ قادری

۴۵۶ سلطان الظرفا : لکھنؤ ۔۔۔ ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ۔۔۔ مہتمم ڈاکٹر اسحٰق حسن خان ۔۔۔ دوسرا نام مشرنج ۔۔۔ ۴ جنوری ۱۸۸۳ء

۴۵۷ سلام ۔ درگاہ نظام الدین، ضلع دہلی ۔۔۔ شعر و سخن کا ماہواری، ۸ ورق خورد گلدستہ ۔۔۔ مالک امیر سنگھ ، اجملے ۲۴ جنوری ۱۸۸۴ء

۴۵۸ **سمی ہنود** نینی تال، پندرہ روزہ، ناگری مشترک، ۸ ورق اوسط ... یکم جنوری ۱۸۷۳ء

۴۵۹ **سوانح عمری** ۔ لاہور... ۱۸ ورق خورد کا ماہوار رسالہ۔ جس میں ہر ملک اور قوم کے مذہبی سوشیل اور پولیٹیکل ریفارمر اور نیز دیگر بڑے بڑے مہاتما اور بزرگوں کی سوانح عمری سلسلہ وار درج ہوتی ہے۔ اجرا یکم اپریل ۱۸۸۲ء

۴۶۰ **سید الاخبار** ۔ دہلی .... مکان مفتی صدر الدین مرحوم، ہفتہ وار، ۶ ورق کلاں۔ پہلے کالم میں انگریزی دوسرے کالم میں اردو تیسرے کالم میں ناگری ۔، مالک مراری لال، مہتمم شیخ وزیر علی ... ۱۸۷۲ء

۴۶۱ **سیف گورنمنٹ** ۔ لاہور۔، پندرہ روزہ ... مالک سید نادر علی شاہ سیفی، مہتمم ہر سنگھ ... اشتہار ۱۵ر جنوری ۱۸۸۵ء

۴۶۲ **سیف الاسلام** ۔ بمبئی ...، ہفتہ وار، ۲ ورق کلاں ...، ۱۸۷۶ء

۴۶۳ **سعید الاخبار** ۔ بدایوں، محلہ کھیڑہ بزرگ بحکم چودہری سعید الدین حسین صاحب رئیس، ماہواری، ۶ ورق ...، مالک فضل علی ...، اشتہار یکم جنوری ۱۸۸۵ء

۴۶۴ **سوال جواب قانونی شیام لال** ۔ کانپور ۔، مجاریہ شیام لال وکیل ... مالک بدری پرشاد ... نومبر ۱۸۸۳ء

۴۶۵ **سہیل** ۔ بنارس ...، ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط ...، مہتمم شرف الدین احمد، یکم جنوری ۱۸۸۶ء

۴۶۶ **شمس الاخبار** ۔ لکھنؤ ...، ۸ ورق اوسط، پندرہ روزہ ... مالک پادری مسمور، مہتمم پادری کریون ... اخبار عیسائیوں کا ہے، ۸ برس بعد ...، نام کوکب ہند ۱۸۶۹ء

۴۶۷ **شام اودھ** ۔ فیض آباد، ۴ ورق اوسط، پندرہ روزہ ...، مالک شیو پرشاد، ایڈیٹر کشن پرشاد ... ۱۸۸۴ء

۴۶۸ **شام وصال** ۔ یہ اخبار ضمیمہ ہے ۔ ہفتہ وار، اخبار شفیق ہند کا جو چھوٹے دو ورقوں پہ ہے، ہر روز شام کو طبع ہو کر اشاعت پاتا ہے ...، مالک مہر بخش .... یکم اکتوبر ۱۸۸۴ء

۴۶۹ **شرف الاخبار** ۔ بہار شریف، ضلع پٹنہ ... ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ...، مہتمم شاہ مقبول حسین .... ۴ر جنوری ۱۸۸۳ء

۴۷۰ **سررشتہ تعلیم اودھ** ۔ ماہواری، ۸ ورق اوسط .... ایڈیٹر و مہتمم سید ابوالحسن ...، یکم جنوری ۱۸۶۸ء

۴۷۱ **شحنۂ ہند** ۔ میرٹھ ...، ہفتہ وار ... ۴ ورق اوسط ...، مالک احمد حسن شوکت .... ۲ر جنوری ۱۸۸۳ء

۴۷۲ **شمس الاخبار** ۔ مدراس ... ہفتہ وار، ۲ ورق .... مالک نصیر الدین گھالہ آفندی ۱۸۵۹ء

۴۷۳ **شمس العلوم** ۔ احمد آباد کا رسالہ ماہواری ستمبر ۱۸۸۶ء

۴۷۴ **شوکت اسلام** ۔ پہلے ۔۔ چھوٹے چار ورقوں پر ۔۔ پونہ سے، بتاریخ ۴ر جولائی ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا۔ پھر بمبئی میں شائع ہوتا رہا ۔، ہفتہ وار، ۲ ورق کلاں ....، مقام حیدرآباد دکن، مہتمم ابوالقاسم اظہر الدین، مالک حاجی محمد قاسم۔

۴۷۵ **شوکت ہند** ۔ بمبئی ...، ہفتہ وار، ۲ ورق کلاں ...، مالک داعت علی ...، یکم دسمبر ۱۸۸۵ء

۴۷۶ **شگوفہ** ۔ حیدرآباد... شعر وسخن کا ماہواری گلدستہ، ۱۹ ورق خورد... مالک سید احمد زید بلگرامی... ۱۵ر نومبر ۱۸۸۳ء

۴۷۷ **شعلۂ طور** ۔ کانپور... ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط... مالک جناب پرشاد، ایڈیٹر حیدر علی... ۱۸۶۰ء

۴۷۸ **شفاء الصدور** ۔ لاہور، ماہواری، ۵ ورق اوسط... زبان عربی، مولوی فیض الحسن سہارنپوری... ۱۸۷۵ء

۴۷۹ **شفق** ۔ حیدرآباد... ہفتہ وار، ۲ ورق کلاں... مالک سید حسین رضوی... ۱۸۸۱ء

۴۸۰ **شفیق ہند** ۔ لاہور... ہفتہ میں ایک مرتبہ... ۶ ورق اوسط... مالک مہر بخش، مہتمم سیف الحق ادیب دہلوی... ۱۸۸۴ء

۴۸۱ **شمیم** ۔ الہ آباد... ہفتہ، ۴ ورق خورد، رائے کشوری لال مالک اخبار... یکم جنوری ۱۸۸۲ء

۴۸۲ **شمع سخن** ۔ بنگلور، ماہواری، ۸ ورق خورد شعر وسخن کا گلدستہ... مالک مولانا عبدالحق تحقیق... ۳۰ر اپریل ۱۸۸۴ء

۴۸۳ **شوخ اودھ** ۔ لکھنو، ہفتہ وار، ۲ ورق اوسط... مالک سید تصور حسین... ۳۰ر مئی ۱۸۸۲ء

۴۸۴ **شمشاد ہند** ۔ بنارس... عشرہ وار، ۶ ورق خورد... مالک حکیم کریم الدین حسن... ۱۸۸۲ء

۴۸۵ **شریر** ۔ لاہور... ۲ ورق خورد، پندرہ روزہ، ضمیمہ خادم ہند... مالک اوتم چند کپور... ۲۴ر جون ۱۸۸۷ء

۴۸۶ **شور عنادل** ۔ علی گڑھ، ماہواری، ۸ ورق خورد، شعر وسخن کا گلدستہ، مالک بنواری لال وکیل... ۱۸۸۷ء

۴۸۷ **شیخ چلی** ۔ سیالکوٹ... ہفتہ وار، ۴ ورق خورد... مالک مان سنگھ اہلووالیہ... اشتہار ۶ر اکتوبر ۱۸۸۵ء

۴۸۸ **صادق الاخبار** ۔ دہلی ۔ مالک سید محمد صادق مرحوم ۱۸۵۸ء ص ۲۶

۴۸۹ **صادق الاخبار** ۔ بہاولپور، ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط... مہتمم پنڈت دوارکا ناتھ، ایڈیٹر محمد اشرف برقی... ۱۸۶۷ء

۴۹۰ **صبح بنارس** ۔ بنارس... ہفتہ وار، ۲ ورق اوسط... مالک بھوت ناتھ ایڈیٹر مرزا محمد حسین فائز انصار عشری... ۱۶ر جون ۱۸۷۹ء

۴۹۱ **صبح وطن** ۔ پٹنہ... ہفتہ وار، ۲ ورق خورد... مالک حسن علی، ایڈیٹر سید رحیم الدین... یکم جون ۱۸۸۱ء

۴۹۲ **صحیفۂ قدسی** ۔ دہلی... ہفتہ وار... مالک وایڈیٹر مولانا عبدالقدوس قدسی... ۸ ورق اوسط... یکم مارچ ۱۸۸۶ء

۴۹۳ **صحیفۂ نامی** ۔ لکھنو... مہینہ میں دوبار... ۶ ورق اوسط مالک ابوالحسنات حافظ خواجہ قطب الدین احمد... ایڈیٹر خواجہ احمد حسن... یکم اکتوبر ۱۸۸۶ء

۴۹۴ **صدر پنچ** ۔ دہلی، ہفتہ وار، ۴ ورق خورد... یکم فروری ۱۸۸۷ء

۴۹۵ **صدق** ۔ بہار شریف... ضلع پٹنہ... مہینہ میں دوبار... ۲ ورق اوسط... مالک عبدالقادر فردوس... اب اس کا نام بوقلموں صدق ہوگیا... ۴ر جولائی ۱۸۸۵ء

۴۹۶ **ضیاء الاخبار** ۔ دہلی... مکان منشی ذکاء اللہ خان بہادر پروفیسر، عشرہ وار، ۴ ورق اوسط... مالک مرتضیٰ خان دہلوی

..... ایڈیٹر حاجی عزیز الدین نیّر ۱۸۶۶ء

۴۹۷ ضیاء الابصار ۔ آرہ ضلع شاہ آباد ..، ہفتہ وار، ۴ ورق خورد ..، مالک سید محمد ہاشم بلگرامی، ایڈیٹر سید فرزند احمد بلگرامی اثنا عشری ..، ۱۸۷۳ء

۴۹۸ ضیاء الاسلام ۔ دہلی ..، عشرہ وار، ۴ ورق اوسط ..، مالک سید میر حسن رضوی، ایڈیٹر شاہزادہ مرزا عبدالغنی ..، ۱۸۷۷ء

۴۹۹ طلسم لکھنؤ ۔ لکھنؤ ..، ہفتہ وار، ۴ ورق ..، مالک محمد یعقوب انصاری ..، ۱۸۸۵۷ء

۵۰۰ طلسم حیرت / مدراس پنچ ۔ مدراس ..، عشرہ وار، ۴ ورق اوسط ..، مالک شاہ محمد صدیق شریف ..، ایڈیٹر غلام محی الدین حلیف ..، ۱۸۵۹ء

۵۰۱ طلسم کرناٹک ۔ بنگلور، ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط ..، ۱۸۶۵ء

۵۰۲ طوطی ہند ۔ میرٹھ، ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط ..، اس اخبار کو سید محمد مرتضیٰ بیان ویزدانی نے ۱۸۸۱ء کو جاری کیا ایڈیٹر سید کرار حسین روحانی ۔ اب باہتمام سید سجاد حسین ریحانی مالک اخبار و رئیس شہر

۵۰۳ طبّ حیوانات ۔ لاہور ..، ماہواری، ۱۲ ورق خورد ..، ایڈیٹر مہتمم ڈاکٹر محمد دین ..، یکم جولائی ۱۸۸۴ء

۵۰۴ طبیب لاہور ۔ لاہور، ۱۰ ورق خورد، ماہواری، ۳۰ جنوری ۱۸۸۵ء سے شائع ہوتا ہے ..، مالک و ایڈیٹر حکیم فخر الدین ..،

۵۰۵ طغرائے اعجاز ۔ مطبع احمدی ..، پندرہ روزہ، ۴ ورق خورد شعر و سخن کا گلدستہ ..، ایڈیٹر و مہتمم عبدالجلیل نعمانی ..، یکم جولائی ۱۸۸۵ء

۵۰۶ طوفان ۔ ضمیمہ شیخ چلی ۔ سیالکوٹ ..، ہفتہ وار، مالک مان سنگھ اہلوالیہ، اشتہار یکم جنوری ۱۸۸۶ء

۵۰۷ ظہیر الاسلام ۔ مدراس ..، ۸ ورق خورد، پندرہ روزہ رسالہ ..، مہتمم سید محمد مرتضیٰ شاہ قادری ..، ۱۸۸۶ء

۵۰۸ ظریف ۔ بنارس ..، مالک سدہ گوپال، مہتمم اچتا پرشاد ..، ایڈیٹر اشرف علی ..، ۲۹ ستمبر ۱۸۸۲ء

۵۰۹ ظریف ہند ۔ دہلی ..، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ..، مالک و ایڈیٹر افضل خاں دہلوی پارسل، یکم ..، ۱۸۸۶ء

۵۱۰ ظریف الہند ۔ میرٹھ ..، ہفتہ وار، ۴ ورق خورد ..، مالک ثابت علی، مہتمم وزیر علی، ایڈیٹر حسین علی فرحت دہلوی ..، یکم جنوری ۱۸۸۶ء

۵۱۱ ظرافت ۔ دہلی ..، ماہواری، ۲ ورق خورد ..، مالک بلاقی داس، منصرم ذاکر بیگ ..، یکم جنوری ۱۸۸۶ء

۵۱۲ عروج محمدی ۔ الہ آباد ..، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ..، مالک ارشاد حسین خاں، مہتمم لطافت حسین خاں، ۲ ستمبر ۱۸۸۲ء

۵۱۳ عزیز الاخبار ۔ محمد پور، ارکاٹ ۔ مدراس ..، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ..، مالک شاہ عزیز الدین گھٹالہ، مہتمم محمد مرتضیٰ گھٹالہ ..، ایڈیٹر سید حسین ..، یکم جولائی ۱۸۸۶ء

۵۱۴ عطر فتنہ ۔ ضمیمہ فتنہ گورکھپور، ہفتہ وار، ۴ ورق خورد ۔۔ مالک ریاض الدولہ بہار الملک منشی سید ریاض احمد ریاض۔ مہتمم حافظ نظام احمد انداز خیر آبادی ۔۔۔ یکم جنوری ۱۸۸۵ء

۵۱۵ عطار ۔ کانپور، ماہواری، ۲۰ ورق خورد، طب کا رسالہ ۔۔ مالک عوض بخش ڈاکٹر، مہتمم عبدالغنی ۔۔۔ یکم جنوری ۱۸۸۶ء

۵۱۶ عطارد ۔ قنوج ۔ ضلع فرخ آباد ۔۔۔ ۴ ورق خورد، ماہواری ۔۔۔ مجاریہ بال کرشن، مہتمم میر سید حسین۔ ایڈیٹر سالک رام انور لکھنوی، اکتوبر ۱۸۸۵ء

۵۱۷ عالم تصویر ۔ کانپور/ ۶ ورق اوسط ۔۔۔ ۷ جنوری ۱۸۸۷ء سے ہفتہ وار، مالک رحمت اللہ آغا۔ یکم جنوری ۱۸۸۷ء

۵۱۸ عمدۃ الاخبار ۔ بھوپال، ہفتہ وار ۶ ورق اوسط ۔۔ مالک حکیم اشرف حسین، مہتمم عبدالمجید خاں ۱۸۷۷ء

۵۱۹ عمدۃ الاخبار ۔ فتح گڑھ ضلع فرخ آباد۔ ہفتہ وار ۔۔۔ ۶ ورق اوسط ۔۔ مالک حکیم اصغر حسین۔ یکم جنوری ۱۸۷۷ء

۵۲۰ علیم الاخبار ۔ کلکتہ۔ ہفتہ وار ۶ ورق ۔۔ مالک علیم الدین احمد، مہتمم اسمٰعیل خان شوکت ایڈیٹر واعظ الدین احمد ۲۰ جولائی ۱۸۸۵ء

۵۲۱ عندلیب ہند ۔ بمبئی ۔۔۔ ہفتہ وار ۔۔۔ ۶ ورق اوسط، مالک اندر سروپ مہتمم کشن سروپ ۸ ستمبر ۱۸۸۰ء

۵۲۲ غالب الاخبار ۔ سیتاپور، ہفتہ وار ۸ ورق اوسط ۔۔۔ مجاریہ شاہ سید محمد صادق و آغا عبدالغنی ۔۔۔ مرزا محمد قاسم ۔۔۔ یکم مارچ ۱۸۶۹ء

۵۲۳ غنچہ مراد ۔ شملہ، ماہواری خورد۔ شعر وسخن کا گلدستہ ۔۔ مالک و ایڈیٹر عبدالقادر نائب، ۱۵ اپریل ۱۸۸۶ء

۵۲۴ غم خوار ہند ۔ لاہور ۔۔۔ ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط ۔۔۔ یکم فروری ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا ۔۔۔ مالک پنڈت جے راج کشن غمخوار ۔۔۔ ۷ جنوری ۱۸۸۵ء

۵۲۵ فارسی اخبار ۔ یہ اخبار سلیس اور عام فہم فارسی میں ۔۔۔ لاہور سے ۴ ورق خورد، ہفتہ وار ۔۔۔ باہتمام شمس الدین شائق کے شائع ہوا ۔۔۔ اب گورداس پور سے نکلتا ہے ۔۔۔ یکم اپریل ۱۸۸۴ء

۵۲۶ فتنہ ۔ گورکھپور ۔۔۔ ہفتہ وار ۸ ورق خورد ۔۔۔ مجاریہ ریاض الدولہ بہار الملک سید ریاض احمد ریاض رئیس خیر آباد، مہتمم حافظ نظام احمد انداز رئیس خیر آباد ۔۔۔ جولائی ۱۸۸۴ء

۵۲۷ فتح گڑھ پنچ ۔ فرخ آباد ۔۔۔ مہینہ میں دو بار، ۶ ورق اوسط ۔۔۔ مالک ذوقی رام، ایڈیٹر صدیق منت ۔۔۔ ۱۵ اگست ۱۸۸۵ء

۵۲۸ فرحت الاحباب ۔ بمبئی ۔۔۔ ہفتہ وار ۔۔۔ ۲ ورق اوسط ۔۔۔ مالک محمد منظور ۔۔۔ ۱۸۷۶ء

۵۲۹ فروغ ۔ بنارس ۔۔۔ ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ۔۔ مالک سید محمد سلطان اثنا عشری، عاقل دہلوی ۔۔۔ یکم جولائی ۱۸۸۰ء

۵۳۰ فرّخ . رام پور... ضلع مراد آباد، ماہواری، ۱۸ ورق خورد... بسرپرستی فیض فضل احمد فرخ مہتم گلدستہ حکیم محمد رضا، مالک حکیم احمد رضا... یکم ستمبر ۱۸۸۵ء

۵۳۱ فتح الاخبار . کول مقام باغ، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط... مالک عثمان خاں، مہتمم کرپاشنکر سکندر آبادی۔

۵۳۲ فصیح الاخبار . الہ آباد... ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط... مالک فصیح اللہ... یکم جنوری ۱۸۸۶ء

۵۳۳ فلاسفر . آگرہ... مہتمم کرامت علی کمال... ماہواری، ۲ ورق خورد... یکم جولائی ۱۸۸۵ء سے... اس کی قیمت معاف ہے... ۱۵ جنوری ۱۸۸۵ء

۵۳۴ فنون . زراعت و تجارت و حرفت و صنعت کو ترقی دینے کے واسطے یہ ماہواری رسالہ، ۲۰ ورق خورد... مشتاق احمد احقر نے یکم جولائی ۱۸۸۳ء... اب... باہتمام جونس ایڈیٹر شائع ہوتا ہے۔ ... حیدر آباد، دکن۔

۵۳۵ فہرست عہدہ داران ممالک مغربی و شمالی و اودھ . الہ آباد، سہ ماہی، ۳۰ ورق خورد... مہتمم جی بلان جٹ... ۳۱ مارچ ۱۸۷۹ء

۵۳۶ فہرست عہدہ داران پنجاب . لاہور، سہ ماہی، ۶۳ ورق... مالک و مہتمم سید نادر علی شاہ سیفی... ۱۸۸۰ء

۵۳۷ فیض عام . امرتسر... ہفتہ وار، ۴ ورق خورد... مالک گنڈا رام... یکم مارچ ۱۸۸۷ء

۵۳۸ فیض سخن لکھنؤ . ماہواری ۱۲ ورق خورد شعر و سخن کا گلدستہ... مالک مرزا عباس حسین ہوش ۴ مئی ۱۸۸۳ء

۵۳۹ فیض سخن دہلی . ماہواری شعر و سخن کا گلدستہ... ۱۰ جون ۱۸۸۳ء

۵۴۰ فیروز نگار . پہلے یہ گلدستہ شعر و سخن کا چھوٹے آٹھ ورق پر لکھنؤ سے صادق علی قیصر نے کھولا پور ضلع امرائوتی ملک برار مشرقی سے چھپوا کر یکم نومبر ۱۸۸۵ء کو جاری کیا اب... آگرہ سے باہتمام نثار علی۔

۵۴۱ فیروز پور پنچ . فیروز پور، ہفتہ وار، ۴ ورق خورد... مالک فیروز الدین... ۲۴ اکتوبر ۱۸۸۶ء

۵۴۲ قاسم الاخبار . بنگلور، ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں... مالک محمد قاسم علی خاں... جنوری ۱۸۶۱ء

۵۴۳ قاصد . پٹنہ، ڈاکخانہ باقی پور محلہ رمنہ، ہفتہ وار، ۲ ورق اوسط... مالک اقبال علی... ۲۰ جنوری ۱۸۸۸ء

۵۴۴ قانون حکمت . لاہور... ہفتہ وار، ۸ ورق... مالک حکیم سید عالم شاہ... یکم مئی ۱۸۸۲ء

۵۴۵ قانون معاہدہ کا رسالہ . دہلی، ماہواری... مالک جناب رائے وکیل... یکم جولائی ۱۸۸۴ء

۵۴۶ قیامت . لکھنؤ، ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط... مالک خواجہ محمد وزیر، مہتمم خواجہ عاشق علی یکم جنوری ۱۸۸۵ء

۵۴۷ قومی کایستھ نکم اومایاں . لکھنؤ... ماہواری، ۸ ورق خورد... مالک للہ دیبی پرشاد... یکم جنوری ۱۸۸۴ء

۵۴۸ قیصر الاخبار . الہ آباد... ہفتہ وار، ۲ ورق اوسط... مالک سراج الدین احمد خاں... یکم جنوری ۱۸۷۷ء

۵۴۹ **قیصر الاخبار** روزانہ الہ آباد ... چھوٹے دو ورقوں پر ... یکم نومبر ۱۸۷۷ء

۵۵۰ **قیصر الاخبار** ۔ اوناؤ۔ ہفتہ وار، ۴ ورق خورد ... یکم جنوری ۱۸۸۷ء

۵۵۱ **قیصری** ۔ جالندھر، ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط ... مالک محمد بخش ...، ۱۸۸۳ء

۵۵۲ **کاشی پترکا** ۔ پہلے ۱۵ر جنوری ۱۸۷۸ء کو ... پندرہ روزہ ناگری مشترک چھوٹے ۱۶ ورق پر ... باہتمام داماں نند ...، جاری ... اب ہفتہ وار ... بنارس سے باہتمام پنڈت لکشمی شنکر (لچھمی شنکر) ایم۔ اے۔ کے ... شائع ہوتا ہے۔

۵۵۳ **کاشف الحقیقت**، کپورتھلہ، ماہواری، ۱۲ ورق خورد ... مہتمم ہری چند ...، ایڈیٹر رگھوبر داس بیدانتی، دوسرا نام اس رسالہ کا مذہبی ہتو دکاست پرکاشک ہے ... یکم اگست ... ۱۸۸۵ء

۵۵۴ **کارنامہ** ۔ لکھنؤ ...، ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط ...، مالک محمد یعقوب انصاری ...، یکم جنوری ۱۸۶۵ء

۵۵۵ **کانپور گزٹ** ۔ کانپور، ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط، مالک منشی نولکشور، مہتمم بھیروں ناتھ مرحوم ...، ایڈیٹر مولوی محمد اسمٰعیل ...، یکم ستمبر ۱۸۶۵ء

۵۵۶ **کایستھ سماچار** ۔ .... کالی پرشاد متوفی نے پندرہ روزہ چھوٹے ۶ ورق ... باہتمام لالہ گوکل پرشاد کایستھ لکھنؤ ... سے ۱۸۷۷ء کو جاری کیا بعدہٗ باہتمام شیخ محمد ... الہ آباد میں چھپا ...، ایڈیٹر بلدیو پرشاد

پرنٹر مہادیو پرشاد

۵۵۷ **کایستھ ریفورم ایسوسی ایشن** : آگرہ، ماہواری ۸ اوراق خورد۔ بابو ہرگوبند ناتھ سکریٹری، نرائن پرشاد جائنٹ سکریٹری یکم جنوری ۱۸۸۷ء

۵۵۸ **کایستھ اخبار** ۔ ... لکھنؤ، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ...، حسب الارشاد بابو ہری رام صاحب وکیل ... مہتمم بھیا رودر پرشاد ... یکم اپریل ۱۸۸۸ء

۵۵۹ **کتاب مسائل قانون**، ... آگرہ، پندرہ روزہ ...، مالک بیج ناتھ بی اے مصنف ...، یکم جون ۱۸۸۵ء

۵۶۰ **کیلٹھر پنچ** ۔ بدایوں ...، ۴ ورق خورد ...، باجازت حکیم وارث علی خاں صاحب رئیس آنولہ مہتمم علی احمد حسین، ایڈیٹر اختار عشری، یکم مئی ۱۸۸۳ء

۵۶۱ **کرشمۂ دلبر** ۔ خیرآباد، ...، ماہواری ۱۰ ورق خورد، شعر و سخن کا گلدستہ ...، مالک سید افتخار حسین مضطر، مہتمم خواجہ محمد وزیر، ۱۰ ستمبر ۱۸۸۴ء

۵۶۲ **کرٹا پنچ** ۔ الہ آباد، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط ...، مالک حافظ سید محمد اسمٰعیل ... فصیح اللہ ۱۸ فروری ۱۸۸۵ء

۵۶۳ **کلکتہ پنچ** ۔ کلکتہ، ماہواری ۴ ورق ...، مالک داعی اللہ، مہتمم غلام سبحان خاں ...، یکم جنوری ۱۸۷۱ء

۵۶۴ **کلید امید** ۔ لاہور، ہفتہ دار، ۸ ورق اوسط ۔۔ مالک منشی محمد منیر۔۔ مہتمم جگت نرائن ۔۔ ۱۸۶۷ء

۵۶۵ **کلید امتحان مڈل اسکول وانٹرنس**: زیر نگرانی سکریٹری عبدالعزیز ۔۔۔ ماہواری، ۲۰ ورق خورد ۱۸۷۷ء میں یہ رسالہ جاری ہوا تھا۔۔ اب گوجرانوالہ۔۔ مہتمم منشی محبوب عالم۔

۵۶۶ **کلیدِ قوانین** ۔ لاہور۔۔ ماہواری ۷ مجاریہ لالہ نرکی رام ۔۔۔ اشتہار جنوری ۱۸۸۳ء

۵۶۷ **کلیدِ جنت** ۔ لاہور۔۔ ماہواری، ۱۲ ورق خورد کا گلدستہ نعتیہ ۔۔۔ مالک سردار علی اختر۔۔ مہتمم گلزار بخش ۔۔، ۵ر اکتوبر ۱۸۸۵ء

۵۶۸ **کوئٹہ گزٹ** ۔ صدر راج، کوئٹہ، ہفتہ وار، مہتمم میر فتح اللہ شاہ ۔۔ یکم جنوری ۱۸۶۰ء

۵۶۹ **کوہِ نور** ۔ لاہور، ہفتہ میں دو بار، مالک رائے ہرسکھ رائے، مہتمم جگت نرائن ۔۔۔ ۱۸۷۵ء
ایک اور "کوہ نور" لاہور کا اشتہار دیا گیا ہے جو ہفتہ میں تین بار چھپتا تھا اور ۱۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ صفہ ۲، ضمیمہ اخترِ شہنشاہی۔

۵۷۰ **کوہِ طور** ۔ گوجرانوالہ، ترجمہ قرآن مجید و حدیث شریف اور عقائد اور اصول و فروغ علم طریقت کا ماہواری ۶ ورق اوسط۔۔ مالک دیوان چند۔۔ یکم دسمبر ۱۸۷۱ء

۵۷۱ **کوہِ طور** ۔ لاہور۔۔ ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط۔۔ مہتمم مرزا یعقوب بیگ۔۔ یکم اپریل ۱۸۷۲ء

۵۷۲ **کوکب ہند** ۔ لکھنؤ۔۔ پندرہ روزہ ورق اوسط ۔۔ مہتمم پادری ٹی کرون ۔۔ پہلے اس کا نام شمس الاخبار تھا۔۔۔۔ ۱۸۶۹ء

۵۷۳ **کھتری ہتکاری**: آگرہ ۔۔۔ ماہواری مذہبی ۱۲ ورق کا رسالہ۔۔ دینا ناتھ ٹنڈن ۔۔ یکم مئی ۱۸۸۷ء

۵۷۴ **کرناٹک پنچ** ۔ یہ ظریف پرچہ ۔۔ بطور ضمیمہ دبیر مدراس کے شائع ہو کر فرحت افزا۔۔ ہوتا ہے۔۔۔۔ عشرہ وار، ۴ ورق ۔۔، مہتمم محی الدین حسین خاں خویش ۔۔۔ یکم اپریل ۱۸۸۴ء

۵۷۵ **کیور ٹری** نا گپور ۔۔، مہتمم کیور ٹری سرکاری۔۔، ۱۸۶۳ء

۵۷۶ **گلزارِ پنجاب** ۔ گوجرانوالہ، ہفتہ وار، ۷ ورق، مہتمم گنداسل، ۱۸۵۰ء

۵۷۷ **گلزارِ خلد** ۔ قنوج ۔۔ ماہواری، ۹ ورق خورد ۔۔ مالک بلگو خاں رحیم ۔۔، مارچ ۱۸۸۵ء۔ گلدستہ جس میں نعتیہ غزلیں ۔۔۔ اور کچھ پند و نصائح درج ہیں۔

۵۷۸ **گلزارِ اودھ** ۔ سلطان پور ۔۔ ہفتہ وار، ۵ ورق اوسط ۔۔ مالک نروتم داس ۔۔ یکم جنوری ۱۸۸۸ء

۵۷۹ **گلزارِ حکمت** ۔ لاہور ۔۔ ماہواری، ۸ ورق خورد ۔۔ باملاد و اعانت عبدالحکیم کلانوری ۔۔۔، محمد خلیل ۔۔، جولائی ۱۸۸۳ء

۵۸۰ گلزارِ جہاں ۔ کلکتہ ۔۔۔ ماہواری، ۸ ورق خورد۔ اس میں کھیل کے متعلق ۔۔ مضامین درج ہوں گے ۔۔۔ مالک امیر علی ۔۔۔ اشتہار ۱۳ مارچ ۱۸۸۵ء

۵۸۱ گلزارِ بہیرہ ۔ بہیرہ، ضلع شاہ آباد ۔۔۔ ایک ورق اوسط ۔۔ ضمیمہ دوست ہند۔ مالک بخشی رام سبھایا ۱۴ جون ۱۸۸۷ء

۵۸۲ گلزارِ سخن ۔ حیدرآباد ۔۔۔ ماہواری، ۱۴ ورق خورد، شعر و سخن کا گلدستہ ۔۔۔ مالک نورالدین، مہتمم حاجی عبدالرحیم شرف ۔۔ یکم اکتوبر ۱۸۸۷ء

۵۸۳ گلشنِ نوبہار ۔ کلکتہ کا اخبار، نومبر ۱۸۵۷ء

۵۸۴ گلشنِ کشمیر ۔ لکھنؤ ۔۔ ماہواری، ۸ ورق اوسط ۔۔ مالک پنڈت دیبی پرشاد ۔۔۔ مارچ ۱۸۶۸ء

۵۸۵ گلشنِ ریاضی ۔ آگرہ ۔۔ ماہواری، ۲۲ ورق خورد ۔۔ مالک خواجہ یوسف علی و امیر الدین ۔۔ یکم جنوری ۱۸۸۳ء

۵۸۶ گلشنِ بے خزاں ۔ بنارس کا اخبار۔ اشتہار جنوری ۱۸۸۷ء ۱۸۸۵ء

۵۸۷ گل بن سخن ۔ میرٹھ ۔۔ پندرہ روزہ ۔۔ مالک برکت علی انداز و مہتمم چراغ الدین لائق لاہوری ۔۔ ۱۵ فروری

۵۸۸ گل و بلبل ۔ حیدرآباد ۔۔ ماہواری، ۱۶ ورق خورد شعر و سخن کا گلدستہ ۔۔۔ مالک سید الطاف حسین قابل۔ مہتمم سید محمد عباس مجور، ۱۱ دسمبر ۱۸۸۷ء

۵۸۹ گلدستہ شعرا ۔ فتح گڑھ ۔۔۔ ماہواری ۔۔۔ باہتمام شنکر سروپ نجات ۔۔۔ ۱۸۶۵ء

۵۹۰ گلدستہ بدایوں ۔ کچہری، تحصیل بدایوں، ماہواری، ۴ ورق اوسط، شعر و سخن کا گلدستہ ۔۔ مجاریہ چودہری سعدالدین حسین رئیس کیڑہ ۔۔ یکم دسمبر ۱۸۷۴ء

۵۹۱ گلدستہ شعرا ۔ لکھنؤ ۔۔ ماہواری، ۸ ورق خورد ۔۔ مہتمم شیخ محمد تائب ۔۔ ۱۸۷۴ء

۵۹۲ گلدستۂ بنارس ۔ بنارس، ہفتہ وار، ۲ ورق اوسط ۔۔ مہتمم کلیم الدین حسن و فدا حسین ۔۔ یکم جولائی ۱۸۸۲ء

۵۹۳ گلدستۂ انجمن ۔ لاہور کا ماہواری گلدستہ، شعر و سخن کا رسالہ، ایڈیٹر سیف الحق دہلوی، یکم نومبر ۱۸۸۳ء

۵۹۴ گلدستہ بہار ۔ بہار، ضلع پٹنہ ۔۔ گلدستہ شعر و سخن، ماہواری، ۲۴ ورق خورد، مالکان شیخ خرات حسین و سید عطا حسین ۔۔۔ ۲۷ دسمبر ۱۸۸۳ء

۵۹۵ گلدستہ مضامین ۔ متھرا ۔۔ ماہواری، ۱۰ ورق خورد، مالک چودہری شیام لال ۔۔ ایڈیٹر گنگا پرشاد، مہتمم بانکے لال زار بدایونی ۔۔۔ یکم اپریل ۱۸۸۵ء

۵۹۶ گلدستہ کلام ۔ دہلی، شعر و سخن کا ماہواری رسالہ، مقام بستی نظام الدین ۔۔ مالک امیر سنگھ، یکم اپریل ۱۸۸۶ء

۵۹۷ گلدستہ تجارت ۔ دہلی ۔۔ ماہواری، ۱۰ ورق خورد ۔۔ مالک حافظ بخش الہی ۔۔ یکم جولائی ۱۸۸۵ء

۵۹۸ گلدستہ سخن ۔ لکھنؤ ۔۔ ماہواری، ۸ ورق خورد، شعر و سخن کا رسالہ ۔۔ مالک پورن چند، مہتمم رام سہائے تمنا ۔۔ ۲۴ جولائی ۱۸۷۶ء

(باقی)

نئے خزانے

جنوری۔جون ۶۷ء

مرتبہ

ابو سلمان شاہجہانپوری

انجمن ترقی اردو (پاکستان)
کراچی ۱

دسمبر ۶۶ء تک کے اُردو رسائل و اخبارات کا اشاریہ شائع کیا جاچکا ہے۔ اس مرتبہ چھ ماہ کا اشاریہ ایک ساتھ ترتیب دیا گیا ہے اور یہ اس کی پہلی قسط ہے اس میں پچھلے دو برس کے بعض وہ رسائل بھی شامل ہیں جو اس سے پہلے دستیاب نہ ہوسکے تھے اشاریے کی تیاری میں جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ صرف انھیں حضرات کو ہوسکتا ہے جو اس قسم کے کاموں کا تجربہ رکھتے ہیں۔ رسائل کی فراہمی ایک بڑا مشکل کام ہے اس کے لیے پوری کوشش کی جاتی ہے۔ پھر بھی بعض رسالے نظر سے نہیں گزرتے۔ مدیران کرام کو بار بار خطوط لکھے جاتے ہیں اور ـــــ واں ایک خامشی تری سب کا جواب ہیں ـــــ کے مصداق وہ تعاون حاصل نہیں ہوتا جو اس قسم کے کاموں کے لئے ضروری ہے۔ ہم نے اپنے وسائل کی حد تک اس اشاریے کو ہر اعتبار سے جامع بنانے کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی ممکن ہے بعض رسائل نظر انداز ہوگئے ہوں اور ان کے حوالے اس میں موجود نہ ہوں۔ ہم اپنے قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر کوئی حوالہ اس اشاریے میں نہ ہو تو وہ ہماری رہنمائی فرمائیں تاکہ آئندہ اقساط میں اُسے شامل کرلیا جائے۔

(ادارہ)

موضوعات

رسائل و جرائد

جن کے مضامین اس اشاریے میں شامل ہیں

ماہنامہ آجکل دہلی جنوری و اپریل ۱۹۶۷ء
سہ ماہی اُردو کراچی جنوری تا اپریل ۱۹۶۶ء
" اردو ادب علی گڑھ نمبر ۳، ۴ ۱۹۶۶ء
ماہنامہ اُردو ڈائجسٹ لاہور جنوری، جون و نومبر ۱۹۶۵ء
اپریل تا اگست و نومبر ۱۹۶۶ء اور جنوری
مارچ تا جون ۱۹۶۷ء
" اردو زبان سرگودھا جنوری تا اپریل و جون ۱۹۶۷ء
سہ ماہی اردو نامہ کراچی مارچ ۱۹۶۷ء
ماہنامہ ادب لطیف لاہور جنوری و ستمبر تا دسمبر ۱۹۶۶ء
" ادبی دنیا " ستمبر و اکتوبر ۱۹۶۶ء
" افکار کراچی جنوری، فروری، مئی و جون ۱۹۶۷ء
سہ ماہی اقبال ریویو " جنوری و جولائی ۱۹۶۷ء
ماہنامہ ابلاغ بمبئی جنوری تا مارچ و مئی جون ۱۹۶۷ء
" الجامعہ محمدی شریف (جھنگ) مارچ تا مئی ۱۹۶۷ء
" الرحیم حیدر آباد دسمبر ۱۹۶۶ء تا جون ۱۹۶۷ء
— الزبیر بہاولپور نمبر ۱۰ ۱۹۶۶ء
ماہنامہ الشجاع کراچی فروری و اپریل تا جون ۱۹۶۷ء
سہ ماہی العلم " اکتوبر ۱۹۶۶ء تا مارچ ۱۹۶۷ء
ماہنامہ امام کراچی فروری ۱۹۶۷ء
" انجمن اسلامیہ میگزین کراچی جنوری، فروری و اپریل ۱۹۶۷ء
" انوار اسلام رام نگر (بنارس) فروری تا جون ۱۹۶۷ء
— اوراق لاہور جنوری ۱۹۶۶ء (سالنامہ) دسمبر ۱۹۶۶ء
— اورینٹل کالج میگزین لاہور اگست و نومبر ۱۹۶۶ء
ماہنامہ برہان دہلی جنوری تا جون ۱۹۶۷ء
سہ ماہی بصائر کراچی جنوری ۱۹۶۷ء

ماہنامہ بینات کراچی جنوری تا جون ۱۹۶۷ء
" پیام عمل لاہور جنوری و فروری ۱۹۶۷ء
" تجلی دیوبند جنوری تا مئی ۱۹۶۷ء
— تحریر دہلی جلد ۱ نمبر ۱ ۱۹۶۷ء
ماہنامہ تحریک " جنوری تا جون ۱۹۶۷ء
— تخیل لاہور ۱۹۶۵ء
ماہنامہ ترجمان القرآن " جنوری تا جون ۱۹۶۷ء
" تہذیب الاخلاق لاہور جنوری تا مارچ ۱۹۶۷ء
" ثقافت لاہور جنوری تا مئی ۱۹۶۷ء
" جامعہ دہلی جنوری تا جون ۱۹۶۷ء
" جام نو کراچی فروری تا مئی ۱۹۶۷ء
— جنرل آف دی ریسرچ سوسائٹی
آف پاکستان، پنجاب یونیورسٹی لاہور جنوری، اپریل ۱۹۶۵ء
ماہنامہ چراغ راہ کراچی جنوری تا جون ۱۹۶۷ء
" خاتون پاکستان " جنوری، غوث اعظم نمبر ۱۹۶۵ء
" خاتون دکن حیدر آباد دکن دسمبر ۱۹۶۶ء و جنوری و مارچ
تا مئی ۱۹۶۷ء
" رہنمائے تعلیم دہلی جون ۱۹۶۷ء
" زاویے حیدر آباد اپریل مئی ۱۹۶۷ء
" زندگی رام پور جنوری تا مارچ و مئی جون ۱۹۶۷ء
" ساقی کراچی جنوری، مارچ و اپریل ۱۹۶۷ء
" سب رس حیدر آباد دکن جنوری تا مئی ۱۹۶۷ء
— سندھ مسلم کالج میگزین کراچی اپریل ۱۹۶۶ء
ماہنامہ سیارہ لاہور جنوری تا جون ۱۹۶۷ء
" سیارہ ڈائجسٹ " فروری و مئی ۱۹۶۷ء

ماہنامہ شان ہند دہلی مارچ تا مئی ۶۶ء
" صبا حیدرآباد دکن اکتوبر تا دسمبر ۶۶ء
" صبح دہلی جنوری تا مارچ ۶۶ء
" صبح امید بمبئی مارچ تا جون ۶۶ء
— صحیفہ لاہور جنوری و اپریل ۶۶ء
ماہنامہ طلوع اسلام " جنوری تا جون ۶۶ء
" عارف " جنوری تا اپریل ۶۶ء
" عالمی ڈائجسٹ کراچی جنوری فروری و اپریل تا جون ۶۶ء
" عصمت " جنوری و مارچ اپریل ۶۶ء
" فاران " اپریل و نومبر ۶۶ء۔ جنوری تا مارچ و جون ۶۶ء
" فروغ اردو لکھنؤ جنوری تا مارچ اپریل جون ۶۶ء
" فکر و خیال کراچی جنوری تا مارچ و مئی جون ۶۶ء
" فکر و نظر راولپنڈی اکتوبر تا دسمبر ۶۶ء
" فنون لاہور
" فیض الاسلام " جنوری فروری ۶۶ء
" قومی زبان کراچی جنوری تا جون ۶۶ء
— کامران سرگودھا جلد ۱۱ نمبر ۴
ماہنامہ کتاب لاہور جنوری تا جون ۶۶ء
" کتاب لکھنؤ جون ۶۶ء
" کتابی دنیا کراچی جنوری تا مئی ۶۶ء
— گفتگو بمبئی جنوری ۶۶ء
ماہنامہ ماہ نو کراچی نومبر ۶۶ء تا اپریل ۶۶ء و جون ۶۶ء
" مجلۃ الجامعہ ربوہ جنوری تا ستمبر ۶۵ء و اپریل تا دسمبر ۶۶ء
— مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور نمبر ۳ ۶۶ء
— محفل لاہور جنوری تا مارچ ۶۶ء
— محور " ۶۶ء
ماہنامہ معاصر علی گڑھ جنوری تا جون ۶۶ء
" منشور کراچی فروری تا مارچ ۶۶ء
" میثاق لاہور جنوری تا جون ۶۶ء

— نصرت " دسمبر ۶۶ء و جنوری ۶۵ء و مئی جون ۶۶ء
ماہنامہ نقش کراچی جنوری تا اپریل ۶۶ء
— نقوش لاہور نمبر ۱۰۷ مئی ۶۶ء
ماہنامہ نگار پاکستان کراچی اپریل و نومبر ۶۵ء، اگست و دسمبر ۶۵ء
جنوری تا جون ۶۶ء
— نیا دور " نمبر ۳۹ تا ۴۲
ماہنامہ نیرنگ خیال لاہور فروری، مئی و جون ۶۶ء
" ہمایوں دہلی جنوری تا مئی ۶۶ء
" ہمدرد صحت کراچی فروری تا جون ۶۶ء و ۶۵ء ۶۶ء
کے متفرق شمارے
" ہندوستانی ادب حیدرآباد دکن جنوری، مارچ ۶۶ء

ہفت روزہ اور پندرہ روزہ رسالے

آئین	لاہور	سنڈے انجام	کراچی
اخبار جہاں	کراچی	" امروز	لاہور
المنبر	لائل پور	" کوہستان	"
الہام	بہاولپور	" مشرق	"
ترقی اردو	حیدرآباد دکن	" شہاب	"
جہاں نما	لاہور	صحیفہ اہل حدیث	کراچی
چٹان	لاہور	صدق جدید	لکھنؤ
خبرنامہ طب	"	قندیل	لاہور
خدام الدین	"	لاہور	"
ساغر	کراچی	ہماری زبان	علی گڑھ

جنوری سے جون ۶۶ء تک کے جو رسائل و جرائد موصول نہیں ہوئے افسوس ہے وہ اس اشاریے میں شامل نہیں کیے جا سکے۔ امید ہے کہ [illegible] یہ رسائل دوبارہ مہیا فرما دیں گے تاکہ آئندہ ان کے مضامین کو اشاریے میں شامل کیا جا سکے۔

ادب و زبان

ادب

مصنف	عنوان	رسالہ	صفحات	تاریخ
آغا بیابانی	پروفیسر حیدر علی سے ایک انٹرویو	سب رس	ص ۲۷ تا ۳۰	جنوری ۱۹۶۷ء
آغا بیابانی	کاوش بدری سے انٹرویو	خاتون دکن		دسمبر ۱۹۶۶ء جنوری ۱۹۶۷ء
آسٹن ملر				
ایش مرڈاک (مترجم)	ادیب اور پڑھنے والے	ہمایوں، دہلی	ص ۲۲۹ تا ۲۳۱	اپریل ۱۹۶۷ء
آلڈس ہکسلے	ادب اور جدید زندگی	فکر و خیال	ص ۳۴-۴۴	نمبر ۶، ۷ ۱۹۶۷ء
آنند، ملک راج	جدید سوسائٹی میں ادیب کی ذمہ داریاں	گفتگو	ص ۲۳۳-۲۴۴	جنوری ۱۹۶۷ء
اثر فاروقی	فراق ـــ ایک منفرد رباعی گو	"	ص ۴۰ تا ۴۳	مارچ ۱۹۶۷ء
احتشام احمد ندوی، سید	شہر کلکتہ ادبی آئینہ میں	سب رس	ص ۳ تا ۱۳	اپریل ۱۹۶۷ء
احتشام احمد ندوی، ڈاکٹر	اکبر کی شاعری میں ہندوستانیت	"	ص ۲۹ تا ۳۲	مئی ۱۹۶۷ء
احتشام احمد ندوی، سید	لکھنؤ اردو شاعری کے آئینے میں	سب رس	ص ۱۴ تا ۲۴	فروری ۱۹۶۷ء
احتشام حسین، سید	ادیب کی انفرادیت اور عصری رجحانات	کتاب لکھنؤ	ص ۵ تا ۷	جون ۱۹۶۷ء
"	مصحفی کا ایک اور فارسی دیوان (جواب لیلیٰ نظیری)	اردو کراچی	ص ۵۷ تا ۷۰	اپریل ۱۹۶۷ء
"	ناول کی تنقید	نگار پاکستان	ص ۲۰ تا ۲۶	اپریل ۱۹۶۷ء
احراز نقوی، ڈاکٹر	نئی کہانی	ادب لطیف لاہور		جنوری ۱۹۶۶ء
احسن فاروقی، محمد	بے نقاب کیا ـ ناول اور زندگی کی ترجمانی	خاتون دکن	ص ۴ تا ۱۲	اپریل ۱۹۶۷ء
"	تحقیق اور ٹکنیک	نقوش	ص ۹۱ تا ۹۴	مئی ۱۹۶۷ء
احمد محی الدین	صفی مرحوم کی بدیہہ گوئی	سب رس	ص ۱۴ تا ۱۸	جنوری ۱۹۶۷ء
احمد رضا می	ذوق کی قصیدہ نگاری	قومی زبان	ص ۵۵ تا ۶۴	"
"	فن سوانح نگاری پر ایک نظر	نگار پاکستان	ص ۲۴ تا ۴۵	جنوری فروری ۱۹۶۷ء
اختر، عبداللطیف	سرشار اور لکھنؤ	محور	ص ۲۳ تا ۳۷	۱۹۶۷ء
اختر حسین (صدر انجمن ترقی اردو)	بچوں کا ادب[1]	قومی زبان	ص ۳ تا ۴	فروری ۱۹۶۷ء
ادیب، ڈاکٹر عبداللطیف حسین	گلدستہ شکوۂ یار	"	ص ۴۱ تا ۴۶	"
ادیب، سید مسعود حسن رضوی	اردو ڈراما کی عظمت	ہمایوں	ص ۲۴۳ تا ۲۴۷	اپریل ۱۹۶۷ء

[1] قومی مرکز کتاب کے جلسۂ تقسیم انعامات کا خطبۂ صدارت۔

مصنف	عنوان	رسالہ	صفحات	تاریخ
ارشد، رشید احمد	مفتی کفایت اللہؒ کی نادر تحریر	بینات	ص ۴۹ تا ۵۴	اپریل ۱۹۶۶ء
اسحاق، محمد	فوائد فیروز شاہی	ثقافت	ص ۳۴ تا ۵۷	فروری ۱۹۶۶ء
اسلم، ایم	افسانہ اور ناول کا تصور	ساقی	ص ۳ تا ۸	اپریل ۱۹۶۷ء
"	ناول اور معاشرہ	ساقی	ص ۳ تا ۷	مئی جون ۱۹۶۷ء
اسلوب احمد انصاری	ادبی تاریخ اور ادبی تنقید	نقوش	ص ۵۵ تا ۶۲	مئی ۱۹۶۷ء
اشتیاق طالب	مجاز کی انفرادیت	الشجاع	ص ۱۲ تا ۱۵	اپریل ۱۹۶۷ء
اشرف، اے بی	"خدا کی بستی"	نگار پاکستان	ص ۵۷ تا ۶۵	مارچ ۱۹۶۵ء
" "	غلام الثقلین نقوی کی افسانہ نگاری	اوراق	ص ۱۷۵ تا ۱۸۲	جنوری ۱۹۶۶ء
اشفاق محمد خاں	جدید شاعری	جامعہ	ص ۱۲۳ تا ۱۳۵	مارچ ۱۹۶۵ء
اشک، محمد خلیل علی خاں				
عبادت بریلوی (مرتب)	گلنارچین	اورینٹل کالج میگزین	ص ۱ تا ۶۰	اگست ۱۹۶۱ء
"	"	"	ص ۶۱ تا ۱۱۷	نومبر ۱۹۶۱ء
اصغر عباس	زبان گل سے حسن یار کی تفسیر	ہماری زبان	ص ۶ تا ۹	یکم جنوری ۱۹۶۹ء
اصغر علی انجنیر	کانٹ اور عقل محض کی تنقید	نگار پاکستان	ص ۵ تا ۱۲	اپریل ۱۹۶۷ء
اطہر نفیس	آیات جمال میری نظر میں (مجموعہ کلام ذہین شاہ تاجی)	"	ص ۹۱	مئی جون ۱۹۶۶ء
اطہر، غلام حسین	ادب میں صحافت کا رجحان	اردو زبان	ص ۱۹ تا ۲۰	جنوری ۱۹۶۵ء
"	"	ساقی	ص ۳۸ تا ۳۹	مارچ ۱۹۶۵ء
" "	اردو شاعری کا مزاج	اردو زبان	ص ۱۱ تا ۱۴	مارچ اپریل ۱۹۶۷ء
اطہر قادری	اچھا شعر	جام نو	ص ۱۵ تا ۲۰	فروری ۱۹۶۷ء
اعتبار ساجد	گلزار تبسم	قندیل	ص ۱۰	۱۷ اپریل ۱۹۶۷ء
اعجاز فاروقی [1]	سوال یہ ہے: (جدید نظم کا مسئلہ)	اوراق	ص ۹ - ۳۳	۱۹۶۷ء
افتخار جالب	تحقیق و تنقید	ادب لطیف	ص ۱۵ تا ۳۰	سالنامہ ۱۹۶۷ء

[1] اس بحث میں ان حضرات نے حصہ لیا۔ احمد ندیم قاسمی، جمیل ملک، جیلانی کامران، سجاد باقر رضوی، انور سدید اور غلام حسین اظہر

مصنف	عنوان	رسالہ	صفحات	تاریخ
افتخار حسین، آغا	تحقیق و احتساب کیلئے ایک ضابطہ اخلاق کی ضرورت	نگار پاکستان	ص ۱۴ تا ۴۶	مارچ سنہ ۶۶ء
افضل امام پھلواروی، خواجہ	زیب النسا اور دیوان مخفی	خاتون پاکستان	ص ۷۳ تا ۴۴	جنوری سنہ ۶۶ء
افضل ملک، محمد	طربیہ کا تصور	اوراق	ص ۸۷ تا ۹۵	سنہ ۶۶ء
اقبال عباس	اُردو غزل اور جنس	اردو زبان	ص ۳۷ تا ۳۹	جون سنہ ۶۶ء
"	سید قاسم محمود کا فن	ادب لطیف	ص ۲۱۵ تا ۲۲۴	جنوری سنہ ۶۶ء
اکبر الدین صدیقی، محمد	آصف جاہ اول و ثانی کی شعر و ادب کی سرپرستی	سب رس	ص ۱۲ تا ۱۵	جون سنہ ۶۶ء
اکبر حمیدی	داغ کی داستان وصل	ادبی دنیا	ص ۶۱ تا ۶۴	ستمبر اکتوبر سنہ ۶۶ء
اکرام ادیب	ادیب کا مقام اور منصب	ماہ نو	ص ۶۹ تا ۷۷	مارچ سنہ ۶۶ء
اکرام چغتائی، محمد	ولی کا غیر مطبوعہ کلام	اردو	ص ۱۴ تا ۷۷	جنوری سنہ ۶۶ء
الطاف علی بریلوی، سید	مولانا حالی نے نظم پڑھی	العلم	ص ۲۸ تا ۳۵	اکتوبر تا دسمبر سنہ ۶۶ء
امام الدین، مولانا ابو محمد	سہسرام کی ایک شعری صحبت	انوار اسلام	ص ۲۵ تا ۲۹	مارچ سنہ ۶۶ء
امۃ القدوس	غزل - اردو شاعری کی ایک اہم صنف	مجلۃ الجامعہ	ص ۹۳ تا ۱۰۲	اپریل تا جون سنہ ۶۵ء
امجد کندیانی	غزل تحقیق سے تحقیق تک	نگار پاکستان	ص ۵۹ تا ۶۴	مئی جون سنہ ۶۶ء
انجم اعظمی	ادب کی تعلیم	افکار	ص ۳۰ تا ۳۴	مارچ سنہ ۶۶ء
"	پاکستان میں اردو ناول [1]	افکار	ص ۸۳ تا ۹۱	جون سنہ ۶۶ء
انور سدید	اردو ادب کی فکری تحریکیں	اردو زبان	ص ۸ تا ۱۰	مارچ اپریل سنہ ۶۶ء
"	اردو ادب کی چند فکری تحریکیں	ماہ نو	ص ۱۴ تا ۲۰	جنوری سنہ ۶۶ء
انور صدیقی	پطرس بخاری بہ حیثیت مزاح نگار	نگار پاکستان	ص ۱۸ تا ۲۴	مارچ سنہ ۶۶ء
انیس امام	نئی شاعری اور نئے شاعر	صبح نو	ص ۲۲ تا ۲۴	جون سنہ ۶۶ء
ایاز خسروی	جاز (JAZ)	نیرنگ خیال	ص ۳۸ تا ۴۷	"
ایلیٹ، ٹی ایس				
جمیل جالبی (مترجم)	ادب اور عصر جدید	نیا دور	ص ۸۲ تا ۹۲	نمبر ۴۳، ۴۴ سنہ ۱۹۶۶ء

---

[1] اردو مجلس کی ماہانہ نشست میں انجم اعظمی کے مقالے " پاکستان میں اردو ناول " پر بحث۔ اس بحث میں ان حضرات نے حصہ لیا :۔
سید قمر ہاشمی، شاہد عشقی، آغا افتخار حسین، عتیق احمد، انجم اعظمی، لطیف اللہ، سحر انصاری، اشفاق نقوی، پروفیسر عبد السلام، امان علی نقوی اور حبیب اللہ۔

[illegible]

جمیل جالبی (مترجم)	تنقید کا منصب	نیا دور	ص ۴۴ تا ۵۷ نمبر ۳۳، ۳۴ [illegible]
〃	شاعری اور پروپیگنڈا	نیا دور	ص ۵۸ تا ۶۶ 〃 〃 〃
〃	صحافت اور ادب	〃	ص ۹۳ تا ۹۶ 〃 〃 〃
بدرالدجی خاں	ادب، ادیب اور قومیت	تخیل،	ص ۴۲ تا ۴۴ سنہ ۶۴ء
بسمل، راجندر نرائن	جگر بریلوی کی غزل	اردو ادب	ص ۱۲۵ تا ۱۲۸ سنہ ۶۶ء
بشارت علی قریشی، محمد	شاعری کا معاشرتی وظیفہ	انجمن اسلامیہ میگزین	ص ۱۱ تا ۱۵ مارچ سنہ ۶۶ء
〃	عمرانیات اور ادب کا رشتہ	نگار پاکستان	ص ۲۷ تا ۳۶ اپریل سنہ ۶۶ء
بشر نواز	نئے شعر کا لہجہ	الشجاع، کراچی	ص ۴۶ تا ۵۱ جون سنہ ۶۶ء
بیدار، ڈاکٹر عابد رضا	مصحفی کا مطالعہ	تحریر	ص ۸۳ تا ۱۲۷ نمبر ۱ سنہ ۶۶ء
بیگم خورشید مرزا	تنقید بھی تخلیق ہے	ساقی	ص ۳ تا ۵ مارچ سنہ ۶۶ء
پرویز پروازی	ناول کے عناصر ترکیبی	اوراق	ص ۱۲۴ تا ۱۴۴ جنوری سنہ ۶۶ء
پروین عالم	تخلیق و تنقید	ساقی	ص ۴۳ تا ۴۵ 〃
تابش الوری، سید	ارمغان اوچ	الزبیر	ص ۶۵ تا ۷۲ نمبر ۲ سنہ ۶۶ء
تاجور سامری	ادب، آرٹ اور زندگی	ہمایوں	ص ۲۱۵ تا ۲۲۲ اپریل سنہ ۶۶ء
تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ	تعمیر ملک و ملت میں بچوں کے ادیب کا حصہ	اوراق	ص ۳۵ تا ۳۸ جنوری سنہ ۶۶ء
تحسین سروری	اردو ادب کے غیر ادبی ماخذ (چراغ دہلی)	قومی زبان	ص ۴۲ تا ۴۶ مارچ سنہ ۶۶ء
〃	اردو ادب کے غیر ادبی ماخذ (تاریخ نوایط)	قومی زبان	ص ۳۹ تا ۴۲ مئی سنہ ۶۶ء
〃	اردو ادب کے غیر ادبی ماخذ (مشاہیر کاکوری)	قومی زبان	ص ۳۰ تا ۴۴ جون سنہ ۶۶ء

[illegible]

حسرت سہروردی (مترجم)	گل	معارف	ص ۸۰ جنوری سنہ ۶۶ء
تنویر علوی، ڈاکٹر	کلام نصیر کے مآخذ	تحریر	ص ۱۴۵ تا ۱۶۰ نمبر ۱ سنہ ۶۶ء
توصیف علوی	اردو شاعری میں خار و گل	[illegible]	ص ۱۸۳ تا ۲۰۸ مارچ سنہ ۶۶ء
جاوید اختر، سید	سحاب [illegible] پر ایک نظر	قومی زبان	ص ۲۷ تا ۳۶ جون سنہ ۶۶ء
جاوید لاہوری	اسلوب کا مسئلہ	اوراق	ص ۱۸۳ تا ۱۹۳ جنوری سنہ ۶۶ء

اگست ۱۹۶۷ء

قومی زبان کراچی

مصنف	عنوان	ماخذ
جعفر رضا	عشق اسکول کی اصلاحی تحریک	نقوش ص ۱۱۱ تا ۱۲۱ مئی ۱۹۶۷ء
جلیل قدوائی	مطائبات سالک	قومی زبان ص ۳۵ تا ۴۴ جنوری ۱۹۶۷ء
جمیل جالبی	میراجی کو سمجھنے کے لیے	نیا دور ص ۳۱۲ تا ۳۴۴ نمبر ۴۴-۴۳ ۱۹۶۷ء
جمیل ملک	ادبی تحریکوں کا مسئلہ	افکار ص ۳۲ تا ۴۳ جون ۱۹۶۷ء
جمہیر، نیمچے رام	اسلامی طرز تحقیق	سیارہ ص ۳۷ تا ۴۴ "
"	انشائیہ نگاری کیا ہے؟	نگار پاکستان ص ۶۵ تا ۶۹ اپریل ۱۹۶۷ء
"	حامی ایک نقاد	ساقی ص ۵۶ تا ۵۷ مارچ ۱۹۶۷ء
حامد الدین خاں، پرویز محمد	۱۹۶۷ کا پہلا اور دوسرا علمی مذاکرہ	العلم ص ۹ تا ۱۷ جنوری تا مارچ ۱۹۶۷ء
حبیب ہوشیارپوری	بزم فروغ ادب کا مشاعرہ	قندیل ص ۱۴ ۱۸ جون ۱۹۶۷ء
حرمت الاکرام	کلکتہ ایک رباب	نگار پاکستان ص ۷۹ مارچ ۱۹۶۷ء
حسرت کاسگنجوی	اردو ناول اور ترقی پسند تحریک	سب رس ص ۲۵ تا ۳۲ فروری ۱۹۶۷ء
"	"خدا کی بستی" اور ناول کا فن	نگار پاکستان ص ۵۷ تا ۶۲ اگست ۱۹۶۶ء
"	فیض اپنی شاعری کے آئینے میں	ساقی، ص ۵۲ تا ۵۸ مئی جون ۱۹۶۷ء
"	ناول اور سماجی شعور	ماہ نو ص ۱۳ تا ۱۷+۵۲ دسمبر ۱۹۶۶ء
"	ناول کا علمی و فکری پہلو	" ص ۴۹ تا ۵۱+۶۳ مارچ ۱۹۶۶ء
"	" "	نگار پاکستان ص ۵۷ تا ۶۰ "
حسن پرویز سید	ایرانی زبان	" ص ۴۹ تا ۵۲ اپریل ۱۹۶۵ء
حسن اختر، پروفیسر ملک	تنقید اور تحقیق	ادب لطیف ص ۵۳ تا ۷۲ خاص نمبر ۱۹۶۶ء
"	تنقید اور تخلیق	" ص ۶۹ تا ۷۴ نومبر دسمبر ۱۹۶۶ء
حسنین، ڈاکٹر سید محمد	انشا پردازی	ساقی ص ۵۸ تا ۶۱ مارچ ۱۹۶۶ء
حسینی، سید خواجہ	وجہی کا نظریۂ ادب	سب رس ص ۲ تا ۹ جنوری ۱۹۶۵ء
خالد، انور محمود	احمد ندیم قاسمی سے ایک ملاقات	ادب لطیف ص ۱۷ تا ۲۷ خاص نمبر ۱۹۶۶ء
خالدہ قریشی	غلام مصطفیٰ اور اس کا فن	ماہ نو ص ۱۱۳ + ۱۱۱ مارچ ۱۹۶۶ء
خاور، عبداللہ	"فیروز" میری نظر میں	نگار پاکستان ص ۶۳ تا ۶۵ اپریل ۱۹۶۵ء
خلیق انجم، ڈاکٹر	اردو میں متنی تنقید	ہمایوں ص ۲۶ تا ۳۰ جنوری ۱۹۶۷ء

خلیل، محمد انور — تہذیبی تقدیں اور زبان — فکر و خیال ص ۳۶ تا ۴۹ فروری ۱۹۶۳ء

خورشید، عبدالسلام — سالک اور ماجرائے عشق — نقوش ص ۹۴ تا ۱۱۰ مئی ۱۹۶۶ء

خیال امروہوی — اپنی شاعری کی آپ بیتی — چٹان لاہور ص ۹ تا ۱۰ ۵ جولائی ۱۹۶۶ء

ذکاء الرحمن — آج کا ادب اور ادیب — ادب لطیف ص ۷ تا ۱۴ خاص نمبر ۱۹۶۶ء

راجیو، سکینہ — قدیم چینی ادب اور آرٹ میں ہندوستانی موضوع — ہمایوں ص ۱۳۲ تا ۱۳۵ فروری ۱۹۶۶ء

ربیعہ فخری — ورائے فلسفہ چیزے دگر است — نیرنگ خیال ص ۱۳ تا ۱۷ جون ۱۹۶۶ء

رحمان مذنب — ہومر کا مطالعہ — کتاب لاہور ص ۴۹ تا ۵۴ " "

رشید بٹ — اردو ادب — نیرنگ خیال ص ۱۲ تا ۱۴ فروری ۱۹۶۶ء

رشید احمد صدیقی — طنز و مزاح کیا ہے؟ — نگار پاکستان ص ۸ تا ۱۵ جنوری فروری ۱۹۶۶ء

" — ماضی کے دھندلکوں سے یادوں کا کارواں — " ص ۷۰ تا ۹۰ اپریل ۱۹۶۶ء

رضا خاں، الیس — آغاز جدید اردو شاعری — قندیل ص ۱۴ ۱۵ جنوری ۱۹۶۶ء

رضا العابدین — اردو تنقید کا مستقبل اور محمد احسن فاروقی — صبح نو ص ۲۵ تا ۲۷ جون ۱۹۶۶ء

رضوی، جے ایچ — کتاب کا انتخاب ایک مسئلہ ہے — قندیل ص ۲۰ ۱۹ فروری ۱۹۶۶ء

رضیہ ہاشمی — اردو شاعری کی تاریخ میں ولی کی حیثیت — تخیل ص ۲۴ تا ۴۴ ۱۹۶۶ء

رفعت، مبارزالدین — سمرسٹ مام اور حیدرآباد دکن — سب رس ص ۳ تا ۸ فروری ۱۹۶۶ء

رفعت سروش — نقوش ولی — ساقی ص ۳۵ تا ۴۲ جنوری ۱۹۶۶ء

زاہدہ ابوالحسن — فن تذکرہ نویسی — سب رس ص ۱۲ تا ۱۹ جون "

سبط حسن، سید — مرحوم حیدرآباد کی چند یادیں — عالمی ڈائجسٹ ص ۱۵۲ تا ۱۵۸ مارچ "

سجاد نقوی — اردو ادب کے بونے — اردو زبان ص ۱۵ تا ۱۶ مارچ اپریل ۱۹۶۶ء

سحر، ابو محمد — کلیم الدین احمد کی شاعری اور اردو دنیا — ہماری زبان ص ۷ تا ۸ ۲۲ جنوری ۱۹۶۶ء

سحر انصاری — اک الف بیش نہیں۔ رئیس امروہوی کی شاعری کا مطالعہ — نگار پاکستان ص ۶۹ تا ۷۴ مئی جون ۱۹۶۶ء

" — شیکسپیئر اور طبی مسائل — ہمدرد صحت ص ۹۳ تا ۱۰۴ جون ۱۹۶۶ء

سحر یوسف زئی — خوشحال خٹک کی شاعری — ماہ نو ص ۱۰۲ تا ۱۰۵، ۱۱۵ مارچ ۱۹۶۶ء

سخاوت مرزا، محمد — شاہ رفیع الدین قندھاری کا تذکرہ نوبہار — اعظم ص ۱۸ ـ ۲۳ جنوری تا مارچ ۱۹۶۶ء

سرور، ملک احمد — اثر صاحب کی یادیں — ہماری زبان ص ۱ تا ۲ ۱۵ جولائی ۱۹۶۶ء

- مرزا... ، عبدالقادر — پنڈت رتن ناتھ سرشار ... رام سالک کشمیری کی داستان جگت سنگھ — نگار پاکستان، کراچی ص ۶۶ تا ۱۰ — جولائی ۱۹۶۶ء
- سلمت نظیر — ہیئت کے قومی نوعیت — " — ص ۲۸ تا ۴۴ — مئی جون ۱۹۶۶ء
- سعیدہ عروج — ممتاز حسن (سے ایک انٹرویو) — اخبار جہاں، کراچی — ص ۳۰ — ۱۷ مئی ۱۹۶۶ء
- سلطان رشک — تحقیق و تنقید میں تعلق — نیرنگ خیال، لاہور — ص ۱۵ تا ۱۶ — فروری ۱۹۶۶ء
- سلطان شاہ رخ — بچوں کی کتابیں۔ مصنفین کی اہم ذمہ داری — کتابی دنیا — ص ۵ تا ۵ — جنوری ۱۹۶۶ء
- سلیم، قاضی — جدیدیت — کتاب لکھنؤ — ص ۶۵ تا ۶۸ — جون ۱۹۶۶ء
- سلیم احمد — جوش اور خدا — نیا دور — ص ۳۳۵ تا ۳۴۵ — ۱۹۶۶ء
- سلیم اختر — ادب اور حسن زبان — ماہ نو — ص ۱۵ تا ۲۱ + ۴۴ — نومبر ۱۹۶۶ء
- " — ادب، تخلیقی محرکات اور تخلیقی عمل — نگار پاکستان — ص ۳۸ تا ۴۱ — جنوری فروری ۱۹۶۶ء
- سلیمان حسین، ڈاکٹر سید — مثنوی عالم خیال کا تنقیدی جائزہ — صبح نو — ص ۹ تا ۱۲ — جون ۱۹۶۶ء
- سہیل بخاری، ڈاکٹر — اردو کا قدیم ترین ادب — صحیفہ — ص ۹ تا ۳۳ — اپریل "
- " — سب رس کی زبان — اردو زبان — ص ۱۳ تا ۱۸ — جنوری ۱۹۶۶ء
- " — میر امن، فورٹ ولیم کالج، اور باغ و بہار — " — ص ۵ تا ۷ — مارچ اپریل ۱۹۶۶ء
- سید، قاسم حسن — بھوپال کی ادبی خدمات کا (ایک جائزہ) — العلم — ص ۱۳ تا ۲۷ — اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۶ء
- شاد، نریش کمار — میری غزلیہ شاعری — خاتون دکن — ص ۱۲ تا ۱۹ — اپریل مئی ۱۹۶۶ء
- شاعر قزلباش، آغا — بزم داغ کے چشم دید نقوش — نگار پاکستان — ص ۱۵ تا ۵۵ — نومبر ۱۹۶۶ء
- شانتی رنجن بھٹاچاریہ — [illegible] اردو — قومی زبان — ص ۵۷ تا ۶۸ — فروری ۱۹۶۶ء
- شاہدہ بیگم بلند — شاہ [illegible] اور ان کی تخلیقات — محفل — ص ۷۷ تا ۸۳ — مارچ ۱۹۶۶ء
- شاہین، افتخار احمد — محمد حسین آزاد کی انشا پردازی — ساقی — ص ۴۳ تا ۴۷ — "
- شفقت حسین — اسلوب کا مسئلہ — اوراق — ص ۱ تا ۷۷ — "
- شکیل احمد، محمد — سلطان المشائخ نظام الدین اولیا کا شعری و ادبی ذوق۔ معارف ص ۱۵۰ تا ۱۵۶ — فروری ۱۹۶۶ء
- " — عشقیہ شاعری اور جگر مراد آبادی — قومی زبان — ص ۳۵ تا ۴۰ — اپریل ۱۹۶۶ء
- شمس لکھنوی، سید محمد باقر — دہلی میں اردو — نگار پاکستان — ص ۱۳ تا ۱۹ — اپریل ۱۹۶۶ء
- " — ماہر القادری کا مجموعہ نعت — " — ص ۵۷ تا ۴۴ — فروری ۱۹۶۶ء
- شمیم احمد — تنقید کی کھڑاؤں — نیا دور — ص ۳۴۶ تا ۳۴۱ — ۱۹۶۶ء
- شہاب، مسعود حسن — اردو زبان پر عربی کے اثرات — الزبیر — ص ۲۵ تا ۳۴ — نمبر ۱ ۱۹۶۶ء

مصنف	عنوان	رسالہ، صفحات، تاریخ
شہزاد منظر	شاعری کا مستقبل	مہران ص ۷ تا ۱۵ نمبر ۲ ۱۹۶۸ء
"	"	نگار پاکستان ص ۳۲ تا ۳۴ اپریل ۱۹۶۸ء
شیدا، راجیندر ناتھ	محروم کی نظمیں	قومی زبان ص ۴۱ تا ۵۶ "
صالحہ عابد حسین	غزل کی آپ بیتی	جامعہ ص ۷۵ تا ۸۵ فروری ۱۹۶۷ء
صفدر ادیب	مقالات حافظ محمود شیرانی	کتاب لاہور ص ۱۷ تا ۲۱ فروری ۱۹۶۸ء
صفدر حسین، ڈاکٹر	لکھنؤ کی خدمات زبان	نگار پاکستان ص ۸ تا ۱۱ جنوری ۱۹۶۵ء
صفدر علی بیگ، ڈاکٹر مرزا	فوق البشر	سب رس ص ۹ تا ۱۳ فروری ۱۹۶۷ء
طالب دہلوی	دلی کی شاعری	رہنمائے تعلیم ص ۱۳ تا ۱۴ جون ۱۹۶۷ء
طالب کاشمیری، پروفیسر	مثنوی عالم خیال	فروغ اردو ص ۲۵ تا ۲۹ جنوری ۱۹۶۶ء
" " "	" "	" ص ۲۶ تا ۳۰ مارچ "
" " "	" " (۳)	" ص ۲۸ تا ۳۱ اپریل "
طالوت، عبدالرشید	خواجہ فرید کا اردو کلام	الزبیر ص ۴۷ تا ۴۹ نمبر ۱ ۱۹۶۹ء
طاہر، تاراچرن رستوگی	منور لکھنوی کی غزلیہ شاعری	شان ہند ص ۱۲ تا ۱۹ مئی ۱۹۶۷ء
طیب انصاری	محمد حسین آزاد کا اسلوب	فروغ اردو ص ۱۲ - ۱۷ جون ۱۹۶۷ء
طیب انصاری، ملک زادہ	مسائل ادب	سب رس ص ۲۳ تا ۲۷ مارچ ۱۹۶۶ء
طیب بخش، محمد	عصر بنی امیہ میں غزل	بصائر ص ۴ تا ۲۰ جنوری ۱۹۶۶ء
ظ۔ انصاری	شاہ عارف کی شاعری اور شخصیت	نگار پاکستان ص ۱۶ تا ۲۱ فروری ۱۹۶۹ء
ظفر، منظور احمد	سیف الملوک (حضرت میاں محمد بخش)	ماہ نو ص ۱۰۷ تا ۱۰۸+۱۱۴ مارچ ۱۹۶۸ء
ظہیر صدیقی، ڈاکٹر	قومی یکجہتی اور اردو شاعری	آجکل ص ۳۲۲ تا ۳۳۱ مئی ۱۹۶۸ء
عابدی، ڈاکٹر امیر حسن	نوائے جوش شانی	معارف ص ۴۴۹ تا ۴۶۳ جون ۱۹۶۸ء
عبداللہ فاروقی، خواجہ	کلام بیکل کا مرتبہ	ماحول ص ۲۱ تا ۲۴+۲۶ دسمبر ۱۹۶۸ء
عبدالاحد	اردوئے قبل ہندوستان کا تجزیہ اور لسانی جائزہ	سب رس ص ۸ تا ۱۹ مارچ ۱۹۶۸ء
عبدالسلام، پروفیسر	"خورشید بہو" کا قضیہ[1]	نگار پاکستان ص ۳۰ تا ۳۱ اپریل ۱۹۶۹ء

---

[1] مرزا محمد ہادی رسوا سے منسوب ایک ناول

مصنف	عنوان	رسالہ	صفحات	تاریخ
عبداللطیف، ڈاکٹر محمد	ابن النفیس میری نظر میں	ہمدرد صحت	ص ۷ تا ۱۴	اکتوبر ۱۹۶۶ء
عبداللہ، ڈاکٹر سید	میکدے میں میر	ادب لطیف	ص ۲۳ تا ۳۴	جنوری ۱۹۶۶ء
" "	نقطۂ نظر (تنقید میں)	نیا دور	ص ۲۴۳ تا ۲۵۰	۱۹۶۷ء
" "	ہروستے دفتر سے! [1]	چٹان	ص ۱۱ + ۲۳	۵ جون ۱۹۶۷ء
عبدالمغنی	اسلامی ادب	چراغ راہ	ص ۲۷ تا ۳۷	اپریل ۱۹۶۷ء
عرش صدیقی	میبوالویب کی داستانیں	اوراق	ص ۴۸ تا ۷۰	نمبر ۱۹۶۷ء
عرش ملسیانی	رباعی اور محروم (تلوک چند)	آج کل	ص ۵ تا ۱۱	جنوری ۱۹۶۷ء
عرشی، امتیاز علی خاں	محسن کا ترجمۂ مخزن نکات	اردو	ص ۵ تا ۱۰	اپریل ۱۹۶۷ء تا جون
عرش ملیح آبادی، محمد علی	اردو نظم۔ عہد اورنگ زیب میں	لاہور ۱۹۶۵ء	ص ۱۰ تا ۱۱ + ۱۴	۱۴ جون
عظمی قطب	اردو غزل کی روایت سے مسائل کا استفادہ	محفل	ص ۲۸ تا ۳۶	مارچ ۱۹۶۷ء
عظیم الشان صدیقی	فسانۂ آزاد کی کہانی	نقوش	ص ۱۳۳ تا ۱۳۶	مئی ۱۹۶۷ء
عظیم الشان صدیقی	فسانۂ لطائف بار یا سیر کہسار	نگار پاکستان	ص ۱۲ تا ۱۹	جنوری فروری ۱۹۶۷ء
عقیل، ڈاکٹر سید محمد	تحقیق اور مواد کی فراہمی کا مسئلہ	نقوش	ص ۶۳ تا ۷۵	مئی ۱۹۶۷ء
علی احمد	پاکستان میں ڈرامے کی روایات اور قومی تھیٹر کے مسائل	منشور	ص ۱۹ تا ۲۲	فروری ۱۹۶۷ء
علی جواد زیدی	اردو ادب کی تاریخ	نگار پاکستان	ص ۳۶ تا ۴۹	اگست ۱۹۶۶ء
علیم اختر مظفر نگری	نوازشات جگر	ساقی	ص ۷ تا ۱۶	مارچ ۱۹۶۷ء
عمر علی	قومی ادب کا مسئلہ	ادب لطیف	ص ۴۷ تا ۵۶	خاص نمبر ۱۹۶۶ء
عتیق حنفی	سانکھیہ درشن	اوراق	ص ۱۲۳ تا ۱۲۹	جنوری ۱۹۶۷ء
عندلیب شادانی	کچھ مشاعروں کے بارے میں	محفل	ص ۱۱ تا ۱۴	جنوری فروری ۱۹۶۷ء
غلام السیدین، خواجہ	شعر حسن صداقت اور انسانیت کا ترجمان ہے	نگار پاکستان	ص ۵۴ تا ۵۶	مارچ ۱۹۶۵ء
غلام حیدر کاشمیری	انیس کی رزمیہ شاعری	تہذیب الاخلاق	ص ۴۸ تا ۵۵	جنوری تا مارچ ۱۹۶۷ء
غلام صمدانی، سید	ادب میں انسان دوستی	جامعہ	ص ۳۳ تا ۳۸	جنوری ۱۹۶۷ء
" "	ادب میں انسان دوستی	ساقی	ص ۲۳ تا ۲۵	مارچ ۱۹۶۷ء

---

[1] "شاعری اور تخیل" (بادی حسین) اور "حمید نظامی اور میاں افتخار الدین" (شورش کاشمیری) کی تصانیف کا تعارف
[2] منقول از "قومی زبان"

غوری، شبیر احمد خاں — اسلامی ہندوستان کا ابتدائی علمی دور — ثقافت ص ۱۷ تا ۳۸ — مارچ ۱۹۶۶ء

غیرت ادیب۔ کنھیا لال بھٹناگر — مرقع عروض (۶) — رہنمائے تعلیم ص ۲۲ تا ۲۴ — جون ۱۹۶۶ء

فاطمی، سید قدرۃ اللہ — رزم و نظم (ایک شعری مجموعہ) چند تاثرات — نصرت ص ۹۵ تا ۱۰۲ — دسمبر ۱۹۶۲ء جنوری ۱۹۶۵ء

فراق گورکھپوری — شعر اور شاعر — ہندوستانی ادب ص ۴ تا ۷ — جنوری ۱۹۶۶ء

فرمان فتح پوری — رزمیہ بحر اور سحر البیان — نگار پاکستان ص ۴۹ تا ۵۲ — مارچ ۱۹۶۵ء

فرید جعفری — قومیت اور جنگ — عالمی ڈائجسٹ ص ۷۰ تا ۷۷ — مئی ۱۹۶۶ء

فضیل جعفری — چٹان اور پانی — نقش ص ۱۶۰ تا ۱۷۴ — ۱۹۶۶ء، ۶۳

فہمیدہ قریشی — اردو شاعری اور صنعت نازک — خاتون پاکستان ص ۴۵ تا ۵۲ — جنوری ۱۹۶۶ء

قاسمی، احمد ندیم — افریشیائی ادب کا مطالعہ — امروز ص ۹ — ۱۴ مئی ۱۹۶۶ء

〃 〃 — افریشیائی ادیبوں کے لئے لمحہ فکریہ — 〃 ص ۱۱ — ۱۸ جون ۱۹۶۶ء

〃 〃 — چند جدید افریقی نظمیں (ترجمہ) — 〃 ص ۱۱ — ۱۱ جولائی ۱۹۶۶ء

〃 〃 — در د آئے گا دبے پاؤں (ذکاء الرحمن کے افسانوں پر اظہار خیال) — کتاب لاہور ص ۴۱ تا ۴۴ — اپریل مئی ۱۹۶۶ء

〃 〃 — کیا شعر و شاعری کا کوئی فائدہ بھی ہے؟ — امروز ص ۷ — ۲۸ مئی ۱۹۶۶ء

〃 〃 — ہمارے افسانوں کے موضوعات محدود کیوں ہیں؟ — 〃 ص ۱۱ — ۲۵ جولائی ۱۹۶۶ء

〃 〃 — ہندوستان کے ارباب علم و فن کے نام — سیارہ ص ۴۱ تا ۴۴ — مارچ ۱۹۶۶ء

قدسیہ نقوی — اردو زبان کے چند محاورے۔ (سہیل بخاری کے مضمون پر ایک نظر) — ماہ نو ص ۱۰ — ۲۰ — جون ۱۹۶۶ء

قدسی، عبید اللہ — ہماری قومی شاعری — فاران ص ۲۶ تا ۳۳ — اپریل ۱۹۶۶ء

قریشی، الطاف حسن — جسٹس انوار الحق (سے انٹرویو) — اردو ڈائجسٹ ص ۲۲ تا ۲۹ — اپریل ۱۹۶۶ء

قمر احسن اعظمی — میر کی غزل میں واعظ کا مقام — فروغ اردو ص ۴ تا ۷ — مارچ ۱۹۶۶ء

قمر رئیس ڈاکٹر — اردو نظم کا سفر — ہمایوں ص ۱۲۶ تا ۱۳۱ — فروری ۱۹۶۶ء

〃 — شاعری اور فارسی کا رشتہ — ہماری زبان ص ۳ تا ۴ — ۱۵ جنوری ۱۹۶۶ء

قیصر سرمست — مومن اور غالب کے مبالغہ آمیز اشعار — نگار پاکستان ص ۶۹ تا ۷۴ — جنوری فروری ۱۹۶۶ء

مصنف	عنوان	رسالہ	صفحات	تاریخ
[illegible]	احمد فراز کا سفر عشق	اوراق	ص ۴۳ تا ۴۷	نومبر ۱۹۶۶ء
"	ادب ایک دور آزمائش میں	سیارہ	ص ۳۵ تا ۳۷	مارچ ۱۹۶۶ء
کرامت، پروفیسر کرامت علی	نظم، نثر اور شعر	تحریک	ص ۵ تا ۷	جنوری ۱۹۶۶ء
"	مومن کا ایک شعر	ہماری زبان	ص ۳ تا ۴	یکم جنوری ۱۹۶۶ء
کرشن چندر	گنگا بہے نہ رات	سب رس	ص ۲۷ تا ۳۸	مارچ ۱۹۶۶ء
"	ہاتھی دانت کا ٹاور	نقوش	ص ۱۵۷ تا ۱۵۹	۱۰۳، ۱۰۴ / ۱۹۶۶ء
کسری منہاس	آئین وفا (ڈاکٹر سید صفدر حسین کے مرثیے پر ایک نظر)	ادب لطیف	ص ۶۵ تا ۶۸	نومبر دسمبر ۱۹۶۶ء
"	تاریخ گوئی کی تاریخ	صحیفہ	ص ۴۴ تا ۵۸	اپریل ۱۹۶۶ء
"	طنز بدیہہ	ادب لطیف	ص ۲۱ تا ۴۲	خاص نمبر ۱۹۶۶ء
کشفی، ابوالخیر	ذکاء اللہ اور انشائیہ	تخیل	ص ۲۵ تا ۲۹	۱۹۶۶ء
گلزار وفا چودھری	نئی شاعری کے شریر بچے	محور	ص ۴۸ تا ۵۳	۱۹۶۶ء
گوپال متل	ترقی پسند ادیبوں کی کانفرنس میں چینی سودیت کشمکش کا مظاہرہ	تحریک	ص ۵ تا ۶	مارچ ۱۹۶۶ء
گوہر نوشاہی	اردوئے معلیٰ کا میر سوز نمبر	قومی زبان	ص ۴۷ تا ۵۲	"
"	حلوائے بے دود (محمد حسین محو دہلوی کی ایک مثنوی)	کتاب نما	ص ۴۹ – ۵۵	اپریل مئی ۱۹۶۶ء
"	زبدۃ الاخبار - حکیم قدرت قاسم کی ایک گمنام مثنوی	"	ص ۳۳ تا ۳۷	مارچ ۱۹۶۶ء
"	قدرت کلام اور ندرت بیان کی شاعری (ظفر اقبال کی شاعری پر ایک تبصرہ)	ادب لطیف	ص ۳۳ تا ۳۸	خاص نمبر ۱۹۶۶ء
گیتی آرا	مکتوب نگاری کی روایت	افکار	ص ۲۹ تا ۳۴	فروری ۱۹۶۶ء
لطیف حسین ڈاکٹر	روہیلوں کے دور میں اردو شاعری	خاتون پاکستان	ص ۵۳ تا ۶۲	جنوری ۱۹۶۶ء
مالک رام	اردو میں تحقیق	قومی زبان	ص ۱۵ تا ۳۳	"
"	"	تحریک	ص ۱۱ تا ۲۲	فروری ۱۹۶۶ء
[illegible] مختار احمد	واسوخت امانت	العلم	ص ۴۲ تا ۴۳	جنوری تا مارچ ۱۹۶۶ء
ماہر القادری	قول فیصل - سید علی اختر اختر کی ایک شاہکار نظم	فاران	ص ۲۲ تا ۲۷	جنوری ۱۹۶۶ء
مجتبیٰ حسین	سیرت کی ایک کتاب	افکار	ص ۲۷ تا ۲۹	مارچ ۱۹۶۶ء

(باقی)

انجمن ترقی اُردو پاکستان کا ترجمان

ماھنامہ

قومی زبان

جلد-۳۱

شمارہ-۴

اکتوبر ۱۹۶۷ء

انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان

بابائے اردو روڈ

کراچی

قیمت فی پرچا:- ایک روپیا

قیمت سالانہ- دس روپے

جگن ناتھ آزادؔ

ترے ادب کی روایت تو اک حقیقت ہے
تری نظر میں یہ افسانہ ہو تو کیا کہیئے
خود اپنے تیرے خزانے میں کچھ کمی تو نہیں
روش تری جو گدایانہ ہو تو کیا کہیئے
ہزار علم کا پروردہ ہو دماغ مگر
مذاقِ شعر سے بیگانہ ہو تو کیا کہیئے

فہرست

ادارۂ تحریر

جمیل الدین عالی

مشفق خواجہ

زیر تعمیر اردو کالج کے لئے عطیات

اب تک زیر تعمیر اردو کالج کے مبلغ ایک لاکھ پچاسی ہزار دو سو چھیاسی روپے اٹھارہ پیسے (۱۸/ ۲۸۶، ۸۵، ۱ روپے) جمع ہو چکے ہیں۔ گزشتہ ایک ماہ میں جو رقوم موصول ہوئی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

ذاتی عطیات:۔

۱۔ نیشنل کمرشل بنک	چار ہزار روپے
۲۔ جناب جسٹس ایس۔ اے۔ رحمان، لاہور	سو روپے
۳۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب (ہمدرد ٹرسٹ)	ایک ہزار روپے
۴۔ جناب جمیل الدین عالی صاحب۔ معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو	ایک ہزار روپے
۵۔ پاکستان ٹوبیکو کمپنی لمٹیڈ کراچی	دو ہزار پانچ سو روپے

رسائد کی فروخت سے مندرجہ ذیل حضرات نے رقوم جمع کرائیں۔

۱۔ ڈسٹرکٹ کونسل نواب شاہ	ایک ہزار پچپن روپے
۲۔ جناب ابرار حسن خاں صاحب اسسٹنٹ کمشنر	چار سو بیس روپے
۳۔ جناب ایچ۔ اے۔ اے عثمانی صاحب (وزارت کشمیر)	پچھتر روپے
۴۔ جناب محمد خلیل اللہ صاحب وائس پرنسپل اردو کالج	چھیاسٹھ روپے
۵۔ محترمہ نجمہ رفیق صاحبہ بنت محمد رفیق صاحب	پانچ روپے

جشن فرخندہ تاج گذاری

اعلیحضرت محمد رضا شاہ پہلوی آریا مہر شہنشاہ ایران و علیا حضرت فرح پہلوی شہبانوی ایران کی تاجپوشی کے مبارک موقع پر انجمن ترقی اردو مندرجہ ذیل کتابیں شائع کر رہی ہے۔ یہ کتابیں ۲۶ر اکتوبر کو منظر عام پر آجائیں گی۔

تذکرۂ گلشن بہار یہ نصراللہ خان خویشگی کی تالیف ہے۔ اگرچہ یہ بنیادی طور پر شعرائے اردو کا تذکرہ ہے لیکن ضمنی طور پر اس میں بہت سے فارسی گو شعرا کے حالات بھی آ گئے ہیں جو دوسرے تذکروں میں نہیں ملتے۔ یہ تذکرہ ایک مرتبہ شائع ہو چکا ہے لیکن امتداد زمانہ سے طاق نسیاں کی نذر ہو گیا۔ یہاں تک کہ بعض اہل قلم نے اس کے وجود ہی سے انکار کر دیا اس اعتبار سے اس تذکرے کی اشاعت ایک اہم ادبی بازیافت ہے اسے ڈاکٹر اسلم فرخی نے مرتب کیا ہے۔

ہفت مقالہ انجمن ترقی اردو کا سہ ماہی "اردو" گزشتہ نصف صدی سے شائع ہو رہا ہے۔ اس میں فارسی زبان و ادب پر سے متعلق متعدد مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ "اردو" کے پرانے پرچے عام طور پر دستیاب نہیں ہوتے اس لئے یہ طے کیا گیا کہ اہم مضامین کا ایک انتخاب شائع کیا جائے۔ یہ کام پاکستان کے ممتاز محقق جناب پیر حسام الدین راشدی صاحب نے انجام دیا ہے۔

فہرست مخطوطاتِ فارسی و عربی انجمن کے کتب خانۂ خاص میں فارسی و عربی کے مخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔ ان میں سے بیشتر مخطوطات اپنے موضوع، قدامت، کتابت اور دیگر خصوصیات کی بنا پر اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ انجمن ان کی وضاحتی فہرست شائع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے لیکن ان دنوں اردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست پر کام ہو رہا ہے اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ فی الحال فارسی عربی مخطوطات کی ایک اجمالی فہرست شائع کر دی جائے تاکہ اہل علم کو معلوم ہو سکے کہ انجمن کے کتب خانے میں کون کون سے مخطوطات ہیں۔

سہ ماہی

اُردو

اِشاعتِ خاص

سہ ماہی اُردو کا اکتوبر ۱۹۶۷ء کا شمارہ فارسی زبان و ادب سے تعلق ہے جو شہنشاہ ایران کی تاج پوشی کے یادگار موقعے پر شائع کیا جارہا ہے۔ اس میں کشن چند اخلاص کے تذکرہ "ہمیشہ بہار" کی پہلی قسط (۱۱۲ صفحات) شامل ہے۔ اس تذکرے کو ڈاکٹر وحید قریشی نے [illegible] ہے۔

چند دیگر مضامین :-

قدیم فارسی فرہنگوں میں اُردو عناصر (ادات الفضلا)	(ڈاکٹر نذیر احمد (مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)
حضرت صابر کلیری کا فارسی دیوان	ڈاکٹر وحید قریشی
کلامِ حافظ پر ماحول کے اثرات	کبیر احمد جائسی
ذکر عرفی شیرازی اور شعر العجم	ڈاکٹر محمد ولی الحق انصاری
مکتوباتِ قاضی ثناء اللہ پانی پتی	ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان

تین سو سے زائد صفحات —— قیمت : تین روپے پچاس پیسے

انجمن ترقی اُردو

بابائے اردو روڈ۔ کراچی

ڈاکٹر ریاض الحسن

ترجمان القرآن

قرآن کریم کی اب تک سیکڑوں کیا بلکہ ہزاروں تفسیریں لکھی جا چکی ہیں اور ان تفسیروں پر اپنے اپنے عہد کا اثر نمایاں ہے مثلاً اسلام کے ابتدائی زمانے میں جب مسلمانوں کا دماغ "تمدن کے وحشی اور مصنوعی سانچوں میں نہیں ڈھلا تھا اور فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قائم تھا" قرآن کا سمجھنا، جیسا کہ وہ اترا تھا، آسان تھا، اور اس کے فہم و تفہیم میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں ہوتی تھی۔" اس کے بعد جو تفسیریں لکھی گئیں ان پر اسرائیلیات کی خرافات کا اثر شروع ہو گیا اور جب صدر اول کے بعد یونان، روم اور ایران کی تمدنی ہوائیں چلنے لگیں اور یونانی علوم کے تراجم نے علوم و فنون کی ترویج کا دور شروع کر دیا" تو قرآن کے فطری پہلوؤں سے ہٹ کر تفسیروں پر فلسفہ اور منطق کا رنگ چڑھ گیا۔ پھر جب اسلامی ممالک پر یورپ کی تہذیب کا غلبہ ہوا، تو جدید نظریات کی بنیاد پڑی اور تفسیر پر بھی اس کا اثر پڑا، مثلاً سید احمد خان کی تفسیر جس میں قرآنی آیات کو جدید سائنس یا نیچر کے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر دور حاضرہ کے ایک جید مصری عالم رشید رضا ایڈیٹر "المنار" کی تفسیر سامنے آتی ہے جس میں قدیم و جدید کی آمیزش ملتی ہے۔ ان تمام تفسیروں کا لب لباب یہ ہے "کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے لے کر قرون آخیرہ تک جس قدر مفسر پیدا ہوئے ان کا طریق تفسیر ایک درجہ تنزل پذیر یا فکر کی مسلسل زنجیر ہے جس کی ہر پچھلی کڑی پہلی سے پست تر اور ہر سابق لاحق سے بلند تر واقع ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں جس قدر اوپر کی طرف بڑھتے چلتے ہیں حقیقت زیادہ واضح، زیادہ بلند اور اپنی قدرتی شکل میں نمایاں ہوتی جاتی ہے جس قدر نیچے اترتے آتے ہیں حالت برعکس ہوتی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں یہاں تفسیر بالرائے کی ایک مثال پیش کرنے کا موقع دیجئے۔ کئی سال ہوئے ایک صاحب کی تصنیف "قرآن اور علم جدید" نظر سے گذری۔ اس میں فاضل مصنف نے قرآن کو نظریۂ ارتقاء کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو قرآن سے ثابت کرنا مقصود ہے، (یعنی پہلے اسرائیلی اور یونانی خرافات کا دور تھا، اب سائنسی اور منطقیانہ خرافات کا دور ہے) اس انداز فکر کا کیا مطلب ہے؟ کیا انحطاط ذہن کو قسمت کا لکھا سمجھ کر قناعت کی جائے یا پھر کوئی ایسی سبیل نکالی جائے کہ قرآن کو اپنے انداز میں سمجھا جا سکے؟

مولانا ابوالکلام نے اپنی تفسیر میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ قرون وسطیٰ کے فلسفیانہ اور منطقیانہ پردوں کو ہٹا کر قرآن کو اس کی اصلی فطرت میں واضح کیا جائے اور " وضعیت کے استغراق نے منطق کا جو سانچہ بنا دیا ہے " اس سے ہٹ کر قرآن کو اپنے اصلی رنگ میں پیش کیا جائے ۔ پھر " تفسیر بالرائے " کا جو دروازہ علوم جدیدہ نے کھول دیا ہے اسے بند کیا جائے ۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے جب کلکتہ سے الہلال جاری کیا تو اس میں جابجا وہ قرآنی آیتوں سے استدلال کرتے تھے ۔ دنیائے صحافت میں یہ ایک نیا طریقہ تھا اور پھر وہ اتنا مقبول ہوا کہ ان کو قرآن کی تفسیر لکھنے کا خیال پیدا ہوا، ان کے سامنے اس وقت تین چیزیں پیش نظر تھیں، ترجمہ، تفسیر، اور مقدمہ تفسیر۔ ۱۹۱۶ء کے ابتدائی مہینوں تک ترجمہ پانچ پاروں تک پہنچ چکا تھا اور تفسیر سورۂ آل عمران تک پہنچ چکی تھی اور مقدمۂ تفسیر یادداشت کی شکل میں آچکا تھا، کچھ تفسیر کے فارم چھپ چکے تھے اور ترجمے کی کتابت شروع ہو رہی تھی کہ حکومت ہند نے جولائی ۱۹۱۶ء میں مولانا کو نظر بند کر دیا ۔ نظر بندی کے بعد تمام کاغذات خفیہ پولیس لے گئی اور ان میں قرآن کا ترجمہ اور تفسیر بھی تھی ۔

پھر ۱۹۲۱ء میں تحریک عدم تعاون کے سلسلے میں گرفتار ہوئے ۔ گرفتاری کے بعد حکومت نے محسوس کیا کہ مولانا کی گرفتاری اور سزا کے لئے کافی قانونی جواز موجود نہیں ہے تو اس نے تیسری دفعہ مولانا کے گھر کی تلاشی لی اور جو کچھ رہا سہا کاغذوں اور کتابوں کا ذخیرہ تھا، اسے ضبط کر لیا ۔ " افسران تفتیش نے جب ان کاغذات پر قبضہ کیا تو یہ علمی مسودات کے مختلف مجموعے تھے اور الگ الگ بستوں کی دفتیوں میں ترتیب دیئے ہوئے تھے، ان میں مختلف مکمل و غیر مکمل تصنیفات کے علاوہ بڑا ذخیرہ یادداشتوں کا تھا لیکن جب واپس ملے تو محض اوراق پریشاں کا ایک ڈھیر تھا اور نصف سے زیادہ اوراق یا تو ضائع ہو چکے تھے یا اطراف سے پھٹے ہوئے اور پارہ پارہ تھے ۔ " درحقیقت یہ مولانا کے لئے بڑی آزمائش کا وقت تھا مگر حوادث کا یہ تلخ جام مولانا نے صبر کی سِل چھاتی پر رکھ کر پی لیا ۔ مگر اس کی تلخی آخر زمانے تک مولانا کے مزاج کو برہم کرتی رہی ۔ انہوں نے ایک نہایت مشکل مسئلہ کے حل کی کوشش کی تھی، یعنی " سیاسی زندگی کی شورشوں اور علمی زندگی کی جمعیتوں اور فراغتوں " کو یکجا کرنے کی کوشش کی تھی جس کا خمیازہ ان کو تلخی اور رنج کی صورت میں اٹھانا پڑا ۔ مگر اس برِ عظم میں وہ تنہا شخص ہیں جنہوں نے باوجود تلخی اور رنج کے زندگی کے ان دونوں گوشوں کو حسب ضرورت کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ۔ یہاں ایک واقعہ بیان کروں گا جو دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا یہ ۱۹۳۵ء کا ذکر ہے ۔ اس وقت میں کلکتہ کے ہفتہ وار انگریزی اخبار " مسلمان " کا مدیر تھا ۔ عبدالرحمٰن صدیقی صاحب اس وقت کلکتہ سے باہر شاید یورپ میں تھے ۔ ان کے مکان میں اسی زمانہ میں روس کے مشہور عالم قرآن موسیٰ جاراللہ

آکر ٹھیرے تھے۔ یہ ماسکو کے رہنے والے تھے۔ ادھر بالشویک تحریک کے زمانہ میں لینن سے واقف ہو گئے تھے اور بعد کو ان کے دوست بھی بن گئے تھے مگر جلد ہی بالشویک حکومت کی پالیسی سے متنفر ہو کر ان کو روس چھوڑنا پڑا اور مصر میں آکر مقیم ہو گئے۔ دوسری جنگ عظیم سے کئی سال قبل ہندوستان آگئے تھے اور یہاں کی اسلامی تحریکوں کا مطالعہ کر رہے تھے۔ جنگ کے زمانے میں حکومت ہند نے ان کو روسی ہونے کی بنا پر نظر بند کر دیا تھا حالانکہ برطانیہ اور روس اس وقت حریف ہونے کی بجائے ایک دوسرے کے حلیف تھے۔

موسیٰ جار اللہ تقریباً ایک ہفتے کلکتہ میں ٹھیرے اور ان ایام میں میں ان سے ہر روز جاکر ملتا۔ ایک روز میں نے ان سے پوچھا کہ "آپ کے خیال میں قرآن کا کوئی فلسفہ بھی ہے اور اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے" کہنے لگے کہ بیشک قرآن کا ایک نظام فکر ہے اور جہاں اوامر و نواہی موجود ہیں وہاں زندگی کا ایک مربوط نظام بھی ہے اور اس کی بنیاد ایمان بالغیب پر ہے۔ یہیں سے سب کلّے پھوٹتے ہیں اور اسلام کے مختلف گوشے پیدا ہوتے ہیں جن میں عبادات اور معاملات کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایمان بالغیب نہ ہوتو انسان کو آزمائش کے وقت راہِ راست پر لانے والی اور کوئی چیز نہیں۔ پھر اس کی انہوں نے واقعات کی بنا پر ایک لمبی تشریح کی۔ میں نے آخر میں پوچھا کہ آپ کے خیال میں قرآن کے فکری نظام کا سمجھنے والا ہندوستان میں کوئی عالم ہے؟ تو انہوں نے مولانا ابو الکلام کا نام لیا۔

تحریک عدم تعاون کی شورشوں کے بعد جب مولانا رہا ہوئے تو انہوں نے پھر قرآن کی تفسیر اور ترجمے کی طرف توجہ کی۔ خود ان کے بیان کے مطابق "کامل ستائیس برس سے قرآن میرے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے۔ اس کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طے کئے ہیں۔ تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ و غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گذر چکا ہے اور علوم قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف سے حتی الامکان میں نے تغافل اور جستجو میں تساہل کیا ہو" یہ سطریں میرٹھ جیل میں لکھی گئیں اور دو ایک سال بعد ترجمان القرآن کی دو جلدیں بڑی تقطیع پر پہلی مرتبہ شائع ہوئیں۔ ان دو جلدوں میں صرف ۱۸ پاروں کا ترجمہ ہے۔ اس میں سے مولانا نے سورہ فاتحہ کی تفسیر بطور دیباچے کے لکھی جو ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اب یہی تفسیر موجودہ تیسرے ایڈیشن میں مزید اضافے اور تشریح کے ساتھ جلد اول کی شکل میں سندھ ساگر اکادمی لاہور نے شائع کی ہے اس طرح کل تین جلدیں ہونگی۔

سورہ فاتحہ کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے کہ "اس سورت کے مطالب پر نظر ڈالتے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں اور قرآن کے بقیہ حصے میں اجمال اور تفصیل کا سا تعلق پیدا ہو گیا ہے یعنی قرآن"

کی تمام سورتوں میں دین حق کے جو مقاصد بہ تفصیل بیان کئے گئے ہیں سورہ فاتحہ میں انہی کا بہ شکل اجمال بیان موجود ہے۔" اس لحاظ سے سورہ فاتحہ قرآن کا قلب ہے۔

اب دیکھنا ہے کہ دین حق کا کیا ماحصل ہے۔ اس کو مولانا نے چار باتوں پر مشتمل لکھا ہے۔ اول خدا کی صفات کا ٹھیک ٹھیک تصور۔ دوم قانون مجازات کا اعتقاد یعنی نیک عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور برے کا برائی۔ سوم معاد کا یقین، یعنی انسانی زندگی اس دنیا تک ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے بعد بھی زندگی ہے اور جزا کا معاملہ پیش آنے والا ہے۔ چہارم فلاح و سعادت کی راہ کیا ہے اور اس کی پہچان کیا ہے۔ یہ چاروں چیزیں سورہ فاتحہ میں مجملاً موجود ہیں۔

ان مقدمات کو انسانی ذہن میں لانے کے لئے قرآن کا انداز بیان بالکل فطری اور اس کا طریق استدلال بالکل انسانی وجدان کے مطابق ہے اسی لئے منطق کے مقدمات کی اس کو ضرورت نہیں۔ "قرآن حکیم اپنی وضع اپنے اسلوب، اپنے انداز بیان، اپنے طریق خطاب، اپنے طریق استدلال میں .... ہمارے وضعی اور صناعی طریقوں کا پابند نہیں ہے۔" اس میں نظری مقدمات نہیں ملیں گے اور نہ اس کا بیان ارسطو کے بنائے ہوئے منطقی اصول پر صحیح اترے گا۔ اس کے برعکس وہ انسانی فطرت اور انسانی وجدان سے براہ راست مخاطب ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ خدا پرستی کا جذبہ انسانی فطرت کا خمیر ہے۔ اگر ایک انسان اس سے انکار کرنے لگتا ہے تو یہ اس کی غفلت ہے اور ضروری ہے کہ اسے غفلت سے چونکانے کے لئے دلیلیں پیش کی جائیں لیکن یہ دلیل ایسی ہونی چاہیئے جو اس کے نہاں خانۂ دل پر دستک دے اور اس کا فطری وجدان بیدار کر دے۔ اگر اس کا وجدان بیدار ہو گیا تو پھر اثبات مدعا کے لئے بحث و تقریر کی ضرورت نہ ہوگی، خود اس کا وجدان ہی اسے مدعا تک پہنچائے گا، یہی وجہ ہے کہ قرآن خود انسان کی فطرت ہی سے انسان پر حجت لاتا ہے۔"

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وجدان پر کیا چیز اثر پذیر ہوتی ہے، جو اس کو صحیح نتیجہ کی طرف لے جاتی ہے۔؟ دراصل یہ کائنات کا نظام ہے جو وجدان پر اثر ڈال کر رب العالمین کی طرف لے جاتا ہے۔ مثلاً یہ کیسے ممکن ہے کہ نظام کائنات خود بخود وجود میں آجائے اور اس کے اندر کوئی حکمت اور کوئی کارفرما ہستی نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کارساز موجود ہو مگر کارساز نہ ہو۔ حکمت موجود ہو مگر حکیم نہ ہو۔ انسان کی فطرت کبھی یہ باور نہیں کر سکتی کہ نقش موجود ہو مگر نقاش لاپتہ ہو۔ یہاں انسانی وجدان بول اٹھتا ہے کہ پس پردہ کوئی صاحب ادراک ہستی ضرور موجود ہے۔ اس "انسانی فطرت اپنی بناوٹ میں ایک ایسا سانچہ لے کر آئی ہے جس میں یقین و ایمان ہی ڈھل سکتا ہے، شک و انکار کی اس میں سمائی نہیں ہے۔"

یہاں میں اٹھارہویں صدی کے مشہور فرانسیسی مفکر روسو کا ذکر کروں گا جس کا خدا کی ہستی کی بابت طریق استدلال

قرآن سے ملتا جلتا ہے ۔ اٹھارہویں صدی کا زمانہ یورپ میں لادینی کا زمانہ ہے ۔ اس کو تاریخ میں روشنی کے
عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر روسو ، جس نے عہد جدید کی سیاست اور طرز حکومت پر گہرا اثر ڈالا ہے ، وہ خدا کی
ہستی کا قائل تھا ۔ مشہور انگریز فلسفی برٹرینڈ رسل نے اپنی مشہور کتاب " تاریخ فلسفۂ مغرب " کے صفحہ ۱۸۰ پر
روسو کا ایک خط نقل کیا ہے جو اس نے ایک خاتون کو لکھا تھا ۔ روسو لکھتا ہے :" میں اپنے کتب خانے کی تنہائی میں
جب اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں آنکھوں پر رکھ کر ان کو بند کر لیتا ہوں ، یا جب رات کی تاریکی محسوس کرتا ہوں
تو اس وقت بار بار یہ خیال ہوتا ہے کہ خدا کوئی چیز نہیں ہے لیکن جب میں سورج کو علی الصباح نکلتے دیکھتا ہوں اور اس
وقت وہ زمین پر چھائے ہوئے تمام کہر کو اڑا دیتا ہے اور قدرت کے تمام مناظر پر سے پردہ اٹھا کر ان کو چمکاتا ہے تو اس
وقت میرے دل کی تمام تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں اور میرا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور میں خدا کی ہستی کا یقین کرتا ہوں
اور اس کی پرستش بھی اور پھر اس کے سامنے سجدہ میں گر جاتا ہوں ۔"

قرآن جب انسانی وجدان سے مخاطب ہوتا ہے تو اسے دعوت فکر دیتا ہے یعنی انسان خدا کی دی ہوئی بصیرت سے کام
لے اور اپنے وجود کے اندر اور اپنے وجود کے باہر جو کچھ بھی محسوس کر سکتا ہے اس میں تدبر اور تفکر کرے ۔ اسی تدبر و تفکر
سے خدا پرستی کا راستہ کھلتا ہے کیونکہ انسان اسی سے قدرت کے اسلوب و قانون کا ادراک حاصل کر سکتا ہے ۔ اقبال نے اسی
انداز کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ :-

گر فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے شیطان کی ایجاد

یعنی جب انسان اپنی فطرت صحیحہ سے کام لے کر بزم قدرت پر نظر ڈالتا ہے تو اس پر بہت سے رموز و نکات کھلتے
ہیں لیکن آزادیٔ افکار سے مراد یہاں عقلی داؤں پیچ اور منطقی استدلال کا طریقہ ہے جس سے اصل حقیقت کا تو پتہ
نہیں چلتا مگر بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ کیا ہو سکتا تھا ۔ کہ گویا عقل حقیقت پر شبخون مارنے کی کوشش کرتی ہے مگر ناکام
رہتی ہے اور منطقی دلائل و براہین پر راضی ہو کر بیٹھ رہتی ہے ۔ یہی چیز شیطانی ہے اس لئے کہ اس سے یقین کے بجائے
وسوسے پیدا ہوتے ہیں ۔

اس نظام کائنات میں جس کی تعمیر اور ارتقاء میں لاکھوں برس گزرے ہیں انسان کا وجود ہوا اور انسان نے بھی اپنی
جسمانی ترقی کے بعد ہزاروں برس میں روحانی اور عقلی ترقی کی ۔ اب انسان جس کی پیدائش و ترقی میں فطرت نے ہزاروں سال
صرف کئے کیا وہ انسان کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دے گی ؟ کیا اس کرۂ ارض پر انسان کی مختصر زندگی ابدی طور پر فانی ہے ؟ عقل ان
مسلمات کی بنا پر اسکو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے ، یہاں معاد اور مسئلہ جزا کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ اگر حیات بعد
موت ہے تو پھر جزا کا تصور لازمی ہے ۔

رب العالمین کی تشریح کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں :-

" رب العالمین ہونے کے معنیٰ یہ ہوئے کہ جس طرح اس کی خالقیت نے کائنات ہستی اور اس کی ہر چیز پیدا کی ہے اسی طرح اس کی ربوبیت نے ہر مخلوق کی پرورش کا سروسامان بھی کر دیا ہے اور یہ پرورش کا سروسامان ایک ایسے عجیب و غریب نظام کے ساتھ ہے کہ ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لئے جو کچھ مطلوب تھا وہ سب کچھ مل رہا ہے اور اس طرح مل رہا ہے کہ ہر حالت کی رعایت ہے اور ہر ضرورت کا لحاظ ہے ۔ ہر تبدیلی کی نگرانی ہے اور ہر کمی بیشی ضبط میں آ چکی ہے ، چیونٹی اپنے بل میں رینگ رہی ہے کیڑے مکوڑے کوڑے کرکٹ میں ملے ہوئے ہیں ۔ مچھلیاں دریا میں تیر رہی ہیں ۔ پرند ہوا میں اڑ رہے ہیں ۔ پھول باغ میں کھل رہے ہیں ۔ ۔ ۔ اور ستارے فضا میں گردش کر رہے ہیں لیکن فطرت کے پاس سب کے لئے پرورش کی گود اور نگرانی کی آنکھ ہے اور کوئی نہیں جو فیضان ربوبیت سے محروم ہو "

اور اس فیضان ربوبیت کا مظاہرہ حسن و جمال کے ساتھ ہوتا ہے جو رحمٰن و رحیم کی شان ہے " فطرت صرف بناتی اور سنوارتی ہی نہیں بلکہ اس طرح بناتی اور سنوارتی ہے کہ اس کے ہر بناؤ میں حسن و زیبائی کا جلوہ اور اس کے ہر ظہور میں نظر افروزی کی نمود پیدا ہو گئی ہے کائنات ہستی کو اس کی مجموعی حیثیت سے دیکھو یا اس کے ایک ایک گوشۂ خلقت پر نظر ڈالو اس کا کوئی رخ نہیں جس پر حسن و رعنائی نے ایک نقاب زیبائش نہ ڈال دی ہو ۔ ستاروں کا نظام اور ان کی سیر و گردش ، سورج کی روشنی اور اس کی بوقلمونی ، چاند کی گردش اور اس کا اتار چڑھاؤ ، فضائے آسمانی کی وسعت اور اس کی نیرنگیاں ..... سمندر کا منظر اور دریاؤں کی روانی ، پہاڑوں کی بلندیاں اور وادیوں کا نشیب ، پھولوں کی عطر بیزی اور پرندوں کی نغمہ سنجی ، صبح کا چہرہ خنداں اور شام کا جلوۂ محجوب ، غرضیکہ تمام تماشا گاہ ہستی حسن کی نمائش اور نظر افروزی کی جلوہ گاہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس پردۂ ہستی کے پیچھے حسن افروزی اور جلوہ آرائی کی کوئی قوت کام کر رہی ہے "

اس کے بعد مولانا نے صفات الٰہی کا قرآنی تصور پیش کیا ہے ۔ تاریخ شاہد ہے کہ خدا پرستی کی راہ کتنی نازک اور پرخطر ہے " انسان کو خدا پرستی کی راہ میں جس قدر ٹھوکریں لگی ہیں وہ صفات ہی کے تصور میں لگی ہیں " اس سلسلے میں مولانا نے تمام قدیم و جدید مذاہب میں جو خدا کا تصور ہے اس پر نہایت عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے اور از روئے تحقیق جدید یہ ثابت کیا ہے کہ " انسانی دماغ کا سب سے زیادہ پرانا تصور جو قدرت کی تاریکی میں چمکتا ہے وہ توحید کا تصور ہے .... لیکن پھر اسی کے بعد اب معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس جگہ سے اس کے قدم بتدریج پیچھے ہٹنے لگے اور توحید کی جگہ آہستہ آہستہ " اشراک اور تعدد الٰہ " کا تصور پیدا ہونے لگا یعنی ..... الٰہ ہر [illegible] جگہ [illegible] پر انسان کا سر جھک گیا " اس خیال کی تشریح انہوں نے موجودہ مغربی محققین کی سند سے کی ہے اور [illegible] کی تحقیق کو باطل کر دیا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان کے مذہبی خیالات اول اول اوہام سے شروع ہو کر آخر میں توحید الٰہی پر ختم ہوئے مولانا کا یہ بیان کہ پہلے پہل انسان کی فطرت میں جس چیز کی نشوونما ہوئی وہ توحید الٰہی کا تصور تھا اوہام بعد کو پیدا ہوئے تحقیقات کا ایک نیا راستہ ہموار کر دیتا ہے -

چنانچہ انہوں نے اس ارتقائی تصور کو نہ صرف قرآن کے خلاف بتایا ہے بلکہ تحقیق جدید کی روشنی میں یہ سمجھایا ہے کہ توحید الٰہی کا تصور اتنا ہی پرانا اور قدیم ہے جتنا کہ انسانی شعور۔ ویانا یونیورسٹی کے پروفیسر اشمٹ کا حوالہ دیکر انہوں نے لکھا ہے کہ "اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کے ابتدائی عمران وتمدن کے تصور کی اعلیٰ ترین ہستی فی الحقیقت توحیدی اعتقاد کا خدائے واحد تھا اور انسان کا دینی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا۔

قدیم یونانی، رومی، یہودی، چینی مذاہب کے تصور الٰہی کو واضح کر دینے کے بعد مولانا نے بدھ اور ہندو مت پر بڑی لمبی بحث کی ہے اور اُپ نشد کے فلسفہ کی باریکیاں بتانے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہندو مذہب کے عقاید میں بھی خاص و عام کا امتیاز کیا جاتا تھا اور خیال کیا جاتا تھا کہ خدا کا ایک تصور تو حقیقی ہے اور وہ خواص کے لئے ہے، ایک تصور مجازی ہے اور عوام کے لئے ہے۔"

چنانچہ ہندوستان میں خدا شناسی کے تین درجے قرار دیئے گئے۔ عوام کے لئے دیوتاؤں کی پرستش، خواص کے لئے براہِ راست خدا کی پرستش۔ اخص الخواص کے لئے وحدۃ الوجود کا مشاہدہ۔" لیکن قرآن نے حقیقت ومجاز یا خاص وعام کا کوئی امتیاز باقی نہیں رکھا۔ اس نے سب کو خدا پرستی کی ایک ہی راہ دکھائی اور سب کے لئے صفاتِ الٰہی کا ایک ہی تصور پیش کیا۔ وہ سب پر اعتقاد وایمان کا ایک ہی دروازہ کھولتا ہے۔"

آخر میں مولانا نے بتایا ہے کہ فلاح وسعادت کی راہ کونسی ہے اور اس کی کیا پہچان ہے۔ یہ ایمان اور عمل صالح کا قانون ہے جس پر چلکر انسان فلاح پا سکتا ہے اور تفرقے سے بچ سکتا ہے۔ ایمان سے مراد خدائے واحد کی پرستش اور عمل صالح سے مراد وہ اعمال ہیں جن کی اچھائی عام طور پر جانی بوجھی ہے۔ قرآن نے اسکو "الدین" اور "الاسلام" کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس ایمان وعمل صالح میں نہ تو کسی خاص نسل وقوم کی خصوصیت رکھی گئی ہے نہ کسی خاص مذہب اور اسکے پیروؤں کی۔ دنیا کے تمام نبی، تمام صدیق، تمام شہدائے حق، تمام صالح انسان خواہ کسی ملک وقوم میں ہوئے ہوں، قرآن کے نزدیک "انعام یافتہ" انسان ہیں اور انہی کی راہ "صراط مستقیم" ہے۔"

اب آخر میں سورۂ فاتحہ کی تعلیمی روح پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ اس کا ماحصل کیا ہے۔ یہ سات آیتوں کی سورت انسان کو خدا کی حمد وثنا سکھانے کے بعد اس کے ذہن میں "رب العالمین" کی پروردگاری، رحمت اور عدالت کا تصور پیدا کرتی ہے۔ پھر انسان "عبادت اور استعانت کو صرف ایک ہی ذات سے وابستہ کرکے" سیدھی راہ چلنے کی توفیق مانگتا ہے وہ راہ جو گمراہوں کی نہیں ہے اور نہ کسی خاص نسل وقوم سے تعلق رکھتی ہے، گویا وہ تمام انسانیت کی راہ ہوگی۔ اس سورت سے متاثر ہو کر جو انسان بھی ہوگا وہ عالمگیر انسانیت کا انسان ہوگا اور دعوتِ قرآنی کی اصلی روح یہی ہے"۔

یہ سورہ فاتحہ کی تفسیر کا خلاصہ ہے اور جس رنگ میں یہ لکھی گئی ہے وہ تمام تفسیروں کے مقابلہ میں بالکل منفرد ہے، اسمیں نہ صرف نفس انسانی کی فلسفیانہ تشریح وتحلیل کی گئی ہے بلکہ ان کو تاریخی حقائق سے بھی ثابت کیا گیا ہے۔

اسٹوڈنٹس اسٹینڈرڈ انگریزی اردو ڈکشنری

کے

خاص ایڈیشن

کی چند

خصوصیات

- یہ لغت اہل علم کی ایک جماعت کے تعاون سے تیار ہوئی۔ اس لئے اس کی جامعیت، افادیت اور صحت مطالب کو درجۂ استناد حاصل ہے۔
- اس میں انگریزی زبان کے تمام مروجہ الفاظ کے معانی دیئے گئے ہیں۔
- انگریزی الفاظ کے صرف اردو مترادفات درج کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی گئی بلکہ ضروری جگہوں پر الفاظ کی تشریح بھی کی گئی ہے۔
- اس بات کا پورا اہتمام کیا گیا ہے کہ انگریزی محاورے یا روزمرہ کے لئے اردو محاورہ یا روزمرہ، انگریزی مثل کے لئے اردو مثل اس طرح درج کی جائے کہ انگریزی کا صحیح مفہوم پوری طرح ادا ہو جائے۔
- انگریزی الفاظ کے معانی کے نازک فرق بھی اردو مترادف الفاظ سے ظاہر کئے گئے ہیں۔ جن الفاظ کے مختلف اور متعدد معنی ہیں وہاں معانی کا نمبر شمار دیا گیا ہے تاکہ معانی کا امتیاز صاف طور پر نظر آسکے ہر معنی کا فرق مثالیں دیکر واضح کیا گیا ہے۔
- باطنی حسن کے ساتھ صوری اعتبار سے بھی خاص ایڈیشن اپنی مثال آپ ہے اسے اعلیٰ درجے کے بائیبل پیپر پر چھاپا گیا ہے۔ یہ کاغذ خاص طور پر اس ایڈیشن کے لئے درآمد کیا گیا ہے

یہ ایڈیشن

محدود تعداد میں شائع کیا گیا ہے اسلئے اپنا نسخہ جلد از جلد حاصل کرلیں

ایک ساتھ دو نسخے منگوانے پر محصول ڈاک معاف

انجمن ترقی اردو۔ بابائے اردو روڈ۔ کراچی ۱

ڈاکٹر شانتی رنجن بھٹاچاریہ

آزادی کے بعد مغربی بنگال میں اُردو

بنگال کو اردو والوں نے کبھی اردو کا مرکز تسلیم نہیں کیا ہے۔ اور بیشتر اردو کے ادیب او صحافیوں نے بنگال کی سرزمین کو اردو کے لئے سنگلاخ قرار دیا ہے۔ مذکورہ خیال بہت بڑی حد تک درست ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بنگال کی دھرتی اردو کے لئے سنگلاخ ہو تو ہو، پر یہ ہرگز بنجر نہیں ہے۔ لہذا بنگال نے اردو زبان و ادب کی جو کچھ خدمت کی ہے۔ اُس کا ذکر کئے بغیر داستانِ اردو نامکمل رہ جاتی ہے۔

اس مضمون میں اُن اخبارات، جرائد اور کتب کا مختصر ذکر کرتا ہوں جو تقسیم ہند کے بعد یعنی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد مغربی بنگال سے شائع ہوتے ہیں۔ تقسیم ہند سے پہلے بنگال سے بے شمار اخبارات و رسائل نکلے ہیں۔ جن میں روزنامہ "الہلال" کلکتہ اور ہفت روزہ "ہند" کلکتہ کا مقام اردو صحافت میں نہایت بلند ہے۔ نہ صرف یہی نہیں بلکہ تاریخ صحافت میں بنگال کے چند ابتدائی اخبارات وہ ہیں۔ جو دورِ اوّلین میں نہایت اہم کردار ادا کر چکے ہیں۔ بنگال کو یہ فخر حاصل ہے کہ اردو کا پہلا اخبار "جام جہاں نما" کلکتہ سے طلوع ہوا۔ اس کے علاوہ ابتدائی اخبارات میں "اردو گائیڈ" ایک طویل عرصہ تک کلکتہ سے نکلتا رہا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد کلکتہ نیز مغربی بنگال کا بہت کچھ ادبی سرمایہ پاکستان منتقل ہو گیا۔ چونکہ یہاں کے کئی نامور شاعر، ادیب و ماہرین تعلیم و صحافی پاکستان چلے گئے ہیں۔ اُن شخصیتوں میں ایک اہم شخصیت علامہ رضا علی وحشت کلکتوی مرحوم کی تھی۔ جو بعض ناگفتہ بہ حالات کی بنا پر کلکتہ سے ڈھاکہ تشریف لے گئے۔ اور اسی سرزمین پر دفن بھی ہو گئے۔ محض یہی نہیں کہ کئی ادیب، شاعر، صحافی اور ماہرینِ تعلیم پاکستان چلے گئے ہیں۔ بلکہ چند اور شخصیتیں بنگال سے باہر ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں چل دیئے۔ جس کی وجہ سے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوا۔ کہ یہاں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے۔ ایسی علمی و ادبی شخصیتوں میں علامہ سعید احمد صاحب اکبرآبادی کا نام لینا ضروری ہے جو عرصہ دس سال تک کلکتہ میں علمی و ادبی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اور جو کہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل تھے۔ لیکن آج بھی مغربی بنگال میں چند بلند ادبی اور

علمی شخصیتیں موجود ہیں۔ جن پر ہمیں فخر ہے۔ ان میں جناب ل۔ احمد اکبر آبادی، پرویز شاہدی، عباس علی بیخود، اثر زبیری، احمد صدیقی اور علامہ جمیل مظہری (جو تقسیم کے بعد بھی عرصہ تک کلکتہ میں رہے ہیں، اور اب بھی پٹنہ سے اکثر کلکتہ آتے جاتے رہتے ہیں) کے علاوہ دیگر جواں فکر کئی شاعر و ادیب ہیں۔ جن کے دم سے بنگال میں اردو و ادب کا چراغ روشن ہے اور جن کی وجہ سے بنگال علمی و ادبی خدمات انجام دینے میں اگر دوسرے صوبوں سے آگے نہیں تو بہت پیچھے بھی ہرگز نہیں ہے۔

کلکتہ میں اردو کا کوئی ایسا ناشر کتب نہیں ہے۔ (چند ناشر کتب ہیں جو نصاب کی کتابیں اور شرح تجارتی مقاصد کے تحت شائع کرتے ہیں) جو ادبی کتابیں شائع کرتا ہو۔ لہذا یہاں کے ادیبوں کو بنگال سے باہر کے ناشروں کا سہارا لینا پڑتا ہے، جو کہ ادیبوں اور شاعروں کے لئے لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے۔ کلکتہ میں کتابت و طباعت بھی دیگر اردو مراکز سے بہت زیادہ گراں ہیں نیز فوٹو پریس کی کمی اور اچھے کاتبوں کی کمی سے بھی کئی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان دشواریوں کے باوجود یہاں کے فن کاروں نے اکثر اپنی ہی کوشش و سرمایہ سے اپنی تخلیقات کو چھپوا کر شائع کیا ہے۔ چند فن کاروں کی تخلیقات بنگال سے باہر کے ناشروں نے بھی شائع کی ہیں۔ لیکن اس مضمون میں ان کتابوں کا ذکر میں نہیں کروں گا۔

دوسری طرف جب صحافت پر غور کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ تقسیم ہند کے بعد مغربی بنگال رسائل واخبارات کی اشاعت کے سلسلے میں بنجر نہیں بن گیا۔ بلکہ یہاں سے کئی نئے نئے رسائل واخبارات نکلتے رہے ہیں، اور یہ امر زندگی کا زندہ جاوید ثبوت ہے۔ لہذا اب ذیل میں مختصر طور پر تقسیم ہند کے بعد سے نکلنے والے اخبارات ورسائل نیز کتب کا ذکر کرتا ہوں۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ تقسیم کے بعد جتنے بھی جریدے یا کتابیں شائع ہوئے ہیں۔ میں نے سب کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا۔ کہ اپنی حد تک میں نے اس سلسلے میں پوری کوشش کی ہے۔ کہ کسی جریدے یا کتاب کا نام چھوٹ نہ جائے۔

روزنامے :۔

(۱) روزنامہ انگارہ کلکتہ۔ ایڈیٹر عبدالوہاب غازی اصلاحی۔ یہ سنہ ۱۹۳۸ء میں بار اول نکلا۔ کئی بار بند ہوتا اور نکلتا رہا ہے۔ منشی عبدالوہاب کلکتہ کے ایک اچھے خوشنویس ہیں۔ آپ سنہ ۱۹۵۱-۵۲ء میں "انجمن خوشنویسان کلکتہ" کے صدر بھی رہے ہیں۔ "انگارہ" جو کہ شام کا اخبار تھا اس کے پرنٹر، پبلشر اور ایڈیٹر سب کچھ آپ ہی تھے۔ منشی عبدالوہاب غازی صاحب کا قلم جذباتی ہے۔ لہذا آپ جذبات کے تیز دھاروں میں اکثر بہہ جاتے رہے۔ اور قانون کے پھندے میں بری طرح پھنستے رہے ہیں۔ مقدمہ بازی کی وجہ سے کبھی کبھی یہ اخبار بند بھی رہا ہے۔ اکتوبر سنہ ۶۵ء میں بھی ایسا ہی ہوا۔ اور ۱۳ اکتوبر سنہ ۶۵ء کو ضمانت پر رہا ہو کر غازی صاحب نے مقامی اخبارات میں اعلان کیا۔ کہ وہ دس ہزار

روپے کی ضمانت پر اب کی بار رہا ہوکر پھر سے میدانِ صحافت میں کودنے کے لئے تشریف لے آئے ہیں۔ لہٰذا ان کا اخبار پھر ۴ نومبر ۱۹۵۱ء سے نکلنے لگا۔ ۱۹۵۲ء میں بھی آپ جیل تشریف لے گئے۔ لیکن اس بار اخبار بند نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کے قائم مقام ایڈیٹر میرے محترم دوست جناب جوہر غازی پوری اسے کامیابی سے نکالتے رہے ہیں، لیکن آخرکار ۱۹۵۸ء میں "انگارہ" ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔ اس روزنامہ کے صفحات عام طور پر چار ہوتے تھے اور ملٹن آرٹ پریس ۱۲۸ لوئر چیت پور روڈ کلکتہ میں چھاپا جاتا اور ۱۱ ہرن باڑی لین کلکتہ سے شائع ہوتا تھا۔

۲۔ "اخوت" کلکتہ۔ اجرا یکم اگست ۱۹۵۸ء ابتدائی چار سال تک اس کے ایڈیٹر بنگال کے جواں فکر شاعر جناب ناظر الحسینی رہے ہیں۔ اخبار مذکور کے بند ہونے سے تقریباً سال بھر قبل ناظر الحسینی سے مالکان کی نبھ نہ سکی۔ اور جناب وقار مشرقی صاحب اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ لیکن اخبار کے دن بھی پورے ہونے کو آئے اور ۲۲ ستمبر ۱۹۶۲ء کو یہ بند ہوگیا۔ یہ صبح کا اخبار تھا اور اس کے صفحات ۶ ہوتے تھے۔ اس کے چند خاص شمارے جو رسالہ سائز میں "سالگرہ و آزادی نمبر" کے نام سے نکلے ہیں۔ کامیاب خصوصی شمارے رہے ہیں۔

(۳) "آزاد ہند" کلکتہ:۔ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم کا نام اردو علم و ادب کے میدان میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ ۱۹۴۶ء میں مولانا مرحوم "روزانہ ہند" کلکتہ سے علیحدہ ہوگئے اور آپ نے "آزاد ہند" جاری کیا۔ اب اُن کے لائق فرزند احمد سعید ملیح آبادی اُس کے مدیر ہیں۔ جون ۱۹۶۶ء میں اُس کا ایک خصوصی شمارہ رسالہ سائز میں مرحوم مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی یاد میں بطور "ملیح آبادی نمبر" کے شائع ہوا۔ اس خاص نمبر کے سرورق پر مرحوم کی ایک دل کش تصویر ہے۔ اور اندر بھی آرٹ پیپر پر چھپی ہوئی چند تصاویر ہیں۔ اس شمارے میں مرحوم کے جاننے والوں کے علاوہ ملک کے کئی قابلِ قدر اہلِ علم و اہلِ قلم حضرات نے مولانا کے سلسلے میں مضامین نظم و نثر لکھے ہیں۔

(۴) "آبشار" کلکتہ:۔ ایڈیٹر جناب ابراہیم ہوش صاحب ہیں۔ جو کہ اس شام کے اخبار کے ایڈیٹر ہونے سے قبل عرصے تک "روزانہ ہند" کلکتہ میں نیوز ایڈیٹری کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ اور "کلکتوی اردو" کے خاص شاعر کے طور پر مقبول ہیں۔ اس اخبار کے مالک جناب سالک لکھنوی ہیں۔ سیاسی طور پر آپ چونکہ کمیونسٹ پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا "آبشار" کو کمیونسٹ اخبار قرار دیا جاتا ہے۔ یہ گزشتہ سولہ سال سے قومی پریس میں چھپ کر ۱۵ فریس لین کلکتہ ۱۲ سے شائع ہو رہا ہے۔

(۵) "امروز" کلکتہ:۔ یہ شام کا اخبار مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۵۳ء سے نکل رہا ہے۔ اس کے مالک شیخ محمد جان (خان بہادر) صاحب ہیں۔ پرنٹر پبلشر مولوی عبدالغفار اسے ۹۔ بی، بولائی دت اسٹریٹ کلکتہ سے شائع کر رہے ہیں۔ اس کے کئی ایڈیٹر بدلے ہیں۔ عرصے تک اقبال کرامی صاحب مدیر تھے۔ اس کے بعد ایچ نظام الدین صاحب

کا نام چھپتا رہا ہے۔ اور موجودہ ایڈیٹر جناب ناظر الحسینی صاحب ہیں۔

(۶) "المنیر" کلکتہ:۔ یہ شام کا اخبار تھا۔ اور عرصے تک شام میں نکلنے والے تمام اخبارات سے اس کی اشاعت زیادہ رہی ہے۔ افسوس کہ کوئی شمارہ نہ ملنے کی وجہ سے اس کا درست پتہ نہ چلا سکا کہ اس کا پہلا شمارہ کب نکلا تھا۔ میرے خیال سے ۵۸ء تک یہ نکلتا رہا ہے۔ یہ منڈل اسٹریٹ کلکتہ ۱۶ سے نکلا کرتا تھا۔

(۷) "جمہور" کلکتہ:۔ پہلا شمارہ یکم جولائی ۶۱ء اور آخری شمارہ ۲۹ جولائی ۶۱ء کا رہا ہے۔ ادارہ تحریر میں جناب محمد واسم صاحب اور محمد وسیم الحق صاحب وغیرہ کے نام تھے۔ یہ بنگو آزاد پریس، لولائی دت اسٹریٹ، کلکتہ سے شائع ہوتا تھا۔

(۸) "رہبر" کلکتہ:۔ شام کا اخبار تھا۔ لیکن عموماً دوپہر تک نکل آتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے مالکان اسے فخر سے "دوپہر کا اخبار" لکھتے رہے ہیں۔ مورخہ ۱۴ ارمئی ۵۸ء کو اس کا پہلا شمارہ منظرِ عام پر آیا۔ لیکن صرف چند ماہ بعد ہی یہ اخبار بند ہو گیا اس کا دفتر چند شماروں تک ۶۶ سائرددت لین کلکتہ ۱۲ میں رہا۔ اور اس کے بعد ۵ مستری پاڑہ لین، تانتی باغ کلکتہ سے نکلتا رہا ہے۔

(۹) "رہنما" کلکتہ:۔ ایڈیٹر اقبال اعظمی جوائنٹ ایڈیٹر رحیم الدین کامل۔ سنہ اجراء ۶۹ء غالباً ۶، ۷ ماہ تک نکلا۔ پرنٹر پبلشر جناب عطاالرحمن رضوی صاحب اسے بھارت لیتھو پریس ۲۹۳ بہو بازار اسٹریٹ کلکتہ میں چھپوا کر وہیں سے شائع کرتے رہے ہیں۔

(۱۰) "ستارہ" کلکتہ:۔ اس کے ایڈیٹر رفیع احمد قدوائی صاحب مرحوم تھے۔ ۵۲ء میں جاری ہوا تھا۔ لیکن رفیع احمد صاحب کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کی وجہ سے وہ اسے چلا نہ سکے۔ افسوس کہ مجھے اس کا کوئی شمارہ نہیں ملا۔

(۱۱) "عصرِ جدید" کلکتہ:۔ قائم شدہ ۱۹۱۸ء۔ اب تک پابندی سے نکل رہا ہے۔ اس نے بہت سے نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل یہ مسلم لیگ کا ترجمان تھا۔ تقسیم کے بعد یہ نئے لوگوں کے ہاتھوں میں آیا۔ اور اب یہ اپنی پالیسی کو "نیشنلسٹ" قرار دیتا ہے۔ خان بہادر محمد جان اس کے موجودہ مالک ہیں۔ اور غالباً ۳۸ء میں انہوں نے اسے خریدا۔ "عصرِ جدید" کے کئی ایڈیٹر بدل چکے ہیں۔ ایک عرصے تک اس کے ایڈیٹر اسرائیل احمد صاحب تھے، اس کے بعد جناب عطاالرحمن قدسی رہے۔ پھر جناب ایچ۔ نظام الدین، جناب شہاب لکھنوی اور اب اس کے ایڈیٹروں میں جناب رئیس جعفری اور ناظر الحسینی کے نام ہیں۔ یہ ۹ بی، بولائی دت اسٹریٹ کلکتہ سے شائع ہوتا ہے۔

(۱۲) "فارسی" کلکتہ:۔ بعض اردو اخبارات وجریدے سن وار جلد نمبر اور شمارہ نمبر لکھ دیا کرتے ہیں۔ جس سے

یہ پتہ چلانا ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ اخبار یا رسالہ کب نکلا۔ روزنامہ "غازی" کا بھی یہی حال رہا ہے۔ حالانکہ غازی کا پہلا شمارہ جولائی ۶۵ء میں نکلا۔ لیکن یکم مئی ۶۶ء کو یہ جلد نمبر ۵ میں پہونچ گیا۔ کبھی اس کے صفحات دو تو کبھی چار رہے ہیں۔ یہ اخبار ابتدائی دور میں کبھی مسلسل نہیں نکلا۔ اسے عبدالوہاب غازی اصلاحی نے جاری کیا تھا۔ اور یہ سنٹرل لیتھو پریس ۱۸ بی، تھری بازار اسٹریٹ کلکتہ میں چھپ کر دفتر غازی ۸ اے، نیل مادھب سین لین کلکتہ ۶ سے شائع ہوتا تھا۔ اندازاً پچاس شمارے نکالنے کے بعد غازی اصلاحی صاحب نے اسے جناب وقار مشرقی کے حوالے کر دیا۔ اور تب سے یعنی یکم مئی ۶۶ء سے یہ نئے انتظامات کے تحت مسلسل نکل رہا ہے۔ اور اب اس کے پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر و مالک سب کچھ وقار مشرقی صاحب ہی ہیں۔ اور یہ اب ۶ ایڈن ہسپتال روڈ کلکتہ ۱۲ سے شائع ہو رہا ہے۔

(۱۳) "کاروان" کلکتہ:۔ یہ شام کا اخبار تھا۔ اس کی جلد ۱ کے چند شمارے میری ذاتی لائبریری میں ہیں۔ غالباً پہلا شمارہ ۱۱ یا ۱۲ فروری ۴۹ء کو نکلا۔ یہ اخبار تقریباً دو سال تک نکلتا رہا ہے۔ لیکن مسلسل پابندی سے نہیں نکلا۔ جون، جولائی ۵۱ء میں کچھ عرصہ بند رہا ہے۔ پھر ۵ اگست ۵۱ء سے نئے انتظامات کے تحت نکلنے لگا۔ اس کے نگراں سید محمود رضوی مرحوم اور مالک، پرنٹر، پبلشر، نیز ایڈیٹر محمد یونس نظری مرحوم تھے۔ نظری مرحوم میرے روزمرہ کے ملنے والوں میں سے رہے ہیں۔ جو کہ ۶۴ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ کلکتہ کے میدانِ صحافت کے پرانے و تجربہ کار کھلاڑی تھے۔ اور تا حیات اسی میدان میں اچھل کود کرتے رہے ہیں۔ لیکن اپنی انفرادیت کی وجہ سے انہیں خاص کامیابی کبھی نہیں ہوئی۔ "کاروان" ۲۴ زکریا اسٹریٹ کلکتہ سے شائع ہوتا تھا۔

(۱۴) "نقاش" کلکتہ:۔ "نقاش" نام کا ہفت روزہ ہی مقبول رہا ہے۔ لیکن یونس نظری مرحوم نے ۵۰ء میں چند ماہ اسے شام کے روزنامے کے طور پر بھی نکالا ہے۔ اور مئی ۵۰ء میں یہ بند ہو گیا۔ اس کا دفتر ۲۴ زکریا اسٹریٹ کلکتہ میں رہا ہے۔

(۱۵) "روزانہ ہند" کلکتہ:۔ جناب علی جواد زیدی نے اپنے مقالے "عبدالرزاق ملیح آبادی" میں لکھا ہے۔

"۲۵-۱۹۲۴ء میں ایک صاحب نے تین سو روپے دیئے تھے (مولانا ملیح آبادی کو) اسی سرمایہ سے مولانا ملیح آبادی نے خود اپنے روزنامہ ہند کلکتہ کی بنیاد ڈالی۔" لیکن روزانہ ہند کا ایک خاص شمارہ "سلور جوبلی نمبر" جو دسمبر ۵۴ء میں [illegible] شائع ہوا اس کے مطابق نیز مختلف اشتہارات کے مطابق اس کا سنہ اجرا ۱۹۲۹ء ہے۔

مولانا کے بعد عرصے تک اس کے مدیر جناب غلام سرور فگار رہے ہیں۔ اور ۱۹ فروری ۵۸ء سے جناب ایس قمرالدین صاحب کا نام بطور مدیر کے شائع ہو رہا ہے۔ لیکن عموماً ایڈیٹر کے فرائض جناب رئیس الدین فریدی

صاحب جو اس کے موجودہ ناظم ہیں انجام دیتے ہیں۔ اس کا دفتر ۱۷ ساگر دت لین کلکتہ ۱۲ میں ہے

ہفت روزہ اخبارات و جرائد

(۱) "امن" کلکتہ:- اپریل یا مئی ۵۴ء میں جاری ہوا۔ اور اندازاً ایک سال تک نکلتا رہا ہے۔ ۲۸ مئی بروز جمعہ ۵۴ء کو اس کا خاص نمبر "شہیدانے نرائن گنج" شائع ہوا تھا۔

(۲) "آفتاب" کلکتہ:- ایڈیٹر سید شاہ عزالدین۔ سنہ اجراء ماہ اگست ۴۸ء۔ اس کے ابتدائی چند شمارے میرے پاس ہیں۔ ضخامت عام شمارے ۱۸ صفحات دفتر ۱ مندر اسٹریٹ کلکتہ سے غالباً سال بھر نکلتا رہا ہے۔

(۳) "آرزوئے ہند" کلکتہ:- پہلا شمارہ مورخہ ۳۰ اپریل ۶۶ء کو نکلا۔ ضخامت عام شمارے ۱۶ صفحات۔ ایڈیٹر پرنٹر اور پبلشر جناب جاوید حسین۔ ہر سنیچر کو ۹ چورنگی روڈ کلکتہ ۱۳ سے شائع ہوتا ہے۔

(۴) "آثار" کلکتہ:- مدیران جناب ابراہیم ہوش اور سالک لکھنوی صاحب "آثار" یوں تو روزنامہ "آبشار" کے سنڈے ایڈیشن کی حیثیت سے برسوں سے جاری تھا۔ لیکن ۱۰ اگست ۵۹ء سے اسے نئے رنگ روپ میں ایک جداگانہ پرچے کے طور پر جاری کیا گیا تھا۔ اس نئے رنگ میں بہت جلد یہ اپنے بلند پایہ مضامین کی وجہ سے علمی و ادبی حلقوں میں مقبول ہوا تھا۔ لیکن مالی دشواریوں پر یہ قابو نہ پا سکا۔ جس کی وجہ سے اندازاً دو سال تک مسلسل نکلنے کے بعد یہ ہمیشہ کیلئے بند ہو گیا۔

(۵) "اجالا" کلکتہ:- اسے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم نے جاری کیا تھا۔ جو اب بھی روزنامہ "آزاد ہند" کلکتہ کے سنڈے ایڈیشن کے طور پر شائع ہو رہا ہے۔ مرحوم بھی اسے "آزاد ہند" کے ہفتہ وار ایڈیشن کے طور پر نکالا کرتے تھے

(۶) "ارمغان" کلکتہ:- مجھے درست یاد نہیں۔ غالباً ۶۲ء میں نکلا تھا۔ اور اندازاً سال بھر نکلتا رہا ہے:-

(۷) "اسپورٹسمین" کلکتہ:- مدیران جناب ساجد حمید اور ایس۔ ایم۔ نظر امام قیمت عام شمارہ ۲۰ پیسے۔ پہلا شمارہ ۶ اکتوبر ۶۲ء کو نکلا۔ عام شماروں کے صفحات ۲۸ ہوتے تھے۔ یہ ہر سنیچر کو رسالہ سائز پر شائع ہوتا تھا۔ صرف ایک سال تک نکلتا رہا۔ اور پھر جلد ۲ شمارہ ۲۵ سے یہ پندرہ روزہ ہو گیا اسے جناب ساجد حمید ۵ نور علی لین کلکتہ ۱۴ سے شائع کیا کرتے تھے۔

(۸) "پائل" کلکتہ:- اجراء یوم سنیچر مورخہ ۱۹ مارچ ۶۶ء اس کے مدیر جناب کریم رضا مونگیری کے بلند دعوں کے باوجود یہ پرچہ صرف چند شماروں کے بعد اپنی موت مر گیا۔ غالباً آخری شمارہ مورخہ ۷ جون

سنہ ۶۶ء کا ہے۔

(۹) "پرواز" کلکتہ:- دسمبر سنہ ۵۰ء میں جاری ہوا تھا۔ صرف چند شمارے نکلے۔ یہ ۱/۸ کنائی سیل اسٹریٹ کلکتہ سے نکلا کرتا تھا۔

(۱۰) "جیت" کلکتہ:- جناب اقبال اکرامی اور فہیم الدین احمد کی نگرانی میں یہ مزاحیہ ہفتہ وار نکلا کرتا تھا۔ دسمبر سنہ ۵۰ء میں جاری ہوا۔ اور غالباً اپریل ۵۱ء تک نکلتا رہا ہے۔

(۱۱) "رنگ ترنگ" کلکتہ:- ایڈیٹر عاشق حسین فہمی معاونین۔ ایس۔ ایم۔ شادان، قمر اکانوی، قلم ایڈیٹر شن کلکتوی۔ پہلا شمارہ مورخہ ۱۲ تا ۱۹ مارچ سنہ ۵۴ء کا ہے اور آخری شمارہ ۳۰ نومبر سنہ ۵۶ء کا ہے۔ یہ دونوں شمارے میرے یہاں محفوظ ہیں۔ یہ فلمی ہفتہ وار ۵ بی گارڈن ریچ روڈ کلکتہ ۲۴ سے نکلا کرتا تھا۔

(۱۲) "رفتارِ عالم" کلکتہ:- سنہ اجراء سنہ ۶۳ء۔ یہ ۲۸/۱ مدن موہن روڈ کلکتہ ۸ سے نکلا کرتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر جناب ذاتع فرخ صاحب تھے۔ تقریباً سال بھر ہر بنیچر کو نکلتا رہا ہے۔ یہ ایک معیاری با تصویر ہفت روزہ تھا۔

(۱۳) "طوفان" کلکتہ:- مدیر مولانا کامل صاحب۔ یہ سنہ ۵۱ء میں جاری ہوا۔ اور کچھ عرصہ بعد سنہ ۵۲ء میں ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔

(۱۴) "عبرت" ہوڑہ:- اس کا پہلا شمارہ مورخہ ۲ ستمبر سنہ ۳۴ء کو نکلا۔ کئی بار اس ہفت روزہ کا سائز بدلتا رہا ہے۔ اس کے پہلے ایڈیٹر اسد اللہ دہلوی تھے۔ جو ابتدائی سات شمارے نکالنے کے بعد دہلی چلے گئے۔ اور شمارہ ۸ مورخہ ۱۲ اکتوبر سنہ ۳۴ء سے اس کے مدیر جناب جوہر صاحب غازی پوری رہے ہیں۔ عرصہ تک میں اس ہفتہ وار میں مسلسل لکھتا رہا ہوں اور ایک کالم بعنوان "قلم میرا باقی" اُن کا "میرے سپرد رہا ہے۔ سنہ ۳۴ء سے سنہ ۶۳ء تک یہ مسلسل نکلتا رہا ہے اور پھر بند ہوگیا۔ یہ ۸۲ ہرکورٹ بن (موجودہ چنتامنی دے روڈ) ہوڑہ (مغربی بنگال) سے نکلتا رہا ہے۔

(۱۵) "عکاس" کلکتہ:- اس کا پہلا شمارہ بروز جمعہ مورخہ ۱۱ فروری سنہ ۶۶ء کو شائع ہوا۔ اور اب تک یہ نکل رہا ہے۔ ایڈیٹر پرنٹر اور پبلشر جناب شہزاد سلیم صاحب ہیں۔ یہ ایک با تصویر فلمی ہفت روزہ ہے

(۱۶) "عبدل ویکلی" کلکتہ:- سنہ اجراء اکتوبر سنہ ۵۳ء صرف ۸ یا ۹ شمارے نکلے ہیں۔ لیکن اس ہفتہ وار کی اہمیت اس لحاظ سے بلند ہے کہ یہ محض تصاویر، خاکے اور کارٹون کا جریدہ تھا۔ اس کے مدیر اردو کے ایک نامور کارٹونسٹ صحافی اور میرے دوست وہاب حیدر کے چھوٹے بھائی جناب مجید عبدل تھے جو خود بھی ایک اچھے کارٹونسٹ اور آرٹسٹ ہیں۔ لیکن افسوس کہ عبدل کو شراب نے مارا۔ یہ ہفتہ وار ۱۲ پولاک اسٹریٹ کلکتہ ۱ سے شائع ہوتا تھا۔

(۱۷) "غازی" کلکتہ:۔ روزنامہ "غازی" کا صرف ایک شمارہ ہفتہ وار "غازی" فلم ایڈیشن کے طور پر بروز اتوار مورخہ ۳۰ اکتوبر ۶۰ء کو شائع ہوا تھا۔ ادارۂ تحریر میں ایڈیٹر ایچ ۔ فہمی، جوائنٹ ایڈیٹر شمیم لکھنوی معاونین میں نسیم ساز، رفیق مستانہ ش کلکتوی، نعمت حسین شہرامی اور جناب صادق القادری کے نام ہیں

(۱۸) "فلم ویکلی" سنہ اجراء ۶۳ء ۔ اسے تقریباً دو سال تک راقم الحروف نے نکالا اور اس کے بعد جب کہ میں بیمار پڑ گیا تو میرے محترم دوست جناب وسیم الحق صاحب کو فروخت کر دیا۔ اب بھی یہ ہفتہ وار ان کی ادارت میں کلکتہ سے ہر جمعہ کو نکل رہا ہے۔ ۶۴ء کے آخر میں میں نے کلکتہ کے مشہور عوامی شاعر اشک امرتسری مرحوم کی پہلی برسی کے موقع پر مورخہ ۱۱ اکتوبر ۶۴ء کو اس کا ایک خاص نمبر بنام "اشک نمبر" نکالا تھا جسے ادبی حلقوں میں کافی پسند کیا گیا۔ "فلم ویکلی" نے اب کافی ترقی کی ہے۔ اس کے خاص شمارے۔ مثلاً عید نمبر، آزادی نمبر، دیوالی اور پوجا نمبر وغیرہ معیاری ہوتے ہیں۔

(۱۹) "سکندر" کلکتہ:۔ ایڈیٹر یونس نظری مرحوم سنہ اجراء ۶۲ء ۔ ہر اتوار کو ۲۴ زکریا اسٹریٹ کلکتہ سے شائع ہوتا تھا۔ اس کا ایک خاص شمارہ جو بنگال کے ایک نوجوان شاعر "سوز سکندر پوری نمبر" کے طور پر رسالہ سائز میں نکلا تھا۔۔ کافی مقبول رہا ہے۔ فروری ۶۳ء میں نظری صاحب کے علیل ہوجانے کی وجہ سے یہ پرچہ بند ہوگیا اور آخر کار ۲۱ جنوری ۶۵ء کو نظری صاحب اللہ کو پیارے ہوگئے۔

(۲۰) "کھلاڑی" کلکتہ:۔ نام سے ظاہر ہے کہ یہ اسپورٹس کا ہفتہ وار تھا۔ سنہ اجراء ستمبر ۵۳ء عرصہ ۲ سال تک نکلتا رہا ہے۔

(۲۱) "ماہ دولت" کلکتہ:۔ ایڈیٹر جناب اقبال اکرامی صاحب ۔ پہلا شمارہ یوم سنیچر مورخہ ۳ دسمبر ۶۶ء کو منظر عام پر آیا۔ یہ ایک مزاحیہ ہفت روزہ ہے۔ جو ابھی تک نکل رہا ہے۔ لیکن اس کی مالی حالت کبھی درست نہیں ہے۔ (باقی آئندہ)

اکبر الہ آبادی کا روزنامچہ

حضرت اکبر کے غیر مطبوعہ روزنامچے کے چند اجزا جناب سید محمد مسلم رضوی صاحب کی توجہ سے دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ روزنامچہ ۲۹ جولائی ۱۹۱۶ء سے ۲۳ نومبر ۱۹۱۶ء تک کا ہے۔ اگرچہ تاریخ وار اندراجات بہت مختصر ہیں لیکن اکبر کا سوانح نگار ان اشاروں سے بہت اہم نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ (ادارہ)

۲۹ جولائی ۱۹۱۶ء کو الہ آباد سے روانہ ہوا۔ سلیمان اور امیر ساتھ ہیں۔ پراگ اسٹیشن سے برادرم نواب احمد حسین خاں صاحب بھی ساتھ ہو گئے۔ پرایاگ؟ پہونچا۔ رات کا کھانا نافہ۔

۳۰ جولائی۔ ۳۱ جولائی:۔ اچھا رہا لیکن مختلف اقسام کی غذائیں یہاں اور زیادہ ہوئیں۔

یکم اگست:۔ طبیعت نادرست ہوئی۔ کان میں درد اور قراقر معدہ غلبہ ریاح دردسر۔

۲ اگست:۔ عید ہوئی لیکن میں اٹھ نہ سکا۔ سب لڑکوں کو ایک ایک روپیہ دیا کل للعہ عمہ سلیمان ۱۸ امیر کو انعام دیا

۳ اگست:۔ حکیم مرتضیٰ حسین صاحب کو بانکیپور سے بلایا۔ اور دردرد بیہ ردز۔ امیر بخار میں مبتلا ہو گیا۔ امیر کو مسہل دیا گیا

۵ اگست:۔ دل گیر شاہ اکبرآبادی کی آمد تھی مگر نہ آئے۔

۷ اگست:۔ عشرت علی الہ آباد ہوتے ہوئے آئے۔

۹ اگست:۔ عشرت کو کنجی صندوق کی حوالہ کی۔

۱۰ اگست:۔ عشرت الہ آباد گئے میں لکھنؤ آیا۔ ۳۲ امین آباد پارک میں ٹھہرا۔.... صاحب کو کارڈ لکھا۔ الہ آباد کے منیجر سے ملا۔ عتیق اینڈ کو سے ملا۔ شب بھر استنجا کو نہیں اٹھا۔

۱۱ اگست:۔ بندر قرآن شریف اٹھا لے گیا۔ قرآن شریف لا۔ لیکن جزدان ندارد۔ دفتی پھٹی ہوئی اور پانچ چھ ان جیتوں

سپارہ ٹکڑے ٹکڑے۔

۱۲ راگست :۔ مولوی شرافت اللہ صاحب کو کارڈ لکھا۔ ۸ بجے سے ۲ بجے تک استنجا کو نہیں اٹھا۔ فی الجملہ اچھا رہا۔ صبح کو ٹہلتا ہوا قیصر باغ تک گیا۔ حکیم محمد حبیب صاحب سے ملا۔ سہ پہر کو عزیز صاحب آئے۔ شب کو مولوی شرافت اللہ صاحب آئے۔ آج شنبہ کو بھی استنجا کے لئے اٹھنے کی ضرورت ہوئی۔ حاجی صاحب نے تخمی آم بھیجے، سب اچھے تھے مگر گلے میں نزلے کی خلش ہوئی۔

۱۳ ر۱۴ ر اگست :۔ افتخار حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر معہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور تحصیل دار صاحب لکھنو کے تشریف لائے معہ ہوئے کہ میں قیصر باغ میں اٹھ چلوں۔ مکان ٹھہرالیا ہے۔ شام کو مولوی صبغۃ اللہ صاحب تشریف لائے۔ معہ تین کنٹر مربا اور چٹنی کے مولوی شرافت اللہ صاحب فرنگی محلی نے تحفہ بھیجا۔ دن کو عبدالباقی صاحب تاجر رئیس سا کوری تشریف لائے۔ اُن سے ۳ ٹوپیاں خریدیں۔ شب کو ۳ ہمسایہ تشریف لائے۔ از انجملہ شاہ نجف کے داروغہ جن کو میرے بہت شعر یاد ہیں۔ عشرت کا خط آیا۔ فارم حصہ دوم کا الہ آباد بھیجا۔

۱۵ راگست :۔ عزیز صاحب تشریف لائے۔ عبدالحلیم شرر آئے۔ جنید و شبلی کی لائف دے گئے۔ کچھ شعر خوانی ہو نہال الدین صاحب کے ساتھ ڈالی باغ گیا۔ سہ پہر کو مولانا وارث حسین صاحب نہیں ملے۔

۱۶ راگست :۔ شب کو یوسف حسین خان صاحب بیرسٹر تشریف لائے۔ عزیز صاحب کے ساتھ۔ دن کو اعجاز حسین صاحب سے ملا تھا۔ ذوالقدر جنگ سے بھی ملاقات ہوئی۔ فرنگی محل گیا تھا۔ شرافت اللہ صاحب کے یہاں مولوی عبدالباری صاحب بھی تشریف لائے۔

۱۷ راگست :۔ شام کو عزیز صاحب آئے تھے۔ کبیر الدین صاحب احمدی آئے اور وعظ کہہ گئے۔

۱۸ راگست :۔ صبح کو نظر علی صاحب ۔۔۔ نویس آئے۔ ۲۶ برس کے بعد ملاقات ہوئی۔ کانپور میں ملا کرتے تھے۔ شام کو عبدالمجید صاحب نائب تحصیل دار دیر تک تشریف فرما رہے۔

۱۹ راگست :۔ خوب زکام ہوا۔ چھینکیں آرہی ہیں۔ نمعلوم کیا سبب ہے۔ بائی جوش دے کر پیوں گا۔ شوکت کا خط آیا۔ والدہ علی حسین کا خط آیا۔ جوابات لکھے۔ عشرت کو لکھا کہ ۲۱ کی شب کو سلیمان الہ آباد جائے گا۔ شب کو مولوی شرافت اللہ صاحب دیر تک بیٹھے رہے۔ خطمی بتا گئے۔ محمد صدیق اڈیٹر مؤرخ بھی آئے تھے۔

۲۰ راگست :۔ ایک احمدی صاحب نے شام کو بحث شروع کی تھی۔ ایک حنفی صاحب جواب مخالفانہ دیتے تھے۔ میں نے دونوں کو روک دیا۔

۲۱ راگست :۔ ذوالقدر جنگ سے ملا۔ بہت لائق شخص ہیں۔ شام کو مولوی احسن صاحب ملازم راجہ محمود آباد بھی تشریف لائے تھے۔ نواب حیدر خان صاحب تشریف لائے تھے۔ افتخار حسین شب کو سلیمان الہ آ[باد]

شیرینی اور اچار اور تمباکو تے خوردنی بہنوں کو بھیجا۔ نیدھا نے شیرۂ اناس بنایا۔

۲۳راگست:۔ سلیمان الہ آباد سے آیا۔ کریلے لایا۔ اودھ اخبار کا اسٹاف ملنے آیا۔

۲۴راگست:۔ مولانا عبدالباری صاحب تشریف لائے۔ شمس الباری صاحب آئے تھے۔ جالب دہلوی آئے تھے۔

۲۵راگست:۔ عبدالسمیع صاحب ڈپٹی کلکٹر دیر تک تشریف فرما رہے۔ سہ پہر کو راجہ محمود آباد کے اجنٹ صاحب آئے تھے۔ مُصر تھے کہ راجہ صاحب . . . . . . ہاں قیام چاہتے ہیں چلیئے۔

۲۸راگست:۔ راجہ صاحب سے دس منٹ کے لئے قیصر باغ میں ملا۔ معذرت کر دی۔

۲۹راگست:۔ عبدالحق صاحب منصف تشریف لائے تھے۔ جھوائی ٹولے گیا۔ یاس سے ملا صد روپئے۔

۳۰راگست:۔ منصف صاحب نے بھیجیں۔ اور نواب صاحب نے بھی۔ یاس دیکھو آتے تھے۔ رات کو خوب بارش رہی۔ بھوپال سے طلبی کا خط آیا۔

۳۱راگست:۔ ناریل پیپر کا کلکتہ سے آیا۔

یکم ستمبر:۔ انسپکٹر صاحب اور ڈاکٹر شمس الباری صاحب آئے تھے۔

۲ر ستمبر:۔ عزیز صاحب، شبیر حسن صاحب ملیح آبادی آئے تھے۔ شام کو افتخار حسین صاحب اور تحصیل دار صاحب آئے۔

۴ر ستمبر:۔ شہید سردشاہ آئے۔

۵ر ستمبر:۔ طبیعت خراب تھی۔ ہتھیلی میں درد تھا۔ شب کو فاقہ۔

۷ر ستمبر:۔ عبدالحق صاحب کا۔ منشی احتشام علی صاحب سے ملا۔

۸ر ستمبر:۔ اودھ اخبار سے مونگیھیاں آئیں اور بڑیاں۔

۱۰ر ستمبر:۔ فرنگی محل گیا تھا۔ شام کو خان بہادر نواب صاحب شاہد میاں محمد رضا صاحب سب بجے تشریف لائے تھے۔ لایل سبجکٹ تم برٹش کے رہو۔ پڑھا گیا۔ شب کو شوکت حسین صاحب مینجر کورٹ آف وارڈس تشریف لائے تھے اور ان کے بہنوئی صاحب مینجر کو آپریٹو سوسائٹی تشریف لائے تھے۔ شب کا کھانا ناغہ۔ قصداً شب کو کھانا منگایا۔ لیکن نہ کھا سکا۔

۱۱ر ستمبر:۔ صبح کو نواب صاحب پیر پانواں آئے۔

۱۲ر ستمبر:۔ عزیز صاحب نے تمباکو بھیجا۔ تمباکو خوردنی کی تذکیر و تانیث کا مسئلہ پیش ہوا۔ شام کو محتشم و ثاقب آئے۔

۱۵ر ستمبر:۔ گمی تحصیل موہن لال گنج سے آیا۔

العصر لاہور ۱۰ راگست ۱۹۱۶ء صفحہ ۴ کالم ۳ خیمہ کی سرگرمی کو سیاسی اغراض کی طرف منسوب کیا جاتا ہے
خیمے کے اردگرد خاردار تاریں لگی ہوئی تھیں
شیعہ کانفرنس نیوز ۱۱ راگست ۱۹۱۶ء بجائے یہاں کے ہاں برادر صفی صاحب کے ہاں جلسہ قبل از دوپہر
میں عدالت ہائی کورٹ گرمائی تعطیلات پر سہ شنبہ کو بند ہوئی۔
پہلا (مذکر) ملک معظم نے کہا۔ گر جون راجا سے راجوں کیوں نہیں۔ قاعدہ قرار دو۔ اخبار ہندوستانی لکھنؤ۔ ۶ راگست ۱۹۱۶ء صفحہ ۲ کالم ۲ پولیٹیکل حقوق کا جن پیدا ہوا ہے۔ محشر صاحب مجھی سے مکالمت میں جن کو مذکر بولے۔ میں نے متنبہ کیا۔ اور انہوں نے تصدیق مذکر کی کی۔ آرزو صاحب نے عزیز صاحب کے سامنے تصدیق کی۔ شرر صاحب نے جا بجا استیفا لکھا ہے۔ لیکن رواج استعفا اور مستعفی ہے۔ شیعہ کانفرنس نیوز ۸ اراگست ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۱ کالم ۲ مورخ نمبر ۲ جلد الکھنؤ اگست ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۔ ساری مملکت اُس کے سپہ سالاروں میں بنٹ گئی۔
۱۱۔ ۹ غپ، میرے نزدیک گپ صحیح ہے۔ لیکن غپ بھی
۲۰ رمارچ جمعہ رئیس دولہن دعشرت پر ایانواں پہونچا۔ ۲۳ رمارچ ۱۹۱۶ء لکھنؤ پہونچا۔ شہید مرد شاہ ۲۸ رمارچ کو گئے۔
۲ راپریل۔ پرتاب گڈھ پہونچا۔ دوپہر کو۔
۹ راپریل۔ الٰہ آباد آیا۔ ۱۲ رجولائی۔ پرتاب گڈھ آیا۔
۲۲ رجولائی؛ الٰہ آباد واپس آیا۔
صدر انجمن مولانا محمد علی صاحب۔ ملّا فاضل۔ سکھدیو پرشاد بسمل میر گنج۔ متصل دریا مندر ہائی اسکول۔ مصرعہ طرح۔ غضب میں جان رہی جب تلک شباب رہا۔
۲۹ راپریل یکشنبہ ۵ بجے شام۔ نظر بتوں پہ رہی دل پہ اک عذاب رہا۔
لکھنؤ سے ۲ راپریل ۱۹۱۷ء کو روانہ ہوا۔ پرتاب گڈھ میں مقیم رہا۔ ۹ راپریل ۱۹۱۷ء کو الٰہ آباد پہونچا۔ اور ۱۱ رجولائی ۱۹۱۷ء تک وہاں رہا۔ اس سال مئی جون میں سلسلہ بارش کا رہا۔ صرف ایک شام کو تھرمنیٹر ۷۰ پر چلا تھا۔
ماہِ جون کے آخر میں مالوی صاحب ملنے آئے تھے۔ ہندو مسلمانوں کے اتفاق پر بحث کی۔
نواب چھتاری احمد سعید خان صاحب بر نمبر ۱۱ ل ملنے آئے تھے۔ خوش رو کم عمر رئیس ہیں۔
نواب زادہ بھوپال کا خط آیا۔ شعر پسندیدگی اشعار۔ ناظم تعلیمات بھوپال (مفتی انوار الحق صاحب)

سے خط وکتابت رہی۔ اس سال میں نے برف نہیں پی۔ چونکہ طبیعت اس پر رضامند رہی۔ قیاس ہے کہ زیادہ کمزور ہو گیا۔

راجہ صاحب دہرم پور۔ ملیح آباد۔ رئیس گڈھی۔ اور شہر میں جا بجا سے آم آئے۔

۱۲ر جولائی کو پرتاب گڈھ پہونچا۔ راہ میں کوٹ معہ ٹکٹ نہ ملا۔ مجھ کو گارڈ پر شبہ ہوا۔ لیکن ملازم کے پاس رکھا ہوا تھا۔

۲۲ر جولائی سنہء عید ہوئی۔ لیکن میں نہ جا سکا۔

۲۴ر جولائی روز شنبہ الہ آباد آیا۔ چادر سے طلب ہے۔ مدار المہام بھوپال کا خط آیا ہے۔

۲۰ر اکتوبر کو پرتاب گڈھ آیا۔ عشرت سلمہ ۲۱ر روز یکشنبہ کو پہنچ گئے۔ انتظام محرم و دسہرہ کو

۱۳ر نومبر سنہء کو الہ آباد آیا۔

۲۳ر نومبر سنہء کو رئیس دولہن الہ آباد آئیں۔

انجمن کی مطبوعات

فنِ شاعری (بوطیقا)
تصنیف: ارسطو　ترجمہ: عزیز احمد

ارسطو کے مشہور رسالے "بوطیقا" کا مستند ترجمہ مع حواشی۔ شروع مترجم نے ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے جس میں ارسطو کے نظریۂ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

قیمت: دو روپے پچاس پیسے

کاروانِ صحافت
ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

اس میں مصنف نے اردو صحافت کی تاریخ کے بعض ایسے گوشوں پر ڈالی ہے جن پر اب تک بہت کم لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ مختلف کا مجموعہ ہے، لیکن موضوع کی یکسانیت اسے مستقل تصنیف کا درجہ کرتی ہے۔

قیمت: چار روپے

اردو تنقید کا ارتقاء
ڈاکٹر عبادت بریلوی

یہ ایک تحقیقی مقالہ ہے جس پر لکھنؤ یونیورسٹی نے فاضل مصنف پی ایچ ڈی کی سند عطا کی تھی۔ اس میں اردو تنقید کے عہد بہ ارتقاء کا جائزہ لیا گیا ہے اور تمام اردو نقادوں کے ذہنی رجحا پر بحث کی گئی ہے۔ شروع میں بابائے اردو کا عالمانہ مقدمہ ہے جو بجائے خود علمی تنقید کی عمدہ مثا

قیمت: سات روپے پچاس پیسے

خطباتِ عبدالحق
بابائے اردو

یہ بابائے اردو کی صدارتی تقریروں اور لیکچروں کا مکمل مجموعہ ہے میں اردو زبان و ادب کے مختلف مسائل پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ ش میں ڈاکٹر عبادت بریلوی کا پیش لفظ ہے۔

قیمت:
۹ نو روپے

ملنے کا پتہ:

انجمن ترقی اردو۔ بابائے اردو روڈ۔ کراچی

پروفیسر عطا الرحمٰن عطا کاکوی

اکبر دانا پوری

آج سے ساٹھ ستر سال پہلے بہار کی ادبی بساط پر جو چند شخصیتیں نمایاں طور پر ممتاز تھیں۔ ان میں حضرت اکبر کی شخصیت گوناگوں صلاحیتوں کے باعث سرفہرست نظر آتی ہے۔ وہ بیک وقت صاحب وجد و حال بھی تھے اور صاحب علم و کمال بھی۔ فقیر سجادہ نشین بھی تھے اور امیر سخن آفریں بھی۔ اگلے دور کو تو جانے دیجئے جب فقر اور علم لازم و ملزوم تھے۔ اس دور اخیر میں باستثنائے چند ہماری خانقاہیں علم سے بے نیاز، رشد و ہدایت سے معرّا تصنیف و تالیف سے مستثنیٰ پائی جاتی ہیں۔

"کہ اس زمانے میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو"

بارہویں صدی کے اختتام اور تیرہویں صدی کے ربع اول میں مجھے ایک ہستی ایسی نظر آتی ہے کہ تبلیغ و تہلیل کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا قلم بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور دو چار ہی نہیں بیسیوں تصانیف نثر اور نظم اس کے رشحات قلم کے رہین منت ہیں۔ نظم کو لیجئے تو ہر صنف میں کلام موجود ہے۔ غزلیات، قصائد، مثنوی، مسدس مخمس، رباعیات، قطعات وغیرہ کے دو ضخیم مجموعے، نثری مضامین میں بھی تنوع کا یہ عالم کہ تصوف، رشد و ہدایت، سیرت و سوانح، سفرنامہ، میلاد۔ اور نہ جانے کتنے موضوعات پر چھوٹی بڑی متعدد کتابیں موجود۔ غرض اس جامع کمالات ہستی کی یاد آج ہم قارئین کو دلاتے ہیں، اس لئے کہ نئی نسل اپنے اسلاف کے کارناموں سے ناواقف ہوتی جا رہی ہے، کہ جس قوم کا کوئی ماضی نہیں۔ اُس کا کوئی مستقبل بھی نہیں۔ ہم کو آگے بڑھنے کے لئے کبھی کبھی پیچھے مڑ کر بھی دیکھنا ضروری ہے۔ ورنہ ادب کا جو ورثہ ہمارے اسلاف چھوڑ گئے ہیں۔ اُس سے ہم محروم ہو جائیں گے۔

اس تمہید کے بعد آیئے آج کی صحبت میں ہم حضرت اکبر دانا پوری کی مختصر سوانح حیات اور اُن کے کارنامے تصانیف کا سرسری ہی سہی جائزہ لیں۔

بہار کی خوش نصیبی تھی کہ جس دور میں اکبر تھے، یہاں کے آسمان ادب پر بہترے ادیب و شاعر بن کر چمک رہے تھے۔ اکبر کے ہم عصروں میں نواب امداد امام اثر، حافظ فضل حق آزاد، شوق نیموی عبدالحمید مدیر پتیاں۔ مولانا سید حسرت، صفیر بلگرامی، اور شاد عظیم آبادی جیسے کاملین داد سخن دے رہے تھے یہی زمانہ تھا۔ جب کہ اپنچ بڑے زور و شور سے نکلا۔ اور سب کے سب اُس کے سرگرم خدمت گذار تھے۔ معاصرانہ چشمک کا شائبہ بھی نہ پایا جاتا تھا۔

انہوں نے آزاد، اثر، شاد، اور اس دور کے اکثر شعراء کا نام بڑی محبت اور خلوص سے اپنے میں لیا ہے۔ شاد کے متعلق لکھتے ہیں:

آئے ہیں بہت دلوں پہ اس بزم میں شاد ۔۔۔ ہے جوش نشاط سے یہ محفل آباد
پٹنہ میں یہ دم بھی ہے غنیمت اکبر ۔۔۔ یہ خود استاد ان کے شاگرد استاد

آزاد کے متعلق لکھتے ہیں۔

خاک ہوں میں کو رحافظ فضل حق ۔۔۔ آئینہ رو ہیں غبار شاعری

اکبر دانا پوری اور اکبر الہ آبادی دونوں مولانا وحید کے شاگرد تھے اور دونوں میں بڑا خلوص تھا۔ رباعی میں کہتے ہیں:

شاگرد وحید کے ہیں دونوں اکبر ۔۔۔ ہم مشق بھی ہم دونوں رہے ہیں اکثر
قدرت کا ساد لیکن اُن پر ہی ہوا ۔۔۔ پتھر پتھر ہے اور جوہر جوہر

امداد امام اثر کے متعلق فرماتے ہیں:

موتی کی سی ہے آب اثر کے شعروں میں آب ۔۔۔ اس پر ہے کتاد و علم و تحقیق کا باب
فکر اس کی بلند ہے طبیعت بھی بلند ۔۔۔ امداد امام آپ اپنا ہے جواب

آپ کا اسم گرامی سید شاہ محمد اکبر ابن سید شاہ محمد سجاد ابن سید شاہ تراب الحق ابن سید شاہ طیب اللہ مورودی ابن سید شاہ امین اللہ نوآبادی ابن سید شاہ منور اللہ نوآبادی۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام سے ملتا ہے جو حضرت مخدوم الملک شرف الدین بہاری کے جدا علے تھے۔ آپ کی ولادت ۲۷ شعبان ۱۲۶۰ھ چہار شنبہ آگرہ محلہ نئی بستی میں ہوئی۔ آپ کے عم محترم سید شاہ محمد قاسم بہ سلسلہ ملازمت عدالت عالیہ آگرہ میں تھے۔ کے والد ماجد بھی وہیں قیام پذیر تھے۔ لالہ سری رام خمخانہ جاوید کے مصنف نے خدا جانے یہ کیسے لکھ دیا کہ آپ کی زبان اردو نہ تھی۔ اُن کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ اپنے عم محترم ہی سے بیعت تھے۔ اور والد ماجد کے انتقال ۱۸ ذی قعدہ ۱۲۹۸ھ خانقاہ داناپور کے سجادہ نشین ہوئے۔ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کو شعر و شاعری کا ذوق

میں ملا تھا۔ اس لئے آپ کے والد ماجد شاہ سجاد علیہ الرحمتہ اور شاہ قاسم علیہ بھی شعر و شاعری سے شغف رکھتے تھے دونوں حضرات کے دس بیس اشعار میرے پاس محفوظ ہیں۔ بقیہ کلام کہیں نہیں ملتا۔

حضرت اکبر کو شعر و سخن سے نہایت درجہ کا شوق تھا۔ مناسب ہے کہ ان ہی کے الفاظ میں اُن کی داستانِ شاعری سنائی جائے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"میرے والد ماجد نے مجھے اردو اور فارسی کے اساتذہ کے اشعار بچپن ہی میں یاد کرا دئے تھے طبیعت کو کم عمری ہی سے موزونی کلام کی طرف میل ہو گیا تھا۔ اور اکثر مضامین موزوں کر لیا کرتا تھا۔ لیکن اب تک کسی سے اتفاق اصلاح یا مشورہ کا نہیں ہوا۔ غدر کے بعد حضرت میرے چچا الٰہ آباد آگئے تو میں بھی ہمرکاب تھا۔ وہاں مشق سخن زیادہ ہو گئی۔ اکثر حضرات سیادت شاہ غلام اعظم سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل کی صحبت میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ ناسخ کے شاگرد تھے ان کے رنگ کی طرف میرے دل نے کشش نہ کی۔ پھر میں مولانا وحید الدین الٰہ آبادی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ خواجہ حیدر علی آتش کے منتخب یادگار تھے۔ میری طبیعت کو آپ سے اتحاد پیدا ہو گیا۔ اور میں نے آپ کی شاگردی قبول کر لی۔ جب والد ماجد کو میری شاعری کی طرف رغبت کا علم ہوا۔ تو فرمایا کہ میں تمہیں شعر کہنے کو منع نہیں کرتا۔ مگر ضرور کہتا ہوں کہ لغو اور فضول نہ کہنا۔ تصوف کا میدان بڑا وسیع ہے۔ اس میں اپنی قابلیت کو صرف کرنا۔ کہ تمہیں بھی فائدہ پہنچے اور سننے والے بھی فائدہ اٹھائیں۔ غرض اسی نہج پر میری شاعری کی ابتدا سنہ ۱۸۶۲ء سے ہوئی۔"

حضرت اکبر بہت پُر گو شاعر تھے۔ مشاعروں میں اکثر غزلیں دو غزلہ سہ غزلہ کیا اس سے بھی زیادہ کہی ہیں آپ کا پہلا مجموعۂ کلام بنام "تجلیاتِ عشق" سنہ ۱۳۱۴ھ میں مرتب ہوا۔ یہی تاریخی نام ہے۔ یہ حضرت اکبر کی زندگی ہی میں مطبع شوکت شاہجہانی آگرہ سے سنہ ۱۳۱۶ھ میں چھپ کر شائع ہوا۔ بڑی تقطیع کے ۵۲۰ صفحات کو محیط ہے اور اس میں عمدہ کلام کا نمونہ موجود ہے۔ آپ کا دوسرا مجموعہ بنام جذباتِ اکبر آپ کی رحلت کے بعد سنہ ۱۳۲۹ھ میں آپ کے صاحبزادے سید محسن شاہ صاحب نے مرتب کیا۔ اور سنہ ۱۳۳۳ھ میں مطبع آگرہ اخبار سے چھپ کر شائع ہوا۔ یہی ضخیم کلیات ہے اور ۴۰۰ صفحات کو محیط ہے۔

اس میں فارسی کلام بھی داخل ہے۔ قبل اس کے کہ میں ناظرین کو آپ کے اشعار سنا کر محظوظ کروں۔ مناسب ہے آپ کی نثری تصانیف کا بھی ایک سرسری جائزہ پیش کرتا چلوں۔

نثر میں آپ کی تصانیف کی تعداد کافی ہے۔ جو کتابیں اب تک میری نظر سے گزر چکی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ **سیر دہلی**:- یہ دہلی کا سفرنامہ ہے۔ سنہ ۱۳۱۱ھ میں جب حضرت اکبر دہلی گئے تو وہاں جن جن مقامات کی زیارت کی۔ اور جن جن لوگوں سے ملے۔ اُس کا مفصل تذکرہ ہے۔

اُس میں بہت سے بزرگوں کے وصال کی تاریخ۔ ان کے مزارات کی کیفیت اور دیگر تاریخی مقامات کا

ذکر ہے۔ یہ کتاب ۳۰ صفحات کو محیط ہے۔ اور مطبع ریاض ہند آگرہ میں چھپ کر شائع ہوئی۔

۲۔ **تاریخ عرب:** یہ ۱۳۱۳ھ کی تالیف ہے۔ اور ۲۷۲ صفحات کو محیط ہے۔ عرب کے حالات، مناسک حج، وہاں کے مقاماتِ مقدسہ وغیرہ کا سیر حاصل بیان ہے۔ کتاب کے آخر میں مصنف کا بے ساختہ کہا ہوا ایک شعر ہے جو خانہ کعبہ کے اندر دعا مانگتے وقت زبان پر جاری ہوا ؎

او بڑے گھر کے مکیں کعبہ کے مالک داتا
ہم فقیروں سے کبھی کچھ واسطہ رشتا ہے تو نا

۳۔ **مولد فاطمی:** یہ ۱۳۰۷ھ کی تالیف ہے۔ یہ رسالہ نو دن کی مدت میں مرتب ہوا۔ ۴۰ صفحات ہیں۔ اور مطبع منوری آگرہ سے شائع ہوا۔ اس میں حضرت خاتون جنت کے فضائل، ولادت اور وفات کا ذکر ہے

۴۔ **جواہر کعبہ:** یہ ۱۳۰۷ھ کی تالیف ہے۔ اور یہی تاریخی نام ہے۔ اس رسالہ میں آل و اصحاب کا ذکر ہے۔ یعنی اہل بیت اور صحابہ کرام کا۔ ۸۴ صفحات ہیں۔ اور احسن المطابع (غالباً پٹنہ میں) حسب فرمائش منشی عابد حسین عابد ایڈیٹر اخبار انیس پٹنہ میں چھپ کر شائع ہوا۔

۵۔ **رسالہ غریب نواز:** ۴۴ صفحات کا یہ رسالہ ایک ہفتہ میں مرتب ہوا۔ اور مطبع کالیتھو آگرہ سے شائع ہوا۔ حضرت معین الدین چشتی کے حالات اور اجمیر کے واقعات کا ذکر ہے۔

۶۔ **احکامِ نماز:** یہ ۱۳۱۹ھ کی تصنیف ہے۔ اور ۲۸۴ صفحات کو محیط ہے۔ قرآن و حدیث سے احکامِ نماز پر سیر حاصل بحث ہے۔ مطبع شوکت شاہجہانی آگرہ سے شائع ہوئی۔

۷۔ **[illegible]:** یہ حضرت اکبر کے ملفوظات اور ارشادات کا مجموعہ ہے۔ جس کو مولانا نثار علی ابوالعلائی اکبر آبادی نے مرتب کیا ہے۔ مطبع اکبری آگرہ میں چھپا۔ صفحات ۱۵۲۔

۸۔ **نذر محبوب:** حضرت قاسم نے ایک رسالہ نجات قاسم اپنے بزرگان سلاسل کے ذکر میں لکھا تھا۔ اس کا تتمہ یا ضمیمہ نجات اکبری مسمّی بہ نذر محبوب حضرت اکبر نے لکھا۔ اور بعد کے بزرگوں کے حالات کا اضافہ کیا۔

۹۔ **میلادِ اکبر:** عام مولود کی طرح ایک رسالہ میلاد میں پڑھنے کے لئے مرتب کیا

۱۰۔ **اشرف التواریخ** ۔ ۳ ضخیم جلدوں میں مرتب کیا۔ پہلا حصہ اسرارِ نبوت، دوسرا حصہ عہدِ رسالت، تیسرا حصہ عہدِ خلافت۔

۱۱۔ **تابش** ۔ ادراک ۔ ارادہ ۔ روح ۔ التماس ۔ یہ چار الگ الگ رسالے مختلف موضوع پر لکھے۔

۱۶۔ خدا کی قدرت۔ ۱۷۔ تحفۂ مقبول۔ ۱۸۔ مولد غریب۔ ۱۹۔ اخبار العشق۔ ۲۰۔ سرمۂ بینائی۔ ۲۱۔ شورِ قیامت۔ یہ سات کتابیں بھی مطبوعہ ہیں۔ جو فی الحال میرے پیش نظر نہیں۔
۲۲۔ تاریخ عرب کا دوسرا حصہ۔ ۲۳۔ چہل حدیث۔ ۲۴۔ رسالہ نعم النسر بیان طریقت میں۔ ۲۵۔ قیصر اردو بیگم یعنی تذکرہ شعرائے اردو (منظوم)۔

ان چار کتابوں کے متعلق بھی اطلاع ملتی ہے۔ کہ زیر تصنیف تھیں۔ معلوم نہیں شائع ہوئیں یا نہیں
غرض بہار کے یہ جلیل القدر شاعر اور کثیر التصانیف مصنف اپنے سیکڑوں شاگردوں اور مریدوں کو سوگوار چھوڑ کر ۱۴ رجب ۱۳۳۷ھ دوشنبہ کے دن اس دنیائے آب و گل سے رخصت ہو گئے۔
آپ کا مزار دانا پور شاہٹولی مسجد کے صحن میں آپ کے والد ماجد بزرگوار کے پہلو میں واقع ہے۔ آپ کا عرس ہر سال صرف دانا پور ہی میں نہیں بلکہ الہ آباد، آگرہ اور جہاں جہاں آپ کے متوسلین ہیں ہوتا ہے۔
آپ کے وصال کے بعد اُن کے صاحب زادے جناب سید شاہ محمد محسن ابو العلائی سجادہ پر بیٹھے۔ وہ بھی صاحب دیوان شاعر تھے، اُن کے وصال کے بعد اُن کے صاحبزادے جناب سید شاہ ظفر سجاد صاحب جانشین مسندِ سجادہ ہیں۔
داستان بہت طویل ہو گئی اب آیئے حضرت اکبر کے کچھ اشعار سنا کر یہ مجلس ختم کر دی جائے غزل کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

کس قدر دھیان ہے اے گیسوئے پیچاں تیرا
اپنے سائے سے الجھتا ہے پریشاں تیرا
کھل گئی آنکھ ہوئی صبح اب آتی ہے نیند
زندگی دیکھ لیا خواب پریشاں تیرا

کفن کی فکر کیا ہم وحشیوں کے واسطے اکبر
کسی جا سو رہیں گے اوڑھ کے دامن بیاباں کا۔

دیکھیں خوش ہو کے نہ کیوں آپ تماشا اپنا
آئینہ اپنا ہے عکس اپنا ہے، جلوہ اپنا

کسی نے وعدہ کیا ہے شب کا یقین بھی ہم کو آگیا ہے
الٰہی کس وقت صبح ہوگی الٰہی کب دن تمام ہوگا

عاشق پاؤں نہ اکھڑیں وہیں ٹھہرے رہنا
پردہ اٹھتا ہے رُخِ یار سے سنبھلے رہنا

رواں ہیں خود بخود آنکھوں سے آنسو!
طبیعت ہے خدا جانے کہاں آج

اک دن یہ ہے کہ سبزے کی صورت ہیں پائمال
اک دن وہ تھا کہ تھے صفتِ گل چمن میں ہم

ہے یہ قصور چشم جو اٹھا نظر نہیں
ورنہ جمال یار کدھر جلوہ گر نہیں

گھبرائیے نہ رات ہے باقی ابھی بہت
یہ نورِ رُخ ہے آپ کا نورِ سحر نہیں

انہی کی پھر گئیں آنکھیں مٹے ہیں ہم جن پر
خرابیٔ دل خانہ خراب دیکھے کون

زندگی موت ہے اُس کے تو ہیں لاکھوں ساماں
موت جینا ہے اُسی کا نہیں ساماں کوئی

پیدا ہو جو سچی طلب انسان کو اکبرؔ
مطلوب کہے میرا طلب گار کہاں ہے

دیکھنے والے ترے دیکھتے ہیں یوں تجھ کو
جیسے دریا کی طرف پیاس کا مارا دیکھے

ہم تری راہ میں مٹ جائیں گے سوچا ہے یہی دردمندانِ محبت کا طریقہ ہے یہی

ہوگیا عام محبت کا مری افسانہ اب تو جس بزم میں جا بیٹھئے چرچا ہے یہی

غزل کا ایک آخری شعر سنیے ۔

بسے ہیں عطرِ سہاگ میں ہم گلے سے کس کو لگا لیا ہے ہمارا پیراہنِ محبت کسی کی اتری ہوئی قبا ہے

اکبر صرف غزل گو ہی نہ تھے بلکہ نیچرل اور قومی نظمیں بھی بہت بہت خوب لکھی ہیں ۔ اُنکی قومی نظموں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک غزل گو ہو کر آپ کی کتنی دور رس نگاہیں تھیں ہر قوم کو تعلیم اور صنعت و حرفت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ۔ دو ایک بند آپ بھی سنیئے ۔

قوم کے واسطے سامان ترقی ہے ہنر بادشاہوں کے لئے جانِ ترقی ہے ہنر

اہلِ حرفت کے لئے کانِ ترقی ہے ہنر باغِ عالم میں گلستانِ ترقی ہے ہنر

قدر جس ملک میں اُس کی نہ ہو برباد ہے وہ

جس جگہ اہلِ ہنر ہوتے ہیں آباد ہے وہ

لطف آزادی تو یہ ہے کہ ترقی ہو عام کام وہ ہو کہ ہو حاصل جسے اثبات دوام

دوسرے ملک پہ موقوف نہ ہو اپنا کام مئے یورپ سے بھرا جائے نہ اس قوم کا جام

شہر اپنا ہو زمین اپنی ہو گھر اپنا ہو

ہاتھ اپنا ہو ہنر اپنا ہو زر اپنا ہو

بوظفر شاہ جو نادار ہوئے غدر کے بعد امرا موردِ بیداد ہوئے غدر کے بعد

لکھنؤ دلی جو برباد ہوئے غدر کے بعد پیشے والوں ہی سے آباد ہوئے غدر کے بعد

بات اُن شہروں کی پھر رکھ لی ہنر والوں نے

کیا کیا کچھ نہ کیا لعل و گہر والوں نے

مطبوعاتِ انجمن

سب رس
ملا وجہی

یہ کتاب سلطان عبداللہ قلی شاہ کے دربار کے نامور شاعر اور ادیب مولانا وجہی کی تصنیف ہے۔ اردو نثر کی یہ نایاب اور قدیم کتاب بہت محنت اور تحقیق کے بعد خاص اہتمام اور صحت سے چھاپی گئی ہے۔ شروع میں بابائے اردو کا محققانہ مقدمہ اور آخر میں فرہنگ الفاظ بھی شامل ہیں۔

قیمت :۔ چھ روپے

کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی
میر انشاء اللہ خاں انشاء دہلوی

یہ ایک دلچسپ کہانی ہے انشاء اللہ خاں نے ایک خاص پیرائے میں اس طرح لکھا ہے کہ عربی اور فارسی کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا۔ بابائے اردو نے اسے مرتب کیا ہے۔

قیمت :۔ ایک روپیہ پچاس پیسے

مضامین سلیم
مولوی وحید الدین سلیم

مولانا سلیم کے وہ تمام علمی، ادبی اور مذہبی مضامین جو مختلف علمی و ادبی جرائد میں شائع ہوئے تھے اور اب تک کتابی شکل میں منظر عام پر نہیں آئے تھے، انہیں مولوی محمد اسمٰعیل پانی پتی نے تین جلدوں میں مرتب کر دیا ہے۔

مکمل سیٹ کی قیمت :۔ بارہ روپے پچاس پیسے

مضامین محفوظ علی
سید محفوظ علی

اردو کے مشہور مزاح نگار سید محفوظ علی بدایونی مرحوم کے مضامین جو ہمدرد (دہلی) الناظر وغیرہ میں شائع ہوتے تھے انہیں پہلی بار کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے مصنف کی شخصیت اور فن کے بارے میں بابائے اردو کا مفصل مقدمہ بھی شامل ہے۔

قیمت : تین روپے پچاس پیسے

نصاب اردو (نثر)

اردو کے نثری سرمائے کے اس انتخاب میں ایسی تحریروں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ جو ہمارے ادب میں مستقل مقام رکھتی ہیں۔ قیمت :۔ تین روپے

ملنے کا پتہ :

انجمن ترقی اردو۔ بابائے اردو روڈ کراچی ۱

مولانا تمنا عمادی

میری شاعرانہ معرکہ آرائیاں

الحمد للہ ثم الحمد للہ ! کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں رشک و حسد کا مادہ مطلقاً نہیں رکھا ہے۔ اس لئے آغازِ عمر ابتدا سے شعر کہتا ہوں۔ اور والد ماجد رحمۃ اللہ کے فیضِ صحبت سے شعر فہمی کی صلاحیت سات آٹھ برس کی عمر سے اس حد تک تھی کہ یاد کرتا ہوں۔ تو عجب ہوتا ہے کہ میں اتنی کمسنی میں کس طرح اشعار کا صحیح ذوق رکھتا تھا۔ اور اچھی طرح سمجھ لیتا تھا۔ زیادہ شعرا ایسے ملتے تھے جو مجھ سے سن میں بڑے اور کتنے بہت بڑے ملتے تھے اور زیادہ تر مجھ سے اچھا ہی کہنے والے تھے۔ مگر میں ہر ایک سے بڑی محبت اور گرویدگی کے ساتھ ملتا تھا۔ ہری بستی میں اس وقت چار ہی شخص کہنہ مشق شاعر تھے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ جو بہت بڑے عالم بھی تھے۔ میرے چچیرے نانا۔ مولوی معشوق علی کشش رحمۃ اللہ، میرے چچیرے بھائی مولوی شمس الحق مرحوم جو اس وقت پھلواری اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اور میرے ایک ہمچچیرے بھائی مولوی شاہ محمد امیر مرحوم (منشی محمد باقر عظیم آبادی رحمۃ اللہ کے صاحبزادے) جن کا مکان تو پٹنہ سٹی کے بخشی محلہ میں تھا۔ مگر کھگول اسکول (اسٹیشن داناپور) کے ریلوے اسکول میں ماسٹر تھے۔ وہ شمس تخلص کرتے تھے اور یہ امیر۔ اور میرے خالو مولانا حکیم علی نعمت رحمۃ اللہ اور نانی الاعظم حضرت قبلہ مولانا شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ ایک شاعر کی حیثیت سے شعر نہیں کہتے تھے محض تفننِ طبع کے طور پر صرف اپنی بستی کے مشاعروں کے لئے غزلیں کہتے تھے اور پڑھتے تھے۔ پھلواری سے نصف میل پر ایک بستی ہے "رضوت" جہاں حکیم مولانا سید فضیلت حسین رحمۃ اللہ ایک کہنہ مشق شاعر تھے اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ کے بڑے دوست ہم سبق تھے، اور چودھری .....صی، چودھری نظیر و چودھری صدیق میرے والد رحمۃ اللہ کے تلامذہ تھے جو پھلواری کے ماہانہ مشاعروں میں آیا کرتے تھے۔ میں چونکہ سب سے کم سن شاعر تھا اس لئے سب کے سب مجھ پر شفقت و محبت کی نظر رکھتے تھے اور اکثر ملاقات کے وقت مصرع طرح دے کر میرا امتحان لیا کرتے تھے۔ مگر سب یہی سمجھتے تھے کہ اس کے جو اچھے شعر ہوتے ہیں۔ وہ اس کے والد کے عطایا ہوتے ہیں۔ اور جو کمزور ہوتے تھے ان کو میرے اشعار تصور کرتے تھے۔ حالانکہ والد رحمۃ اللہ میری غزلوں کو دس بارہ برس کی عمر تک تو سن کر خوش ہوتے تھے اور تذکیر و تانیث کی غلطیاں بہت ہوتی تھیں۔ اس کو بنا دیتے تھے۔ اس کے علاوہ کبھی تختی کا طریقہ، قوافی کے عیوب وغیرہ زبانی سمجھاتے رہتے تھے۔ علامہ شوق نیموی رحمۃ اللہ کا رسالہ اصلاح الیف ہاتھ لگ گیا تھا۔ اس پر اچھی طرح حاوی ہو گیا تھا اس لئے اشعار میں غلطی گویا نہیں ہوتی تھی۔

تنقید نفلی کے سوا مجھ کو یاد نہیں ہے کہ کوئی غلطی میرے شعروں میں دس برس کی عمر کے بعد کبھی ہوئی لیکن بارہ برس کی عمر کے بعد سے والد رحمۃ اللہ مجھ کو ڈانٹنے لگے اور شعر گوئی سے منع کرنے لگے۔ کہ "تو سبق یاد نہیں کرتا ہے۔ کبھی مطالعہ نہیں دیکھتا، نہ کبھی آموختہ پڑھتا، خالی شعر کہا کرتا ہے"۔ اس لئے ان کو اپنا کوئی شعر بھی پھر کبھی نہیں سنایا۔ میں پٹنہ محلہ گلی میں کچھ دنوں اپنے بڑے بہنوئی شاہ واعظ حسین مرحوم کے ساتھ رہا تھا۔ ان کی اقامت بھی شاہ علی حسین رحمۃ اللہ کی خانقاہ میں تھی جو ان کے چچیرے دادا تھے۔ اور اس وقت صاحب سجادہ شاہ فدا حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ تھے جو آٹھ برس کے تقریباً تھے۔ میری اقامت کی وجہ سے وہ مجھ سے پڑھنے لگے۔ والد رحمۃ اللہ کا تار مجھ کو ۱۰ محرم ۲۳ھ کو ملا کہ تم چلے آؤ تمہاری شدید ضرورت ہے۔ میں اسی دن پھلواری پہنچ گیا۔ مگر والد ماجد رحمۃ اللہ نے کوئی ضرورت نہیں بتائی۔ میرے بھائی مولانا مفتی محمد عباس رحمۃ اللہ میرے والد سے پڑھتے تھے اور میری غیر حاضری کی وجہ سے وہی والد ماجد کی خدمت میں زیادہ حاضر باش رہتے تھے۔ ۹ محرم کو عصر کی نماز کے بعد والد رحمۃ اللہ نے اپنی ایک تازہ فارسی غزل سنائی جس کا مطلع یہ ہے ؎

بروز خود ہوس ساغر شراب مرا — کشد بخود صفتِ شبنم آفتاب مرا

اور اشعار کی خوبیوں کو سمجھاتے تھے۔ میں نے پٹنہ کے اقامت کے زمانے میں بہت کچھ کہا تھا۔ ۷ محرم کو جو گھر پہونچا تھا تو عباس بھائی صاحب کو کچھ غزلیں سنائی تھیں۔ والد رحمۃ اللہ جب اپنی غزل سنا چکے تو عباس بھائی نے کہدیا کہ اب یہ بھی بہت اچھا کہنے لگے ہیں۔ تو مسکرا کر فرمایا کہ کچھ ہم بھی سنوں۔ میں نے غزل سنائی جس کا مطلع تھا ؎

دھیان آیا جو اُنکی قامت کا — سامنا ہو گیا قیامت کا
مجھ کو صورت پرست کر دینا — کام تھا آپ ہی کی صنعت کا
تم تمنّا سے کیوں نہیں ملتے — آدمی ہے بڑی مروّت کا

بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ کچھ اور پڑھو۔ تو پھر ایک غزل پڑھی۔ مطلع یہ تھا ؎

وفورِ شوق میں جب ہم تمہارا نام لیتے ہیں — تو پہلے دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام لیتے ہیں

اس غزل کی تعریف کی۔ اور پوچھا فارسی میں بھی کچھ کہتے ہو؟ عباس بھائی صاحب نے کہدیا کہ فارسی میں بہت سی غزلیں انکے پاس ہیں۔ حکم ہوا کہ ایک غزل سناؤ۔ یہ غزل سنائی جس کا مطلع یہ ہے ؎

ہر کہ خاک رہ طلب باشد — نیست ممکن کہ تشنہ لب باشد
واعظا میکشی بمشرب ما — نیست گر فرض مستحب باشد
ہر کہ دل بستہ با غم عشقت — تعب او ہمہ طرب باشد
من تمنا کمینہ اش دانم — ہر کرا فخر بر نسب باشد

؎ اور اشعار یاد نہیں مقطع ہے۔

ر رحمۃ اللہ بہت خوش ہوتے

یہ واقعہ ۹ محرم کا ہے۔ ۱۰ محرم کو بعد نماز ظہر قبل عصر درد دنداں کی تکلیف شروع ہوئی۔ چادر تان کر پلنگ پر بیٹھے اور مجھ سے کہا کہ ے خالو اور بڑے ماموں کو خبر کر دو۔ میں اپنے خالو حکیم نعمت رحمۃ اللہ کو خبر کرتا ہوا بڑے ماموں مولانا حکیم منظور احمد رحمۃ اللہ کو خبر کرنے چلا دں صاحب میرے ساتھ چلے آئے۔ دروازے ہی پر مولانا علی نعمت رحمۃ اللہ تھے آخر ہم لوگ تینوں ساتھ ہی والد کے پلنگ کے پاس پہنچے۔ ں نے مزاج پوچھا تو بولے کہ عمر نے جواب دنداں شکن دیا ہے۔ دونوں ہنسنے لگے کہ صرف دانت کے درد کے باعث زندگی سے کیوں نا امید گئے۔؟ مسکرا کر فرمایا کہ واقعہ یہی ہے۔ مغرب کی نماز بیٹھ کر اسی پلنگ پر پڑھی اس کے بعد حلق بند ہو گیا۔ مگر چلنے پھرنے کی قوت تھی۔ بیت الخلا کسی سہارے کے آتے جاتے تھے۔ ۱۱ محرم کو ذی فراش ہو گئے۔ ۱۳ محرم کو قبل عصر وفات پائی۔ رحمۃ اللہ غفر لہ و طاب ثراہ و جعل فی جوار ہ اللہ۔ آمین

والد صاحب کی وفات کے بعد سے میں برابر گھر ہی پر رہا۔ اور اب شاعری کے سوا کچھ شغل نہ تھا۔

پہلا معرکہ اب میری شاعری روز بروز ترقی کر رہی تھی۔ ایک دن امی الاعظم حضرت قبلہ مولانا شاہ سلیمان رحمۃ اللہ کے یہاں بیٹھا تھا۔ کئی آدمی اور بھی تھے کہ افضل الاخبار جو دہلی سے نکلتا تھا ڈاک سے آیا۔ اس میں میرے پھوپھیرے نانا مولوی معشوق علی کشش رحمۃ اللہ کی تین غزلیں چھپی تھیں پہلی غزل کا مطلع یہ تھا ؎

میرے دل سے ترے تیر نظر سے کچھ نہ کچھ ہوگا ادھر سے ہو پرے یا اُدھر سے کچھ نہ کچھ ہوگا

نے دیکھتے کے ساتھ ہی کہا کہ مطلع بہت کمزور ہے۔ یوں ہوتا تو ایک اچھا مطلع ہو جاتا۔ پڑھ کر سنایا ؎

مری آہوں سے اعدا کی نظر سے کچھ نہ کچھ ہوگا ادھر سے ہو نہ ہو لیکن اُدھر سے کچھ نہ کچھ ہوگا

الاعظم حضرت قبلہ رحمۃ اللہ نے مسکراتے ہوئے کان پکڑ کے ہلا دیا اور فرمایا کہ نالائق! اپنے نانا پر ہاتھ صاف کرتا ہے۔ حالانکہ میرا ارادہ و اعتقاد ن کی توہین کا نہ تھا بلکہ اس وقت پہلی نظر مطلع پر پڑی تھی اس کا خیال بھی نہیں کیا تھا کہ غزل کس کی ہے۔ شاید نام دیکھ لیتا تو اصلاح کی ت بھی نہ کہتا اور اصلاح ذہن میں آ بھی گئی تھی تو اس مجمع میں نہ پڑھتا۔ کیونکہ وہ میرے بھی نانا تھے۔ بھائی صاحب حضرت قبلہ رحمۃ اللہ کے نانا تھے اور خاندان میں اس وقت ان سے بڑے صرف ان کے بھائی ہی تھے، مولوی شاہ عبد اللہ رحمۃ اللہ، ورنہ سب کے وہ نانا یا دادا ہی بوڑھے لوگوں کے چچا تھے بلکہ بعض بوڑھوں کے بھی نانا دادا ہی تھے۔ چنانچہ یہ خبر بستی میں پھیل گئی اور نانا صاحب رحمۃ اللہ کو بھی خبر ئی۔ میرے خلاف پورا خاندان کھڑا ہو گیا۔ میں نے نانا جان سے دست بستہ معافی مانگی۔ بالآخر انھوں نے میرے رونے پر ترس یا مگر ان کے دل سے غبار نہ گیا۔

پھر جایا کرتا تھا۔ خان بہادر علی محمد شاد مرحوم میرے والد کے دوستوں میں تھے۔ میں اُن کو چچا کہتا تھا۔ اور اُن کا بہت احترام تھا۔ مگر ان کے یہاں آمد و رفت بہت کم رکھتا تھا۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ فرمائش کر کے اشعار پڑھواتے تھے۔ سنتے تھے مگر داد ں دیتے تھے۔ اور بھائی نیر حسین شائق مرحوم جن کے ساتھ میں اکثر جاتا تھا۔ مگر وہ بیٹھے رہ جاتے تھے اور میں چلا جاتا تھا۔ ایک

وم ہوا کہ میرے اٹھ آنے کے بعد ہر مرتبہ میری فارسی غزلوں کے متعلق انہوں نے یہی کہا کہ یہ چار دن کا لونڈا اور فارسی کے ایسے اشعار کہہ سکتا ہے۔ اپنے باپ کی غزلیں پڑھا کرتا ہے۔ اور اردو کے متعلق بھی وہ اسی طرح کا گمان رکھتے تھے۔ آخر ان کے یہاں کی آمد و رفت ترک کردی۔

منشی محمد باقر عظیم آبادی رشتے میں میرے پھوپھا ہوتے تھے اور مجھ پر بے حد شفقت کرتے تھے۔ اور مشہور خوش نویس تھے، سینکڑوں شاگرد اُنکے شاگرد ہوئے۔ مشہور شاعر بھی تھے۔ حضرت داغ دہلوی کے وہی میزبان تھے جب وہ عظیم آباد آئے تھے انہیں کے مکان کے صحن میں ٹہل ٹہل کر حضرت داغ نے یہ غزل کہی تھی۔

بھویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں ۔۔۔ کسی سے آج بگڑی ہے جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں
کوئی چھینٹا پڑے تو داغ کلکتے پہونچ جائیں ۔۔۔ عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

مشاعرہ پٹنہ ہی میں ہوا تھا۔ منشی باقر صاحب کے استاد حضرت مولانا وحید الہ آبادی رحمۃ اللہ کا مطلع یہ ہے ؎

اُدھر آئینہ رکھا ہے ادھر وہ تن کے بیٹھے ہیں ۔۔۔ جو اپنا دیکھنا منظور ہے کیا بن کے بیٹھے ہیں

کلکتہ پہونچکر حضرت داغ دہلوی مرحوم نے جو مثنوی فریاد داغ لکھی تو اس عظیم آباد کے قیام کا بھی ذکر ہے۔ فرمایا ہے ؎

میر باقر کے گھر قیام ہوا ۔۔۔ خوب دعوت کا اہتمام ہوا

غرض حضرت باقر کے یہاں برابر جاتا تھا اور بہت شفقت فرماتے تھے۔ حضرت شاد کے تلامذہ میں سے حضرت شائق عظیم آبادی جن کے ساتھ پہلے حضرت شاد کے یہاں جایا کرتا تھا اور ببا صاحب موج، لاڈلے صاحب مختار بیتاب تخلص فرماتے تھے۔ اور حضرت داغ کے شاگردوں میں مسٹر سید نصیر الدین نصیر نگر نہوی جو بیرسٹری کی وجہ سے پٹنہ میں مقیم تھے پھر بیرسٹری چھوڑ کر ادھو کمشنری کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ فارسی و اردو دونوں زبانوں کے شاعر تھے۔ ڈاکٹر مبارک عظیم آبادی شاگرد داغ۔ مولانا حافظ فضل حق آزاد۔ نواب امداد امام اثر جو اُن دونوں پٹنہ میں ہی مقیم تھے۔ میرے ہم عمروں میں پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی مرزا واجد حسین یاس عظیم آبادی جو اس وقت تک عظیم آباد ہی میں تھے۔ پھر تو یگانہ چنگیزی اور لکھنوی ہو گئے۔ غرض اس وقت کے ساتھیوں میں اب صرف میرے محبوب ترین بھائی پروفیسر محمد مسلم رہ گئے ہیں اور بس۔ یا میں ہوں۔

پٹنہ میں ایک ہندو شاعر تھے وہ کسی بنک کے خزانچی تھے۔ نام اُن کا یاد نہیں اور نہ تخلص یاد ہے۔ خزانچی صاحب ہی کے نام سے مشہور تھے۔ شاعری کا خبط رکھتے تھے اور مشاعرے اکثر کیا کرتے تھے۔ ایک حکیم صبغت اللہ صاحب تھے، صبغت تخلص فرماتے تھے خزانچی صاحب اور حکیم صبغت اللہ صاحب مرحوم میرے والد کے دوستوں میں تھے اس لئے مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔

بھائی نظیر حسین شائق نے کئی بار مجھ سے کہا کہ حضرت شاد کے شاگرد ہو جاؤ تو پھر ایک بہت بڑا حلقہ تم کو مل جائے گا۔ اور بہت لوگ تم کو تنگے بڑھانے والے مل جائیں گے اور جو پیٹھ پیچھے تمہارے متعلق کہتے ہیں نہ کہیں گے۔ میں نے کہا جس کے خلاق خراب ہوں۔ میں ایسے کو استاد نہیں بنا سکتا اور استاد بنانے کا فائدہ کیا ہے، علم عروض و قوافی و معانی و بیان، میں ان سے زیادہ نہیں

زان سے کم بھی نہیں جانتا۔ محاسن و معائب کلام سے خوب واقف ہوں۔ درسیات کی کتابیں پڑھ چکا ہوں۔ باقی رہی ہماری مجبوری چونکہ بار بار اپنا کلام دیکھتے رہنے سے درست ہو جائے گی پختگی مشق سے آئے گی۔ بھائی مسلم نے بھی ایک بار شاد کی شاگردی کی ترغیب دی مگر میں نے ٹال دیا۔ بادشاہ نواب صاحب کے یہاں مشاعرہ ہوا جس میں حضرت شاد کا یہ مطلع تھا۔

ہمیں یہ ناز، دل داغدار باقی ہے　　انہیں یہ تاک چھیلا شکار باقی ہے

میں بھی اس مشاعرہ میں شریک تھا۔ میرا مطلع تھا ۔

نہیں رہے نہ نشانِ مزار باقی ہے　　پھر اب حضور کو کس سے غبار باقی ہے

حضرت شاد کی غزل پر واہ واہ سبحان اللہ کا اتنا شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ میں قریب ہی بیٹھا تھا اس لئے پورا شعر سن رہا تھا۔ دور والوں کو دوسرا مصرعہ پورا سننا ناممکن تھا۔ اس میں شک نہیں کہ غزل بہت اچھی تھی اس لئے کامیابی ہونی ہی تھی لیکن تلامذہ کا شور اصلی اور صحیح داد سے پچاس گونہ زیادہ تھا۔ اس مشاعرے کے بعد بھائی مسلم نے کہا کہ ایسا استاد ملنا مشکل ہے۔ میں نے کہا کہ مجھ کو استاد کی ضرورت ہی نہیں ہے کہنے لگے کہ پھر حضرت شاد کو کیوں استاد بنایا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ آج کے استاد نہیں میں جب میں استاد کا محتاج تھا اس وقت ان کو استاد بنایا تھا۔ مگر اب اُن کے پاس غزلیں نہیں بھیجتا ہوں۔ مگر وہ تو استاد ہو چکے ہیں۔ اس لئے ان کو استاد مانتا ہوں۔

غرض جب حضرت شاد کو یہ معلوم ہو گیا کہ مجھ کو ان کی شاگردی قبول کرنے سے انکار ہے۔ بلکہ اُن کی پس پشت بدگوئیوں کی وجہ سے میں نے اُن کے ہاں آنا جانا چھوڑ دیا ہے تو میری طرف سے بہت زیادہ پُر غبار ہو گئے۔ میں مدرسہ محمدیہ حنفیہ پٹنہ سٹی میں مدرس دوم مقرر ہو گیا اور خانقاہ عمادیہ پٹنہ سٹی میں اقامت گزیں رہا۔ تو جناب شاہ محمد کمال مرحوم رئیس عظیم آباد جو وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے اور کمال تخلص کرتے تھے۔ انہوں نے ایک مشاعرہ کیا۔ مدرسہ کی ملازمت کی وجہ سے میری مصروفیت درسی کتابوں کے مطالعہ میں زیادہ تھی اس لئے شاعری بالکل چھوڑ دی تھی۔ مگر بھائی کمال صاحب مرحوم نے بڑے اصرار سے شرکت مشاعرہ پر مجبور کر دیا تو میں اس مشاعرے میں شریک ہوا مصرعِ طرح یاد نہیں ہے۔ میرا مطلع یہ تھا ۔

غازہ ملیں جو منہ پہ تری گرد راہ کا　　اچھا ہو مہر کا یرقان ۔ برص ماہ کا
ان آدمی نماؤں کو سمجھو نہ آدمی　　دُنیا اب ایک کھیت ہے مردم گیاہ کا

یہ غزل خوب کامیاب رہی اور بہت داد ملی۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ میرا مطلع حضرت شاد نے سنا تو فرمایا کہ ”برص“ مونث ہے اس لئے ”برص ماہ“ کا غلط ہے۔ پھر تو پورے پٹنے میں ان کے بازاری قسم کے شاگردوں نے اس کا ڈھنڈورا خوب پیٹا۔ مجھ کو خبر ہوئی تو میں نے حکیم اجمل خاں رحمتہ اللہ کو خط لکھ کر اُن سے پوچھا۔ انہوں نے جواب لکھا کہ ہم لوگوں کی زبانوں پر ”برص“ مذکر ہی ہے تو میں نے لوگوں کو خط دکھایا کہ جو لفظ کسی خاص فن سے تعلق رکھتا ہو اس لفظ کی تذکیر و تانیث وغیرہ کے متعلق اس فن ہی کے لوگوں کے استعمال کو سند سمجھا جائے گا۔ حکیم اجمل خاں تو حکیم بھی ہیں اور شاعر بھی اس لئے ان کی تحریر سے بہتر کون سی سند ہو سکتی

ہے۔ حضرت شاد کو جب یہ خبر پہونچی کہ حکیم اجمل صاحب کا خط آیا ہے تو اپنے شاگرد شید عظیم آبادی کو جو بعد کو نابینا ہو گئے تھے۔ اس وقت تک اُن کی آنکھیں روشن تھیں اور میرے دیرینہ دوست تھے، بھیجا کہ حکیم اجمل صاحب کا خط مانگ کر لے آؤ دیکھ کر واپس کر دیں گے وہ آئے اور خط مانگ کر لے گئے۔ اس کے بعد خط واپس نہیں لائے۔ اگرچہ میں بھی اس زمانے میں پٹنے میں ہی رہتا تھا۔ مگر مدرسہ یا خانقاہ ان دو جگہوں کے سوا اور کہیں کسی تقریب ہی وغیرہ میں جاتا تھا اس لئے شید کا گھر دیکھا نہ تھا۔ لوگوں سے کہتا تھا، پوچھتا تھا پتہ نہیں ملتا تھا۔ آخر شاہ اور ان کی درگاہ سے ایک مشاعرہ میں شید سے ملاقات ہوئی تو پوچھا۔ تو وہ رونے لگے اور بولے کہ آپ سے سخت شرمندہ ہوں اور اسی شرمندگی کے باعث پھر آپ سے نہ ملا۔ میں نے پوچھا کہ آخر وہ خط ہوا کیا کہنے لگے کیا کہوں استاد نے پڑھا اور پھاڑ کر پرزے پرزے کر کے حقہ سامنے رکھا تھا ان پرزوں کو چلم پر رکھ کر جلا دیا۔ میں خبط ہو گیا۔ کہا کہ حضور نے دوسرے کی امانت کے ساتھ یہ کیا کیا کہنے لگے، چپ رہو، یہ خط جعلی تھا۔ کیا میں حکیم اجمل کا حرف پہچانتا نہیں ہوں۔ میرے پاس اُن کے متعدد خطوط ہیں۔ میں اُن کا حرف خوب پہچانتا ہوں۔ یہ جعلی خط تھا اسلئے جلا دیا۔ آخر اٹھ کر چلا آیا اور پھر انکے یہاں آج تک نہیں گیا۔ اور غریب شید روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا قسمیں کھا کھا کر۔

ایک بار بھائی مسلم صاحب نے فرمایا کہ استاد کے یہاں آپ کا ذکر آیا تو استاد نے کہا کہ نظیر حسین شائق کا لڑکا نصیر جو پھلواری اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہے۔ اس کے سامنے تمنا کی زبان نہیں کھلتی ہے۔ پھلواری میں مشاعرہ ہوتا ہے۔ کئی بار غلطی پر نصیر نے تمنا کو ٹوک دیا ہے۔ اور تمنا بغلیں جھانک کر رہ گئے ہیں۔ بھائی مسلم صاحب نے کہا کہ ہم تمنا سے بھی خوب واقف ہیں اور ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں سے بھی اور نصیر صاحب کو بھی خوب جانتے ہیں۔ نصیر کی تمنا کے سامنے کوئی علمی حیثیت ہی نہیں ہے۔ وہ تمنا کو کیا ٹوکیں گے آپ سے کس نے یہ کہہ دیا ہے؟ حضرت شاد نے کہا کہ ہم سے خود نصیر نے کہا ہے۔ اس قصے کو بھائی مسلم صاحب نے مجھ سے بیان کیا میں نے کہا کہ نصیر غریب تو خود میرا شاگرد ہے۔ اگرچہ وہ مستقل شاگرد تو حضرت شاد کا ہے یا اپنے والد کا ہے مگر پھلواری کے مشاعرہ کی غزل دکھانے کا وقت اگر ملا۔ اور ملازمت کی وجہ سے پٹنہ نہ جا سکا تو ہمیں کو اپنی غزل دکھا کر مشاعرے میں پڑھتا ہے۔ وہ میرے متعلق اس طرح کب کہہ سکتا ہے۔ یقیناً یہ نصیر پر افترا ہے۔ بھائی مسلم صاحب نے شاد صاحب سے عند الملاقات کہا کہ نصیر تو خود ان کا شاگرد ہے وہ کیسے اُن کے متعلق ایسا کہے گا۔ شاد صاحب نے کہا کہ تمنا جھوٹے ہیں نصیر ہرگز ان کا شاگرد نہیں۔ یہ کہکر بھائی مسلم صاحب کو استاد نے خموش کر دیا۔

دوسرے دن حضرت شاد نے اپنے شاگرد قدیم مولوی نظیر حسین شائق کو بلوا کر کہا کہ تمہارا لڑکا نصیر سخت نالائق اور بدتمیز ہے۔ اس کو منع کر دو کہ میرے یہاں نہ آیا کرے۔ میری اصلاح کردہ غزلیں دوبارہ پھلواری میں تمنا کو دکھاتا ہے اور تمنا ہر جگہ کہتا پھرتا ہے۔ کہ شاد صاحب کیا اصلاح دیں گے۔ میں ان کی اصلاح کردہ غزلوں میں غلطیاں اُن کے بعض شاگردوں کے پاس دیکھتا ہوں۔ وہ لوگ دوبارہ وہی غزلیں مجھ کو دکھاتے ہیں۔ تو میں درست کر دیتا ہوں۔ شائق صاحب نے پوچھا کہ آپ سے کس نے کہا ہے؟ استاد نے کہا کہ مسلم نے اور مسلم سے خود تمنا نے کہا ہے۔ یہ سُن کر بھائی شائق صاحب وہاں سے اُٹھے۔ اور گھر جا کر سفر کی تیاری کی اور سیدھے پھلواری پہنچے۔ اور اپنے بیٹے نصیر کو لے کر میرے مکان پر آئے۔ میں تو مدرسہ میں ملازم تھا اور پٹنہ سٹی ہی میں خانقاہ عمادیہ میں رہتا تھا۔ میرے مکان پر میرے بھائی مفتی مولانا عباس صاحب سے ملاقات ہوگئی تو انہوں نے چائے ناشتہ کی دعوت دی۔ مگر یہ لوگ اس قدر کبیدہ خاطر تھے

کر جاتے نہیں پی اور آئی ہوئی چائے واپس کر دی وہاں سے خانقاہ عمادیہ پٹنہ سٹی محلہ منگل تالاب پہونچے رات کے تو بجے چکے تھے۔ ہم لوگ مسجد عشا کی نماز کے لئے جا رہے تھے۔ صاحب سلامت سے زیادہ کا وقت نہ تھا۔ وہ دونوں بھی کنوئیں پر وضو کرنے کے لئے چلے گئے نماز کے بعد خانقاہ کے کوٹھے کے پورب طرف والے حصہ پر میری اقامت تھی۔ میں مسجد سے فرض پڑھ کر اپنی اقامت گاہ پر چلا آتا تھا۔ وہ لوگ مسجد ہی میں سنت و وتر پڑھنے لگے۔ میں نے کوٹھے پر آکر جمّو خاں خادم خانقاہ سے کہا کہ سماور میں کوئی پانی دے کر چائے کا جلد سامان کر دو۔ سماور درست کر کے بازار سے کچھ ایسی چیزیں لے آؤ کہ اگر کھانا کھا کر یہ لوگ آئے ہوں اور نہ کھائیں تو ہم لوگوں کے لئے صبح کا ناشتہ ہو جائے۔ اور اگر بھوکے ہوں تو ان لوگوں کا کھانا یا ڈبل ناشتہ ہو جائے یہ کہہ کر ایک روپیہ جمّو خاں کی طرف پھینک کر میں سنت عشا پڑھنے لگا۔ اس وقت صرف دو رکعتیں سنت موکدہ ہی کی مسجد سے آکر پڑھنے کا معمول تھا۔ باقی بعد کو دوسرے وقت پڑھتا تھا۔ اس لئے دوگانہ ختم ہی کیا تھا کہ بھائی شائق صاحب مسجد سے اپنے بیٹے نصیر کے ساتھ کوٹھے پر پہونچ گئے۔ بھائی شائق مجھ سے بہت بڑے تھے۔ میرے رشتے کے پھوپھا حضرت باقر عظیم آبادی کے داماد تھے اور میرے پیر بھائی بھی تھے اس لئے کہ میرے مرشد حضرت بدرالدین سجادہ نشین خانقاہ مجیب پھلواری ہی کے وہ مرید تھے اس لئے مجھ سے بہت مخلصانہ رسم و راہ محبت تھی میں نے اُٹھ کر اُن کا استقبال کیا اور ہاتھ پکڑ کر اپنی بغل میں بٹھانا چاہا۔ میرا ہاتھ جھٹک کر انھوں نے کہا۔ مولانا! اس وقت کسی قسم کا اخلاق نہ کیجئے۔ میں اپنے آپے میں نہیں ہوں اس لئے ہم لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا اخلاق نہ کیجئے۔ ہم لوگوں کی باتیں سن کر اُن کے جواب دیجئے جواب سن لینے کے بعد ہم لوگ اس کا فیصلہ کریں گے کہ آپ کے اخلاق کریمانہ کو قبول کریں یا نہ کریں۔ بھائی شائق مرحوم بڑے گویا آدمی تھے اور صرف زبان سے نہیں بولتے تھے بلکہ ہاتھوں سے اُن کی انگلیوں سے آنکھوں سے اور اُن کی پلکوں سے بھنوؤں سے اور ان کی مختلف شان کی جنبشوں سے، پیشانی سے اور ان کی شکنوں کے قبض و بسط سے غرض سر سے پاؤں تک ان کا ہر عضو زبان کی طرح اُن کے مافی الضمیر کو ادا کرنے میں زبان کا صرف تعاون ہی نہیں کرتا تھا بلکہ ہر ایک ادائے مافی الضمیر کو اپنا مستقل فرض سمجھ کر الگ الگ مگر پوری متفقہ ہم آہنگی کے ساتھ اس طرح ادا کرتے تھے جیسے کسی ساز کا ہر تار اپنی الگ آواز تو دے رہا ہو۔ مگر سننے والوں کے کانوں میں ان کی مجموعی آواز آرہی ہو غرض اور ذفت میں تو ممکن ہو وہ تفوع سے بھی کام لیتے ہوں، اس وقت غیظ و غضب کے اتھاہ سمندر میں غوطے کھا رہے تھے۔ ان کا ہر عضو اس طرح ہمہ تن گفتگو ہو کر بول رہا تھا کہ میں محو حیرت ہو کر سن رہا تھا۔ میرے چچیرے بھائی حضرت مولانا حافظ شاہ حبیب الحق رحمۃ اللہ جو بعد کو اپنے والد ماجد حضرت شاہ رشید الحق رحمۃ اللہ کے بعد خانقاہ عمادیہ کے سجادہ نشین ہوئے۔ مسجد سے کچھ دیر کے بعد آئے۔ اُن کا معمول تھا کہ مسجد سے وہ سیدھے نانخانے چلے جاتے تھے۔ مگر اُن کی پُر لطف بُر کیف و پر غضب گفتگو ایسی تھی کہ کوئی سنتا ہو کسی دوسری جگہ چلا جائے۔ باہر سائبان میں ہم لوگ تھے۔ وہ سیدھے دالان میں میرے بستر پر بیٹھ کر باتیں سننے لگے۔ جمّو خاں نے ناشتہ دسترخوان بچھا کر سامنے رکھ دیا۔ مگر ان میں سے کسی نے توجہ نہ کی۔ میں نے ان کی گفتگو سن لی انھوں نے ان سب باتوں کو دہرایا۔ جو ان کے استاد نے کہا تھا اور مجھ سے پوچھا کہ یہ واقعہ صحیح ہے۔ کیا شاد صاحب کی اصلاح کردہ غزلوں میں آپ قلمی استرے سے کبھی اصلاح کی ہے۔ وہ بھی نصیر کی غزلوں کی میں نے الماری پر سے قرآن مجید اُتار کر تکیہ کھینچ کر اپنے اوران

کے درمیان رکھ دیا۔ اور پورا واقعہ جو پہلے پہل بھائی مسلم نے مجھ سے کہا تھا اور اس کا جو جواب میں نے دیا تھا اُس کو بیان کر دیا۔ ان کے بیٹے نصیر میرے ہم سن تھے۔ بلکہ ممکن ہے کہ مجھ سے وہ ایک برس تو نہیں مگر آٹھ دس مہینے بڑے ہوں۔ لیکن اس وقت میرے شاگردوں میں بڑے بڑے لوگ تھے۔ بعض لوگ جو پہلے میرے والد علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے اور زندہ تھے انہوں نے میری طرف رجوع کیا تھا۔ جیسے منشی نجم الدین علیہ الرحمۃ نیوری کے چھوٹے صاحب زادے، مولوی علی رشید مرحوم کے چھوٹے بھائی اور مولوی زین العابدین سابق پرنسپل لا کالج جو شہاب الدین رحمۃ اللہ صاحب کمشنر ڈھاکہ کے نانا تھے۔ ان بھائی زین الدین صاحب کے وہ مولوی امداد حسین امداد سب سے چھوٹے ماموں تھے اور میرے رشتے میں چچا ہوتے تھے۔ فارسی اور اردو میں کہتے تھے اور خوب کہتے تھے۔ میرے والد رحمۃ اللہ کے شاگرد تھے۔ میری مشق سخن اور مہارت فن دیکھ کر مجھ کو اپنا کلام دکھلانے لگے تھے۔ بلکہ میرے اکثر شاگرد مجھ سے سن میں بڑے تھے۔ نصیر آٹھ دس نہیں سال دو سال بھی سن میں بڑے ہونے کے باوجود اگر اپنا کلام مجھ کو دکھلانے لگے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ خود بھائی شائق صاحب مرحوم نے اس واقعہ سے تقریباً ایک سال کم و بیش پہلے پھلواری میں اخی المکرم حکیم شعیب علیہ الرحمۃ کے یہاں ہی ایک غزل سنائی۔ دو تین آدمی بیٹھے تھے۔ مطلع یہ تھا:

یہاں شراب کی بوتل ہلا کے پیتے ہیں وہ اور ہونگے جو پانی ملا کے پیتے ہیں

میں نے دبی زبان سے کہا، [illegible] کی بھی پڑھ لیجئے کے ساتھ نوش فرما گئے؟ تو فوراً یوں پڑھا۔

قلم کی ہوئی بوتل ہلا کے پیتے ہیں وہ اور ہونگے جو پانی ملا کے پیتے ہیں

میں نے عرض کیا کہ وہ بھائی صاحب "کی" کی یائے معروف اگل دی تو پیتے ہیں کے فاعل کو ترک بنا کر چٹ کر گئے؟ ان سے نہایت بے تکلفی تھی۔ دو تین حاضر مجلس تھے وہ بھی خاص اور بے تکلف ہی لوگ تھے اور میرا مقصود ان کی توہین نہ تھی جس کو وہ عیب سمجھتے تھے۔ اس لئے مخصوصانہ جھنجھلا کر بولے۔ تب کس طرح اس کو درست کروں۔ استاد نے بھی بہت سوچا۔ مگر کسی طرح یہ کسر نہ نکلی۔ میں نے کہا کہ یوں کہیے تو یہ کسر نکل جائے گی کہ۔ یہاں قلم نہ بوتل ہلا کے پیتے ہیں۔ پھڑک گئے۔ اور میرا ہاتھ چوم لیا۔ نہ نصیر مرحوم کی شاگردی کچھ میرے لئے باعث فخر نہ تھی۔ اور نہ نصیر اس وقت خوش گو مشاق شاعروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ غرض میں نے جو کچھ کہا قرآن مجید سامنے رکھا ہوا تھا نصیر نے اس کا اعتراف کیا کہ جب وقتی ضرورت پڑتی تھی اور پھلواری سکول کی مصروفیت کی وجہ سے پٹنہ اگر استاد کو غزل دکھانے کا موقع نہیں ملتا تھا تو میں آپ کو اپنی غزل دکھا لیتا تھا اور آپ مناسب اصلاح فرما دیتے تھے۔ شائق صاحب نے نصیر سے کہا کہ وہ تو وقتی طور سے دکھا لیتے تھے، پھر جب پٹنہ آتے تھے تو ان غزلوں کو استاد کو بھی دکھا لیتے تھے یا نہیں۔ نصیر نے کہا دو بار اس کا موقع آیا۔ مگر استاد نے جو اصلاح شدہ غزلوں کی اصلاح فرمائی تو مجھ کو وہ استاد کی کی اصلاح پسند نہ آئی۔ اس کے بعد اپنی غیر اصلاحی غزل پیش کی۔ اس کی جو اصلاح اس نے کی وہ مولانا (یعنی تمنا) کی اصلاح سے پست تھی اس لئے میں نے استاد کی اصلاح قبول نہ کی۔ اس کے بعد سے پھر ہر غزل نہیں دکھاتا ہوں۔ مگر استاد کے پاس بھی آتا ہوں تو دو غزلیں پیش کر دیتا ہوں تاکہ وہ خفا نہ ہوں۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ استاد کی اصلاح کردہ مولانا کے آگے پیش کی ہو یہ کہہ کر کہ غزل استاد کی اصلاح کردہ ہے اور اس میں مولانا نے کبھی قلم لگایا ہو۔

(باقی آئندہ)

ڈاکٹر سید اشفاق احمد ندوی، مصر

غالب کا مشاہدۂ نفس

غالب کے کلام میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے انسانی فکر و احساسات کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اس کے جذبات کی گہرائیوں کو پوری طرح سے کھنگالا تھا۔ اور انسانی زندگی کی قدروں کو پوری دقت نظر سے دیکھا تھا۔ جس کا ثبوت ان کے اکثر اشعار میں ملتا ہے۔ چونکہ انسان جذبات اور تخیل کی عظیم دنیا کا مالک ہے وہ خدا معلوم کتنے خیالوں کی راہ سے ہمہ وقت گذرتا ہے۔ معلوم نہیں کتنے آرزوؤں کے شہر آباد کرتا ہے اور نہ جانے کس کس قسم کے احساسات اس کے ذہن و فکر میں جولاں رہتے ہیں۔ اس کے احساس کی دنیا کو اور جذبات کے تلاطم کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا بڑا مشکل ہے۔ حقائق محسوس تو سب ہی کرتے ہیں۔ مگر ان کا اظہار بڑا مشکل ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ غالب اس بارے میں اردو کے تمام شاعروں پر فوقیت رکھتے ہیں کہ انہوں نے انسان کے اندر کی دنیا کو اپنی شاعری میں بے نقاب کر دیا ہے ان کا کلام نفس انسانی کا بہترین ترجمان ہے۔ اگرچہ انسانی احساسات کا احاطہ بڑا مشکل ہے۔ مگر پھر بھی غالب نے ممکن حد تک انسانی جذبات کے تمام پہلوؤں کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اور نفس انسان کے اسی مشاہدہ سے اپنے کلام کو جاندار بنایا ہے۔ غالب کے کلام کی معقولیت کا راز بھی اسی مشاہدۂ نفس میں پوشیدہ ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ محض ایک فکر سے متعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ انسانی نفس کی آواز ہوتی ہے۔ اس کے احساسات کی بھرپور ترجمانی ہوتی ہے اور اس کے دل کی آواز غالب کے اس مشاہدہ میں پوری طرح موجود ہوتی ہے۔ جو وہ اپنے اشعار میں پیش کرتے ہیں۔ غالب کا ذہن و فکر احساس کی دولت سے پوری طرح مالامال نظر آتا ہے۔ ان کا ذہن رسا خیالات کی ان ویران گھاٹیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ جہاں باوجود احساس کے لوگ نہیں پہنچ پاتے۔ ان کا یہ انتقال ذہنی انسانی نفس کے مطالعہ و مشاہدہ میں بڑی مدد دیتا ہے۔ اور انہیں وہ قوت عطا کرتا ہے۔ جو دوسرے شاعروں کو حاصل نہیں۔ غالب کی یہ خصوصیت دوسرے شعراء میں تلاش کرنا عبث ہے۔ غالب نفس انسانی کا مشاہدہ ہر پہلو سے کرتے ہیں۔ اور ہم بلکہ ان کے اندر کی دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس طرح اسے اپنے اشعار میں پیش کر دیتے ہیں کہ پڑھنے والے کے

قاری کے دل و دماغ میں وہ بس جاتا ہے اور فکر و خیال پر چھا جاتا ہے۔

آیئے کلام غالب کا مطالعہ اسی نقطۂ نظر سے کریں۔ اور ان کے اشعار میں نفسِ انسانی کے مختلف پہلوؤں کو تلاش کریں اور دیکھیں کہ غالب نے کتنے فن کارانہ انداز سے انسانی فکر و خیالات کو اپنے کلام میں پیش کیا ہے غالب کہتے ہیں۔

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو — ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیئے — کوئی ہم سایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار — اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

دیکھئے غالب نے ان اشعار میں انسانی فکر کا کتنا بلند تصور پیش کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کبھی کبھی علائق زندگی اور مصائب حیات سے اکتا کر یہی تمنا کرتا ہے۔ کہ اس سے بہتر تو یہ تھا۔ کہ سب کچھ چھوڑ کر کسی ویرانہ میں زندگی گذارتا۔

زندگی اپنی جو اس صورت سے گذری غالب — ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

مذکورہ شعر میں اگرچہ شوخی ہے لیکن نفسِ انسانی کا کتنا بہترین تجزیہ کیا گیا ہے۔ انسان واقعی اپنے مصائب سے گھبرا کر یہ سوچنے لگتا ہے کہ کیا اس دنیا میں کوئی اس کا مددگار ہے۔ اگر خدا ہے تو وہ کہاں ہے اور کیوں نہیں اس کی پکار سنتا غالب کے اس شعر سے بڑھ کر اس کے جذبہ کی ترجمانی شاید ممکن نہیں۔ اس کو پڑھ کر یقیناً انسان کو ایک تسکین کی سی کیفیت ملنے لگتی ہے۔

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے — آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار — یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں — کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے!

مذکورہ اشعار میں غالب انسانی احساسات کو بڑے حسین انداز میں پیش کرتے ہیں اور انسانی نفس کا بہترین مرقع پیش کرتے ہیں۔ جیسے پڑھ کر جیسے دل کی گرہیں کھل جاتی ہیں۔ تین مختلف کیفیات کو کچھ ایسے انداز سے غالب نے پیش کیا ہے کہ انسان کے اس قسم کے جذبات کی بہترین ترجمانی ہوگئی ہے۔

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد — پر طبیعت ادھر نہیں آتی
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی — کچھ ہماری خبر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات کہ جو چپ ہوں — ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

غالب نے ان اشعار میں کتنی حکیمانہ باتیں کہی ہیں۔ جو سراسر مشاہدے سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ کتنی خوبی —

انسان کی اس کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ جان بوجھ کر کتنی اچھی باتوں کو ٹھکرا دیتا ہے اور کتنے ہی لوگ ہیں کہ محنت اور نیکی کا صلہ جانتے ہیں مگر جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتے۔ اس کیفیت کے لئے غالب کہتے ہیں کہ طاعت و زہد کا ثواب تو مجھے معلوم۔ مگر کیا کروں کہ طبیعت اس طرف مائل نہیں ہوتی۔ یہ شعر کتنے ہی زندگی کے موقعہ ہیں جہاں برمحل استعمال کیا جا سکتا ہے۔

دوسرے شعر میں انسان کی اپنی ہستی میں کھوئی ہوئی کیفیت کو شاعر بڑے حسین انداز میں پیش کرتا ہے۔ زندگی کی ہمہ ہمی میں اس کی جدوجہد میں اور زندگی کے مختلف میدانوں میں انسان بااوقات اتنا مشغول ہو جاتا ہے۔ یا کھو جاتا ہے کہ اس کو خود اپنی خبر نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی انسان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں وہ بدحواس ہو جاتا ہے اور اسوقت یہی حال ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔

کوئی دن گر زندگانی اور ہے — اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
بارہا دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں — پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے
دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر — کچھ تو پیغام زبانی اور ہے
ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام — ایک مرگ ناگہانی اور ہے

ان اشعار میں سے ہر شعر انسانی احساسات کا بہترین ترجمان ہے۔ اور غالب کے گہرے مشاہدۂ نفس کا ثبوت ہے پہلے شعر میں انسان کے عزم کی زندگی کی مختلف منزلوں میں تصویر کشی کی گئی ہے۔ کتنے ہی ایسے مواقع زندگی میں آتے ہیں جب بڑی خوبی سے اس شعر کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے شعر میں بھی انسانی احساس کو پیش کیا ہے۔ اور بہت ہی پرکشش انداز میں اسے بھی مختلف مواقع پر بطور تمثیل کے پیش کیا جا سکتا ہے۔ تیسرے شعر میں بھی غالب نامہ بر اور نامہ نگار دونوں کے دل کی کیفیات کو بڑی خوبی سے پیش کرتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر کہیں کوئی نامہ بر بھیجا جاتا ہے تو خط کے علاوہ زبانی بھی اس بات کی تشریح کہلا دی جاتی ہے جو کہ خط میں ہے۔ چوتھا شعر نہ صرف مشاہدۂ نفس سے تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ اس میں مشاہدۂ کائنات بھی شامل ہے۔

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب — مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے۔

غالب اس شعر میں انسان کی نفسیات کی صحیح تحلیل کرتے ہیں۔ اور بہترین مشاہدہ نفس انسانی پیش کرتے ہیں

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا — دل بھی یارب کئی دئے ہوتے

اس شعر میں غالب انسان کی کتنی پرکیف آرزو کو پیش کرتے ہیں۔ غموں کے انبار میں انسان اسے ہلکا کرنا چاہتا ہے۔ اس کیفیت کی غمازی کے لئے یہ آرزو کتنی حسین ہے ۔ کہ اگر دل بھی کئی ہوں تو شاید وہ غموں کو برداشت کرسکے۔

فرصت کاروبار شوق کسے ذوق نظارۂ جمال کہاں

غالب نے اس شعر میں زندگی کا بہترین مشاہدہ پیش کیا ہے کہ کس طرح ایک انسان اس سے لطف اندوز ہونے کیلئے فرصت پاتا ہے اور کبھی یہی زندگی اسے کچھ ایسا گھیر لیتی ہے۔ کہ وہ بالکل سست رو ہو کر رہ جاتا ہے

دیکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

یہاں بھی غالب اپنے اسی مشاہدۂ نفس سے کام لیتے ہیں۔ اور کچھ اس طرح اسے پیش کرتے ہیں کہ انسان مختلف مواقع پر یہ شعر پڑھ کر تسکین پاتا ہے اور دل محزون کو قرار دیتا ہے اور اسی بنا پر یہ شعر اور اس قسم کے دوسرے اشعار جن میں مشاہدۂ نفس کی بھرپور کیفیت ہے۔ وہ ضرب المثل بن گئے ہیں۔

بنا ہے شہہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

غالب یہاں انسان کے ایک ایسے احساس کی ترجمانی کرتے ہیں جسے روزمرہ کی زندگی میں دیکھا جا سکتا ہے انسان کتنا اتھلا ہوتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ بعض انسان کتنے سطحی ہوتے ہیں کہ وہ ذرا سے سہارے پر اپنی حیثیت بھول جاتے ہیں۔

بے خودی بے سبب نہیں غالب کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اس شعر میں غالب انسان کی ایسی کیفیت کو پیش کرتے ہیں۔ جو اس پر بارہا طاری ہوتی ہے۔ اور یہ شعر بھی اسی وجہ سے ضرب المثل۔

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

اس شعر میں غالب نے مشاہدۂ نفس انسانی کا گویا دریا بہا دیا ہے اور آدمی کے اندر جو انفرادیت ہے۔ اور اس کی شخصیت میں جو کشش ہے اور اس کے پاس خیالات کی جو دنیا ہے اس کے لئے شاید اس سے بہتر تعبیر ممکن نہیں

تھی وہ اک شخص کے تصور سے اب وہ رعنائی خیال کہاں

اس شعر میں غالب نے انسان کے اندرونی جذبات کی بہترین ترجمانی کی ہے۔ اور اس سلسلے میں ہر انسان کی دلی کیفیت کی تشریح نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ جس سے تعلق خاطر ہو۔ انسان اس کے پاس رہ کر جو لطف محسوس کرتا ہے۔ وہ اسکے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

غالب اس شعر میں بھی رنگ لائے جیسے الفاظ سے قرض کی پوری تشریح کر دیتے ہیں اور انسان کی زندگی کے گوشہ کو بے نقاب کر کے پیش کرتے ہیں۔

دونوں جہان دیکے وہ سمجھے یہ خوش رہا یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

انسان کی آرزوؤں کی وسعتوں کے لئے اس سے بہتر تعبیر شاید ممکن نہیں۔ غالب نے یہاں اس کی بلندی اور اس

کے شوق کو بڑی ہی کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور اس کی ذہنی وسعتوں اور تمناؤں کو بڑی ہی کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

بے دلی ہائے تماشہ کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق — بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

مذکورہ شعر میں غالب نے انسان کی ایک ایسی فکر کو پیش کیا ہے۔ جو بڑی نازک ہے ا سے اپنی زندگی میں کتنے ہی موقعوں پر احساس ناکامی ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ دین و دنیا دونوں جگہ وہ گھاٹے میں رہا۔ یہ شعر پڑھ کر اسے بڑی تسکین ملتی ہے اور وہ اپنے دل کی ترجمانی پاتا ہے۔ یہ شعر نفسِ انسانی کا بہترین ترجمان ہے۔

مذکورہ تمام بحث سے مقصد محض یہ تھا۔ کہ غالب کے یہاں انسان کے جذبات اور احساسات کا گہرا مشاہدہ پایا جاتا ہے۔ اس کو ان ہی کے کلام کا سہارا لے کر پیش کیا جائے۔ اور اہلِ نظر کی خدمت میں درخواست کی جائے کہ وہ کلام غالب کو اس نقطۂ نظر سے دیکھیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔

مطبوعاتِ انجمن

سرشار کی ناول نگاری
ڈاکٹر لطیف حسین ادیب

رتن ناتھ سرشار اردو کے عظیم ناول نگار ہیں۔ ان کی حیات اور کارناموں پر گنتی کے چند مضامین لکھے گئے ہیں اور وہ بھی نہایت تشنہ۔ ڈاکٹر ادیب نے بڑی محنت سے اس کتاب میں سرشار کے حالات زندگی اور تصانیف پر روشنی ڈالی ہے۔ اس تحقیقی مقالے پر مصنف کو الہ آباد یونی ورسٹی نے پی ایچ ڈی کی سند عطا کی تھی۔

قیمت : چھ روپے پچاس پیسے

سودا
شیخ چاند مرحوم

اردو تنقید و تحقیق میں شیخ چاند کی ذات شعلۂ مستعجل کی حیثیت رکھتی ہے۔ مرحوم نے بہت کم عرصے میں بعض ایسی تحریریں ہمارے ادب کو دیں جو علمی و ادبی اعتبار سے بہت بلند پایہ ہیں۔ یہ ایک تحقیقی مقالہ ہے جس میں مرزا رفیع السودا کے حالات زندگی اور کلام پر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب ایک عرصے سے نایاب تھی، اب دوسرا ایڈیشن شائع کیا گیا ہے

قیمت : چھ روپے

آرٹ اِن اردو پوئٹری (انگریزی)
شہاب الدین رحمت اللہ

اس میں اردو زبان کی تاریخ اور شاعری کا ارتقا نیز اہم شعراء کے منتخب اشعار کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ مؤلف، مصوّر بھی ہیں اور انہوں نے بعض اشعار کو تصاویر کی صورت میں بھی ڈھالا ہے۔ کتاب بڑے سائز پر نہایت نفاست سے طبع کی گئی ہے۔

قیمت چھ روپے پچھتر پیسے

مقالات حالی (اول)
مولانا الطاف حسین حالی

مولانا الطاف حسین حالی مرحوم کے علمی، ادبی اور دینی مضامین جو مختلف اخباروں اور رسالوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے تھے ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ قیمت : تین روپے

ملنے کا پتہ:

انجمن ترقی اردو۔ بابائے اردو روڈ۔ کراچی ۱

پروفیسر محمد مسعود احمد
گورنمنٹ ڈگری کالج۔ کوئٹہ

عبدالرشید خاں لائق

کوئی بتلاتا نہیں نام و نشانِ لائق
دشتِ غربت میں خدا جانے کہاں تک پہنچے

حضرت عبدالرشید خاں لائق جھجر میں پیدا ہوئے جو انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل شرافت و فضیلت کا گہوارہ تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ریاست پاٹودی میں سلسلۂ ملازمت کا آغاز ہوا اور ترقی کرتے کرتے مجسٹریٹ درجہ اول کے عہدے پر فائز ہوئے۔ شعر و سخن سے دلی لگاؤ تھا۔ نواب سراج الدین احمد خاں سائل (۱۸۶۵ء — ۱۹۴۵ء) سے شرفِ تلمذ حاصل کیا جو نواب مرزا داغ دہلوی (۱۸۳۱ — ۱۹۰۵) کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ شعر گوئی میں کمال حاصل کیا اور ایک دیوان "مشغلۂ خلوت" کے نام سے ترتیب دیا۔ یہ قلمی دیوان اب تک شائع نہ ہوسکا اور ان کے صاحب زادے محترم عبدالقیوم خاں صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ موصوف کراچی کے ریڈر ہیں۔ ان کی عنایت سے راقم کو مطالعے کا موقع ملا۔

حضرت لائق نے دیوان مذکور کے دیباچے میں اپنے حالاتِ زندگی کا بھی ذکر کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سے چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کر دیے جائیں۔

(۱)

یہ ہیچمداں شہر جھجر ضلع رہتک کے ایسے خاندان کا فرد ہے کہ جس کے علم و فضل کا شہرہ خاص شہر ہی میں نہیں بلکہ اطراف و اکناف میں شہرت لئے ہوئے تھا۔ اس گھرانے کا ہر ایک مرد اور عورت صاحبِ علم ہونے کے باوجود حافظِ قرآن بھی تھا اسی وجہ سے یہ گھرانا [illegible] کے نام سے مشہور [illegible] یہ خاکسار ایسے بزرگ اور باعمل ستیوں کا [illegible] [illegible] ان کی یاد آنسوؤں سے خراجِ تحسین لیتی ہے۔ ۱۸۵۷ء میں جو کچھ گزرا وہ بزرگ خوب ہی جانتے تھے جن پر گزری لیکن اس خدمت پر یہ اثر پڑا کہ ۳۰۰۰ (تین ہزار) بیگہ اراضی علاوہ ملکی جائداد اور [illegible]

دھونے پڑے۔ مجبوراً حصولِ معاش کے لئے ملازمت اختیار کرنی پڑی -

(۲)

ریاست پاٹودی میں سلسلۂ ملازمت کا آغاز اس طرح پر ہوا کہ حافظ عبد التسلیم خاں (رحمۃ اللہ علیہ) کے والد بزرگوار اس خاندان کے نانا حافظ عبد العزیز خاں بعد مفسدہ غدر ۱۸۵۷ء نواب محمد اکبر علی خاں بہادر والیِ ریاست پاٹودی کے چار صاحبزادوں۔ محمد تقی علی خاں، محمد جعفر علی خاں، محمد صادق علی خاں اور محمد عنایت حسین خاں کے اتالیق مقرر ہوئے اور پھر نواب محمد مختار حسین بہادر پسر نواب محمد تقی علی خاں بہادر کے زمانہ میں ان کے میر منشی مقرر ہوئے۔ نواب صاحب بہادر مذکور کی وفات پر وہ پنشن پر ریٹائر ہو گئے ایک عہدہ [illegible] تھی کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے صاحبزادے حافظ عبد التسلیم خاں کو ریاست میں ملازمت مل گئی جو بڑھتے بڑھتے تحصیلداری سے ۱۹۰۹ء میں پنشن پر واپس ہوئے -

(۳)

اس کمترین نے اپنی دس بارہ برس کی عمر تک وہ صدمہ اٹھائے، ایک ایک کر کے اس خاندان کی محترم اور بزرگ ہستیاں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ ابھی بارہ سال کا بھی نہ ہوا تھا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر والدین کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا ـــــ بالآخر اسی وادیٔ غم و رنج میں خداوند تعالیٰ نے ایک فرشتۂ رحمت بھیجا۔ جس کا اسمِ گرامی حافظ عبد التسلیم خاں تھا جو ہمارے ماموں تھے۔ جنھوں نے ہم بیکسوں کو آغوشِ پدری میں لیا۔ ہم مڈل پاس کر چکے تھے۔ باقی تعلیم کی تکمیل ان ہی بزرگوار نے کرائی۔ کچھ عرصہ کے بعد سلسلۂ ملازمت میں شامل ہو گئے۔ ابھی گرم و سرد زمانہ کی طاقت آنے بھی نہ پائی تھی کہ حضرت موصوف بھی رحلت فرما کے عالمِ جاودانی ہوئے۔ خدا ان کی مغفرت کرے۔ [illegible] ابھی زخم دل آ رہے ہی تھے کہ برادر مکرم احمد سعید خاں ـــــ جوان العمری [illegible] برادر مکرم کے بچوں اور اپنے متعلقین کی خبر گیری اور ـــــ خدمت کے لئے قدرت کاملہ نے اس خاکسار کو منتخب کیا ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

(۴)

۱۹۴۸ء کی ایک رات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی کہ خواب میں کسی بزرگ نے ایک بوتل مجھ کو دی اور باصرار فرمایا کہ اس کو پی جا۔ میرے ذہن میں تھا کہ یہ بوتل شراب کی ہے لیکن اس بزرگوار کے رعب سے

مرعوب ہو کر میں اس ساری بوتل کو پی گیا۔ پریشان تھا کہ اب نشہ ہوگا۔ صبح کی نماز کیسے پڑھوں گا۔ اسی
شش و پنج میں آنکھ کھل گئی۔ اُٹھ بیٹھا۔ معلوم کیا کہ صبح کی نماز کا وقت ہے۔ دو تین منٹ تک
اسی خمار میں رہ کر وضو کیا۔ نماز پڑھی، متردّد تھا کہ خدا یا معاملہ کیا ہے۔ چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ
حضرت ابو المعظم مرزا سراج الدین احمد خاں سائل پاٹودی میں قیام کے خیال سے تشریف لا رہے
ہیں۔ تشریف آوری پر سلام کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ یہ حضرت میرے بزرگوں سے اور خاص کر
حافظ عبدالسلیم خاں صاحب تحصیلدار مرحوم و مغفور سے خاص موانست اور قلبی محبت رکھتے تھے۔
حاضر ہوتے ہی آغوش میں لے لیا۔ اس بوتل شراب کی تعبیر اب سمجھ میں آئی۔ یہی میری سخن گوئی کا آغاز ہے

(۵)

حضرت لائق نے اپنے دیوان میں بھی فیض صحبت کا ذکر کیا ہے اور خوب تعریف کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

فیض صحبت سے میں لائق ہو گیا　　مہربانی ہے مرے استاد کی

سائل جسے کہتے ہیں وہ شہباز ادب ہے　　دلّی میں نمونہ ہے وہ مردان سخن کا　　(ص ۸۷)

بس داغ سائل خوش بیاں، بس داغ بیخود دہلوی
نہیں اس میں کوئی مبالغہ سخن آفریں ہے ادیب ہے　　(ص ۱۲۵)

تبرک جان لے باقی ہے سائل　　زباں دانی کا یہ روح رواں ہے　　(ص ۱۵۲)

سائل کے التفات کا لائق ہے مدح خواں
اصلاح دے کے اس کو سخنور بنا دیا۔　　(ص ۶۲)

حضرت لائق نے اپنے دیوان میں اپنے استاد کے مختصر حالات زندگی بھی لکھے ہیں۔ اور چند غزلیں بھی لکھی ہیں
جو حضرت سائل نے ان کو فی البدیہہ لکھوائی تھیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کا لب لباب پیش کر دیا جائے۔

(۶)

محمد سراج الدین احمد خاں اسم گرامی۔ کنیت ابو المعظم اور خاندانی لقب نواب تھا۔ ۱۸۶۴ء / ۱۲۸۱ھ میں
دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا نام مرزا شہاب الدین احمد خاں تھا جو ثاقب تخلص فرماتے تھے۔ نواب سراج
الدین احمد خاں ابھی پانچ سال چند ماہ کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ آپ کے جد امجد نواب مرزا ضیاء الدین احمد خاں
تخلص بہ نیر و رخشاں والی ریاست لوہارو نے اپنے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھایا۔ چونکہ نواب صاحب موصوف

علم نجوم میں مہارت رکھتے تھے اس لئے انھوں نے پوتے کا نام ابوالمعظم جیسں قدر رکھا۔ لیکن خاندانی نام سراج الدین احمد خاں ہی رہا جو مرزا اسد اللہ خاں غالب نے رکھا تھا۔

سائل مرحوم نے ۱۷ سال کی عمر میں عربی اور فارسی کی اچھی استعداد پیدا کر لی تھی۔ چنانچہ تعلیم سے فراغت کے بعد میدان شاعری میں قدم رکھا۔ ابتداء میں ان حضرات سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ نواب غلام حسین خاں محو، مرزا عبد الغنی ارشد گورگانی، اور مرزا سعید الدین احمد خاں بہادر طالب۔ بعد میں مرزا داغ سے شرف تلمذ حاصل کیا بلکہ مرزا داغ کی نسبتی صاحب زادی سے سائل مرحوم کا عقد ثانی ہوگیا۔ چنانچہ مدتوں حضرت داغ کی خدمت میں رہ کر فیض سخن حاصل کیا۔ سائل مرحوم نے اپنے محسنین کا اس انداز سے ذکر کیا ہے ؎

تاج ارشد، جام غالب، ماہ داغ
سائل اندر کاسہ دارد سہ چراغ

دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

ظہیر و غالب و ارشد کا ہوں جگر گوشہ
جناب داغ کا تلمیذ و یادگار ہوں میں
امیر کرتے ہیں عزت مری ہوں وہ سائل
گلوں کے پہلو میں رہتا ہوں ایسا خار ہوں میں

۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء میں دہلی میں حضرت سائل کا وصال ہوا۔ حضرت لائق نے ان کا مرثیہ لکھا ہے جو دیوان میں شامل ہے۔ ابتدائی بند :-

واحسرتا کہ مخزن علم و عمل گیا | ہاتھوں سے اپنے معدن معنی نکل گیا
دردا کہ ذوق و داغ کا نعم البدل گیا | سائل اٹھا کے جور و جفائے اجل گیا

بزم ادب کی شمع زمانہ بجھا گیا
اردو کو جس پہ ناز تھا وہ بھی مٹا گیا

(۷)

حضرت لائق نے اپنے دیوان میں اپنے استاد کی چند غزلیں نقل کی ہیں جو انھوں نے فی البدیہہ لکھوائی تھیں۔ چونکہ یہ کلام غیر مطبوعہ ہے اس لئے اہمیت سے خالی نہیں۔ یہاں چند منتخبہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

خموشی میری میرے حال دل کی ترجماں ہوگی
دہن سے آہ کیوں نکلے گی، لب پر کیوں فغاں ہوگی

ستمگاری میں اونچا ہے ترا افلاک سے رتبہ
زمیں پر کیوں ترے ہوتے جفائے آسماں ہوگی

تری چین جبیں غماز ہے تیرے ارادوں کی
ترے دل میں نہاں جو بات ہوگی وہ عیاں ہوگی

ہلال عید چمکا ہے کلید میکدہ بن کر
خرابات مغاں میں عید مسجد سے جواں ہوگی
جو ہوگا فیضیاب بلبل ہندوستاں سائل
تو شستہ انگبیں و قند سے اس کی زباں ہوگی

(۸)

نواب پاٹودی نے بزم ادب قائم کی تھی ۔ سائل مرحوم اس کے صدر تھے اور لائق مرحوم اس کے سکریٹری طرح کافی عرصہ ادبی مجلسیں ہوتی رہیں ۔ اکتساب فیض کی ایک یہ صورت بھی نکل آئی ۔ ویسے سائل مرحوم پاٹودی قیام کے دوران روزانہ عصر کے بعد حضرت لائق کی کوٹھی پر تشریف لاتے ۔ تھے اپنے مخصوص رکشا میں سوار ہوتے ہم نے بچپن میں دیکھا ہے ۔ دراز قامت ۔ فرشتہ صورت اور نیک خصلت بزرگ ۔ تھے ۔ نور کا پتلا معلوم ہوتے تھے دی میں جو بزم ادب قائم ہوئی تھی اس کا ذکر حضرت لائق نے دیباچہ میں اس طرح کیا ہے ۔

> عالی جناب نواب محمد افتخار علی خان بہادر فرماں روائے ریاست پاٹودی کے علم دوست ہونے کا یہ بین ثبوت ہے کہ اس محترم ہستی نے حضرت سائل سے اکتساب فیض کا یہ ذریعہ نکالا کہ بزم ادب پاٹودی میں قائم کردی ۔ حضرت سائل پریسیڈنٹ اور رزدان بہادر شیخ عالم علی صاحب ایم ۔ بی ۔ ای (دیوان ریاست پاٹودی) وائس پریسیڈنٹ اور اس ہیچمداں کو سکریٹری بنایا ۔ دیگر اصحاب ذوق ممبر ہوئے ۔ ہر اتوار کو بزم آراستہ ہوتی تھی ۔ مصرع طرح عالی جناب نواب صاحب بہادر کی طرف سے دیا جاتا تھا ۔

(۹)

حضرت لائق مرحوم نے جو غزلیں وغیرہ لکھیں تھیں وہ منتشر حالت میں پڑی تھیں ۔ محمد شفیع خاں صاحب شوق کی دین و ترغیب پہ دیوان مرتب کیا ۔ جس کا نام مشغلۂ خلوت رکھا ۔ اس مجموعۂ کلام پر جو تقریظ ہے وہ بھی

محمد شفیع خاں شوق کی لکھی ہوئی ہے ۔ اس میں لائق مرحوم کی سیرت پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ ضروری اقتباس پیش کیا جاتا ہے :-

جناب لائق دنیا کی دوڑ میں اپنی قوت بازو اور فضل خدا سے کامیاب رہے ۔ عہدۂ تحصیلداری سے پنشن پائی اور فرسٹ کلاس مجسٹریٹ اور عہدۂ سب ججی پر کام کرتے ہیں ۔ جس حال میں رہے شیوۂ تقلید اور روش عام سے پرہیز رہا اور دل کو لہو و لعب سے نفور ، اپنی راہ خود نکالی ، کسی دوسرے کے نقش قدم کی تلاش نہ کی ، بلکہ اپنے نقش قدم دوسروں کی رہنمائی کے لئے چھوڑ رہے ۔ اخلاق و سیرت کا یہ عالم ہے کہ ہمیشہ اپنے ضمیر کی آواز پر عمل کیا ، پالیسی کو استقامت علی الحق اور صدق کی ٹھوکر سے ٹھکرائے ہی رکھا ، مطالعہ کے دلدادہ ، انضباط اوقات کے پابند ۔ جب دیکھا کسی نہ کسی شغل میں مشغول دیکھا ، سستی کاہلی سے نفرت ، عام صحبت میں کبھی وقت نہیں گزارتے ۔ جب طبیعت جب کتب بینی سے گھبرا جاتی ہے تو تنہا ٹہلنے لگتے ہیں ۔ (ص ۔ ۱۰)

(۱۰)

۱۹۴۷ء کے فسادات نے آبادیوں کو اجاڑا اور ویرانوں کو بسایا ۔ جناب لائق بھی حادثات کی زد میں آئے اور ترک وطن پر مجبور ہوگئے ۔ چنانچہ پانودی سے ہجرت کرکے پاکستان آکر لائل پور میں بس گئے ۔۔۔ دلی سے ہجرت کے بعد لکھنؤ آکر میر تقی میر نے جو کچھ محسوس کیا تھا ۔ وہی جناب لائق نے وطن عزیز کو الوداع کہہ کر یہاں محسوس کیا ہے ۔ ان کی ایک نظم ترجمان دل ہے :-

کیا پوچھتے ہو سندھ کے انصار کہا ہو!
ہم کو غریب جان کے ، انجان دیکھ کر
پانودی ایک شہر تھا مشہور خاص و عام
ہر جا تھی شادمانی و ہر کوئی شاد کام
چشم فلک نہ دیکھ سکی اس کو اک نظر
اس کے مکین کر دئے ہر جا پہ در بدر
فرقت نصیب ہیں کہ مہاجر ہیں جو کہو
ہم رہنے والے ہیں ، اسی شہر و دیار کے (۷ر جولائی ۱۹۵۰ء)

فسادات کے زمانے میں جو کچھ جناب لائق نے دیکھا اس کو بعض اشعار میں بیان کیا ہے ۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں :-

ہماری آنکھوں میں ہیں وہ منظر خدا دکھائے نہ پھر کسی کو
اُجاڑا کس کس طرح سے ظالم ہمارا آباد آشیانہ (۲۱ر ستمبر ۱۹۵۱ء)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

قدم قدم پہ بلاؤں نے چوسے اپنے قدم
مجھے تو یاد ہے اتنا ، شمار کر نہ سکا (۳۰ر اکتوبر ۱۹۵۰ء)

دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

نہ پوچھ ہم نشیں اپنی حالت کہ اب تو ہمارے مخالف ہوا ہو رہی ہے
وطن سے نکالا کہاں لا بسایا ! یہ تعمیل حکم قضا ہو رہی ہے (۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۰ء)

الغرض زمانہ کے حادثات نے جناب لائق کو مضمحل کر دیا - خود فرماتے ہیں -

حوادث نے اسے افسردہ خاطر کر دیا کتنا
شگفتہ پھول تھا لائق محبت کے گلستاں کا (ص - ۲۲)

مگر اس کے باوجود وطن عزیز کو فتح کرنے کا جذبہ ان کے دل میں کروٹیں لے رہا تھا - چنانچہ کہتے ہیں :-

دعا لائق کی ہے یارب طفیل احمد مرسل
کہ ہم فاتح ہوں پھر اس کے کہ جس کا نام بھارت ہے

(۶ر مارچ ۱۹۵۰ء)

ان حادثات نے ان کے انداز فکر پر بھی اثر کیا ، اب وہ اس طرح سوچنے لگتے ہیں :-

ادیب کامل کا ہے یہ منصب جگائے قوموں کو وقت دیکھے
قلم اُٹھایا بھی گر کسی نے تو پھر وہی طرز عاشقانہ

(۲۱ر ستمبر ۱۹۵۱ء)

لیکن افسوس جناب لائق نے وطن عزیز کو فتح کرنے کا جو خواب دیکھا تھا وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور تقریباً ستر سال کی عمر میں ۱۹۵۳ء میں کراچی میں وفات پا گئے ؎

کوئی بتلاتا نہیں نام و نشاں لائق
دشت غربت میں خدا جانے کہاں تک پہنچے

(۱۱)

جناب لائق کا دیوان دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ جو انھوں نے خود مرتب کی ہیں۔ پہلی جلد کے سرورق پر لکھا ہے۔

مشغلۂ خلوت
معروف بہ دیوان لائق

خلوت میں آکے تجھ کو سناؤں میں دردِ دل
فرقت میں تیری مجھ پہ نہ کیا کیا گزر گئی

اس کے بعد 'پیرایۂ آغاز' کے عنوان سے مصنف کا مقدمہ ہے، جو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ پھر محمد شفیع خاں شوق کی تقریظ ہے جو تین صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ ۱۱ سے ۳۹ تک مصنف کی چند منثور چیزیں ہیں، ۴۳ سے ۴۶ تک چند منظوم تاریخیں ہیں۔ ۴۹ اور ۵۰ پر کچھ فارسی کلام ہے۔ صفحہ ۵۵ سے اردو کلام شروع ہوتا ہے جو حروفِ تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ جلد ۱۵۸ صفحات پر مشتمل ہے اس میں بیشتر غزلیات ہیں۔

دوسری جلد کا حجم بھی اتنا ہی ہے۔ اس کی ابتدا میں دیوان اول کی ردیف 'ی' کی چند غزلیات ہیں اس کے بعد قصائد اور نظموں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) قصیدہ در مدح شیخ عالم علی دیوان ریاست پاٹودی (متوفی ۱۹۶۷ء) (۲) قصیدہ در تہنیت خطاب خان بہادر شیخ ممدوح (۳) قصیدہ بتقریب سالگرہ نواب محمد افتخار علی خاں بہادر فرماں روائے ریاست پاٹودی (متوفی ۱۹۵۲ء) (۴) خطاب از حرص و آز (۵) معروضہ بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (۶) خطاب از معشوقہ شباب رفتہ (۷) جواب از معشوقہ سن رسیدہ (۸) انقلاب زمانہ (۹) مثنوی برگِ خزاں دیدہ (۱۰) نامۂ لیلیٰ بنام مجنوں (۱۱) مناجات اکبری (۱۲) مثنوی یادِ رفتگاں (۱۳) شملہ در خواب (۱۴) ایک رفیق کی بے وقت موت (۱۵) ترانہ (۱۶) گویائی کفش بے زباں (۱۷) مرثیہ استاد سائل (۱۸) بپاسِ خاطر برخوردار عبدالقیوم خاں (۱۹) خطاب از جواں مرد پاکستان (۲۰) عریضۂ منظوم بنام استاد سائل (۲۱) مناظرہ امید و یاس (۲۲) سپاسنامہ بدرگاہ ایزد متعال (۲۳) میرے گملے کا آخری پھول (۲۴) گویائی تصویر (۲۵) ارتقا (۲۶) ترانہ وداعی (۲۷) مبارکباد بتقریب سالگرہ نواب محمد افتخار علی خاں (۲۸) خمسہ (۲۹) یادِ وطن (۳۰) گلۂ بخت بیدار (۳۱) آوازۂ دل (۳۲) متفرقات (اس میں وہ غزلیات بھی شامل ہیں جو پاکستان آکر مختلف مشاعروں میں پڑھیں)۔

(۱۳)

اس وقت صرف دیوان لائق کی پہلی جلد کو سامنے رکھ کر کچھ عرض کیا جائے گا، دوسری جلد پر پھر کسی
وقت میں تبصرہ پیش کیا جائے گا۔

جناب لائق کے سامنے تلاش و جستجو کا اہم مرحلہ ہے۔ ان کے نزدیک شاعر وہی ہے جس نے مرحلۂ شوق
طے کرلیا۔ خوب کہا ہے ؎

قلزم معنی میں غواصی کوئی آسان نہیں ۔ شعر کہنا ڈھونڈنا موتی ہے جوئے شیر میں (ص ۱۰۴)

"جوئے شیر میں موتی ڈھونڈنا" نادر تشبیہ ہے۔ وہ الفاظ کی الٹ پھیر کو شاعری نہیں سمجھتے۔ بلکہ شاعری وہ ہے،
بلندیٔ فکر و نظر کی آئینہ دار ہو۔ وہ بلندیٔ فکر جو افق آسمانی پر اپنی کمند ڈالے۔ اسی لئے فرماتے ہیں ؎

تنویر مہر دیکھی افق پر تو یہ کہا
میرے ہی مرغ فکر کا یہ آشیاں نہ ہو (ص ۱۱۷)

جناب لائق کا کلام متنوع مضامین پر مشتمل ہے۔ حمدیہ بھی ہے اور نعتیہ بھی، متصوفانہ بھی ہے اور عاشقانہ بھی۔
ملاقیانہ بھی ہے اور فلسفیانہ بھی۔ خمریہ بھی ہے اور بہاریہ بھی ـــ مثلاً حمد باری تعالیٰ میں یہ اشعار ملتے ہیں ؎

سر بسجود ہے قلم کیا وہ لکھے صفات میں
حمد و ثنا نہ بن پڑی گزری تحیرات میں (ص ۱۰۶)

تجھے کیا ڈھونڈوں میں کہاں نہیں، ترا بھید مجھ پہ کھلا نہیں ۔ ہے ظہور تیرا جہان میں، دلِ ذات تیری بہک نہی۔ (ص ۱۵۳)
شمس و قمر کا صدقہ پھر دل کو روشنی دے ۔ رحمت کو اپنی ہر دم پھر اذن رہبری دے (ص ۱۱۸)

نعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ اشعار ملتے ہیں ؎

مدینہ کا کرنا سفر دھیرے دھیرے ۔ ادب سے چلو تم ادھر دھیرے دھیرے
چلو ری سکھی ہم چلیں اب مدینے ۔ بہاتی چلیں چشم تر دھیرے دھیرے
ابھی خواب راحت میں ہے وہ پیارا ۔ ذرا کھولنا اس کا در دھیرے دھیرے

جناب لائق کو تصوف سے خاص لگاؤ تھا۔ ان کے ہاں اس موضوع پر بھی اشعار ملتے ہیں۔ مثلاً یہ اشعار ؎

کشف قلوب ہے یہی پہلے تو دل کو صاف کر
پھر تو ہی خود کو دیکھ لے عین تجلیات میں (ص ۱۰۶)

یہی بات علامہ اقبال نے بڑے دلنشیں پیرائے میں یوں کہی ہے ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی ۔ تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

حضرت لائق جونپوری توکل شعاری کو بے نیازانہ انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

آزاد منش ہوں مرا مسلک ہے توکل
بھولے سے بھی پوچھا نہ کبھی راہ خضر سے

مرزا غالب خضر کو رفیق راہ بنانے کے لئے تیار ہیں ؎

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں   جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

مگر جناب لائق، رفیق راہ بنانا تو بڑی بات ہے بھولے سے بھی راستہ پوچھنا گوارا نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک انسان کا قلب خود اس کا رہنما ہے، فکر و تعمق کی ضرورت ہے۔ (باقی آئندہ)

اختر شہنشاہی

اشاریہ

(۵)

۵۹۹ گلدستۂ سخن :- آگرہ... ماہواری، ۱۲ ورق خورد، شعر و سخن کا رسالہ... مالک احمد خاں صوفی... ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۲ء

۶۰۰ گلدستۂ نتیجۂ سخن :- کلکتہ... ماہواری، ۱۲ ورق خورد... مالک شیخ محمد وزیر، ایڈیٹر و مہتمم حکیم عبدالصمد کانپوری... یکم فروری ۱۸۸۶ء

۶۰۱ گلدستۂ حکمت :- لاہور، ماہواری، ۱۱ ورق خورد... مالک حکیم احمد الدین... یکم جولائی ۱۸۸۵ء

۶۰۲ گلدستۂ نعتیہ :- ضمیمہ اخبار افسوں، رائے پور تھانہ قائم گنج، ضلع فرخ آباد، ماہواری، ۴ ورق خورد۔ اشتہار یکم جولائی ۱۸۸۶ء

۶۰۳ گلدستۂ ناز :- بمبئی... ماہواری، شعر و سخن کا رسالہ، ۱۰ ورق خورد... مالک بلقیس جہاں بیگم ایڈیٹر فاطمہ بیگم۔
۱۰ جون ۱۸۸۴ء۔ اس گلدستہ کو جاری ہوئے پانچ برس ہوئے ابتک نام دطبع نہیں لکھا جاتا

۶۰۴ گلدستۂ نفائس :- مقام صاحب گنج، ضلع گیا۔ ماہواری، ۱۲ ورق خورد... مالک ادمیش چندر سرکار... ۱۸۸۶ء

۶۰۵ گلدستۂ سارن :- ضلع سارن۔ حسب فرمائش۔ سید نورالحسن خاں۔ ۱۸۸۵ء

۶۰۶ گلکدۂ ریاض :- خیرآباد... مالک سید ریاض احمد ریاض رئیس... ۱۸۸۹ء

۶۰۷ گلکدۂ شفق :- سید پور، ضلع غازیپور، ماہواری، ۸ ورق، شعر و سخن کا رسالہ... مالک شیو پرشاد، مہتمم محمد یسین شفق ۸ فروری ۱۸۸۳ء

۶۰۸ گلکدۂ زینت سخن :- آگرہ... ماہواری، ۸ ورق خورد، مالک مرزا اشتیاق حسین تخلص اثنا عشری مہتمم عاشق حسین بزم۔ ۱۸ ستمبر ۱۸۸۳ء

۶۰۹ گلکدۂ بہار :- قصبہ سہسوان ضلع بدایوں ماہواری، ۸ ورق خورد، شعر و سخن کا رسالہ، مالک حافظ متین خاں متین یکم اپریل ۱۸۸۵ء

۶۱۰ گلکدۂ مشتاق :- حیدرآباد... ماہواری، ۸ ورق خورد، مالک مشتاق احمد اشتہار۔ ۱۵ جون ۱۸۸۲ء

۶۱۱ گنج شائگان :- لاہور، ماہواری، ۸ ورق اوسط، رسالہ منتخب فیصلہ جات و احکام و سرکلرات و ایکٹ ہائے
قانون ہند کا سالار... مالک ہرسکھ رائے، مہتمم فضل الدین۔ ۱۸۶۰ء

۶۱۲ گنجینۂ نفائس :- ترجمہ انڈین لا رپورٹ، ماہواری، ۸۰ ورق اوسط... مالک ہرسکھ رائے۔ مترجم خواجہ احمد حسن
مہتمم چرنجی لال۔ یکم جنوری ۱۸۷۱ء

۶۱۳۔ **گنجینۂ علوم**:۔ مراد آباد، ماہواری، ۱۵ ورق خورد۔ جس کو برٹش انڈین ایسوسی ایشن نے ترجمہ کرکے مشتہر کیا۔ گنگا پرشاد سکریٹری، قاضی احتشام الدین، ڈرو غہ انجمن۔۔۔ ۱۳ دسمبر ۱۸۶۸ء

۶۱۴۔ **گنجینۂ احکام**:۔ مراد آباد۔ ماہواری، ۲ ورق خورد کا رسالہ قانونی۔ مالک خیام سروپ، مہتمم سید ضیاء الدین حسین۔ یکم جولائی ۱۸۶۹ء

۶۱۵۔ **گنجینۂ قانون**:۔ لاہور۔ ماہواری، ۵ ورق خورد کا قانونی ہندی رسالہ۔ مجاریہ پنڈت سورج بھان، مہتمم بادا سنگھ۔ جولائی ۱۸۶۵ء

۶۱۶۔ **گجرات پنچ**:۔ گجرات کا اخبار۔ اشتہار یکم اکتوبر ۱۸۸۶ء

۶۱۷۔ **گوالیار گزٹ**:۔ گوالیار، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط۔۔ حسب ارشاد مہاراجہ جیاجی راؤ سندھیہ مہتمم لچھمن داس، ناظم ایڈیٹر پنڈت اوماچرن۔۔۔ ۱۸۵۲ء

۶۱۸۔ **گورنمنٹ گزٹ مغربی و شمالی**:۔ یہ گزٹ ۱۳ مارچ ۱۸۵۶ء کو ۸ ورق اوسط۔۔ پر۔۔۔ آگرہ سے حسن بخش۔۔۔ نے باہتمام پنڈت کیسری داس جاری کیا۔۔ بعد اسکے ۱۹ نومبر ۱۸۵۹ء کو الہ آباد اٹھ آیا۔ اور باہتمام چارلس ایل برٹ ڈاڈ۔۔۔ شائع ہونے لگا۔

۶۱۹۔ **گورنمنٹ گزٹ پنجاب**:۔ لاہور، ۹ ورق خورد۔ پیارے لال کیوریٹر۔ پہلے ۱۱ ورق خورد پر باہتمام شب نراین۔۔ ۱۸۶۳ء

۶۲۰۔ **گورگانو اخبار**:۔ گورگانو، پنجاب۔ مالک ہرجیون لال۔۔ ۱۸۶۳ء

۶۲۱۔ **گردس گزٹ**:۔ ملن شہر۔۔ ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں۔۔ مالک گنگا سہائے۔۔۔ یکم جنوری ۱۸۸۲ء

۶۲۲۔ **گوہر**:۔ کلکتہ پہلے اسکا نام گوہر نجفی ہوا۔ دوسری بار گوہر شاداب مقرر کیا۔ تیسری بار گوہر رکھا گیا۔ ۲ ورق کلاں۔۔ ہفتہ وار، مالک نجف علی گوہر رامپوری، مہتمم حکیم ناظر حسین ناظر۔۔۔ ۱۹ نومبر ۱۸۸۳ء

۶۲۳۔ **گتورکشا**:۔ بجوارہ، ضلع ہوشیار پور، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط۔۔۔ مالک سندری خاں۔۔۔ مہتمم و محاسب بادا ارجن سنگھ۔۔۔ ۲۰ جنوری ۱۸۸۴ء

۶۲۴۔ **گور کایستھ**:۔ یہ اخبار قومی ہے سوائے قوم گوڑ کایستھ کے کسی کو نہ دیا جائے گا۔۔۔ الہ آباد، ماہواری، ۴ ورق خورد۔ مہتمم مدن لال۔۔۔ ۱۸۸۴ء

۶۲۵۔ **گیاودی پترکا**:۔ ماہواری، ۴ ورق خورد، ناگری شرک۔۔۔ باہتمام پنڈت مکند رام۔۔ اشلوک ہائے اصل صحائف قدیم سنسکرت مع ترجمہ بزبان بھاشا اور بیان معانی شرتی ہائے بید و غیرہ بہ تشریح اور مضامین شاستر ہائے معرفت و حقائق و علمی و عقلی و مواعظ۔۔۔ درج ہوتے ہیں۔ یکم جون ۱۸۶۵ء

---

۶۲۶ **لارنس گزٹ**:۔ میرٹھ۔۔۔ ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں۔۔۔ مجاریہ سید جمیل الدین ہجر۔ مالک سید اقبال الدین احمد۔۔۔ ایڈیٹر مشتاق احمد۔۔ ۱۸۶۴ء

۶۲۷ لائل گزٹ:۔ میرٹھ۔۔ ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں۔۔۔ بیادگار سرالفرڈ لائل لفٹنٹ گورنر۔۔۔ یکم فروری ۱۸۸۳ء
۶۲۸ لاہور گزٹ۔ لاہور، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط۔۔۔ مالک دیدار بخش۔۔۔ ۷ مارچ ۱۸۸۵ء
۶۲۹ لامع النور۔ جونپور۔۔۔ ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط۔۔۔ مجاریہ حافظ عبداللہ خاں مرحوم۔۔۔ ۱۸۷۴ء
۶۳۰ لمحات الاخلاق:۔ ہانسی بریلی۔۔۔ ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط۔ مالک حکیم سید امداد حسین رضوی۔۔۔ یکم اپریل ۱۸۸۷ء
۶۳۱ لطیف الاخبار۔ بمبئی، ہفتہ وار، چار ورق اوسط، مالک حافظ عبادعلی۔۔۔ ۱۸۶۴ء
۶۳۲ لطیف الاخبار۔ گورکھپور۔۔۔ ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط، مالک عبداللطیف خاں، ایڈیٹر خواجہ محی الدین لکھنوی ۱۳ اکتوبر ۱۸۸۶ء
۶۳۳ لخت جگر۔ کلکتہ۔۔۔ ماہواری، ۳ ورق خورد پر گلدستہ محمد عمر ناخدا نے۔۔۔ باہتمام سید عبدالرحیم ابد۔۔۔ شائع کیا۔۔۔، ۱۰ اپریل ۱۸۸۵ء
۶۳۴ لوح محفوظ۔ مراد آباد۔ ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں، مجاریہ مہدی حسین خاں۔۔۔ ۱۸۷۰ء
۶۳۵ لکھنؤ پنچ:۔ ضمیمہ اخبار ہند لکھنؤ۔ ہفتہ وار، ۴ ورق خورد۔۔۔ مالک گوری شنکر، مہتمم اودھ بہاری لال۔ ایڈیٹر۔ عاشق لکھنوی۔۔۔ ۸ جنوری ۱۸۸۳ء
۶۳۶ لیگل ممبر نسیہ:۔ الہ آباد۔۔۔ ماہواری، ۲ ورق خورد کا رسالہ نعایرہ۔ بعاونت گورنمنٹ، مالک سید اکبر حسین وکیل ہائی کورٹ حال منصف۔ جنوری ۱۸۸۰ء
۶۳۷ لسان الملک:۔ میرٹھ، ماہواری، ۱۰ ورق خورد، انشا پردازی کا نظم رسالہ، مالک سید محمد مرتضی یزدانی وبیان، مہتمم احمد شفوق۔۔۔ ۱۰ جون ۱۸۸۷ء

۶۳۸ مطلع الانوار:۔ گجرات کا اخبار۔ مئی ۱۸۵۴ء
۶۳۹ مطلع نور:۔ کانپور، ہفتہ وار، ۶ ورق خورد۔۔۔ مالک بہاری لال، مہتمم و ایڈیٹر شیخ نبی بخش۔ ۱۸۶۹ء
۶۴۰ مطلع سخن:۔ اورنگ آباد۔ ماہواری، ۸ ورق خورد، شعر و سخن کا گلدستہ۔ مہتمم بشیر الدین۔
۶۴۱ مجمع البحرین:۔ لدھیانہ ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط۔۔۔ مالک سید محمد شاہ۔۔۔ ایڈیٹر سید اصغر حسین۔۔۔ ۱۸۷۰ء
۶۴۲ مشان:۔ مقام مردو۔ ہفتہ وار، ۵ ورق اوسط، ناگری خورشک۔۔۔ ۱۸۸۹ء
۶۴۳ مجمع الفنون:۔ گوجرانوالہ۔۔۔ ماہواری، مالک گیان چند، یکم دسمبر ۱۸۶۶ء

۶۴۴ مجمع الفوائد:۔ ضمیمہ نادر الاخبار۔ مونگیر۔ ہفتہ وار، ۲ ورق خورد، مالک رام پرشاد دلشاد۔ یکم جولائی ۱۸۷۶ء
۶۴۵ مجمع العلوم والفنون:۔ لاہور، ماہواری، ۴ ورق خورد، باہتمام سلطان احمد، ایڈیٹر عبداللہ خاں۔۔۔ یکم اپریل ۱۸۸۶ء
۶۴۶ منبع العلوم:۔ لکھنؤ۔ پندرہ روزہ، چار ورق اوسط کا رسالہ قانون۔۔۔ مہتمم خیرالی لال طاہر ۱۸۷۶ء
۶۴۷ مخزن العلوم:۔ ہانسی بریلی۔۔۔، ماہواری، ۲۸ ورق۔۔۔، میر مجلس بختاور سنگھ۔۔۔ سکریٹری نواب عبدالعزیز

... یکم جنوری ۱۸۶۵ء

۶۴۸ مخزن العلوم ۔ گوجرانوالہ، ماہواری، مالک گیان چند... یکم دسمبر ۱۸۶۶ء

۶۴۹ مخزن القوانین۔ رام نگر، ضلع بنارس۔ ماہواری، ۲۸ ورق خورد... ایڈیٹر ومترجم۔ پیارے موہن بانرجی مہتمم ٹھاکر پرشاد۔ یکم جنوری۔ ۱۸۶۴ء

۶۵۰ مخزن القوانین۔ آگرہ... ماہواری، ۳۴ ورق خورد... مالک خواجہ یوسف علی ۔ مہتمم امرالدین۔ ۱۸۹۹ء

۶۵۱ مخزن القوانین۔ کلکتہ، مالک مولا بخش... مہتمم اعتقاد حسین... ۱۸۷۷ء

۶۵۲ مخزن مہابھارت۔ آگرہ... پندرہ روزہ، ۸۲ ورق خورد، ناگری مشترک... جوالا پرشاد بھارگو شرما۔ مالک ومہتمم... ۱۸۷۱ء

۶۵۳ مخزن الفوائد۔ حیدرآباد... ماہواری... ۴۰ ورق خورد... باہتمام مسیح الزماں۔ مہتمم دارالطبع سرکار عالی۔ ایڈیٹر سید حسین بی اے، بلگرامی۔ ۱۲ مئی ۱۸۷۴ء

۶۵۴ مخزن سرور۔ بمبئی... ہفتہ میں دوبار، ۲ ورق اوسط... مالک مولا بخش۔ مہتمم عبدالرحیم... ۱۸۷۸ء

۶۵۵ مخبر سرور۔ بمبئی... مالک مولا بخش، مہتمم عبدالرحیم۔ ہفتہ میں دوبار ۲۰ ورق اوسط... ۱۸۸۹ء

۶۵۶ مخبر صادق۔ لکھنؤ... مالک میر اصغر علی، ایڈیٹر مرزا اثر محب، ہفتہ دار، ۸ ورق اوسط... یکم اپریل ۱۸۸۲ء

۶۵۷ مخبر حقیقی۔ معروف بہ انتخاب زخمی۔ شیو پور ضلع کانپور۔ پندرہ روزہ، ناگری مشترک، مالک راج بہادر زخمی۔ اشتہار۔ یکم اپریل ۱۸۸۲ء

۶۵۸ مہر درخشاں۔ دہلی... ضمیمہ ناصر الاخبار۔ عشرہ دار، ۲ ورق اوسط... مالک سید نصرت علی خاں جنھوں نے بارگاہ حضرت قیصر روم سے تمغہ مجیدی حسن لیاقت کا پایا۔ ایڈیٹر ابوالمنصور سید ناصر الدین۔ یہ اخبار بھی محض رد جواب میا بیان کے شائع کیا گیا۔ ۱۸۷۴ء

۶۵۹ مہر نیمروز۔ بجنور، ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط... مالک حافظ کریم اللہ، مہتمم محب اللہ... ۱۸۷۹ء

۶۶۰ مہر ظرافت۔ لکھنؤ، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط، مالک پرن چند... ایڈیٹر رام سہائے تمنّا... ۴ ستمبر ۱۸۸۲ء

۶۶۱ مہر انتخاب۔ کلکتہ، مالک عبدالحمید حمید، مہتمم اسمعیل خاں شوکت، ماہواری، شعر و سخن کا رسالہ ۸ ورق خورد... ۱۵ جنوری ۱۸۸۲ء

۶۶۲ مہر منور۔ مظفرپور، بہار۔ پندرہ روزہ، ۴ ورق اوسط... مالک شیخ محمد جان عروج اثنا عشری فیض آبادی، مہتمم شیخ محمد حسن ضیا عرف چھوٹے صاحب۔ اثنا عشری۔ ایڈیٹر... ۱۰ جون ۱۸۸۴ء

۶۶۳ مہر منیر۔ بانس بریلی... مالک رائے چھیدی لال رئیس... ۱۸۸۷ء

۶۶۴۔ منٹو گزٹ:۔ انجمن مناظرہ، دہلی کی طرف سے، ۴ ورق اوسط پر، عشرہ وار، بیادگار۔ ایرکبیر ارل میو سابق وائسرائے۔۔۔ ایڈیٹر و مہتمم سید نصیر علی۔۔۔ جنوری ۱۸۷۲ء

۶۶۵۔ منٹو میموریل گزٹ:۔ دہلی۔۔۔ عشرہ وار، ۴ ورق اوسط۔۔ مہتمم خواجہ علی احمد خاں احراری۔۔۔ ۱۸۷۳ء

۶۶۶ میورگزٹ:۔ میرٹھ۔۔۔، ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں۔۔۔ بیادگار سر ولیم میور۔ مالک گنپتی لال، ایڈیٹر خوشوقت رائے۔۔۔، ۱۸۶۸ء

۶۶۷ مظہر الاخبار:۔ مدراس۔۔۔ عشرہ وار، ۴ ورق اوسط۔۔ مالک محمد خواجہ بادشاہ عبرت۔۔۔، ۱۸۵۶ء

۶۶۸۔ مظہر العجائب:۔ کلکتہ، مالک کبیر الدین خان۔۔۔ مہتمم عزیز الباری، ۱۸۵۸ء

۶۶۹ مظہر العجائب:۔ مدراس۔۔۔ عشرہ وار، ۶ ورق اوسط۔ مالک ابوالحامد سلطان محمود حنفی حمد۔۔۔ ایڈیٹر غلام دستگیر ۱۸۵۹ء

۶۷۰ مظہر العلوم:۔ شاہجہانپور۔۔ ماہواری ۲۲ ورق خورد، مالک سید اصغر علی، مہتمم سید فضل کریم، ۱۸۶۸ء

۶۷۱ مظہر الزراعت:۔ میرٹھ۔۔۔، ماہواری، ناگری مشترک، ۸ ورق۔۔۔ حکیم منفرب حسین خان نے باہتمام عبدالحکیم کے جاری کیا۔

۶۷۲ مظہر شوکت الاسلام:۔ بمبئی، ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں۔، مالک ابوالقاسم محی الدین کرمان۔۔۔، ۱۸۸۲ء

۶۷۳۔ مفید عام:۔ آگرہ، ۸ ورق اوسط، پندرہ روزہ۔۔، مالک احمد خاں صوفی، مہتمم وزیر خاں، ۱۸۶۹ء

۶۷۴۔ مفید عام:۔ لاہور، ماہواری، اردو انگریزی فارسی۔ مالک گلاب سنگھ کتب فروش۔۔۔، ۱۸۸۱ء

۶۷۵ مفید خلائق:۔ آگرہ، ہفتہ وار ۴ ورق اوسط۔۔۔ مالک شیو نرائن۔ مہتمم مکند لال۔۔۔ ۲۳ دسمبر ۱۸۵۶ء

۶۷۶۔ مفید الانام:۔ ضلع گوڑھ ضلع فرخ آباد۔ ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں۔۔۔ مالک رام سروپ، ایڈیٹر شنکر سروپ۔۔۔، ۱۸۶۰ء

۶۷۷ مفید المدارس:۔ آگرہ، ماہواری ۸ ورق۔۔۔ مالک مچھو خاں مہتمم وزیر خاں۔۔۔ اشتہار یکم ستمبر ۱۸۷۲ء

۶۷۸۔ مفید ہند:۔ دہلی۔۔۔ ماہواری، ۱۲ ورق خورد۔۔ مالک امیر سنگھ۔ ساکن درگاہ نظام الدین۔۔۔ یکم نومبر ۱۸۸۴ء

۶۷۹۔ مفید المزارعین:۔ ماہواری، بالفعل محکمہ زراعت و تجارت ممالک مغربی و شمالی اودھ سے شائع ہوا کرے گا۔۔ کانپور، ۸ ورق خورد، باہتمام خواجہ سید محمد حسین۔۔۔ یکم اگست ۱۸۸۵ء

۶۸۰۔ محب رعایا:۔ اٹاوہ، ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط۔۔۔ چھاپہ آہنی، مالک حکیم جواہر لال، مہتمم بھیا تھمن ۱۸۶۰ء

۶۸۱۔ محب ہند:۔ میرٹھ۔۔۔ ہفتہ وار، ۲ ورق اوسط۔۔۔ ایڈیٹر مشتاق احمد۔۔۔ ۱۸۷۲ء

۶۸۲۔ محب مارواڑ:۔ جودھپور۔۔، ۷ ورق اوسط پندرہ روزہ۔۔، مہتمم کرشن لال۔۔۔ ۱۸۷۱ء

۶۸۳ مراۃ الاخبار:۔ کلکتہ کا اخبار۔ ۱۸۴۷ء

۶۸۴ مرآت العلوم:- بنارس، ماہواری، ۲۰ ورق خورد، مالک بھیرو پرشاد، ۱۸۴۹ء

۶۸۵ مرآت الہند:- لکھنؤ... ماہواری، ۱۵ ورق خورد، مجاریہ مہتممان مراسلہ کشمیر، مہتمم پنڈت کشن نرائن ۱۵ ستمبر ۱۸۸۵ء

۶۸۶ مرآت الطباعت:- امرتسر، ماہواری، ۱۲ ورق خورد، مالک ڈاکٹر جیتن شاہ... ۱۸۷۵ء

۶۸۷ مرآت الاقالیم:- غازی آباد، ہفتہ وار، جولائی ۱۸۶۱ء

۶۸۸ میرٹھ گزٹ:- میرٹھ، ہفتہ وار، ۲۴ ورق اوسط... مجاریہ وجاہت علی خاں مرحوم، مالک حکیم مقرب حسین خاں... ۱۸۶۵ء

۶۸۹ میرٹھ پنچ:- میرٹھ، ہفتہ وار، ۲ ورق اوسط... مالک بیان و یزدانی... ایڈیٹر سید کرار حسین روحانی ۱۸۸۱ء

۶۹۰ متھرا سماچار:- متھرا، ماہواری، ۱۰ ورق خورد، مہتمم پنڈت رام نرائن سہارگو... یکم دسمبر ۱۸۸۲ء

۶۹۱ متھرا اخبار:- متھرا... ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط- مالک بنسی دھر مہتمم و ایڈیٹر پنڈت دین دیال- یکم جون ۱۸۸۵ء

۶۹۲ مجلس اخلاقیہ:- امرتسر، عشرہ وار، ۴ ورق اوسط... مہتمم شاہ ولایت... یکم جنوری ۱۸۷۸ء

۶۹۳ میڈیکل پیپر:- میرٹھ، ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط، ناگری مشترک... یکم جنوری ۱۸۸۳ء

۶۹۴ میڈیکل ریفارمر:- آگرہ... ماہواری، ۴۰ ورق خورد، مالک سید اولاد علی... یکم مارچ ۱۸۸۵ء

۶۹۵ مفتاح القوانین:- اجمیر شریف، ماہواری، ۸ ورق خورد، المشتہر سید اکبر علی... اشتہار ۱۳ جنوری ۱۸۸۳ء

۶۹۶ مفتاح القوانین:- آگرہ، پندرہ روزہ، ۸ ورق، مالک نند کشور بی- اے... یکم جنوری ۱۸۸۵ء

۶۹۷ مرقع تہذیب:- لکھنؤ، پندرہ روزہ، ۸ ورق... باہتمام اودھ بہاری لال... پہلے باہتمام شیو پرشاد... ۱۸۷۴ء

۶۹۸ مرقع نگار:- لکھنؤ... ماہواری، ۱۰ ورق خورد، شعر و سخن کا گلدستہ... مالک خواجہ محمد وزیر، ایڈیٹر عاشق حسین عاشق... ۲۴ فروری ۱۸۸۷ء

۶۹۹ مشیر قیصر:- لکھنؤ، ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط... مالک و ایڈیٹر غلام محمد خاں تپش... یکم ستمبر ۱۸۸۰ء

۷۰۰ مشیر بہار:- باڑھ پور ضلع پٹنہ... ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں ناگری مشترک چھاپہ آہنی پنڈت کیشو رام نے باہتمام مدن موہن لال جاری کیا- ایڈیٹر گوبند چرن... ۷ جنوری ۱۸۸۰ء

۷۰۱ مشیر ہند:- لدھیانہ، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط... مالک شرف الدین شرف، جولائی ۱۸۸۷ء

۷۰۲ معلم العلماء:- سیالکوٹ، ماہواری- ۱۸۵۶ء

۷۰۳ معلم ہند:- لاہور... مضامین امدادی سررشتۂ تعلیم- ماہواری- ۱۶ ورق خورد- المشتہر محمد حسن

احسن کالونی... اشتہار یکم جولائی ۱۸۸۴ء

۷۰۴ معلم شفیق:۔ حیدر آباد۔ پہلے ماہواری... اب اگست ۱۸۸۴ء سے ہفتہ وار... مالک محمد حسین مترجم۔ دفتر نظام ایڈیٹر محب حسین... ۱۸۸۴ء

۷۰۵ معلم دلبستان کڑا۔ کڑا، ضلع الہ آباد... ہفتہ وار، ۴ ورق... باہتمام شاہ نبی اشرف (چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے) ۵/ اکتوبر ۱۸۸۴ء۔

۷۰۶ معلم تجارت:۔ اندور، ماہواری... مالک احمد علی خاں شوق وصاحب مہاماجہ...' .. اشتہار جنوری ۱۸۸۸ء

۷۰۷۔ ممتاز الاخبار:۔ قصبہ نواب گنج ضلع بارہ بنکی۔ ہفتہ وار۔ ۱۰ ورق اوسط.. بہ سرپرستی راجہ... محمود آباد.. مالک احسان علی فصیح ایڈیٹر محمد یوسف... یکم دسمبر ۱۸۸۴ء

۷۰۸ ملکی نامہ نامہ:۔ لاہور... ہفتہ وار، ۴ ورق خورد... مالک ومہتمم وایڈیٹر سید جواد علی شاہ، یکم جنوری ۱۸۸۶ء

۷۰۹ ملکی شہدا:۔ لاہور.. ہفتہ وار، ۴ ورق خورد... اسکا دوسرا نام پولیٹیکل سپاہی ہے۔ یکم جنوری ۱۸۸۶ء

۷۱۰ معدن القوانین:۔ آگرہ... ماہواری، ۱۶ ورق خورد، قانون کا رسالہ... مالک سید حسین علی، ۲۵ ستمبر ۱۸۵۶ء

۷۱۱۔ معدن الاکسیر:۔ کپور تھلہ... ۴ ورق اوسط.. مالک ایڈیٹر حکیم چراغ الدین... یکم اکتوبر ۱۸۸۵ء۔ ایڈیٹر نے ۴ برس کی محنت اور صرف دولت سے علوم اربعہ کیمیا وسیمیا۔ وعلم جفر وغیرہ کی کتابیں اور اکسیر کے عمدہ عمدہ نسخے اور پر خورا کی کشتجات بہم پہنچاکے بغرض خیر خواہی ملک یہ رسالہ پندرہ روزہ... جاری کیا... کبھی کبھی بشرط موقع ضمیمہ بھی جبروں کا، ساتھ ہی اشاعت پائیگا:۔

۷۱۲ معدن الحکمت:۔ آگرہ، ماہواری، ۴ ورق خورد...، زیر نگرانی سبحان علی اسسٹنٹ سرجن آگرہ و مدرسہ آگرہ میڈیکل اسکول، مالک صادق علی... یکم جنوری ۱۸۷۷ء اس رسالہ میں بمطابقت حروف انگریزی ہر ایک مرض کا حال لکھا جائے گا اور صرف سہل سہل نسخے درج ہوں گے... مطلب اس حصے سے یہ ہے کہ طبیب فوراً مرض کا علاج کر سکے۔

۷۱۳ مارواڑ گزٹ:۔ جودھپور، ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط... ناگری مشترک... مالک پنڈت مادھو پرشاد ایڈیٹر شہاب الدین... یکم فروری ۱۸۵۸ء

۷۱۴ مالوہ اخبار:۔ اندور، ہفتہ وار، ۴ ورق کلاں، ناگری مشترک۔ ...۱۸۴۹ء

۷۱۵ میسور اخبار:۔ بنگلور، ہفتہ وار... مجاریہ حافظ سید محمد مرحوم۔ مالک محمد امین، یکم اپریل ۱۸۶۳ء

۷۱۶ محافظ بنگلور:۔ بنگلور... مہینے میں دوبار، ۴ ورق اوسط... یکم جنوری ۱۸۶۵ء

۷۱۷ منشور محمدی :۔ بنگلور ۔۔ عشرہ وار ، ۶ ورق خورد ، باہتمام محمد شریف ۔۔۔ ۲۰ راگست ۱۸۷۲ء

۷۱۸ دیہلی ، جواخبار ۔۔ علانیہ مذہب اسلام کی توہین کرتے ہیں ان کی تردید جواب میں ۔۔۔ باہتمام

۷۱۹ محمد قاسم عم طبع ہوا ۔

۷۲۰ مفرح القلوب :۔ کراچی ۔ ہفتہ وار ، ۸ ورق اوسط ۔۔۔ مجاریہ مرزا محمد شفیع اثنا عشری مرحوم ، مہتمم مرزا محمد جعفر فارسی زبان ۔ ۱۸۵۶ء

۷۲۱ ۔ محتشم :۔ جاورہ ، ہفتہ وار ، ۴ ورق اوسط ، مالک نصراللہ بیگ مہتمم لیاقت اللہ ۱۸۶۷ء

۷۲۲ ۔ مقصودالاخبار :۔ گورگانوہ ، ہفتہ وار ، ۸ ورق اوسط ، مالک قاضی قطب الدین احمد ۔ ۱۸۶۸ء

۷۲۳ ۔ منگل سماچار :۔ بے سواں ، ضلع علی گڑھ ۔ ماہواری ، ۱۰ ورق اوسط ۔۔ ناگری شرک ۔۔۔ مالک ٹھاکر گورپرشاد سنگھ ۔۔۔ ایڈیٹر منشی پیارے لال ۔۔۔ ۱۸۷۰ء ۔ روداد کارروائی جلسوں پر تخفیف فضول خرچی شادی وغیرہ ۔

۷۲۴ ۔ ملا دوپیازہ :۔ لاہور ، ہفتہ وار ، ۴ ورق خورد ، مالک الہ دین ۔۔۔ مہتمم احمد بخش ۔۔۔ ۷ ارمئی ۱۸۸۷ء سے ایڈیٹر میاں علاء الدین ۔۔۔ یکم جنوری ۱۸۸۶ء

۷۲۵ مدراس پنچ :۔ مدراس ۔۔۔ عشرہ وار ، ۴ ورق اوسط ۔ مالک شاہ محمد صادق حسین تخلص شریف مہتمم ۔ جعفر حسین حسنی تخلص حریف ، ایڈیٹر غلام محی الدین تخلص حنیف ۔۔۔ ۱۸۵۹ء

۷۲۶ محشر :۔ لکھنؤ ۔ ہفتہ وار ، ۴ ورق خورد ۔۔۔ مالک عبدالباسط محشر ۔۔۔ یکم اپریل ۱۸۸۴ء

۷۲۷ ۔ میزان :۔ مدراس کا اخبار ۔ اشتہار یکم ستمبر ۱۸۸۴ء

۷۲۸ مذاق :۔ رام پور ضلع مراد آباد ، ہفتہ وار ، بہت چھوٹے ۸ ورقوں پر ۔۔۔ سالانہ خریداران اخبار سود تیمری سے ایک روپیہ ۔۔۔ مالک ، حکیم احمد رضا لکھنوی ۔ ایڈیٹر عبدالجلیل نعمانی ۔۔۔ ۷ ارجنوری ۱۸۵۵ء

۷۲۹ مدرس اردو :۔ بمبئی ، ہفتہ وار ، ۴ ورق کلاں ۔۔۔ مالک حاجی شیخ غلام محمد خان بہادر ، یکم اپریل ۱۸۶۲ء

۷۳۰ معاون مجمع محمدی :۔ کراچی ، ہفتہ وار ، ۴ ورق اوسط ۔۔۔ مہتمم بخش اللہ سکرٹری مجمع محمدی ۔۔۔ ایڈیٹر شیخ ریاض الدین احمد بریلوی ۔۔۔ ۱۵ رجنوری ۱۸۸۶ء

۷۳۱ مہذب :۔ کپورتھلہ ، ۱۰ ورق خورد ، پندرہ روزہ ۔۔۔ سکرٹری معجز علی بہار ۔ مہتمم سردار بوٹا سنگھ ۱۵ رجنوری ۱۸۸۴ء

۷۳۲ مبارک :۔ گورکھپور ۔ مہتمم چارلس جوزف کمپنی ۔۔ ہفتہ وار ، ۲ ورق اوسط انگریزی مشترک ۔ مذہب عیسائیوں کا ۲۰ ستمبر ۱۸۸۶ء

(باقی آئندہ)

گردوپیش

تصویر کا ایک رُخ

سوس ناک رجحان

ریڈیو پاکستان نے پاکستان کی بیسویں سالگرہ پر اردو خبروں میں بعض ہندی اور انگریزی اصطلاحات استعمال کر کے پورے مغربی پاکستان کو اور اردو کے تمام حلقوں
ت اور افسوس میں مبتلا کر دیا ہے جو الفاظ خبروں میں بہت نمایاں طور پر استعمال کئے جا رہے ہیں وہ مندرجہ ذیل
ی پاکستان کی جگہ پچھمی پاکستان ۔ مشرقی پاکستان کی جگہ پوربو پاکستان ۔ اور صدر پاکستان کی جگہ پریسیڈنٹ
ان ۔ یہ اصطلاحات عوام کی سخت ناپسندیدگی کے باوجود ہنوز جاری ہیں ۔

خط و کتابت

ڈویژنل کونسل نے جو ایک قرارداد کے ذریعے یہ فیصلہ کر چکی ہے ۔ کہ آئندہ سے اس کی تمام کارروائی اردو میں ہوا کرے گی ۔ اپنے ارکان کو ہدایت کی ہے کہ وہ کونسل سے اردو
تابت کریں ۔ اس ہدایت کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ بعض اراکین اپنے فیصلے کا خود پاس نہیں کرتے اور اپنی قراردادیں
انگریزی میں بھیجتے ہیں ۔ جس سے کونسل کے حکام کو سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ۔

ال اور برباد ہوگیا

مسلسل مطالبات، جدوجہد اور حق و انصاف کی دہائی دینے کے باوجود حکومت مشرقی پاکستان نے اب تک مشرقی پاکستان کے اردو داں بچوں کے لئے کسی سرکاری اسکول
ملان نہیں کیا ۔ اور نہ دوسری سہولتوں کا بندوبست کیا ہے ۔ اس طرح صوبے کے اسّی لاکھ اردو بولنے والے خاندانوں
یک سال اور برباد ہوگیا ۔ واضح رہے کہ قومی زبان کی تعلیم کے لئے سہولت دینے کے سلسلے میں کئی سیاسی جماعتوں نے
دیں پیش کی تھیں ۔

کا "سدا بہار شباب" ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنے ایک بیان میں حکومت کی اس ہدایت کو ملک کی

ن قرار دیا ہے کہ صدر پاکستان کو انگریزی میں درخواستیں بھیجی جائیں ۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے کہا ہے کہ اردو کو اس کا صحیح مقام سکے بجائے اس کی موجودہ حیثیت ختم کرنے کے لئے ایک مہم چلائی جارہی ہے ۔ انھوں نے یاد دلایا ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی یب آزادی میں اردو زبان نے عظیم خدمات انجام دی ہیں ۔ اسی لئے ہندو فرقہ پرستوں نے اردو کو مسلمانوں کی جدوجہد آزادی یب حصہ سمجھتے ہوئے ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی ۔ انھوں نے کہا کہ اب اردو کے نام پر حاصل کئے ہوئے ملک میں اردو کے تھ وہی سلوک کیا جارہا ہے جو ہندوستان میں ہورہا ہے ۔

تجاج

اردو کے نامور ادیب اور نقاد ڈاکٹر سید عبداللہ نے حکومت سے لاہور میں مطالبہ کیا ہے کہ ریڈیو سے اردو میں خبریں نشر کرتے وقت غیر اردو الفاظ استعمال کرنے کا حکم واپس لے لیا جائے ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے کہا ہے یڈیو پاکستان کے اعلانات اور نشریات میں اردو کے آسان اور مسلم اصطلاحی الفاظ کے بجائے ہندی اور انگریزی کے الفاظ بندی سے استعمال کئے جارہے ہیں ۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی خاص حکمت عملی کے تحت کیا جارہا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے ، تبدیلی کو نہایت افسوس ناک قرار دیا ہے ۔

تصویر کا دوسرا رُخ

حامیانِ اردو سے اپیل

ڈاکٹر سید عبداللہ صدر انجمن ترقی اردو لاہور نے ۱۵ ستمبر کو حامیانِ اردو سے درخواست کی ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں " اردو سرکل " قائم کریں ۔ تاکہ اردو کو ملک کی سرکاری بان بنانے کا موقف زیادہ سے زیادہ موثر طریقے پر پیش کیا جاسکے ۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اپنے حلقۂ اثر میں کاروباری اور صنعتی داروں میں اردو کی ترویج کے لئے زیادہ زور شور سے تحریک شروع کردیں ۔ انھوں نے یقین دلایا ہے کہ یہ غیر سیاسی مراکز اردو ی ترویج و اشاعت اور اسے مقبول بنانے میں مفید ثابت ہوں گے ۔

اردو کے حق میں عدالت کا فیصلہ

لاہور : موٹر کاروں کے نمبر پلیٹ اردو میں لکھنا جرم نہیں ۔ اور اس کے خلاف چالان نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اردو دستوری اعتبار سے ملک کی دو قومی زبانوں میں سے ایک ہے ۔ یہ فیصلہ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور نے ایک مقامی سول انجینئر جناب مبشر حسین کی درخواست پر کیا ہے ۔ جو انھوں نے اپنی گاڑی کے نمبر پلیٹ اردو میں لکھنے پر چالان کے خلاف عدالت میں دی تھی ۔

قرآن حکیم اور اردو

جامعہ قاسمیہ کے مہتمم جناب مولانا آصف قاسمی نے کہا ہے کہ قرآن حکیم میں بنیادی طور پر صرف دو ہزار الفاظ ہیں ۔ ان میں سے ایک تہائی الفاظ ایسے ہیں ۔ جو اردو میں مستعمل ہیں ۔ باقی الفاظ ایسے ہیں کہ اگر انھیں اردو داں آدمی سیکھ لے تو وہ آسانی سے قرآن حکیم ، حدیث اور خطبہ وغیرہ سمجھ سکتا ہے ۔ مولانا نے ڈیڑھ ہزار عربی الفاظ سکھانے کے لئے اسے دس رسالوں میں تقسیم کیا ہے ۔ گویا اردو والوں کے لئے گھر

بیٹھے عربی سیکھنا ممکن ہی نہیں بلکہ بہت آسان ہے ۔

اردو بلدیہ کراچی میں

بلدیہ کراچی مغربی پاکستان میں پہلا ادارہ ہے ۔ جس نے صوبائی حکومت کے فیصلے کے تحت انگریزی کی جگہ اردو اپنا کر ملک میں دفتری زبان کی حیثیت سے قبول کرنے میں پہلی کی ہے ۔ اجلاس، ایجنڈے، قرار دادیں ۔ سالانہ بجٹ سب اردو میں تیار کرانے کے لئے بلدیہ کراچی نے انگریزی اصطلاحات اور الفاظ کی جگہ اردو اصطلاحات اور الفاظ اختیار کرنے کی سعی کی ہے ۔ اس سلسلے میں بلدیہ اردو ترقیاتی بورڈ ۔ جامعہ کراچی اور دوسرے اداروں کی شائع کردہ کتابوں اور فنی اصطلاحات سے مدد لے رہی ہے ۔

انگریزی اخبار میں اردو کالم

لندن سے شائع ہونے والے اخبار " برمنگھم ایوننگ میل " کے مدیر مسٹر فرنیک اوونیز کو برطانوی وزیر مسٹر ڈینس ہاویل نے ایک نقرئی کپ اس لئے انعام دیا ہے کہ وہ برطانوی عوام اور باہر سے آئے ہوئے لوگوں کے درمیان یکجہتی اور ہم آہنگی کو فروغ دے رہے ہیں ۔ مسٹر اوونیز یہ خدمات اس اردو کالم کے ذریعے انجام دے رہے ہیں ۔ جو وہ ہر ہفتے اپنے انگریزی اخبار میں شائع کرتے ہیں ۔ یہ پہلا موقع ہے کہ کسی انگریزی اخبار نے اردو کو باقاعدہ اپنے کالموں میں جگہ دی ہے ۔

جمہوری تحریک کا مطالبہ

پاکستان کی چار سیاسی جماعتوں، کونسل مسلم لیگ، جماعت اسلامی، نظام اسلام پارٹی اور عوامی لیگ کی جانب سے مشترکہ طور پر ایک قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے جو قومی زبان اردو میں ناجائز طور پر بیرونی الفاظ شامل کر کے فضا خراب کر رہے ہیں ۔ قائداعظم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اس قرارداد میں کہا گیا ہے کہ قائداعظم اردو کو پاکستان کی قومی زبان بنانا چاہتے تھے ۔

ادبی، علمی، تہذیبی اور تعلیمی خبریں

ترقی اردو بورڈ کا جلسہ

ترقی اردو بورڈ کے ایک جلسے میں کراچی کے کمشنر سید دربار علی شاہ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اردو کو مزید وسیع بنانے کے لئے قومی سطح پر جدوجہد کی جائے ۔ انھوں نے غیر زبانیں اپنانے کے رجحان کی سختی سے مذمت کرتے ہوئے کہا کہ کوئی قوم اپنی روایات، تمدن اور تہذیب اس وقت تک برقرار نہیں رکھ سکتی جب تک اپنی زبان کو سب زبانوں پر ترجیح نہ دے ۔ انھوں نے کہا کہ قومی زبان اردو ہر سطح پر رائج کی جانی چاہیئے جلسے کے صدر جناب ممتاز حسن نے کہا کہ اردو ایک لامحدود زبان ہے اس لئے اس کی لغت تیار کرنا بھی لامحدود کام ہے ۔ اس کام میں ہر وقت نظر ثانی اور اضافے کرنے کی ضرورت پڑتی ہے ۔ جناب ممتاز حسن نے بورڈ کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے بورڈ اور لغت کی تیاری میں حصہ لینے والے دانشوروں کو مبارک باد دی جنھوں نے مختصر ترین مدت میں یہ کارنامہ انجام دیا ہے ۔ اس سے

قبل بورڈ کے معتمد اعزازی جناب شان الحق حقی نے بتایا کہ بورڈ نے آکسفورڈ ڈکشنری کی طرز پر جامع ترین لغات کی مجوزہ تیرہ جلدوں میں سے چار جلدوں کی تدوین اور تالیف کا کام مکمل کر لیا ہے جن میں ۵۳ ہزار الفاظ ہیں ۔ انھوں نے بتایا کہ بورڈ اب تک دس لاکھ سندوں پر مبنی لغت کی تدوین کا ۸۵ فی صد مواد جمع کر چکا ہے ۔

حیات قائداعظم پر اہم کتاب

پاکستان کے مشہور مصنف اور شاعر جناب جی الانا نے ۵۰۷ صفحات پر مشتمل قائداعظم کی سوانح حیات پر ایک کتاب لکھی ہے ۔ جس کے بارے میں انھوں نے ایک تقریب میں بتایا کہ یہ کتاب مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے مشورے پر لکھی گئی ہے اور اس کی تدوین میں انھوں نے بھی مدد دی تھی ۔ اس کتاب میں قائداعظم کی زندگی کے بعض پہلوؤں پر سے پہلی بار پردہ اٹھایا گیا ہے اور ان کے مشن پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ یہ کتاب فیروز سنز نے شائع کی ہے ۔ جس کا اردو ترجمہ بھی پیش کر دیا گیا ہے ۔

کراچی یونیورسٹی کے پہلے فیصلے کی توثیق

حکومت نے کراچی یونیورسٹی کے بی ۔ اے ۔ بی ایس سی پاس اور آنرز اور بی ۔ ایس ۔ سی ہوم اکنامکس اور آنرز معارف اسلامیہ پارٹ دوم کے نصاب سے لازمی انگریزی اور اردو (غیر مادری زبان) کا پرچہ ختم کرنے کی منظوری دے دی ہے ۔ یونیورسٹی کے رجسٹرار نے اعلان کیا ہے کہ سنہ ۱۹۶۸ء اور اس کے بعد پارٹ دوم کے امتحان میں مذکورہ پرچے شامل نہیں ہوں گے ۔

وزیر تعلیم کی یقین دہانی

مرکزی وزیر تعلیم جناب قاضی انوارالحق نے فرمایا ہے کہ حکومت انگریزی کی جگہ قومی زبانیں بتدریج رائج کرنا چاہتی ہے ۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ حکومت سائنسی اور فنی تعلیم کی اہمیت سے بخوبی واقف ہے ۔ قاضی انوارالحق نے کہا کہ کسی بڑی تبدیلی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی ابتدائی تیاریاں کر لی جائیں تاکہ تبدیلی خاطر خواہ اثر پذیر ہو سکے ۔ انھوں نے بتایا کہ مناسب وقت آنے پر اسلام آباد یونیورسٹی کی طرز پر مشرقی پاکستان میں بھی ایک مرکزی یونیورسٹی قائم کرنے پر غور کیا جائے گا ۔

صدر ایوب کی کتاب کے ترجمے

صدر ایوب کی سیاسی سوانح حیات کا جاپانی ایڈیشن اس سال دسمبر میں منظر عام پر آ جائے گا ۔ صدر پاکستان کی اس کتاب کا ترجمہ انگریزی سے جاپانی اوکاسا یونیورسٹی کے پروفیسر کان کنگا کا ٹوکیو یونیورسٹی کے ڈاکٹر نوشیرو سوجی کی نگرانی میں ہو رہا ہے ۔ جاپانی کے علاوہ فارسی اور ترکی میں بھی اس کتاب کے ترجمے آنے والے ہیں ۔

قومی یک جہتی کے لئے

سپریم کورٹ آف پاکستان کے جج مسٹر جسٹس حمود الرحمان نے کہا ہے کہ انگریزی سے نجات حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مشرقی پاکستان میں اردو اور مغربی پاکستان میں بنگالی کی تدریس کا سلسلہ وسیع پیمانے پر شروع کیا جائے ۔ انھوں نے کہا اردو اور بنگالی کے مشترکہ الفاظ کا ذریعہ تلاش کیا جائے اور اس طرح ملک کے دونوں حصوں میں اظہار خیال کی ایک نئی راہ تلاش کی جائے ۔ انھوں نے مثال دیتے ہوئے کئی ایسے الفاظ

پیش کئے جو سندھ اور بنگال دونوں میں رائج ہیں۔

مولانا آزاد کی تفسیر کا انگریزی ترجمہ

مولانا ابوالکلام آزاد کی مشہور تفسیر "ترجمان القرآن" کا انگریزی زبان میں ترجمہ بہت جلد شائع ہو جائے گا۔ یہ ترجمہ جنوبی ہند کے ایک فاضل ڈاکٹر سید عبداللطیف نے کیا ہے۔

تنقید اور تجربہ

ممتاز ادیب اور نقاد جمیل جالبی کے تنقیدی مقالات کا پہلا مجموعہ "تنقید اور تجربہ" مشتاق بک ڈپو شیلڈن روڈ کراچی نے شائع کر دیا ہے۔ جمیل جالبی کی پہلی کتاب "پاکستانی کلچر" اردو ادب میں اپنی جگہ بنا چکی ہے۔ "تنقید اور تجربہ" میں جمیل جالبی نے عہد حاضر کے تمام ادبی اور فکری مسائل کا احاطہ کیا ہے۔

سہ ماہی سیپ کی رونمائی

سہ ماہی سیپ کی رونمائی کی تقریب کے موقع پر ممتاز حسن صاحب نے فرمایا ادب جھوٹی باتوں کا نام نہیں ہے۔ ادیب کے پاس مقصد اور سچائی کا ہونا ضروری ہے انھوں نے کہا میری رائے میں ادب زندہ ہے اور ادب اور سائنس دونوں کی بنیاد حقیقت پر ہے۔ زیر بحث مسائل کے بارے میں انھوں نے کہا کہ ان مسائل میں زندگی جھلکتی ہے اور میں اس قسم کے مباحث کے جاری رہنے کے حق میں ہوں۔ جلسے میں حسین امام ڈاکٹر احسن فاروقی۔ سید الطاف علی بریلوی۔ جمیل الدین عالی۔ ڈاکٹر اسلم فرخی۔ ابن حسن قیصر اور مدیر سیپ نسیم درانی نے تقریریں کیں اور مضامین پڑھے۔

کلیات امیر خسروؒ کی اشاعت

روس کے مشہور مستشرق مسٹر غفوروف نے بتایا ہے کہ روس فارسی کے مشہور شاعر امیر خسروؒ کی کلیات شائع کر رہا ہے۔ انھوں نے کہا روس میں امیر خسروؒ کی یہ کلیات اُن کی برسی کے موقع پر شائع ہو جائے گی۔

حلقہ ارباب ذوق میں

حلقۂ ارباب ذوق کے ایک جلسے میں پاکستان جیسے امن پسند ملک کے خلاف بھارتی ادیبوں کے اس رویے کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا جو آج کل بھارتی پریس اور ریڈیو سے روا رکھا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر انور سجاد نے انکشاف کیا کہ بھارت میں آج کل مراسلوں اور مقالوں میں یہ لکھا جا رہا ہے کہ جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے دوران پاکستان کے نوجوان ادیبوں نے حکومت پاکستان کی پالیسیوں کی شدید مذمت کی تھی۔

اردو کانفرنس ربوہ

۱۳ اور ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو ربوہ میں کل پاکستان اردو کانفرنس منعقد ہو رہی ہے جس میں اردو کی ترویج، اشاعت اور اس کی اہمیت واضح کرنے پر غور و خوض ہوگا۔ پاکستان ویسٹرن ریلوے نے ایک اطلاع کے مطابق کانفرنس میں شرکت کرنے والے نمائندوں کے لئے خاص رعایت کا اعلان کیا ہے۔ یعنی نمائندوں سے صرف ایک طرف کا کرایہ وصول کیا جائے گا۔

○

نیویارک سے اردو ماہنامہ

نیویارک سے عنقریب اردو کا ایک ماہنامہ "منزل" جاری ہو رہا ہے۔ جو سائیکلو اسٹائل

ہو کر آفسٹ پر شائع ہوگا۔ اس میں امریکہ اور کینیڈا میں رہنے والے تمام اردو ادیب اور شاعر شریک کر رہے ہیں۔ جن میں ن۔م۔ راشد۔ عزیز احمد۔ ڈاکٹر داؤد رہبر۔ حسن نعیم۔ ڈاکٹر شمل۔ عبدالرحمان بارکر۔ سید حبیب الحق ندوی۔ ڈاکٹر تسلیم قریشی انور انیس خورشید کے نام قابل ذکر ہیں۔ ادارے میں ابوالخیر کشفی اور صنوبر قریشی کے نام شامل ہیں۔

حبیب جالب کی ضمانت

ایڈیشنل سشن جج لاہور چودھری محمد حسین نے مکتبۂ کارواں کے مالک چودھری عبدالحمید اور حبیب جالب کی عبوری ضمانت منظور کرتے ہوئے حکم دیا ہے کہ حبیب جالب کے مجموعۂ کلام "سرِ مقتل" پر پابندی کے بارے میں ریکارڈ پیش کیا جائے۔ حبیب جالب کی دس ہزار روپے کی عبوری ضمانت منظور کی گئی ہے۔

روس میں آزادیٔ رائے اور تحریر

چار نوجوان روسی مصنفوں کے خلاف ماسکو میں مقدموں کی سماعت شروع ہوگئی ہے ان پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انھوں نے بیرونی ملکوں میں روس کے خلاف لٹریچر شائع کرایا ہے عدالت میں غیر ملکی نامہ نگاروں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی ان مصنفوں پہ الزام ہے کہ انھوں نے روس کی ریاست اور سماجی نظام کی کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے۔

ایلیا اہرن برگ پر چین کا تبصرہ

نیو چائنا نیوز ایجنسی نے روسی ادیب ایلیا اہرن برگ کی موت پر تبصرہ کرتے ہوئے اسے انقلاب دشمن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ روسی تجدد پسندوں کا ایجنٹ تھا۔ تبصرے میں اہرن برگ کو انتہائی مفاد پرست شخص قرار دیا گیا ہے۔

اس آئینہ خانے میں

قاضی نذرالاسلام اکادمی

قاضی نذرالاسلام کا نام اور کام زندہ اور تابندہ رکھنے کے لئے ایک ادارہ نذرل اکادمی کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ ادارے کے عہدیداروں میں جسٹس عبدالمودود۔ ابوالکلام شمس الدین۔ برکت اللہ۔ صابر احمد چودھری۔ اے کے ایم نورالاسلام اور تعلیم حسین کے ناموں کا اعلان ہوا ہے۔

صدر ایوب مصنفین کی صف میں

صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے ادارۂ مصنفین پاکستان کے معتمد عمومی جمیل الدین عالی کے ایک خط کے جواب میں کہا ہے کہ انھیں مصنفوں کی برادری میں شامل ہو کر بہت خوشی ہوئی۔ جمیل الدین عالی نے انھیں مصنفوں میں شامل ہونے پر مبارک باد بھیجی تھی۔ صدر ایوب نے مزید کہا ہے کہ مجھے اس بات پر بھی بڑا اطمینان ہے کہ میں نے اپنی نجی اور عوامی زندگی کے بارے میں تاثرات قلم بند کر لئے ہیں۔

جسٹس مرشد کے ارشادات

مشرقی پاکستان ہائی کورٹ کے جسٹس سید محبوب مرشد نے ڈھاکا یونیورسٹی کی مجلس ادب کے یوم غزل کے جلسے میں ارشاد فرمایا ہے کہ" اردو زبان سیکھنا اتنا ہی اہم ہے

جتنا قرآن پاک کی مقدس تعلیمات ۔ سکینا بخشش مرشد نے اردو میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا "مجھے اردو اتنی ہی عزیز ہے جتنی بنگالی" انھوں نے کہا اگرچہ اردو کی تاریخ مختصر ہے لیکن اس میں اتنی وسعت اور اتنا استحکام ہے کہ قیامت تک اس میں ضعف پیدا نہیں ہو سکتا" آپ نے مزید فرمایا " اردو زبان و شاعری میں عربی کی فصاحت، فارسی کی لطافت اور ہندی کی نزاکت ہے اس میں اتنے وسیع اور لامحدود امکانات ہیں کہ یہ زبان زندگی کے ہر شعبے کی صحیح اور سچی ترجمانی کرتی ہے اردو ایک ایسی شمع ہے جس کی روشنی میں ہم اپنے اسلاف اور اپنے ماضی کی حدیث زندگی آسانی سے تلاوت کر سکتے ہیں"

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کا اعزاز صدر مملکت نے یوم آزادی کے موقع پر اردو ادب کی نمایاں خدمات کے سلسلے میں ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کو صدارتی تمغہ تفویض کیا ہے اس کے علاوہ ڈرامے کی خدمات کے سلسلے میں رفیع پیرزادہ کو تمغہ ملا ہے۔

احمد ندیم قاسمی کا مشورہ مشہور شاعر اور افسانہ نگار جناب احمد ندیم قاسمی نے راولپنڈی میں ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے ادیبوں اور مصنفوں سے کہا ہے کہ وہ وقت کی ضرورتیں اور جذبات سمجھیں اور بیرونی تہذیب و ثقافت کی پیروی کرنے کے بجائے پاکستانی بننے کی کوشش کریں۔

ن۔م۔ راشد کا نیا تقرر پاکستان میں اقوام متحدہ کے مرکز اطلاعات نے اعلان کیا ہے کہ اقوام متحدہ کے معتمد عمومی او تھانٹ نے پاکستان کے ممتاز شاعر ن م راشد کو تہران میں اقوام متحدہ کے مرکز اطلاعات کا ڈائرکٹر مقرر کیا ہے راشد صاحب کراچی میں مرکز اطلاعات کے قائم مقام ڈائرکٹر رہ چکے ہیں۔

یادوں کے چراغ

روس میں غالب کی برسی روس میں غالب کی صد سالہ برسی منانے کی تیاریاں زور شور سے جاری ہیں۔ غالب کی صد سالہ برسی کے بارے میں یہ خبر بہت دلچسپ اور قابل ستائش ہے کہ ان کی صد سالہ برسی کئی اہم ممالک میں منائی جائے گی۔ ان ممالک میں پاکستان۔ ہندوستان۔ روس۔ امریکہ اور برطانیہ شامل ہیں۔

یوم بابائے اردو اردو مجلس کوٹری کے زیر اہتمام یوم بابائے اردو منایا گیا جس میں شعرا، ادبا اور عمائدین شہر نے شرکت کی۔ وقار راشدی نے ایک مقالہ بعنوان " بابائے اردو اور بنگال میں اردو کی ترویج " پڑھا۔ جلسے کی صدارت حکیم محمد صدیق حاجی نے کی۔ جلسے میں لیاقت اللہ خاں، محمد عتیق خاں، نواب خاں، عبدالغنی اور صدر جلسہ نے تقاریر کیں جن میں بابائے اردو کی شخصیت اور فن پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی۔

جگر مرادآبادی کی یاد کراچی میں ۹ ستمبر کو جگر مرادآبادی کی یاد میں نبی باغ کالج میں ڈاکٹر یاور عباس کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں بے شمار شاعروں، ادیبوں اور ادب دوست حضرات

نے شرکت کی۔ ممتاز حسین، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، جمیل الدین عالی، شاہد عشقی، سرشار صدیقی، رحمان کیانی، اشتیاق طالب اور ذوالفقار مصطفیٰ نے تقریریں فرمائیں اور نظمیں پڑھیں۔

آئینہ ہند

بہار اسمبلی میں اردو

بہار اسمبلی میں آزاد ممبر عظیم الدین اور کانگریسی ممبر محمد حسین آزاد نے نئی حکومت سے اردو کو دوسری زبان قرار دینے کے لئے ایوان میں بل پیش کرنے کی مانگ کی عظیم الدین صاحب نے کہا کہ اگر اس نئی حکومت نے بھی پہلی کانگریسی حکومت کی طرح اردو کے ساتھ تغافل برتا اور بل ایوان میں پیش نہ ہوا تو اس کا بھی حشر وہی ہوگا جو سابقہ حکومت کا ہوا۔

وزیر غذا اتر پردیش کا موقف

یو پی کے وزیر غذا بیر رگھنڈر رائے نے ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اتر پردیش میں اردو کو بھی آزادانہ طور پر زندہ رہنے کا اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا تامل، تلگو، راجستھانی اور مرہٹی زبان کو ہے۔ کیونکہ ہندی کی طرح اردو کی نشوونما بھی اسی ریاست میں ہوئی ہے اور اس کی جڑیں عوام میں پھیلی ہوئی ہیں۔ انھوں نے یقین دلایا کہ ریاستی حکومت اردو کی ترقی اور ترویج کے سلسلے میں ہر ممکن کوشش کرے گی تاکہ اردو کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے پائے۔

وزیر اعلیٰ بہار کا بیان

وزیر اعلیٰ بہار مہاما یا پرشاد نے بہار اسمبلی میں بتایا ہے کہ بہار میں اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دینے کا مسئلہ زیر غور ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کا یہ حق ان ۳۳ نکات میں شامل ہے جن پر غیر کانگریسی پارٹیوں نے بہار کی وزارت بنائی ہے۔

اردو محافظ دستوں کی بھوک ہڑتال

اردو محافظ دستہ شاہجہان پور نے یو پی اسمبلی کے سامنے اشفاق علی خاں ایڈوکیٹ کی قیادت میں ۲۴ گھنٹے کی علامتی بھوک ہڑتال بنارس اور اٹاوہ میں بھی کی۔ اس موقع پر شری برج رائے ستائد۔ پروفیسر کمال خاں۔ شری دیپ رام۔ اشفاق علی خاں۔ حافظ افضال الٰہی۔ مولانا احمد مکرم۔ ستار حسین تاج۔ شاہ فاروق عطا۔ شری للتا پرشاد۔ آکاش بھارتی۔ برکت اللہ چوہان۔ آچاریہ دیپانکر۔ شری سرجو پرشاد تیاگی۔ اقبال حسین اور شری نارائن سروپ نے اردو کے حق میں زبردست تقریریں کیں۔ اور پورے یو پی میں اس تحریک کی کامیابی کا یقین دلایا۔

مزدور لیڈر کا بیان

سی او ڈی مزدور یونین کے معتمد عمومی ہردیال سنگھ نے ایک بیان میں کہا ہے کہ اردو ہندوستان کی ایک اہم زبان ہے۔ اس لئے ۱۰ نکاتی پروگرام کے مطابق اردو کو دوسری زبان قرار دینا چاہیئے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اردو ایک ایسی زبان ہے جو ملک کو ترقی کے راستے پر لے جا سکتی ہے

ر اتنا ہی نہیں بلکہ ہندوستان اور پاکستان کی دوستی کی بنیاد بن سکتی ہے ۔

۔پی اسمبلی میں مطالبہ

اردو کو اتر پردیش میں اس کا جائز مقام دینے کا پرزور مطالبہ آج یو پی اسمبلی میں حزب مخالف کے ساتھ ساتھ حکمراں پارٹی کے ممبروں نے بھی کیا اور نائب وزیر اعلا سے وزیر تعلیم بھی ہیں کہا کہ اردو کے حقوق کا زبانی نہیں قانونی شکل میں اعتراف کیا جائے ۔ سابق وزیر تعلیم شری نول کشور بھی مطالبہ کیا کہ ابتدا انٹرمیڈیٹ تک اردو کی تعلیم کا معقول اور لازمی بندوبست کیا جائے ۔

یدرآباد میں اردو میٹرک

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے ایک پریس نوٹ میں بتایا گیا ہے کہ پروفیسر حبیب الرحمان کو وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی نے ایک ملاقات میں بتایا کہ ن ترقی اردو کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے عثمانیہ میٹرک کا امتحان اردو میں بھی ہوگا ۔ عثمانیہ میٹرک کا آیندہ امتحان اب اردو ندی، تلگو اور انگریزی میں ہوگا ۔

لٹر نامی کا تاریخی کارنامہ

معلوم ہوا ہے کہ عالمی ادارہ یو این او کے ہندوستانی افسر مونا دمہاراشٹر یونائٹڈ نیشنز ایسوسی ایشن) نے اردو کی تحقیقی اور تنقیدی تصانیف کی اشاعت روگرام بنایا ہے اور اس کا افتتاح ڈاکٹر عبدالعلیم نامی پرنسپل اورنیٹل کالج بمبئی کی مشہور کتاب " ببلوگرافیا آف ۔و ڈراما " سے کیا ہے یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے اور تین ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے جس کی پہلی جلد ا کی نگرانی میں چھپ چکی ہے جلد دوم اگست کے آخر تک شائع ہونے والی تھی پہلی جلد مونا کی نگرانی میں چھپ ہے جس کی پہلی جلد جمہوریۂ ہند ڈاکٹر وی ۔وی ۔ گری کی خدمت میں پیش کی گئی ہے ۔ ڈاکٹر وی ۔ وی ۔ گری نے تاج محل ہوٹل ، میں اورنیٹل کالج کے پرنسپل ڈاکٹر نامی کی کتاب " ببلوگرافیا اردو ڈراما " کو قبول کرتے ہوئے ڈاکٹر نامی کی ش تلاش اور تحقیق کی تعریف کی ، اس موقعے پر مہاراشٹر کے وزیر اعلا شری نائک نے کہا کہ ہماری ریاست کو ڑنامی جیسے عالم اور محقق پر فخر ہے انھوں نے کہا کہ یہ کتاب ہمارے علمی اور ادبی خزانے میں ایک بیش بہا اضافہ انھوں نے توقع ظاہر کی کہ ڈاکٹر نامی اس خزانے میں تاحیات اضافے کرتے رہیں گے ۔ ڈاکٹر نامی کی یہ اہم کتاب کے بیس سالہ ادبی مطالعے کا نچوڑ ہے ۔

یر اعظم ہند کا بیان

ہندوستان کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے کہا ہے کہ ان کی حکومت یونیورسٹیوں میں انگریزی کی جگہ پندرہ علاقائی زبانیں رائج کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے ۔

۔دو کے مسئلے پر منافقت

یو پی کے وزیر اعلا مسٹر چرن سنگھ نے اعلان کیا ہے کہ اردو کی ترقی کے لئے پانچ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کر دی گئی ہے ۔ یو پی کی حکومت عرصے سے نفانہ روش پر قائم ہے جس کا نتیجہ کبھی برآمد نہیں ہوتا ۔

ایم ایس گوالکر کا مطالبہ راشٹریہ سیوک سنگھ کے متعصب لیڈر گوالکر نے ناگپور میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے اردو کو ثانوی حیثیت دینے کا مطالبہ کرنے والے بھارت کی مزید تقسیم چاہتے ہیں ۔ گوالکر نے اس مطالبے کی سخت مذمت کی اور اسے بھارت کے لئے خطرناک قرار دیا ۔

تلسی میور کا مطالبہ آل انڈیا سمیوکتا سوشلسٹ پارٹی کے جوائنٹ سکریٹری مسٹر تلسی میور نے مطالبہ کیا ہے کہ اردو کو ہندوستان کے تمام صوبوں میں جائز مقام دیا جائے انھوں نے کہا کہ میری پارٹی اس بات کی حمایت کرتی ہے کہ اردو کے حق میں اس کی حیثیت کی حفاظت کے لئے آئین میں دفعات کا اضافہ کیا جائے ۔

وزیر کا واک آوٹ یو پی کے نائب وزیر سول سپلائی جناب شمیم عالم نے اسمبلی سے احتجاجاً واک آؤٹ کر دیا ان کے ساتھ دو اور ممبر بھی واک آؤٹ کر گئے واک آؤٹ کا سبب یہ تھا کہ چیف وہپ ایم سی گنگودس نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ اردو پاکستان کی زبان ہے جناب شمیم عالم نے ان سے الفاظ واپس لینے کا مطالبہ کیا اور ان کے انکار پر انھوں نے واک آؤٹ کر دیا ۔

آنند نرائن مُلا کا مطالبہ پارلیمنٹ کے ممبر جناب آنند نرائن مُلّا نے رانچی میں اردو کے خلاف فسادات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ جن سنگھ پر پابندی عاید کر دی جائے انھوں نے کہا کہ اگر جن سنگھی یہ سمجھتے ہیں کہ اس بربریت اور خونریزی سے اردو والے اپنا حق چھوڑ دیں گے تو یہ ان کی خام خیالی ہے انھوں نے کہا کہ اردو کو مٹانے کی اب تک جتنی کوششیں ہوئی ہیں وہ سب ناکام ہو چکی ہیں ۔

جن سنگھ کا الٹی میٹم جن سنگھ نے یو پی اور بہار کی غیر کانگریسی حکومتوں کو یہ دھمکی دی ہے کہ اگر اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت دی گئی تو وہ نہ صرف مخلوط حکومتوں سے الگ ہو جائے گی بلکہ اس فیصلے کے خلاف ملک گیر ایجی ٹیشن چلائے گی جن سنگھ کے اس فیصلے سے دونوں صوبائی حکومتوں میں سخت بحران پیدا ہو گیا ہے ۔

جناب عطا کاکوی کی عزت افزائی اس سال آزادی کی بیسویں سالگرہ کے موقع پر صدر جمہوریہ ہند نے جن سنسکرت کے چھ فارسی کے ایک اور عربی کے ایک اسکالروں کو سارٹیفکٹ آف انڈیا کے اعزاز سے نوازا ہے، ان میں جناب پروفیسر سید شاہ عطا الرحمان عطا کاکوی کا نام گرامی بھی شامل ہے ۔ ہندوستان میں کلاسیکی ادب کے اسکالروں کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے ۔

موصوف عرصہ تک بہار یونیورسٹی اور پٹنہ یونیورسٹی میں صدر شعبہ فارسی کی خدمات انجام دینے کے بعد ڈائرکٹر ادارہ تحقیقات عربی فارسی پٹنہ و سکریٹری خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کے عہدہ پر فائق ہیں ۔ موصوف کا فارسی ادب کے علاوہ اردو ادب میں بھی بحیثیت محقق، تنقید نگار اور شاعر کے بہت نمایاں مقام حاصل ہے ۔ ہند و پاک کے بیشتر رسائل و جرائد میں موصوف کے مضامین شائع ہوتے رہتے

ہیں - قریب پندرہ تصانیف بھی منظرِ عام پر آچکی ہیں اور ادب نوازوں سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں اور بہت سی تصانیف زیرِ اشاعت ہیں - خدا سے دعا ہے کہ موصوف کو حیات و اقبال عطا کرے تاکہ زیادہ سے زیادہ فارسی و اردو کی خدمت انجام دے سکیں۔

عرشؔ ملسیانی کے اعزاز

میں

استقبالیہ

اردو کے مشہور شاعر اور ماہنامہ آجکل کے مدیر جناب عرشؔ ملسیانی نے ۲۰ ستمبر ۱۹۶۷ء کو اپنی عمرِ گراں مایہ کے ۵۵ سال پورے کر لئے اور اس دن وہ سرکاری ملازمت سے پنشن پر سبکدوش ہو گئے - اس موقع پر ان کے مداحوں اور دوستوں نے نئی دلی کے چیمسفورڈ کلب کے وسیع ہال میں ایک شاندار استقبالیے کا انتظام کیا جس میں دلی کے تقریباً تمام علمی اور ادبی حلقوں کے نمائندے موجود تھے ۔

جلسے کی صدارت حکومتِ ہند کی وزارتِ دفاع کے سکتر جناب وی شنکر نے کی ۔

جلسے کا آغاز خود صاحبِ صدر کی تقریر سے ہوا - انھوں نے عرشؔ کی شاعری اور ان کی ادارتِ آجکل پر روشنی ڈال اور اردو کو فروغ دینے کے سلسلے میں ان کی خدمات کو سراہا - ان کے بعد جناب گوپی ناتھ امنؔ نے عرشؔ کی شخصیت سے متعلق تقریر کی، اور ان سے اپنے تعلقات بیان کئے - امنؔ کے بعد دلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے ڈاکٹر محمد حسن نے عرشؔ کی شاعری پر تبصرہ کیا اور ان کی سادگی اور پرکاری کی تحسین کی - جناب مالک رام نے مختصر تقریر میں اپنے جذبات و تاثرات کا اظہار کیا - اتفاق سے حضرت جوشؔ ملیح آبادی ان دنوں دلی میں ہیں - وہ بھی اپنے پرانے ہم کار کے اس اعزاز و اکرام میں شریک تھے - انھوں نے اپنی تقریر میں پرانی صحبتوں اور یادوں کا تذکرہ کیا -

عرشؔ صاحب کا تیسرا مجموعۂ کلام "شرارِ سنگ" ابھی تیار ہو کر شائع ہوا ہے - صاحبِ صدر نے اسی دن اس کا اجرا کیا -

آخر میں حاضرین کے اصرار پر عرشؔ صاحب نے اپنا کلام خاص ترنم سے پڑھا اور کھانے پینے پر لطف صحبت کا انجام ہوا -

اردو کالج کا خبرنامہ

تدریس

دس ہفتوں کے بعد گرمیوں کی تعطیلات ختم ہونے کے بعد کالج ۲ ستمبر ۱۹۷۰ء کو کھلا - یونیورسٹی نے ۵ ستمبر ۱۹۷۰ء تک داخلوں کی تاریخ میں توسیع کر دی تھی - انٹر کے نتائج نکل چکے تھے اس لئے انٹر اور سال سوم کی تدریس ۱۰ ستمبر سے شروع کر دی گئی - البتہ سال چہارم کی تدریس یونیورسٹی کے نتائج دیر سے شائع ہونے کی وجہ سے ستمبر کے آخری ہفتہ سے شروع ہوئی -

نظام الاوقات چھٹیوں میں ہی تیار کر لیا گیا تھا - مجلس نظماء نے گزشتہ اجلاس کے تصفیہ کے بعد تربیت جسمانی کے پیریڈ انٹر کے نظام الاوقات میں داخل کر دیئے گئے ہیں -

طبی امداد کا انتظام

طلبہ کے طبی امداد کے انتظام کا اعلان بغرض اطلاع کر دیا گیا ہے اور اس کے لئے ٹکٹ بھی طبع کرا لئے گئے ہیں۔

انجمن اتحاد طلبہ

یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ انجمن اتحاد طلبہ کے انتخابات جلد ہو جائیں تاکہ تدریس میں کم سے کم ہرج واقع ہو۔ اکتوبر کی ۵ تاریخ اس کے لئے مقرر کر دی گئی ہے -

امتحانات کے نتائج

چونکہ ابھی تمام مارک شیٹ وصول نہیں ہوئی ہیں اس لئے مفصل اور صحیح نتائج پیش نہیں کئے جا سکتے پندرہ دن میں نتائج مرتب ہو جائیں گے -

انٹر فنون اور سائنس کے نتائج گزشتہ سال سے اچھے ہیں - دونوں میں کالج کا فیصلہ بورڈ کے مجموعی نتیجہ سے بہتر ہے اور بی اے سال اول فنون میں کالج کا نتیجہ ۷۴ فی صد ہے - جب کہ یونیورسٹی کا ۸۶۸ ۴ فی صد ہے بی ایس کے نتائج بھی اچھے ہیں -

اخبارات کے اندراجات کے مطابق ڈگری کی جماعتوں کے نتائج بھی اچھے ہیں سال چہارم فنون میں ایک طالبہ خالدہ ادیب کو یونیورسٹی میں دوسری پوزیشن حاصل ہوئی -

نئے خزانے

(جنوری تا جون ۶۷ء کے رسائل کا موضوع وار اشاریہ)

قسط دوم

مرتبہ

ابوسلمان شاہجہانپوری

انجمن ترقی اردو (پاکستان)

کراچی ۱

دسمبر ۱۹۶۶ء تک کے اردو رسائل و اخبارات کا اشاریہ شائع کیا جا چکا ہے۔ اس مرتبہ چھ ماہ کا اشاریہ ایک ساتھ ترتیب دیا گیا ہے اور یہ اس کی دوسری قسط ہے اس میں پچھلے دو برس کے بعض وہ رسائل بھی شامل ہیں جو اس سے پہلے دستیاب نہ ہو سکے تھے۔

اشاریے کی تیاری میں جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ صرف انھیں حضرات کو ہو سکتا ہے جو اس قسم کے کاموں کا تجربہ رکھتے ہیں۔ رسائل کی فراہمی ایک بڑا مشکل کام ہے، اس کے لئے پوری کوشش کی جاتی ہے۔ پھر بھی بعض رسالے نظر سے نہیں گزرتے۔ مدیران کرام کو بار بار خطوط لکھے جاتے ہیں اور ـــــ واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں ـــــ کے مصداق وہ تعاون حاصل نہیں ہوتا جو اس قسم کے کاموں کے لئے ضروری ہے۔ ہم نے اپنے وسائل کی حد تک اس اشاریے کو ہر اعتبار سے جامع بنانے کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی ممکن ہے بعض رسائل نظر انداز ہو گئے ہوں۔ اور ان کے حوالے اس میں موجود نہ ہوں۔ ہم اپنے قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر کوئی حوالہ اس اشاریے میں نہ ہو تو وہ ہماری رہنمائی فرمائیں تاکہ آئندہ اقساط میں اُسے شامل کر لیا جائے

(ادارہ)

محبوب عالم، خواجہ	توبۃ النصوح کا ایک کردار	نگار پاکستان، ص ۷۰ تا ۸۱، جنوری فروری
"	شرر کے دو ناول (ملک العزیز ورجینا اور فردوس بریں)	ماہ نو، ص ۱۸ تا ۲۰ + ۵۷، دسمبر [illegible]
محبوب نارائن، رائے	صفی اورنگ آبادی اور محاورے۔	سب رس، حیدرآباد دکن، ص ۱۱ تا ۱۳، جنوری
محمد حسن، ڈاکٹر	لکھنؤ کی ادبی فضا ـ ناسخ و آتش کے بعد	نقوش لاہور، ص ۷ تا ۲۵، ش ۱۰۷، مئی
محمد حسین، ڈاکٹر سید	انشا پردازی	ہماری زبان، علی گڑھ، ص ۳ تا ۴ + ۱۲، یکم فروری
محمد یوسف، ڈاکٹر سید	نئے تصورات اور دخیل الفاظ	نگار پاکستان کراچی، ص ۳۰ تا ۳۲، مارچ
محمود الرحمان (پرویز کاکوی)	آزادی کے بعد بچوں کا ادب	ماہ نو کراچی، ص ۵۰ تا ۵۹ + ۸۳، "
"	بچوں کے لئے ادب میں موضوع کی تلاش	کتاب لاہور، ص ۶۹ تا ۷۲، جنوری
محمود الٰہی، ڈاکٹر	تذکرہ بہادر سنگھ	قومی زبان، کراچی، ص ۱۳ تا ۲۸، مارچ
"	مقدمہ تذکرہ شورش	" " ص ۲۰ تا ۳۳، اپریل
محمود حسین، پروفیسر میر	عارف رستم آبادی اور ان کی درسنی	سب رس، حیدرآباد دکن، ص ۳ تا ۱۱، مئی
محمود ہاشمی	اردو شاعری کا مزاج	اردو زبان، سرگودھا، ص ۷ تا ۱۲، جنوری
مشفق خواجہ	کچھ مرثیہ شاد کے بارے میں[1]	نگار پاکستان، کراچی، ص ۳۳ تا ۴۰، مارچ
مصطفیٰ کمال	امراؤ جان ادا	سب رس حیدرآباد دکن، ص ۲۰ تا ۲۳، جون
معین الرحمان، سید	لکھنؤیت اور اردو شاعری	نگار پاکستان، کراچی، ص ۵۳ تا ۶۸، مئی جون
مفتون کوٹوی	اردو غزل میں اخلاقی فضائیں	جام نو کراچی، ص ۲۳ تا ۲۸، فروری
"	قیس کوٹوی کا معیار غزل	رہنمائے تعلیم دہلی، ص ۱۸ تا ۲۱، جون
مقرب حسین دہلوی، حکیم	دلی کا ایک قدیم مشاعرہ	ہمدرد صحت کراچی، ص ۹۷ تا ۱۰۰، ستمبر
ملک، فتح محمد	نظریہ پاکستان اور اردو ادب	چراغ راہ کراچی، ص ۹ تا ۱۸، مارچ
ممتاز حسن	خطبہ صدارت (سالانہ اجلاس حلقہ ارباب ذوق راولپنڈی)	قومی زبان، " ص ۹ تا ۱۴، جون
منور عمر	دو چراغ محفل (ذکاء الرحمان کے ناول پر ایک نظر)	ادب لطیف، لاہور، ص ۶۵ تا ۶۷، خاص نمبر [illegible]
مودودی، سید ابوالاعلیٰ	علمی تحقیقات: کیوں اور کس طرح	چراغ راہ، کراچی، ص ۵ تا ۱۶، جون

---

[1] رسالہ اردو کراچی کے ایک مضمون مطبوعہ اپریل [illegible] پر اعتراضات کے جواب میں

مصنف	عنوان	ماخذ
میر، مشتاق احمد	حضرت احسان دانش کے ساتھ ایک دوپہر	قندیل، لاہور، ص ۱۹، ۱۱ر جون
مبین، محمد شمر	ابلاغ کسے کہتے ہیں؟	تحریک، دہلی، ص ۲۸ تا ۳۱، اپریل
ناصر علی، خان بہادر میر	مقاماتِ ناصری[1]	نگار پاکستان، کراچی، ص ۱۹ تا ۴۴، جنوری
" " "	" "	" " " " ۴۴ تا ۴۷، فروری
ناہید شالی، ڈاکٹر	پرانے موسموں کی آواز (کمار پاشی کے مجموعۂ کلام پر ایک نظر)	ادب لطیف، ، ص ۹۳ تا ۹۵، خاص نمبر ۱۹۶۷ء
نثار احمد صدیقی	راجہ مہدی علی خاں سے ایک انٹرویو	" " " " ۶ تا ۱۲، نومبر دسمبر
نثار احمد فاروقی	مرزا محمد حسن قتیل اور ہفت تماشا	نقوش، لاہور، ص ۱۳ تا ۵۷، مئی
نذیر احمد	اردو غزل پر چند اعتراضات	اوراق، لاہور، ص ۱۱۳ تا ۱۱۶،
نسیمہ کلثوم	زندگی، ادب اور ادیب	ساغر، ص ۱۴ تا ۱۵، ۱۲ر اپریل
نصرت قریشی	ندرت میرٹھی کی نعت گوئی	سیارہ، لاہور، ص ۱۴ تا ۳۰، مارچ
نظر، محمد انصار اللہ	کریم الدین کے تذکرے	نگار پاکستان، کراچی، ص ۵۷ تا ۶۵، نومبر ۱۹۶۷ء
نظیر، سعادت	جدید اردو نثر میں ظرافت	" " " ۴۹ تا ۵۴، اپریل
نظیر صدیقی	اردو تنقید میں نئی اخلاقیات کی ضرورت	اردو زبان، ص ۱۰ تا ۱۲، فروری
" "	اظہار یا ابلاغ	اوراق، ص ، ص ۸۸ تا ۱۰۸، جنوری
نیاز فتح پوری	ایک غیر مطبوعہ مضمون	نگار پاکستان، کراچی، ص ۱۲۵ تا ۱۲۶، ۱۲ر مئی جون
نیر، ڈاکٹر حکم چند	حقیقت آئینہ (سرور اور شاکر کا تعلق)	ہماری زبان، علی گڑھ، ص ۳ تا ۴، ۲۲ر جنوری
وحشی محمود آبادی	مرثیہ بر سرِ منبر	نگار پاکستان، ص ۵۹ تا ۶۴، اپریل
وحیدہ النسا	غمِ فانی	سب رس، ص ۱۹ تا ۲۲، جنوری
وحید قریشی، ڈاکٹر	سحر البیان کا ایک نادر نسخہ	قومی زبان، ص ۲۹ تا ۳۸، مارچ
وزیر آغا، ڈاکٹر	آزاد کا اسلوب	اردو زبان، سرگودھا، ص ۳ تا ۹، فروری
" "	ضیا جالندھری کی نظمیں	اوراق، لاہور، ص ۱۰۴ تا ۱۱۷،
" "	عظیم ادب اور پر امن دور	اردو، کراچی، ص ۳۶ تا ۴۰، جنوری

[1] میر ناصر علی کے دو قدیم مضمون "افسانہ زبان اردو اور حدیث عشق" منقول از صلائے عام، مئی ۱۹۰۹ء

[2] بے ثباتی عالم اور عقل و عقیدہ دو قدیم مضمون

وصی الحسن — چکبست کے مرثیے — فروغ اردو، لکھنؤ، ص ۲۳ تا ۲۷، اپریل

〃 — فیض کے یہاں محبوب کا تصور — ہماری زبان علی گڑھ، ص ۳ تا ۴، ۱۵ مئی

وصی الحق انصاری — شمالی ہند کے چند علمی و ادبی مراکز — معارف، اعظم گڑھ، ص ۱۱۵ تا ۱۳۵، فروری

وفا راشدی — وحشت کی شاعری میں اسلامی رجحانات — فاران، کراچی، ص ۱۲ تا ۳۲، مارچ

〃 — وحشت کی شاعری میں اخلاقیات — نگار پاکستان کراچی، ص ۷۵ تا ۷۷، مئی جون

وقار احمد رضوی — ادب کی تاریخی، لغوی اور اصطلاحی ماہیت — 〃 〃 〃 ۷ تا ۱۷، نومبر ۷۶ء

وقار عظیم، پروفیسر سید — اردو میں مرثیے کا ارتقاء — 〃 〃 〃 ۳۳ تا ۳۷، مئی جون

〃 — شہزادہ جان عالم کا قصہ اور اس کا مصنف — اردو ڈائجسٹ لاہور، ص ۹۰ تا ۹۲، نومبر ۷۶ء

〃 — ستمبر ۶۵ء کی شاعری — فنون، ص ۶۹ تا ۷۰، جولائی و اگست ۷۶ء

ہمدانی، امیر سید علی

مترجم: حافظ عباد اللہ فاروقی — مصباح العرفان — الرحیم حیدرآباد، ص ۵۹ تا ۸۶، مئی

ید اللہی، موسیٰ کلیم — رام پور آئینہ شاعری میں — سب رس حیدرآباد، ص ۱۸ تا ۲۲، مئی

یوجین آئینسکو

مترجم: خیر النساء — ہمارے ادبی مسائل — نگار پاکستان کراچی، ص ۲ تا ۱۷، مارچ

یوجین آئینسکو

مترجم: خیر النساء — ہمارے ادبی مسائل — 〃 〃 ۱۵ تا ۱۹، اپریل

———— — ادب اور آرٹ[1] — صبح امید بمبئی، ص ۵۰ تا ۵۳، مارچ اپریل

———— — ادب میں جاگیرداری — نئی اور پرانی — تحریک دہلی، ص ۲، اپریل

———— — ادب میں دائمی اقدار کا مسئلہ — اوراق، لاہور، ص ۱۹۷ تا ۲۰۴، جنوری

———— — شگفتہ شگفتہ — دانشوروں اور ادیبوں سے سات سوال — اردو ڈائجسٹ، ص ۴۳ تا ۵۷، جنوری

———— — نشانِ محفل (ناول الطاف فاطمہ) میری نظر میں — نگار پاکستان، ص ۵ تا ۸۷، جنوری فروری

عربی ادب

آرزو، ڈاکٹر مختار الدین — مصر کا ایک نامور مصنف — احمد امین — نقوش، ص ۲۶ تا ۳۰، مئی

---

[1] صبح امید کا یہ شمارہ مہاراشٹر نمبر (حصہ چہارم) ہے اس میں ہندوستان کے صوبہ مہاراشٹر کی زراعتی، تعلیمی، ادبی، صنعتی زندگی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر مضامین شائع کئے ہیں۔ اس کے ایڈیٹر عبدالحمید خاں یوسف ہیں اور یہ نمبر ۱۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

ابوسلمان شاہجہاں پوری	سفر ایوب علیہ السلام ـــ دنیا کا قدیم ترین منظوم صحیفہ	چٹان، ص ۱۵ تا ۱۳، ۱۳ فروری
〃 〃	〃 〃 〃	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۵ تا ۹، مارچ
احتشام احمد ندوی، سید	شام میں جدید عربی شاعری کا ارتقا	معارف، ص ۱۵ تا ۲۸، جنوری
〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃	〃 〃 ۱۳۶ تا ۱۴۹، فروری
ارشد، رشید احمد	عراق و لبنان کے مشہور عربی افسانہ نگار	نگار پاکستان، ص ۴۴ تا ۵۲، جنوری فروری
اطہر مبارک پوری، قاضی	لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ	معارف، ص ۶۹ تا ۷۷، جنوری
اطہر، ظہور احمد	حضرت عمرؓ کا ادبی ذوق	فنون، ص ۱۰۲ تا ۱۱۵، جولائی اگست ۱۹۶۶ء
اعجاز احمد، ڈاکٹر	جدید عربی ادب	نگار پاکستان، ص ۳۰ تا ۳۱، مارچ
حسام الدین	پاکستان اور عربی زبان	الجامعہ، ص ۲ تا ۱۶، مارچ
خالدی، ڈاکٹر ابوالنصر محمد	قاموس الوفیات لاعیان الاسلام	برہان، ص ۲۷۷ تا ۲۹۴، مئی
〃 〃 〃	〃 〃 〃	〃 〃 ۳۴۸ تا ۳۵۸، جون
رفاعی، شیخ احمد کبیر		
عبدالحلیم شرر (مترجم)	الحکم الرفاعیہ	اقبال ریویو، ص ۱ تا ۲۲، جولائی
ریاض الحسن، ڈاکٹر	یورپ کی شاعری پر عربی شاعری کا اثر	اردو، ص ۱۷ تا ۲۵، اپریل
سجاد احمد جان، جسٹس	عربی فارسی کی اہمیت	قومی زبان، ص ۹ تا ۱۲، مارچ
شفیع منصور	عربی اور رومن حروف کی آویزش	نصرت، ص ۴۸ تا ۵۶، دسمبر ۶۵ء جنوری ۶۶ء
ضیاء الدین اصلاحی، مولوی	مشکل الآثار (امام طحاوی کی تالیف)	معارف، ص ۳۲۵ تا ۳۴۸، مئی
عبدالحلیم ندوی	بیسویں صدی میں عربی ادب کا ارتقا	جامعہ، ص ۸۶ تا ۹۵، فروری
〃 〃	〃 〃 〃 〃 (۲)	〃 〃 ۱۳۶ تا ۱۴۷، مارچ
عطیہ خلیل عرب	عربی شاعری میں عورت کا تصور	ماہ نو، ص ۱۵ تا ۱۹، 〃
〃 〃	〃 〃 〃 〃 (۲)	〃 〃 ۵۳ تا ۶۰، اپریل
غلام مصطفی، حافظ	جاہلی شاعری میں زہدیہ رجحانات	معارف، ص ۳۴۹ تا ۳۶۸، مئی
〃 〃	〃 〃 〃	〃 〃 ۴۳۷ تا ۴۴۸، جون
فارق، خورشید احمد	عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان	برہان، ص ۵ تا ۲۰، جنوری
فارق، خورشید احمد	عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان	برہان، ص ۱۰۱ تا ۱۱۷، فروری
فارق، خورشید احمد	〃 〃 〃	〃 〃 ۱۴۳ تا ۱۵۲، مارچ

؍؍	؍؍	؍؍ ؍؍ ۱۹۷۰، ۲۰۹تا ۲۰۹، اپریل
لیئقہ خانم	اندلسی شاعر ابن زیدون	عالمی ڈائجسٹ، ص ۹۳تا ۹۵، فروری
نیاز فتح پوری	چند لمحے شعراء عرب و عجم کے ساتھ	نگار پاکستان، ص ۳۰تا ۳۳، اگست

فارسی ادب

امام مرتضیٰ نقوی	فارسی لغات کی تدوین میں ہندوستان کا حصہ	معارف، ص ۴۱۳تا ۴۲۴، جون
باقر، محمد	گزارش کنگرہ جہانی ایران شناسان در تہران	اورینٹل کالج میگزین، ص الف تا ۶۷، نومبر ۱۹۷۰ء
حسنین کاظمی	شمع تھی اک بجھ گئی — ایرانی شاعرہ فروغ فرخ زاد	ماہ نو، ص ۴۷تا ۵۰، جون
ریاض حسین، سید	عمر خیام نیشاپوری	نیرنگ خیال، ص ۲۲تا ۲۷، جون
عبدالرحمان، سید صباح الدین	ہندوستان کی فارسی شاعری ہندوستان کی مدح	نگار پاکستان، ص ۷تا ۱۵، فروری
؍؍	؍؍ ؍؍	؍؍ ۹تا ۱۸، مارچ
عبدالودود، قاضی	مصحفی کا دیوان فارسی	اردو، ص ۵تا ۴۲، جنوری
علی جواد زیدی	ہندی فارسی گوئی اور محرم	نگار پاکستان، ص ۸۷تا ۹۰، مئی جون
قریشی، قاضی افضل حق	مولانا شبلی کا ایک نایاب مضمون (حصار دراز)[1]	ادبی دنیا، ص ۹تا ۱۴، ستمبر اکتوبر ۱۹۷۰ء
کوثر چاند پوری	حافظ اور کلام حافظ	محفل، ص ۱۵تا ۲۰، جنوری فروری
ندیم، عبدالغفار	فارسی کی پہلی شاعرہ	تخیل، ص ۱۱تا ۱۴
نذیر احمد، ڈاکٹر	ظہور الاسم اور نامی اور مظہر گرامی	معارف، ص ۵تا ۱۹، جنوری
نعیم صدیقی	کچھ عربی فارسی کی کتابیں	سیارہ، ص ۱۲تا ۳۰، ؍؍
نیاز فتح پوری	حافظ شیرازی لسان الغیب ہونے کی حیثیت سے	نگار پاکستان، ص ۲۲تا ۲۸، فروری
؍؍	صاحب اصفہانی — ایک بے مثل قصیدہ گو شاعر	
	عرفی کا عصر	؍؍ ؍؍ ؍؍ ۵تا ۲۲، جنوری
ولی الحق انصاری	حیات عرفی شیرازی کا ایک تنقیدی مطالعہ	برہان، ص ۱۴۹تا ۱۶۰، مارچ
؍؍	؍؍ ؍؍ ؍؍	؍؍ ۲۳۷تا ۲۵۲، اپریل
؍؍	؍؍ ؍؍ ؍؍	؍؍ ۳۰۸تا ۳۱۵، مئی

---

[1] منقول از غنچہ جاوید بمبئی نومبر ۱۹۰۷ء

ولی الحق انصاری، ڈاکٹر	حیات حرفی شیرازی کا ایک تنقیدی مطالعہ	برہان، ص ۳۷۳ تا ۳۷۹، جون
	مسدس فائقی ـ مسدس حالی کا ایک نادر الوجود فارسی ترجمہ	نگار پاکستان، ص ۴۷ تا ۵۳، مارچ
یمین، آغا	لاہور کا پہلا فارسی شاعر	فنون، ص ۱۲۳ تا ۱۳۲، جولائی و اگست ۱۹۷۶ء

مختلف زبانوں کا ادب

احسن فاروقی، ڈاکٹر	ہومر کی رزمیہ شاعری	اردو، ص ۹۹ تا ۱۱۸، جنوری
افتخار حسین، آغا	وکٹر ہیوگو کی مشرقی نظمیں	افکار، ص ۱۲ تا ۴۲، "
اکمل ایوبی، ڈاکٹر	جمہوری دور کا ترکی ادب	معارف، ص ۴۲۴ تا ۴۳۴، جون
دگل، کرتار سنگھ	پنجابی ادب میں جدیدیت	گفتگو، ص ۲۳۱ تا ۲۴۲، جنوری ۱۹۷۶ء
ون نگار چاریہ	ڈراما، کند مالا، چوتھی صدی عیسوی کا ایک سنسکرت ڈراما[1]	اردو، ص ۱ تا ۴۲، جنوری
" "		
صمدانی نقوی (مترجم)	کند مالا (چنبیلی کا ہار) چوتھی صدی عیسوی کا سنسکرت ڈراما	اردو، ص ۵۲ تا ۵۶، اپریل
راجپوت سکینہ	قدیم تاجیک ادب اور آرٹ میں ہندوستانی موضوع	ہمایوں، ص ۱۳۲ تا ۱۳۵، فروری
سابر، ڈاکٹر محمد	ترکی زبان کے ادبی لہجے	نگار پاکستان، ص ۴۵ تا ۵۰، نومبر ۱۹۷۶ء
ظفر مرزا	براہوی ملی شاعری	ماہ نو، ص ۴۴ تا ۵۱، دسمبر ۱۹۷۶ء
عبدالحلیم، ڈاکٹر	اکبر کے عہد میں ہندی ادب کا ارتقا	صحیفہ، ص ۵۶ تا ۷۸، جنوری

اردو زبان اور اس کے مسائل

احسن، مولانا راغب	قومی لسانی پالیسی کا چار نکاتی فارمولا	قندیل، ص ۱۹، ۱۳ اپریل
اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر	اردو ذریعہ تعلیم	تخیل، " ص ۵ تا ۱۷،
اظہر، ا - د	پاکستانی اردو اور ہندوستانی اردو	نصرت، ص ۹ تا ۴۲، دسمبر ۱۹۷۵ء جنوری ۱۹۷۶ء
افتخار حسین، آغا	اٹلی میں اردو	افکار، ص ۵۲ تا ۴۸، فروری
" "	اٹلی میں اردو ـــ تاریخی پس منظر	نیرنگ خیال، ص ۸۱ تا ۸۵، مئی

---

[1] تعارف جناب ممتاز حسن و مقدمہ جناب صمدانی نقوی

انجم ادیب، نجم الحسن	میسور کی بازاری اردو	ہماری زبان، ص ۲+۱۲، ۱۵ اپریل
انجم اعظمی	جدید اردو نثر کا آغاز	افکار، ص ۱۷ تا ۳۰، جنوری
انور سدید	اردو پر خارجی اثرات	ماہ نو، ص ۴۰ تا ۴۴+۱۱۴، مارچ
حلیس، جانچوی	مسئلہ قومی زبان کے نام سے گزشتہ بیس سال کا ثمرہ	ہماری زبان، ص ۴ تا ۷، ۲۲ جون
چودھری، عبدالرحمان	اردو	عالمی ڈائجسٹ، ص ۱۳۱ تا ۱۳۳، جنوری
خالد، علاء الدین	قومی زبان کے مسائل	کتابی دنیا، ص ۱ تا ۴، مئی
رانا، رحمت علی	مشرقی پاکستان میں اردو سے .... برتاؤ	چٹان، ص ۴+۱۸، ۱۷ اپریل
سہیل بخاری	اردو بولی کا دیس	اوراق، ص ۵۹ تا ۶۴، جنوری
شیخ مشرق پوری، مطلوب احمد	اردو کی عمل داری	قندیل، ص ۱۹ تا ۲۰، ۱۲ مارچ
شکیل عادل زادہ	مشرقی پاکستان اور اردو	عالمی ڈائجسٹ، ص ۹ تا ۱۱، اپریل
صارم الازہری، عبدالصمد	اردو کس طرح پیدا ہوئی اور کن لوگوں میں پیدا ہوئی	ادبی دنیا، ص ۶۰ تا ۷۰، ستمبر/اکتوبر ۶۶ء
گوپال متل	اردو ایک حقیقت پسندانہ جائزہ	تحریک، ص ۶۷ تا ۷۴، مارچ
نفیس الحسینی، سید	پنجاب میں اردو	بصائر، ص ۴۴ تا ۴۸، جنوری
وارث میر	اردو، میدان عمل میں	محور، ص ۳۷ تا ۱۰۲،
مسعود حسین خاں، ڈاکٹر	جنوبی ہند میں اردو کا موقف	ہماری زبان، ص ۳، ۲۲ جولائی
وقار عظیم، سید	چین میں اردو	ص ۱۹ تا ۲۶، ۶۶ء

لسانیات

آہ، صفدر	اردو میں لغت اسم مذکر ہے	ہماری زبان، ص ۳ تا ۴، ۲۲ جون
افتخار حسین، آغا	یورپ کی لغت "پالیسن جالیسن"	صحیفہ، ص ۹۰ تا ۱۰۱، اپریل
اگروال، ڈاکٹر وی ایس	دیوناگری رسم خط	سب رس، ص ۸ تا ۱۱، جون
انجم، انجمن آرا	لفظ لغت کی تذکیر و تانیث	ہماری زبان، ص ۳ تا ۴، یکم جون
"	"	"، ص ۳ تا ۴، ۸ "
جھنجی، رام آسرا	لکھنؤ کی لسانی تحریک، ناسخ	سب رس، ص ۱۹ تا ۲۲، اپریل
دلشاد کلانچوی	بہاولپوری زبان کے حروف تہجی اور اس کا رسم خط	الزبیر، ص ۳۵ تا ۴۶، نمبر ۱، ۶۶ء

ادارہ	اردو لغت ــــ قسط نمبر ۲۱	اردو نامہ، ص ۹۵۳ تا ۹۶۴، مارچ
سنیتی کمار چٹرجی، ڈاکٹر	براہمی رسم خط	سب رس، ص ۳ تا ۷، جون
شبیر کاظمی، پروفیسر	اساس اردو	قومی زبان، ص ۵۳ تا ۶۲، مارچ
" "	" " (۲)	" ۴۷ تا ۵۸، اپریل
" "	" "	" ۵ تا ۱۴، مئی
شوکت سبزواری، ڈاکٹر	اردو کی مستعار آوازیں	اردو، ص ۱۱ تا ۱۹، اپریل
" "	اردو مصوتے اور ان کی صفت	اردو نامہ، ص ۴۵ تا ۶۵، مارچ
عبدالحق، ڈاکٹر مولوی	لغت کبیر اردو	اردو، ص ۲ تا ۸۸، جنوری
" "	" "	" ۸۹ تا ۱۰۲، اپریل
علی نواز جتوئی	اردو صوتیے اور ان کی تحریری صورتیں	نگار پاکستان، ص ۱۹ تا ۴۴، مئی جون
قدرت نقوی، سید	پوٹھوہاری پر دراوڑی اثر[1]	اردو نامہ، ص ۳۳ تا ۵۴، مارچ
نارنگ، ڈاکٹر گوپی چند	اردو کے افعال مرکبہ	تحریر، ص ۷۷ تا ۸۲، نمبر ۱۹۷۰ء
" "	ہمزہ کیوں؟[2]	ہماری زبان، ص ۳ تا ۴، یکم مئی
ناصر، محمود احمد	آرامی زبان اور رسم الخط کے متعلق موجودہ تحقیق کا تعارف	مجلہ الجامعہ، ص ۶۶ تا ۸۷، اپریل تا جون
بنرجی، بی این	اردو ہے جس کا نام	جامعہ دہلی، ص ۳۶۳ تا ۳۷۰، مئی
وامق، محمد افتخار الدین	منفرد الحرکت افعال	اردو نامہ، ص ۱ تا ۲۲، مارچ

علمی، تحقیقی اور اشاعتی ادارے

باقر، ڈاکٹر محمد	افغانستان کے علمی ادارے	ثقافت، ص ۱ تا ۱۵، جنوری
تاج، امتیاز علی	مجلس ترقی ادب	مشرق، ص ۹، ۱۳، مئی
صفدر ادیب	مجلس ترقی ادب	کتاب، لاہور، ص ۳۳ تا ۳۸، اپریل مئی
مشفق خواجہ	کچھ علمی اداروں کے بارے میں[3]	کتابی دنیا، ص ۱۵ تا ۱۷ + ۱۹، مئی
معین الرحمان، سید	انجمن ترقی اردو	کتاب، لاہور، ص ۴۱ تا ۴۸، جنوری

---

[1] اس عنوان سے ماہ نو کراچی مارچ ۱۹۶۸ء میں مطبوعہ ایک مضمون پر تنقید۔ [2] ۸ مئی اور ۱۵ مئی کے نمبروں میں اس مضمون کی دیگر اقساط دیکھئے۔
[3] [illegible]

تاریخ وسیاسیات

آباد شاہ پوری	اسٹالن گراڈ — ہٹلر کی شکست	اردو ڈائجسٹ، ص ۳۰ تا ۴۷، اپریل
، ،	ایک گھنٹے کی غلطی انقلاب لے آئی (مصری انقلاب کی تاریخ)	اردو ڈائجسٹ، ص ۱۱۲ تا ۱۲۲، جون
ا۔ ح۔ ق	معرکہ کھیم کرن	، ، ۲۵ تا ۳۱، ،
ابن صحرا	چین کی آزادی — سرنگوں کی جنگ	سیارہ ڈائجسٹ، ، ۱۵۹ تا ۱۶۲، ،
احسان بی اے	تحریک پاکستان کی تاریخ کیوں اور کیسے (ڈاکٹر رضی واسطی سے ایک انٹرویو)	کوہستان، ص ۴، ۸ مئی
احمد بن محمد ابراہیم، ڈاکٹر	مالیشیا میں اسلامی قانون کا نفاذ	ترجمان القرآن، ص ۴۷ تا ۵۰، جنوری
احمد اللہ ندوی، حکیم سید	عصر اسلامی کے دور اول میں علم الجراحت کی ترقی	ہمدرد صحت، ص ۹ تا ۱۲، اکتوبر
ا۔ س	خلافت و ملوکیت (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)	الرحیم، ص ۵۵۸ تا ۵۶۸، دسمبر ۱۹۶۹ء تا جنوری ۱۹۷۰ء
اسحاق، محمد	انڈونیشی انقلاب کا پس منظر	لاہور، ص ۱۴ + ۱۳، ۲۳ مارچ
اسرار احمد	تحریک جماعت اسلامی — نقش غزل (۵)	میثاق، ص ۴۵ تا ۵۶، فروری
اشرف، حکیم عبدالرحیم	عرب ممالک کا اتحاد اور کمیونزم	المنبر، ص ۱، ۳ جون
، ،	اسلامی بلاک — تدارک و مداوا؟	، ، ۳ تا ۴، ۱۰ جون
اشرف صبوحی	دلی جو ایک شہر تھا — مرزا بالم	ہمدرد صحت، ص ۲۷ تا ۳۲، ،
اصغر علی گھرال	برکی کے تاریخی محاذ پر میجر عزیز بھٹی کی زندگی کے آخری چھ دن	اردو ڈائجسٹ، ص ۲۰ تا ۳۲، جون
افسر میرٹھی، حامد اللہ	معاشرتی و علمی تاریخ	معارف، ص ۳۸۹ تا ۳۹۴، مئی
اکرام، شیخ محمد	شاہان دہلی کا علمی خزانہ	ثقافت، ص ۴ + ۶۱، ۶۲، جنوری
امیرالدین، میاں	قائد اعظم اور قرارداد پاکستان	جہاں نما، ص ۱۲ تا ۲۵، ۲۲ مارچ
انجم اعظمی	سرسید کی انقلابی تحریک	افکار، ص ۱۲ تا ۴۴، فروری
ایوب قادری، پروفیسر محمد	سندھ کی مذہبی، علمی اور سیاسی حالت پر ایک نظر	ثقافت، ص ۳۳ تا ۴۴، جون
، ،	مشاہیر کا مدحلہ دہلی	العلم، ص ۸۸ تا ۱۰۵، مئی تا مارچ

مصنف	عنوان	ماخذ
برلاس، اکرام	ایسٹ انڈیا کمپنی	لاہور، ص ۶ تا ۷، ۱۲، ۳۰ جنوری
برنیر، ڈاکٹر فرانسس		
سید محمد حسین (مترجم)	دارا شکوہ کے قتل کے چشم دید واقعات	عالمی ڈائجسٹ، ص ۸۸ تا ۹۰، جنوری
بشارت علی، ڈاکٹر	سید احمد شہید کی تحریک کے ثقافتی اور عمرانی پہلو	تہذیب الاخلاق، ص ۷۶ تا ۷۵، جنوری تا مارچ
بشیر حسین جعفری	البانیہ	سیارہ ڈائجسٹ، ص ۷۹ تا ۸۲، جون
بگٹی، فقیر بخش	پاکستان کدھر؟	نصرت، ص ۷۵ تا ۹۳، دسمبر ۱۹۶۶ تا جنوری ۱۹۶۷
بلوچ، ڈاکٹر این اے	پاکستان اور مشرق وسطی کے تہذیبی رشتے	امروز، ص ۸، ۱۴ جون
بنت البرق	سرزمین عرب پر طائرانہ نظر	محفل، ص ۴۳ تا ۵۵، جنوری فروری
″	″ ″	″ ″ ۱۳ تا ۲۰، مارچ
پرویز	قرآنی پاکستان کیسا ہوتا	طلوع اسلام، ص ۵ تا ۵۵، ″
″	ماوزے تنگ اور قرآن	″ ″ ۱۷ تا ۴۸، جنوری
تابش، ذوالفقار	مدنیۃ الزہرا	ہمدرد صحت، ص ۲۷ تا ۳۰، مارچ
تاج الدین انصاری	عالمگیر اورنگ زیب	چٹان، ص ۷ تا ۸، ۳ اپریل
تاجور سامری	کمیونسٹ اور سرمایہ دار	ہمایوں، ص ۱۲، ۱۳، مئی
تمنا عمادی، علامہ	تاریخ طبری	طلوع اسلام، ص ۵۶ تا ۶۲، اپریل
″ ″	قتل حسین	نگار پاکستان، ص ۸ تا ۱۲، ″
جلالی شاہجہان پوری	کشمیر کی قدیم صنعت — قالین سازی اور شال بافی	جامعہ، ص ۷ تا ۱۸، جنوری
جمال الدین، سید	کلیسا اور ریاست	″ ″ ۳۹ تا ۴۸، ″
جمیل احمد، خواجہ	استنبول	الشجاع، ص ۱۷ تا ۲۴، فروری
″ ″	اصفہان	″ ″ ۵۲ تا ۵۴، جون
″ ″	بخارا	″ ″ ۱۱ تا ۱۲، مئی
جمیل الدین احمد		
یاسمین نسیم باجوا (مترجم)	قائداعظم اور پاکستان کا معاشی نظام	نصرت، ص ۶۵ تا ۷۰، دسمبر ۱۹۶۶ جنوری ۱۹۶۷
جعفری، سید فضل الرحمان	عرب میں دختر کشی کی رسم	ہمدرد صحت، ص ۵۵ تا ۵۹، دسمبر

جلالی شاہجہاں پوری، امین الدین	ویدک عہد میں علوم و فنون اور صنعت و حرفت	سب رس، ص ۲۳ تا ۳۱، اپریل
جنید ہاشمی	ملکہ سبا کا محرم بلقیس	مجلۃ الجامعۃ ص ۵۶ تا ۶۷، جولائی تا ستمبر
جیلانی، پروفیسر نورالامین	ہندوستان میں انگریزی دور کے ابتدائی ذرائع آمد و رفت	سندھ مسلم کالج میگزین، ص ۵۶ تا ۵۹، اپریل
حامد مجید	۲۳ مارچ کا پس منظر	قندیل، ص ۱۲ تا ۱۳، ۲۷ مارچ
حامی الدین خاں، پروفیسر محمد		
محمد احمد صدیقی (مترجم)	پاک و ہند کے افغان حکمراں (قسط دوم)	العلم، ص ۴۹ تا ۹۸، اکتوبر تا دسمبر
حامی الدین خاں، پروفیسر محمد	پاک و ہند کے افغان حکمراں و امرا	" " ۱۰۹ تا ۱۱۰، جنوری تا مارچ
حبیب، پروفیسر محمد		
رحمت فرخ آبادی (مترجم)	دسویں صدی عیسوی کی اسلامی دنیا	الزبیر، ص ۱۸ تا ۲۴، نمبر ۱
حبیب اللہ بیگ	پاکستان افغان	الشجاع، ص ۱۳ تا ۱۵، فروری
حسرت نکوباری	معرکۂ ملبنستان (۱۸۸۸ء کے جہاد کشمیر کا ایک معرکہ)	اردو ڈائجسٹ، ص ۷۹ تا ۹۲، جون
حسن البنا		
معروف شاہ شیرازی (مترجم)	مذاکرات حسن البنا - ڈائری کے چند اوراق ۳	
حسن ریاض، سید	قرارداد پاکستان کا پس منظر	نقش، ص ۱۵۴ تا ۱۵۴، جنوری فروری
حسنی، سید	افغانستان عصر حاضر میں	جہاں نما ص ۱۸ تا ۲۰، ۸ر فروری
حفیظ پھلواروی، محمد	مسلم بادشاہ، امرا اور رفاہ عام	فاران ص ۲۲ تا ۲۵، جنوری
" "	فرمانروایان سلطنت بہمنیہ (دکن) کے دور میں علمی ترقیاں	فاران، ص ۱۸ تا ۲۴، جون
حفیظ سید، ڈاکٹر	یورپ نے اسلامی تمدن سے کیا استفادہ کیا	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۳۰ تا ۳۵، اپریل
حمید اللہ خاں نجیب آبادی	تاریخ دیپال پور	العلم، ص ۱۱۶ تا ۱۱۹، اکتوبر تا دسمبر
حمید سلطان احمد	دلی کی کہانی حویلیوں کی زبانی	صبح، ص ۲۴ تا ۳۸، مارچ
حمیدی، تصویر حسین	علم الآثار کیا ہے؟	چٹان، ص ۲، ۲۰ر جنوری
حنیف رائے	قائداعظم کا پاکستان	نصرت، ص دسمبر جنوری
"	نظریہ پاکستان	" " ۱ تا ۲۴، مئی جون

مصنف	عنوان	رسالہ، صفحات، تاریخ
خالد کمال، مولانا	تبوک — ماضی و حال کے آئینے میں	البلاغ، ص ۲۹ تا ۳۷، جنوری
خالد شیخ	تحریک پاکستان میں خواتین کا حصہ — بیگم گیتی آرا بشیر سے ایک ملاقات	قندیل، ص ۱۷ تا ۱۸، ۲۶ مارچ
خلیل اللہ، پروفیسر محمد	پاکستان کی خارجہ پالیسی	فکر و خیال، ص ۲۲ تا ۲۶، جنوری
خلیل حامدی	الاخوان المسلمون (۴)	ترجمان القرآن، ص ۵۳ تا ۴۶، جنوری
خورشید عالم	اسرائیل	چٹان، ص ۹ + ۱۲، ۲۲ فروری
"	اسرائیل — عرب ملکوں کے قلب میں سرطان	" " ۷ + ۱۲ و ۹، ۱۰ ارو ۱۷ مارچ
"	افریقہ، ایشیا کا عالمی کردار	طلوع اسلام، ص ۲۵ تا ۳۲، جون
"	اقوام متحدہ کا عالمی کردار	" " ۴۳ تا ۴۸، مئی
"	چین کا عالمی کردار	" " ۱۰ تا ۱۹، جنوری
"	" "	" " ۵ تا ۱۴، مارچ
"	محشرستان فلسطین	" " ۹ تا ۱۸، فروری
"	یورپ کا عالمی کردار	" " ۹ تا ۱۵، اپریل
راحت حسین، خواجہ	پاکستان کی جدوجہد ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک	ساغر، ص ۶، ۲۳ مارچ
راشدی، پیر علی محمد	سابق صدر فلپائن	اخبار جہاں، ص ۸ تا ۹، ۳۱ مئی
"	سکارنو — مضبوط اور پہلو دار شخصیت	" " ۱۲ تا ۱۳ + ۴۶، ۲۹ فروری
"	شاہ فاروق اور مصطفی نحاس کی سیاسی رقابت (تاریخ مصر)	" " ۸ تا ۹، ۳ و ۱۰ مئی
"	صدر جانسن — بھارت اور اسرائیل	" " ۸ تا ۹، ۲۴ مئی
"	عالم اسلام کے اصل ہیرو — شاہ حسین	" " ۸ تا ۹، ۱۴ جون
"	میکارتھر نے ایشیا کو بچایا	" " ۱۲ تا ۲۴، ۱۹ فروری
رحمت فرخ آبادی	اردو شہنشاہی — ایک تاریخی ماخذ	نگار پاکستان، ص ۴۱ تا ۵۶، مارچ
"	سندھی بزرگوں کا سیاست میں حصہ	الرحیم، ص ۵۴۹ تا ۵۵۷، دسمبر ۱۹۶۶ء و جنوری ۱۹۶۷ء
رزاقی، شاہد حسین	بہادر یار جنگ کا روزنامچہ	ثقافت، ص ۲۳ تا ۳۸، جنوری
رس، برگرینڈ		
الیاس والی، (مترجم)	امن کی جیت (بھارت چین اور کا سرحدی تنازعہ)	امروز، ص ۱۵، ۱۸ جون

مصنف	عنوان	ماخذ
رسل، برٹرینڈ	امن کی جیت (۱۲)	امروز، ص ۱۷، ۲۵ر جون
رسل، لارڈ	جنگ اور امن پسندی	جہاں نما، ص ۲۶، ۱۱ر ستمبر
رشدی، حبیب اللہ	قدیم سندھ کا خزانہ	ہمدرد صحت، ص ۱۳۱ تا ۱۳۵، اگست
رشید احمد ایم اے	اتحاد عالم اسلام	الجامعۃ محمدی شریف، ص ۳۳ تا ۳۷، جون
رضا شاہ پہلوی شہنشاہ ایران	دل از حریم حجاز و نواز شیراز است	فکر و خیال، ص ۵ تا ۷،
رفیع الدین، ڈاکٹر محمد	صحیح فلسفہ تاریخ۔ قرآن کی رہنمائی میں	ساغر، ص ۱۸ تا ۱۵، ۱۲ر اپریل
رہبری، خضر احمد	خدا ہندوستانی کلچر میں	زندگی، ص ۳۳ تا ۳۴، جنوری
زیدی، علی ناصر	فن حرب کی معراج	ہمدرد صحت، ص ۱۴۵ تا ۱۴۹، مئی
سراج نظامی	ابوسمبل (تاریخ مصر کا ایک صفحہ)	سیارہ ڈائجسٹ، ص ۱۵ تا ۲۵، ،
ستارہ جبیں	آزادی کی کہانی بیگم سلمیٰ تصدق کی زبانی	قندیل، ص ۱۸، ۲۲ر مارچ
سحر انصاری	طب قدیم میں نئے معجزے	ہمدرد صحت، ص ۸۱ تا ۸۶، اکتوبر
سرور، پروفیسر محمد	مولانا سندھی کے ساتھی ظفر حسن کی آپ بیتی کا دوسرا حصہ	الرحیم، ص ۸۱۰ تا ۸۱۹ و ۸۸۹ تا ۸۹۶، اپریل
سعید، حکیم محمد	علم الجراحت کی ترقیاں	ہمدرد صحت، ص ۱۱۸ تا ۱۲۳، ستمبر
سلیمان حسین	لکھنؤ کا تاریخی، سماجی اور معاشرتی پس منظر	سب رس، ص ۷ تا ۹، مارچ
سومرو، فیض محمد	وادی مہران	ماہ نو، ص ۱۰۰ تا ۱۰۱، ،
سیارہ (ادارہ)	ایک پیغام — مسلم سربراہوں کے نام	سیارہ، ص ۷۹ تا ۸۲، مئی
شامی، مجیب الرحمان	امام بانجول اور ولندیزی سامراج کی جنگ (تاریخ انڈونیشیا)	اخبار جہاں، ص ۱۰، ۳ر مئی
شاہ علی عثمانی بے پوری، احترام الدین احمد	راجستھان کے مسلمانوں پر طائرانہ نظر	بصائر، ص ۱۶۷ تا ۱۹۰، جنوری
شامی، مجیب الرحمان	عراق اور ایران میں محرم	اخبار جہاں، ص ۲۴ تا ۲۵، ۲۶ر اپریل
شاہد، سید سلطان	بہاولپور — علوم کا مرکز	الہام، ص ۶ تا ۷، ۱۳ر مارچ
شائستہ سہروردی، ڈاکٹر	مراکش کا تاریخی پس منظر	عصمت، ص ۳۳ تا ۳۶، جنوری
شریف الدین پیرزادہ، سید	پاکستان کے بارے میں کیرو کی پیشین گوئی	عالمی ڈائجسٹ، ص ۱۱ تا ۱۴، مئی
شریف فاروقی	ہماری خارجہ پالیسی ... محمد ایوب سے خصوصی انٹرویو	جہاں نما، ص ۲۳ تا ۳۰، ۳۰ر اکتوبر
شمس تبریز خاں آروی، مولانا	عالمگیر اور انگریز مورخین	فاران، ص ۲۷ تا ۳۲، نومبر

مصنف	عنوان	ماخذ
شمس نعمان	ابن خلدون اور اس کے نظریات	سیارہ ڈائجسٹ، ص ۵۷ تا ۶۱، مئی
شہاب، مسعود حسن	اوچ شریف	خاتون پاکستان، ص ۲۱ تا ۴۲، جنوری
"	جشن روہی[1]	الہام، ص ۳ تا ۳۰، ۳۱ مارچ
شہابی، مفتی انتظام اللہ	عہد امیہ میں علوم و فنون کی ترویج و اشاعت	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۱۷ تا ۱۹، "
صادق کاشمیری، خواجہ	پاکستان میں اسلامی نظام کی تحریک ــ مولانا مودودی سے انٹرویو	چٹان، ص ۱۰ تا ۱۲ + ۱۸، ۳ اپریل
صادق کاشمیری، خواجہ	چودھری محمد علی سے ایک ملاقات	" " ۱۰ تا ۱۲، ۱۳ فروری
" "	" " "	" " ۱۰ تا ۱۲، ۲۰ مارچ
" "	سردار شوکت حیات خاں ــ (سے انٹرویو)	" " ۱۰ تا ۱۲، ۱۰ اپریل
" "	عوامی لیگ کے صدر نواب زادہ نصر اللہ سے ملاقات	" " ۱۰ تا ۱۲، ۲۷ مارچ
" "	میاں ممتاز دولتانہ ــ (سے انٹرویو)	" " ۱۰ تا ۱۳، ۱۳ "
صفدر سلیمی و شہید فارابی	۱۹ مارچ [illegible] کی خونچکاں داستان	جہاں نما، ص ۱۵ تا ۱۹، ۱۵ "
ضیاء	علمائے کرام کا سیمینار	الرحیم، ص ۵۴ تا ۶۲، جون
طارق، رحمت اللہ	لینن سے پہلے ابن حزم	نصرت، ص ۱۷ تا ۴۸، مئی جون
ظافر قاسمی	اندلس کی عظمت	الرحیم، ص ۶۵۳ تا ۶۵۶، مارچ
ظاہر شاہ شہنشاہ ایران		
محمد خالد فاروقی (مترجم)	شہنشاہ ایران کی تصنیف "انقلاب سفید" کے چند باب	اخبار جہاں، ص ۱۴ تا ۱۵ + ۴۵، ۱۹ مارچ
ظفر احمد انصاری	پاکستان ــ ماضی ــ حال ــ مستقبل	نقش، ص ۱۶۵ تا ۱۷۲، جنوری فروری
ظفر، مفتاح الدین	تخلیقی علم کیمیا کی تاریخ کا ایک اہم باب	ہمدرد صحت، ص ۱۱۰ تا ۱۱۲، اکتوبر
ظہیر بابر	مشرق وسطیٰ کا سیاسی بحران	امروز، ص ۷، ۴ جون
"	مشرق وسطیٰ کی جنگ کے سیاسی اثرات	" " ۷، ۱۱ "
عابد حسین، ڈاکٹر سید	تاریخ سائنس کا ایک ادھورا باب	معارف، ص ۴۰۵ تا ۴۱۲، جون

---

[1] پیش نظر شمارہ الہام کا جشن روہی نمبر ہے اس میں جشن روہی اور بہاولپور کی تاریخ، جغرافیہ، صنعت و حرفت، تہذیب و ثقافت، علم و فن اور سماجی و معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تابش الوری، صدیق طاہر، منظور احمد رحمت، حکیم رشید احمد فیضی، پروفیسر سید اشرف علی، علی احمد رفعت، ادیب واثقی اور محمد کامل صاحبان کے مضامین شامل ہیں۔

عابد علی خاں	محمد قلی سے آصف سابع تک	سب رس، ص ۱۲ تا ۱۳، مئی
عابد، عبدالکریم	انڈونیشیا میں کمیونسٹوں کی ۴۵ سالہ جدوجہد کیوں ناکام رہی؟	اخبار جہاں، ص ۱۱، ۱۹ جنوری
″ ″	بیت المقدس پر اسرائیلی قبضے کے بعد	″ ″ ۲۷، ۲۸ جون
″ ″	پاکستان اور بھارت میں علاقائی اتحاد کی تجویز	″ ″ ۱۵، ۲۷ مارچ
″ ″	پاکستانی عوام اور جمہوریت — چودھری خلیق الزماں سے انٹرویو	″ ″ ۹ + ۵۱، ۲۲ جنوری
″ ″	خلائی دور میں کمیونسٹ نظریات	″ ″ ۹، ۱۲ فروری
″ ″	ریڈ گارڈز کی تحریک کیا ہے؟	″ ″ ۱۱، ۱۵ جنوری
عبدالاحد، ابوعمران	عہد متوسط میں ہندوستان کی مسلمانوں کو دین	سب رس، ص ۳۳ تا ۳۸، فروری
عبدالحکیم مرحوم، خلیفہ		
اقبال رحمان، مترجم	اسلامی سوشلزم	نصرت، ص ۲۳ تا ۵۲، مئی جون
عبدالحمید	مورس کلیڈ سے سنکام تک	سیارہ، ص ۵۳ تا ۶۲، فروری
عبدالرشید نعمانی، مولانا	برصغیر میں مسلمانوں کی علمی خدمات	مجلہ جامعہ اسلامیہ، ص ۲۳ تا ۶۰، نمبر ۲ ستمبر
عبدالقادر، شیخ	نصیبین و ایڈیسہ کے بلاد میں کسر صلیب کے آثار	مجلۃ الجامعہ، ص ۴۴ تا ۵۶، اپریل تا جون
عبداللطیف اعظمی	ہندوستانی مسلمان (پروفیسر محمد مجیب کی انگریزی تصنیف)	جامعہ، ص ۱۶۵ تا ۱۷۶، مارچ
عبداللطیف بہاولپوری	اسلام کا نظام عسکری	مجلۃ الجامعہ، ص ۲۴ تا ۳۸، اپریل تا جون
عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر محمد	ساہی وال (سابق منٹگمری)	ماہ نو، ص ۶۵ تا ۶۸، مارچ
عبدالمجید سندھی، میمن	بکھر	بصائر، ص ۹۴ تا ۱۰۲، جنوری
عرفان غازی	ہیو کا قتل عام (ویت نام میں)	اردو ڈائجسٹ، ص ۶۰ تا ۷۰، مارچ
عزیز الرحمان	رومانی تحریک	نیرنگ خیال، ص ۶۵ تا ۶۰، فروری
عضدالدین، محمد	خانوادہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے متعلق دو روایتوں کی تحقیق و تنقید	برہان، ص ۲۶۱ تا ۲۷۳، مئی
عفان سلجوق	شہر گلستان — شیراز	الرحیم، ص ۴۶ تا ۵۵، ″
غازی، عبدالمجید	برطانوی سیاسیات	لاہور، ص ۵ تا ۶، ۲۳ اپریل

غازی، عبدالحمید	جنگ ویت نام	لاہور، ص ۶ تا ۷، ۱۰۹، ۲۷ر فروری
غلام اکبر	عالم اسلام ــ مسلم نشاۃ ثانیہ کے موضوع پر دوسرا مضمون	مشرق، ص ۲ تا ۳، ۲۵ر جون
غلام ربانی، سید	دلی کے مقبرے	جامعہ، ص ۲۹۵ تا ۳۰۲، جون
غلام علی، ملک	جماعت اسلامی کا موقف اور ائمہ سلف	تجلی، ص ۴۴ تا ۵۰، اپریل
غوری، شبیر احمد خاں	عہد بابر کی علمی سرگرمیاں	برہان، ص ۳۵۹ تا ۳۷۱، جون
غلام مرتضیٰ، حافظ	قرون وسطیٰ میں عرب و ہند کے سیاسی تعلقات	معارف، ص ۳۷ تا ۵۰، جنوری
غوری، شبیر احمد خاں	محقق دوانی ہندوستان میں	برہان، ص ۱۱۳ تا ۱۲۴، فروری
فاتح قائد آبادی، ڈاکٹر	سرسید کی علمی خدمات	قندیل، ص ۷ تا ۸، ۲۶ر مارچ
فاروقی، مصباح الاسلام	پروٹوکول ــ یہودیوں کی بین الاقوامی سازشوں کا دستاویزی ثبوت	چراغ راہ، ص ۳۷ تا ۵۱، فروری
"	ترکی : حال اور مستقبل	چراغ راہ، ص ۴۱ تا ۵۲، مئی
"	ترکی : حال اور مستقبل	" " ۴۳ تا ۴۹، جون
فخر ہمایوں	مسئلہ فلسطین ــ ایک ناسور	امروز، ص ۱۰ تا ۴ر جون
فرخاد گوتانوی، قاضی مبشر العابدین	علی گڑھ تحریک کا تاریخی پس منظر	العلم، ص ۸۳ تا ۸۷، جنوری تا مارچ
فرقان، عظیم الرحمان	چین میں ریڈ گارڈز کی تحریک	جہاں نما، ص ۱۵ تا ۱۸، یکم فروری
"	صدر ناصر اور شاہ فیصل کی باہمی آویزش	" " ۱۹ تا ۴۴، ۱۸ر جنوری
"	مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی سے ایک انٹرویو	" " ۱۵ تا ۱۸ + ۴۰، ۱۷ر مئی
فکری	جنھیں انگریز نے دہشت پسند کہا (داستان آزادی)	سیارہ ڈائجسٹ، ص ۳۶ تا ۸۹، مئی
"	داستان آزادی ہند ــ جنھیں انگریزوں نے دہشت پسند کہا	" " ۴۳ تا ۸۸، جون
فیض الدین دہلوی،	دلی جو ایک شہر تھا ــ باغ کا زمانہ	ہمدرد صحت، ص ۷۱ تا ۸۰، اکتوبر
"	دلی جو ایک شہر تھا ــ پھول والوں کی سیر	" " ۷۳ تا ۴۴، مئی
قاسمی، احمد ندیم	کشمیر، ویت نام اور فلسطین	امروز، ص ۷، ۷ر مئی

کیپٹن ڈائل آرتھر

حمید اللہ خاں حسن پوری (مترجم)	مہات بریگیڈیر جیرارڈ (بعہد نپولین بونا پارٹ)	العلم، ص ۵۰ تا ۹۳، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۶ء

قریشی، الطاف حسن	ذوالفقار علی بھٹو سے انٹرویو	اردو ڈائجسٹ، ص ۱۱ تا ۲۲، جون
"	ظفر احمد انصاری سے انٹرویو	" " ۲۷ تا ۴۴ + ۹۹، نومبر
"	ایس ایم ظفر سے انٹرویو	" " ۱۵ تا ۲۴، جون
"	سکواڈرن زیمبو	" " ۱۵ تا ۲۲، مئی
"	ایم ایم عالم (سکواڈرن لیڈر پاکستان فضائیہ سے انٹرویو)	" " ۷ تا ۱۹، جولائی
کاظمی، سید غلام حسن شاہ	چترال (۳)	العلم، ص ۹۴ تا ۹۷، اکتوبر تا دسمبر
"	"	" " ۴۱ تا ۴۴، جنوری تا مارچ
کوثر نیازی	مشرق وسطی کا بحران اور عالم اسلام	شہاب، ص ۲ - ۳، ۱۸ جون
گوپال متل	اعتدال پسند کمیونسٹ	تحریک، ص ۱۱ تا ۱۳، جنوری
لاہوتی، سری نواس	حیدرآباد میں قطب شاہی آثار	سب رس، ص ۱۴ تا ۱۷، اپریل
ماجد قریشی	تحریک آزادی میں بہاولپور کے شاعروں کا حصہ	الزبیر، ص ۷۰ تا ۸۱، نمبر ۱ ۱۹۷۶ء
ماہر القادری	صحابہ کرام اور مولانا مودودی	فاران، ص ۲۰ تا ۲۴، نومبر
مائل، محمد زکریا	اندلس پر ایک طائرانہ نظر	" " ۴۸ تا ۴۹، اپریل
مبارک علی خاں	ذرائع حمل و نقل — پتھر کے دور سے آج تک	ہمدرد [illegible] ص ۱۴۳ تا ۱۵۱، "
مبشر احمد	قتل جلال الدین	ساقی، ص ۲۵ تا ۲۶، مئی جون
مجاہد، رحمت علی	ایٹم اور آثار قدیمہ	سیارہ ڈائجسٹ، ص ۱۱ تا ۲۳، مئی
محمد علی چودھری	غیر ملکی قرضے اور پاکستان	جہاں نما، ص ۴۲، ۲۰ نومبر
محمد تقی، سید	میر انظریہ تاریخ	اردو، ص ۵۲ تا ۷۵، جنوری
محمد مسلم عظیم آبادی، پروفیسر	تاریخ الکیمیا اور کیمسٹری	نگار پاکستان، ص ۱۱ تا ۱۸، مئی جون
محمد نواز	اسلامی جمہوریت اور حزب اختلاف	فاران، ص ۱۰ تا ۲۵، اپریل
محمود الرحمان (پروڈیوسر کاکوی)	قائد اعظم — عظیم آباد میں	[illegible]، ص ۲۵ دسمبر
محمود علی قصوری، میاں	ویت نام میں امریکہ کے جنگی جرائم	جہاں نما، ص ۱۹ + ۴۳، یکم فروری
مخمور، سید محمد محمود رضوی	اکبرآباد — آہ! اکبرآباد	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۳۳ تا ۴۴، جنوری
مخمور اکبرآبادی	سرزمین سندھ کا ایک تاریخی رومان	نگار پاکستان، ص ۳۵ تا ۴۱، جنوری فروری
مدنی، محمود احمد	عالم عرب میں ناصر اور بدر کا معرکہ	اخبار جہاں، ص ۸ تا ۹ + ۷۵، ۲۶ اپریل

مسائل، جامع

عبد اللہ (مترجم)	صدر ناصر اور اسلامی سوشلزم	نصرت، ص ۹۱ تا ۱۰۳، مئی جون
مشتاق طاہر	ساہیوال کا ایک اہم تاریخی قصبہ ستگھرہ	جہاں نما، ص ۷۴، ۱۳ر نومبر ۶۷ء

مشہد درگہی

محمد خالد فاروقی (مترجم)	روضہ امام رضا کا میوزیم	اخبار جہاں، ص ۱۴، ۲۶ر فروری
مصطفیٰ علی بریلوی	انگریزوں کی لسانی پالیسی اور مسلمان	قومی زبان، ص ۷۱ تا ۸۰، مئی
مظہر حسین، میر	بنی امیہ کا عروج، فتوحات اور اس کی وسعت	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۱۴ تا ۱۷، فروری
معین الحق، ڈاکٹر سید	جنگ آزادی کا مجاہد اعظم — مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی	ہمدرد صحت، ص ۷ تا ۱۳، اگست

مقبول احمد، سید

عابد رضا بیدار (مترجم)	اسلامی معاشرے کے تنزل کا اہم سبب (از منہ وسطی میں عروج وزوال کی داستان کا ایک ورق)	برہان، ص ۴۸ تا ۵۹، جنوری
ممتاز احمد	بھٹو۔سورن سنگھ مذاکرات	چراغ راہ، ص ۷۲ تا ۹۳، مئی
"	تاشقند کانفرنس	" " ۲۹ تا ۵۴، جنوری
ممتاز حسین	۱۸۵۷	مشرق لاہور، ص ۲۰۰، ۷ر مئی
ممتاز لیاقت	معتزلہ اور اشاعرہ	الجامعہ، ص ۱۷ تا ۲۲، مئی
مناظر احسن گیلانی، سید	مسلمانوں کا اندلس	عارف، ص ۱۷ تا ۲۲، اپریل
مناظر صدیقی	قطب شمالی — ایک مہم	ہمدرد صحت، ص ۱۱۰ تا ۱۲۸، جون
منور طیب	ساہیوال کے اردو کے دو قدیم شاعر — بابا فرید اور مولانا عبدی	جہاں نما، ص ۳۴، ۱۳ر نومبر ۶۷ء
مودودی، مولانا سید ابو الاعلیٰ	مشرق وسطی کے چار دن	آئین، ص ۴ تا ۵+۱۲، ۱۵ر جون
مہر، مولانا غلام رسول	اصل مجرم کون ہے؟ اسرائیل یا برطانیہ وامریکہ	چٹان، ص ۸+۱۸، ۱۹ر جون
" " "	عرب اور اسرائیل	امروز، ص ، ۸ر جون
" " "	عرب اور اسرائیل کی جنگ۔مسلمانوں کا بدیہی فرض	" " ۳، ۱۱ر جون
ناز، ایس ایم	غزوہ بدر	عارف، ص ۱۸ تا ۲۲، جنوری

ناصر، سید میر محمود احمد	ابتدائی مسیحی دور کی تحریرات	مجلہ الجامعہ، ص ۶۸ تا ۷۴، جنوری تا مارچ
نعیم آروی	قومی عجائب گھر	اخبار جہاں، ص ۱۱ تا ۱۲، ۱۲ فروری
نعیم صدیقی، محمد	معیاری حکومت — مثالی حکمراں	فاران، ص ۳۷ تا ۴۲، مارچ
نقوش، ایس اے	پاکستان کی قدیم میراث	افکار، ص ۸۹ تا ۹۲، جنوری
نیاز فتح پوری	اکبر۔ انارکلی، جہانگیر	نگار پاکستان، ص ۵۳ تا ۵۶، اپریل
،،	انسان کی ذہنی تاریکی کا عبرتناک دور	،، ،، ۱۹ تا ۲۹، مارچ
،،	اورنگ زیب اور زین آبادی	،، ،، ۳ تا ۷، جنوری
،،	تاریخ طبیعی کا ایک دلچسپ ورق	،، ،، ۴۲ تا ۴۴، نومبر
،،	عبداللہ بن سبا اور قتل حضرت عثمان	،، ،، ۳۴ تا ۴۸، مارچ
،،	مسلمانوں کا عسکری اخلاق	،، ،، نومبر
وحید الدین خاں	پولیٹیکل سائنس	زندگی، ص ۲۹ تا ۳۴، جون
وحید، شکیل احمد	یورپ اور مسلمان	سندھ مسلم کالج میگزین، ص ۴۲ تا ۴۸، اپریل
وحید قریشی، ڈاکٹر	عہد ابو ظفر بہادر شاہ	اوراق، ص ۳۵ تا ۴۲،
ولی الحق انصاری، ڈاکٹر محمد	شمالی ہند میں چند علمی و ادبی مراکز	معارف، ص ۳۶۹ تا ۳۷۹، مئی
ــــــ	انڈونیشیا میں انقلاب کیسے آیا	جہاں نما، ص ۲۵ تا ۲۶، ۲۷ نومبر
ــــــ	انھیں تلوار سے محبت تھی (سلطان ٹیپو)	مشرق، ص ۱۳، ۳۰ اپریل
ــــــ	ایک ملک چار نام — اندلس	ہمدرد صحت، ص ۲۵ تا ۳۱، نومبر
ــــــ	بنی امیہ کا عروج، فتوحات اور اس کی وسعت	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۵ تا ۱۳، مارچ
ــــــ	پول جنبتا — دوسری عالمی لڑائی میں	ہمایوں، ص ۳۱۳، مئی
ــــــ	ٹیپو کی موت	سنڈے مشرق، ص ۱۲ تا ۱۳، ۳۰ اپریل
محمد حبیب اللہ رشدی (مترجم)	جھانسی کی رانی	ہمدرد صحت، ص ۴۳ تا ۵۲، ستمبر
ــــــ	خیوا وسطی ایشیا کا ایک قدیم اسلامی شہر	،، ۹۱ تا ۹۵، جون
ــــــ	ڈاکٹر عمر حیات ملک (سے انٹرویو)	اردو ڈائجسٹ، ص ۹ تا ۲۳، مارچ
ــــــ	روس میں اسلامی تہذیب کے آثار	جہاں نما، ص ۲۷، ۱۵ فروری

- سلطان ٹیپو شہید — قندیل، ص ۹ ، ۳۰ اپریل
- سوکا گا کائی (جاپان کی ایک تنظیم) — انجام ، ص ۱۲ تا ۱۳، ۲۰ فروری
- شاہ ظاہر شاہ کا دورۂ پاکستان — اخبار جہاں، ص ۹ ، ۱۹ فروری
- شیر کی ایک دن کی زندگی اور... (سلطان ٹیپو شہید) مشرق ، ص ۱۰، ۳۰ اپریل
- صوبائی اسمبلی — مختلف ادوار میں — جہاں نما، ص ۷ تا ۱۹، ۴ دسمبر
- غلاموں کی نجات (تاریخ کی روشنی میں) — انجام ، ص ۲۰۴ تا ۲۰۴، ۱۷ جنوری
- قرارداد پاکستان کا واقعاتی پس منظر — اردو ڈائجسٹ، ص ۵۱ تا ۵۶، مارچ
- مشرقی اور مغربی پاکستان میں عدم مساوات کا مسئلہ — شہاب، ص ۸ تا ۹، ۱۲ فروری
- مشرقی اور مغربی پاکستان میں یگانگت کی تخلیق — جہاں نما، ص ۱۶ تا ۱۷، ۱۱ ستمبر

انجمن ترقی اردو پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ

قومی زبان

جلد ۳۱ — شمارہ ۵

نومبر ۱۹۶۷ء

انجمن ترقی اردو پاکستان

بابائے اردو روڈ

کراچی

فی پرچہ: ایک روپیہ

قیمت سالانہ: دس روپے

فہرست

ادارۂ تحریر
جمیل الدین عالی
مشفق خواجہ

زیرِ تعمیر اُردو کالج کے لئے عطیات

اب تک زیرِ تعمیر اُردو کالج کے لئے مبلغ ایک لاکھ نوے ہزار ایک سو دس روپے اٹھارہ پیسے (۱،۹۰،۱۱۰ر۱۸ روپے) جمع ہو چکے ہیں۔ گزشتہ ایک ماہ میں جو رقوم موصول ہوئی ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے:

ذاتی عطیات:

۱۔ غیاث محمد خاں صاحب ۔ کراچی	اسی روپے
۲۔ امانت علی صاحب تحصیل چونیاں ضلع لاہور	پچیس روپے
۳۔ ڈاکٹر احتشام علی چشتی صاحب ۔ کراچی	بیس روپے

۴۔ رسائد کی فروخت سے مندرجہ ذیل حضرات اور اداروں نے رقوم جمع کرائیں:

۱۔ ادارۂ ترقیات بلدۂ کراچی	دو ہزار ایک سو چھتیس روپے
۲۔ ڈپٹی کمشنر ۔ کراچی	پندرہ سو روپے
۳۔ محمد اقبال حسینی صاحب ۔ کراچی	پانچ سو روپے
۴۔ محمد حسین صاحب ۔ لاہور	تین سو پچاس روپے
۵۔ خواجہ نصیر الدین صاحب ۔ لاہور	دو سو روپے
۶۔ محمد محفوظ احمد صاحب ۔ کراچی	آٹھ روپے
۷۔ بیگم صادق علی خان ۔ لاہور	پانچ روپے

شہنشاہ ایران کی تاجپوشی
اور
پاکستان کے علمی ادارے

شہنشاہ ایران اعلیٰ حضرت محمد رضا پہلوی آریا مہر اور علیا حضرت فرح پہلوی شہبانوے ایران کی تاجپوشی کے یادگار موقع پر پاکستان کے علمی اداروں نے فارسی زبان و ادب سے متعلق مندرجہ ذیل کتابیں شائع کی ہیں۔

اقبال اکیڈیمی کراچی:

۱۔ تذکرۂ شعرائے پنجاب۔ مؤلفہ، لفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر خواجہ عبدالرشید

۲۔ تذکرۂ شعرائے کشمیر۔ مصنفہ، مرزا اصلح کشمیری۔ مرتبہ، سید حسام الدین راشدی

۳۔ تذکرۂ شعرائے کشمیر۔ (دو جلدوں میں) مؤلفہ، سید حسام الدین راشدی

۴۔ شمارۂ خصوصی مجلہ "اقبال ریویو"۔ مرتبہ، بشیر احمد ڈار، ڈائرکٹر اقبال اکیڈیمی

مجلس ترقی ادب۔ لاہور:

۱۔ تاریخ ایران (دو جلدوں میں)۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی

۲۔ ہفت مقالہ بر فردوسی۔ حافظ محمود شیرانی

۳۔ کلیات غالب (فارسی۔ (تین جلدوں میں) مرتبہ، مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

۴۔ مقالات محمد شفیع۔ مرتبہ، احمد ربانی

۵۔ یادداشت ہائے مولوی محمد شفیع۔ مرتبہ، احمد ربانی

پنجاب یونی ورسٹی۔ لاہور:

۱۔ مضامین منتخبہ (انتخاب اورینٹل کالج میگزین۔ دو جلدوں میں)

۲۔ مثنوی وامق و عذرا۔ مصنفہ عنصری، مرتبہ مولوی محمد شفیع مرحوم و احمد ربانی

انجمن روابط فرہنگی پاکستان و ایران۔ کراچی:

۱۔ خصوصی شمارہ مجلہ "پارس"

۲۔ مخطوطات فارسی وزارت محکمۂ آثار قدیمہ، حکومت پاکستان۔ مرتبہ محمود بیگ

۳۔ خطاطان خطہ (انگریزی)۔ مولفہ، ڈاکٹر اے غفور

۴۔ پاکستان کے قومی عجائب گھر میں فارسی دواوین کے قلمی نسخے (اجمالی فہرست) مرتبہ، ہدایت اللہ

انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی:

۱۔ ہفت مقالہ (رسالہ "اردو" کا انتخاب) مرتبہ، سید حسام الدین راشدی

۲۔ گلشن ہمیشہ بہار: مصنفہ نصر اللہ خویشگی۔ مرتبہ، ڈاکٹر اسلم فرخی

۳۔ مخطوطات انجمن ترقی اردو (فارسی۔ اجمالی فہرست) مرتبہ، سید سرفراز علی رضوی

۴۔ شمارۂ خصوصی مجلہ "اردو" (مع تذکرۂ ہمیشہ بہار۔ مصنفہ کشن چند اخلاص۔ مرتبہ، ڈاکٹر وحید قریشی)

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم

عزیز النساء بیگم

لاہور کے مشہور مصنف، صحافی اور شاعر منشی محمد الدین فوق نے سرسید کے نانا خواجہ فریدالدین احمد خاں کے حالات پر ایک کتاب " حالات نواب دبیرالدولہ " کے نام سے لکھی تھی یہ جنوری ۱۹۱۳ء میں لاہور کے ہندوستان اسٹیم پریس سے شائع ہوئی تھی اس کتاب کے آخر میں سرسید کی والدۂ ماجدہ عزیز النساء بیگم کے حالات بھی ہیں جو مولوی عبدالحق نے لکھے تھے کتاب کے صفحات ۵۰ ہیں ۔ گیارہ صفحات پر مولوی صاحب کا مضمون ہے جس کے آخر میں اُن کا نام یوں لکھا ہے ۔ " مولوی عبدالحق صاحب بی اے حیدر آباد دکن "۔ کتاب کے شروع میں فوق کا دیباچہ ہے جو ۹ ستمبر ۱۹۱۱ء کا لکھا ہوا ہے ۔ اس کے شروع میں فوق صاحب لکھتے ہیں ۔ " ۱۹۱۱ء کے کشمیری میگزین میں جب فخر مسلمانان سر سید احمد خاں کی والدہ عزیز النساء بیگم دختر بلند اختر نواب دبیرالدولہ خواجہ فخرالدین احمد (کتابت کی غلطی سے فرید کی جگہ فخر لکھا گیا) وزیر بادشاہ دہلی کے مختصر حالات لکھے گئے تو میں نے وعدہ کیا تھا کہ دبیرالدولہ کے حالات بھی جب مہیا اور دستیاب ہوں گے تو نذر ناظرین کئے جائیں گے "
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کا مضمون پہلے کشمیری میگزین میں چھپا تھا ۔

بلا شبہ ایک اچھی ماں ہزاروں اُستادوں سے بہتر ہے (سرسید)

سرسید احمد خاں بہادر کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم کی اشاعت کی جائے ، لیکن اس کے علاوہ اُن میں دو تین اور باتیں نہایت ممتاز طور پر پائی جاتی ہیں ۔ مثلاً اُن کے پولیٹکل خیالات ۔ اس بارے میں ان کی بڑی کوشش یہ تھی کہ انگریزوں اور مسلمانوں میں جو ایک قسم کی منافرت پیدا ہو گئی تھی اُسے مٹا دیا جائے اور اُن میں عمدہ تعلقات پیدا کئے جائیں ۔ دوسرے انگریزی سلطنت کی خیر خواہی اور وفاداری اور اس حکومت کی خوبیاں لوگوں کے دلوں پر نقش کی جائیں ۔ دوسری ممتاز بات جو ان میں پائی جاتی تھی اور جس کی وجہ سے

تمام ملک میں ایک تہلکا مچ گیا اور لوگوں نے بڑے زور شور سے مخالفت کی وہ اُن کے مذہبی خیالات تھے۔ اگرچہ اُن خیالات کے کیسے ہی مخالف کیوں نہ ہوں لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ ملک پر ان کا بہت کچھ اثر پڑا اور ٹھیٹ اسلام اور توہمات باطلہ جھوٹی سچی قصے کہانیوں میں لوگ فرق کرنے لگے۔ عام طور پر تحقیق کا خیال پیدا ہو گیا۔ تیسری بات جو فی الحقیقت نہایت قابلِ تعریف و تحسین ہے، وہ اُن کے پاکیزہ اخلاق ہیں۔ میں یہاں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ وہ ان تینوں باتوں میں اپنی ماں کے سچے شاگرد تھے اور اس بارے میں ان کی زندگی پر زیادہ بلکہ بالکل اُن کی والدہ کا اثر پڑا۔

۱۸۸۴ء میں ہندوستان کی تعلیمی حالت کی تحقیقات کے لئے ایک ایجوکیشن قائم کیا گیا، سر سید احمد خاں بہادر اور سید محمود بھی اس کے ممبر تھے۔ سر سید احمد خاں سے جب تعلیم نسواں کی نسبت سوال کیا گیا تو انھوں نے اثنائے شہادت میں یہ بھی بیان فرمایا کہ "خود میں نے فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنی ماں سے پائی، اور نیز اوائل عمر میں مجھے بہت سے مفید اور اخلاقی سبق میری والدہ نے دیئے۔ جو اب تک بعینہٖ مجھے یاد ہیں"

عزیز النسا بیگم (والدہ سر سید احمد خاں) خواجہ فرید الدین احمد کی سب سے بڑی بیٹی تھیں، اگرچہ صرف قرآن مجید اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھی ہوئی تھیں۔ لیکن نہایت لائق منتظم، ذہین، رحمدل، بااخلاق اور قدرتی طور پر نہایت عالی دماغ واقع ہوئی تھیں۔ جن کی قابلیت اور خوبی کا اثر نہ صرف سر سید احمد خاں بہادر پر بلکہ قریب قریب تمام خاندان پر پڑا۔ سر سید احمد خاں اپنی ابتدائی تعلیم کا جو انھوں نے اپنی والدہ سے حاصل کی۔ اس طرح ذکر کرتے ہیں "میں نے خود گلستاں کے سبق ان سے پڑھے ہیں اور اکثر ابتدائی فارسی کتابوں کے سبق ان کو سنائے ہیں۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ جب میں اُن کو سبق سُنا تا یا نئے سبق کا مطالعہ ان کے پاس بیٹھ کر دیکھتا تو وہ سُوت کی گوندھی ہوئی تین لڑیں ایک لکڑی میں بندھی ہوئی میری تنبیہہ کو اپنے پاس رکھ لیتی تھیں۔ اگرچہ وہ خفا تو کئی بار ہوئی ہوں گی مگر اُن سوت کی لڑیوں سے مجھے کبھی مار نہیں پڑی۔"

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایسے شخص نے سر سید احمد خاں بہادر سے بدی کی جس سے انھوں نے کبھی بہت بڑا سلوک کیا تھا، اتفاق سے وہ تمام ثبوت جس سے اسے پوری سزا عدالت سے مل سکتی تھی، اُن کے ہاتھ آ گئے اور سر سید انتقام لینے پر آمادہ ہو گئے۔ اُن کی والدہ نے جب یہ سُنا تو کہا "اگر تم اس کو معاف کردو تو اس سے عمدہ کوئی کام نہیں۔ اور اگر تم کو اس کی بدی کی حاکم سے سزا دلوانی ہے تو نہایت نادانی ہے کہ اس قوی اور زبردست احکم الحاکمین کے چنگل سے جو ہر ایک اعمال کی سزا دینے والا ہے چھوڑ کر دنیا کے ضعیف اور ناتواں حاکموں کے ہاتھ ڈالنا چاہتے ہو" سر سید کہتے ہیں کہ "اس نصیحت کا میرے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اس وقت سے میرے دل میں کبھی کسی شخص سے انتقام لینے کا خیال نہیں آیا۔ اگرچہ اس شخص نے میرے ساتھ کیسی ہی دشمنی کیوں نہ کی ہو۔ بلکہ میرے دل میں یہ بات پیدا ہو گئی کہ اب میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ آخرت میں خدا بھی میرا اُس سے بدلہ لے۔"

سر سید نے اسی قسم کے ایک اور واقعے کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ "جس زمانے میں میری عمر ۱۱ - ۱۲ برس کی تھی، میں نے ایک نوکر کو جو بہت بڈھا اور پرانا تھا کسی بات پر تھپڑ مارا، جس وقت میری والدہ کو خبر ہوئی اور تھوڑی دیر بعد میں گھر میں گیا تو میری والدہ نے

ناراض ہوکر کہا کہ اس کو گھر سے نکال دو۔ جہاں اس کا جی چاہے چلا جائے، یہ گھر میں رہنے کے قابل نہیں رہا۔ چنانچہ ایک ماما میرا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر لے گئی اور باہر سڑک پر چھوڑ دیا۔ اسی وقت ایک دوسری ماما میری خالہ کے گھر سے جو قریب تھا نکلی اور مجھ کو میری خالہ کے گھر لے گئی۔ میری خالہ نے کہا کہ دیکھو تمھاری والدہ تم سے کس قدر ناراض ہیں اور اس سبب سے جو تم کو گھر میں رکھے گا اس سے بھی خفا ہوں گی، مگر تم کو میں چھپائے رکھتی ہوں۔ اور کوٹھے پر کے ایک مکان میں مجھے چھپا دیا۔ تین دن تک میں اس کوٹھے پر چھپا رہا۔ میری خالہ میرے سامنے نوکروں اور بہنوں سے کہتی تھیں کہ "دیکھنا آپا جی کو خبر نہ ہو کہ یہاں چھپے ہوئے ہیں"۔ تین دن کے بعد میری خالہ میری والدہ کے پاس قصور معاف کرانے کے واسطے لے گئیں۔ انھوں نے کہا کہ اگر اس نوکر سے قصور معاف کرائے تو میں معاف کروں گی۔ وہ نوکر ڈیوڑھی میں بلایا گیا، میں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے جب تقصیر معاف ہوئی"۔ جس ماں کی یہ تعلیم ہو اس کا بچہ کیسا کچھ بااخلاق نہ ہوگا۔

سرسید اپنے ایک دوست سے ہمیشہ ملنے جایا کرتے تھے لیکن اتفاق سے وہ دوست ناراض ہوگئے۔ اور انھوں نے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ مگر سرسید بدستور ملتے رہے۔ لیکن ایک مدت بعد انھوں نے بھی جانا چھوڑ دیا۔ جب ان کی والدہ کو خبر ہوئی تو انھوں نے سبب دریافت کیا، سرسید صاحب نے جو بات تھی کہہ دی۔ تب انھوں نے کہا "کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو تم اچھا نہیں سمجھتے وہی بات تم بھی کرتے ہو۔ جب دوستی ہے تو اسے پورا کرنا چاہیئے، یہ تمھارا فرض ہے اور اس دوستی کا پورا برتاؤ کرنا اس کا فرض ہے۔ تم دوسرے شخص کے فرض ادا کرنے کے کیوں ذمہ دار ہوتے ہو۔ تم کو بدستور اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے۔ اس سے تم کو کیا دوسرا بھی اپنا فرض ادا کرتا ہے یا نہیں"۔

وہ غریب اور مسکین عورتوں کی ہمیشہ خبر گیری کرتی تھیں اور مکان کا ایک حصہ انھی کے رہنے سہنے اور علاج کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ ان میں سے ایک غریب اور لاوارث بڑھیا زینؔن تھی جو مرتے دم تک ان کے ساتھ رہی اتفاق سے وہ اور زینؔن ایک ہی زمانے میں بیمار ہوگئیں۔ جو دوا حکیم ان کے لئے تجویز کرتا تھا وہی دوا زینؔن کو پلاتی تھیں۔ دونوں کو صحت ہوگئی، اس کے بعد حکیم نے ایک قیمتی معجون تجویز کیا جو سید صاحب تیار کرا کر لائے۔ چونکہ انھیں یقین تھا کہ زینؔن کو یہ قیمتی معجون کوئی تیار کرکے نہیں دے گا، وہ خفیہ خفیہ زینؔن کو کھلاتی رہیں۔ اور خود چکھی تک نہیں۔ اس سے زینؔن کی صحت میں بہت کچھ ترقی ہوئی اور ساتھ ہی ان کی صحت بھی اچھی ہوگئی۔ چند روز بعد جب سید صاحب نے کہا کہ "اس معجون نے تو آپ کو بہت فائدہ کیا" تو انھوں نے ہنس کر جواب دیا "کیا تمھارے نزدیک خدا بغیر دوا کے صحت نہیں دیتا۔ سید صاحب کو یہ سن کر تعجب ہوا اور پھر سارا قصہ معلوم ہوا"۔

ایک امر ان سے حقیقت میں نہایت استقلال کا ظہور میں آیا۔ وہ یہ ہے کہ ان کے بڑے بیٹے یعنی سید احمد خاں کے بڑے بھائی سید محمد خاں کا انتقال عین جوانی میں ہوگیا۔ اس وقت ان کی عمر کوئی ۲۷ سال کی ہوگی، جیسا کچھ انھیں رنج ہوا ہوگا وہ ظاہر ہے۔ سب لوگ گریہ وزاری میں مصروف تھے، ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہتے تھے۔ اور زبان سے صرف یہ الفاظ نکلے "خدا کی مرضی"۔ لیکن بڑا کام جو انھوں نے کیا وہ یہ تھا کہ اتفاق سے انھی دنوں میں قریب کے عزیزوں کی ایک بیٹی کی شادی تھی۔ سامان شادی سب ہو چکا تھا، تاریخ بھی مقرر ہو چکی تھی۔ جب یہ موت واقع ہوئی۔ اس لئے حسب دستور ان لوگوں نے اس

شادی کو ملتوی کرنا چاہا مگر سید احمد خاں کی والدہ اس انتقال کے تیسرے روز اُن کے گھر گئیں اور کہا کہ تمھاری شادی میں آئی ہوں۔ تین دن سے زیادہ ماتم کرنا منع ہے، جو ہونا تھا سو ہو چکا، تم شادی ہرگز ملتوی نہ کرو۔ اور جب میں تمھیں اجازت دیتی ہوں تو پھر تمھیں کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔" اس روشن خیال عورت کا یہ کام نہایت جرات انگیز اور قابلِ تحسین ہے۔ درحقیقت ملک کی ترقی اور بہبود کے لئے ایسی ماؤں کی بے انتہا ضرورت ہے۔

دوسرا امر جس میں سرسید احمد خاں کو میں نے خاص طور پر ممتاز سمجھا ہے وہ اُن کے مذہبی خیالات ہیں۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ کہاں تک صحیح اور کس حد تک غلط ہے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انھوں نے اس بارے میں مذہبی تحقیقات اور شک کی ایک نئی تحریک لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی۔ میرا خیال ہے کہ سرسید کے کیرکٹر کے اس پہلو پر بھی ان کی والدہ کا بہت اثر پڑا۔ اور اس میں کچھ کلام نہیں کہ توہمات اور تعصبات (جن کے سید صاحب سخت دشمن تھے) کی بیخ و بنیاد اُن کی والدہ نے ابتدا ہی میں اُن کے دل سے اُکھاڑ دی تھی۔

وہ کبھی کسی مقصد کے لئے منت یا نیاز نہیں مانتی تھیں اور نہ انھیں فال و استخارہ یا گنڈے تعویذ پر ذرا اعتقاد تھا تاریخوں اور دنوں کی سعادت یا نحوست کی وہ ذرہ برابر پروا نہیں کرتی تھیں۔ انھیں خدا پر پورا بھروسا تھا اور اس قسم کے امور کو خلافِ شانِ اسلامی سمجھتی تھیں۔ اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ ہر بات کے لئے صرف خدا سے دعا کی جائے، پھر وہ جو چاہے گا کرے گا۔ چنانچہ ایک واقعہ جس کا سید صاحب نے ذکر کیا ہے۔ اُن کے اس اعتقاد کی شہادت دیتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ" میرے ننھیال کے بعض لوگ توہمات میں مبتلا تھے (سید صاحب کے ننھیال کو شاہ عبدالعزیز صاحب سے اور اُن کے خاندان سے بہت عقیدت تھی) اور شاہ عبدالعزیز کے یہاں جو کچھ ہوتا تھا اُس پر اعتقاد رکھتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز اور اُن کے خاندان کے بزرگ لڑکوں کو بعض بیماریوں سے محفوظ رہنے کے لئے ایک گنڈا دیا کرتے تھے، جس میں ایک تعویذ ہوتا تھا اور اُس تعویذ میں ایک حرف یا ہندسہ سفید مرغ کو ذبح کر کے اُس کے خون سے لکھا جاتا تھا اور جس لڑکے کو پہنایا جاتا تھا، ۱۲ برس کی عمر تک انڈا یا مُرغی کھانے کا اُس کو امتناع ہوتا تھا۔ سید حامد اور سید محمود میرے دونوں بیٹوں کو بھی ان کی ننھیال والوں نے وہ گنڈا پہنایا۔ مگر میری والدہ کو یہ خیال تھا کہ اس گنڈے کے سبب سے انڈا یا مرغی نہ کھانا اور یہ سمجھنا کہ اگر کھائیں گے تو کوئی آفت آئے گی، خدا پر ایمان رکھنے کے برخلاف ہے۔ وہ ان دونوں لڑکوں کو جب کبھی وہ ان کے ساتھ کھاتے اور کوئی ایسی چیز بھی موجود ہوتی جس میں انڈا پڑا ہو یا مرغی کا سالن یا مرغ پلاؤ ہوتا تو بے تامّل ان کو کھلا دیتیں۔ وہ لڑکے پراٹھے اور انڈا پسند کرتے تھے، وہ بے تامّل ان کو پکوا کر کھلا دیتی تھیں۔"

سید صاحب کہتے ہیں کہ" اس زمانے میں کہ میرے خیالات مذہبی محققانہ اصول پر ہیں اس وقت بھی میں اپنی والدہ کے عقاید میں کوئی ایسا عقیدہ جس پر کسی قسم کے شرک یا بدعت کا اطلاق ہو، نہیں پاتا، بجز ایک عقیدے کے کہ وہ سمجھتی تھیں کہ عبادت بدنی یعنی قرآن مجید پڑھ کر بخشنے کا یا فاتحہ دے کر کھانا تقسیم کرنے کا ثواب مُردے کو پہنچتا ہے۔" اس سے اندازہ ہو سکتا

ہے کہ سید احمد خاں پر مذہبی خیالات میں اُن کی والدہ کا کہاں تک اثر ہوگا۔

تیسرا امر جس میں میں نے سید احمد خاں کو خاص طور پر ممتاز خیال کیا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ سلطنتِ انگریزی کے نہایت وفادار اور خیر خواہ تھے۔ اور سب سے پہلا یہ شخص تھا جس نے نہایت جانفشانی کے ساتھ اس امر کی کوشش کی کہ مسلمانوں اور انگریزوں میں باہمی عمدہ خیالات اور عمدہ تعلقات پیدا کئے جائیں، اور اس میں اسے بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ پچاس سال پہلے اور آج کل کا مقابلہ کیا جائے تو زمین وآسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت مسلمان انگریزی سلطنت کے بدخواہ اور انگریزوں کی قوم کے جانی دشمن اور مخالف خیال کئے جاتے تھے۔ اور آج وہی مسلمان ہیں کہ برٹش گورنمنٹ کے خیر خواہ اور ان کی وفادار رعایا کہلائے جاتے ہیں۔ اُس وقت مسلمان کی صورت دیکھ کر انگریز کی آنکھوں میں خون اُتر آتا تھا کیوں کہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ ہماری سلطنت کا سب سے بڑا بدخواہ اور ہماری قوم کے خون کا پیاسا یہی شخص ہے۔ اور یہی شخص ہے جس کے بے رحم ہاتھ نے ہمارے معصوم بچوں اور بے گناہ بی بیوں کا بے دریغ خون بہایا ہے۔ لیکن آج مسلمانوں سے اُس کا برتاؤ نہایت قابلِ تعریف ہے۔ وہ مسلمانوں کی تعریف میں بڑے بڑے آرٹیکل لکھتا ہے اور انھیں اپنی سلطنت کے قیام کے لئے بڑی تقویت خیال کرتا ہے۔ یہ حیرت انگیز تغیر صرف سید احمد خاں کا پیدا کیا ہوا ہے جسے اعلیٰ درجے کی کامیابی سمجھنا چاہئے۔ اور زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ یہ سب کچھ بلا کسی غیر کی مدد کے صرف ایک شخص کی کوشش اور سرگرمی کا نتیجہ ہے۔ لیکن انگریزی سلطنت کی خیر خواہی کا خیال سید احمد خاں کو غدر کے بعد پیدا نہیں ہوا بلکہ شروع ہی سے یہ خیال اُن کے دل میں تھا اور اس خیال کی پیدا کرنے والی اُن کی والدہ تھیں۔ شاید پڑھ کر ناظرین کو تعجب ہو لیکن فی الحقیقت بات یہی ہے۔ جسے میں مختصر طور پر یہاں ثابت کرنا چاہتا ہوں۔

سرسید کے نانا نواب دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فریدالدین احمد خاں نے جب وزارت سے استعفا دے دیا تو کچھ دنوں بعد مہاراجا رنجیت سنگھ نے اپنے معتمد کو اُن کے پاس بھیجا اور تیس ہزار روپیا سفر خرچ کے لئے پیش کیا اور لاہور بلایا۔ اُن کے سب دوستوں اور عزیزوں کی کمال خواہش تھی کہ وہ اسے منظور فرمالیں، اور خود بھی ان کی کسی قدر مرضی تھی۔ لیکن اُن کی بڑی بیٹی یعنی سید احمد خاں بہادر کی والدہ نے کہا کہ " آپ کے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے اور اس قدر کہ آپ اپنی بقیہ زندگی نہایت آرام و آسائش سے بسر کر سکتے ہیں۔ خود لاہور جانا اور مہاراجا رنجیت سنگھ کی سلطنت کے اختیارات ہاتھ میں لینا اور ہم سب کا انگریزی عملداری میں رہنا خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے، نہ معلوم کیا اتفاقات ہوں اور کیسے ملکی انقلابات در پیش آئیں۔ اور کس قسم کی تکالیف کا سامنا ہو، میں آپ کا انگریزی عملداری کو چھوڑ کر وہاں چلا جانا پسند نہیں کرتی، دوسرے آپ کا زمانہ ضعیفی ہے اور طبیعت بھی اچھی نہیں رہتی۔ اس لئے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہیں رہیں۔" دبیرالدولہ کے دل پر اس کا اس قدر اثر ہوا کہ انھوں نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ اور سفر خرچ واپس بھیج دیا۔ سید صاحب کی والدہ کے اس مشورے سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ وہ انگریزی عملداری کی کس قدر قدر کرتی تھیں اور اسے کس قدر محفوظ خیال کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ مہاراجا رنجیت سنگھ کی وزارت کو یہاں کے قیام کے مقابلے میں کچھ نہ سمجھا۔

غدر کے زمانے میں ایک دفعہ پھر اُن کا خیال انگریزی سلطنت کی نسبت ظاہر ہُوا ۔ اور حیرت ہے کہ ہندوستانی عورت کو انگریزوں پر اس قدر بھروسا ہو ۔ جب دلّی میں غدر ہوا تو اس وقت سید صاحب بجنور میں صدر امین تھے اور باقی ان کے خاندان کے سب لوگ دلّی میں تھے ۔ اُن کی والدہ لوگوں سے کہتی تھیں کہ " انگریز تھوڑے دنوں میں پھر آجائیں گے ۔ تم سب خاموش اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو ۔ جو لوگ فساد میں شریک نہ ہوں گے انگریز اُن کو کچھ نہیں کہیں گے ۔" ان کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ انگریزوں کی سلطنت جانے والی نہیں اور دوسرے یہ کہ جو لوگ فساد میں شریک نہیں ، ان کو انگریز تکلیف نہیں دیں گے ۔ جب دلّی کے فتح ہونے کا وقت قریب آیا تو سب زن و مرد شہر سے بھاگ بھاگ کر باہر جا کر پناہ گزیں ہوئے مگر انھوں نے (سید صاحب کی والدہ نے) اور ان کی ایک بہن نے جو نابینا تھیں اسی یقین پر کہ انگریز بے گناہوں کو نہیں ستائیں گے اپنے گھر سے قدم باہر نہ رکھا ، لیکن افسوس اُن کا یہ خیال غلط نکلا ، اُس تیرہ و تاریک زمانے میں دوست دشمن میں تمیز کرنی نہایت مشکل تھی اور کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ تھا ۔ چنانچہ جب دلّی فتح ہوئی تو سپاہی گھروں میں گھُس آئے ۔ تمام مال و اسباب لُوٹ لیا سید صاحب کی والدہ مع اپنی بہن کے اس کوٹھری میں چلی گئیں جس میں لاوارث بڑھیا زیبن رہا کرتی تھی اور آٹھ دس روز بہت تکلیف کے بسر کئے ۔ سید صاحب اس مصیبت کی کہانی کو یوں بیان کرتے ہیں ۔

" اُس عرصے میں ، میں میرٹھ آگیا تھا ۔ میرٹھ سے دہلی پہنچا اور اپنی والدہ کے پاس گیا اس وقت تین دن سے ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا ۔ گھوڑے کا دانہ کچھ مل گیا اُسی پر بسر کی تھی ۔ دو دن سے پانی بھی ختم ہو چکا تھا اور پانی کی نہایت تکلیف تھی ۔ میں نے کوٹھری کا دروازہ کھٹکھٹایا اور آواز دی ، انھوں نے دروازہ کھولا ۔ پہلا لفظ جو اُن کی زبان سے نکلا یہ تھا کہ " ہیں ! تم یہاں کیوں آگئے ۔ یہاں تو لوگوں کو مارے ڈالتے ہیں ۔ تم چلے جاؤ ۔ ہم پر جو گزرے گی ، گزرے گی ۔" میں نے کہا کہ " آپ خاطر جمع رکھئے مجھے کوئی نہیں مارے گا ۔ میرے پاس سب حاکموں کی چٹھیاں ہیں اور میں ابھی قلعے کے انگریزوں اور دہلی کے گورنر سے مل کر آیا ہوں ۔" ان کی طمانیت ہوئی اور معلوم ہوا کہ دو دن سے مطلق پانی نہیں پیا ہے ۔ میں پانی کی تلاش کو نکلا ۔ پانی اُس طرف کہیں نہیں ملا ۔ کنووں پر کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے پانی نکالا جا سکے ۔ ناچار پھر قلعے میں گیا اور وہاں سے ایک صراحی پانی کی لے کر چلا ، جب اپنے گھر کے قریب کے بازار میں پہنچا تو دیکھا کہ وہی لاوارث بڑھیا سڑک پر بیٹھی ہے اور اس کے ہاتھ میں مٹّی کی صراحی اور آبخورہ ہے اور کسی قدر بدحواس ہے ۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی پانی کی تلاش کو نکلی تھی ، تھوڑی دور چل کر بیٹھ گئی اور پھر اُٹھا نہ گیا ۔ مجھ کو معلوم تھا کہ وہ بھی پیاسی ہے ۔ دو دن سے پانی نہیں ملا ۔ میں نے اُس کے آبخورے میں پانی دیا ۔ اور کہا " پانی پی لے " اُس نے کپکپاتے ہاتھوں سے آبخورے کا پانی صراحی میں ڈالا اور کچھ گرا دیا ۔ اور گھر کی طرف اشارہ کیا اور کچھ کہا جس کا مطلب یہ تھا کہ " بیگم صاحب پیاسی ہیں ، اُن کے لئے پانی لے جاؤں گی ۔" اور اسی غرض سے پانی صراحی میں ڈالتی تھی ۔" میں نے کہا " میرے پاس پانی بہت سے میں لے آیا ہوں تو پانی پی لے " پھر آبخورے میں پانی دیا ، اُس نے پیا اور لیٹ گئی ۔ میں جلدی جلدی گھر کی طرف آیا اور اپنی والدہ اور خالہ کو تھوڑا تھوڑا پانی پینے کو دیا ۔ انھوں نے خدا کا شکر کیا ۔ اب میں گھر سے نکال کر سواری کا بندوبست کر کے اُن کو میرٹھ لے جاؤں ۔ جب اُس مقام پر پہنچا جہاں بڑھیا زمین پر لیٹی ہوئی تھی تو معلوم ہوا کہ وہ مر چکی ہے ۔ سارے شہر میں باوجودیکہ حکام

نے بھی احکام جاری کئے ۔ لیکن کہیں سواری نہ ملی ۔ آخر کار حکام قلعہ نے اجازت دی کہ شکرم جو سرکاری ڈاک میرٹھ کو لے جاتی ہے خود کو دے دی جائے ۔ میں وہ شکرم لے کر گھر پر آیا ۔ اور اپنی والدہ اور خالہ کو اس میں بٹھا کر میرٹھ لے آیا ۔

اس تکلیف سے میری والدہ کی طبیعت جادۂ اعتدال سے منحرف ہوگئی اور صفرے کی نہایت شدت ہوگئی ۔ جو دوا یا غذا دی جاتی تھی وہ قے میں نکل جاتی تھی ۔ کبھی اس مرض میں کچھ تخفیف ہو جاتی اور کبھی شدت ہو جاتی ۔ آخر کار اسی مرض میں بمقام میرٹھ انتقال کیا مگر ان کی نیک نیتی کا یہ نتیجہ تھا کہ انتقال سے چند روز پیشتر ان کی بیٹی اور نواسیاں اور پوتے اور پوتیاں اور بہوئیں جو مختلف مقامات میں چلی گئی تھیں ۔ سب ان کے پاس جمع ہو گئی تھیں ۔ اور انھوں نے سب کو صحیح و سالم اور خیریت و عافیت سے دیکھ کر نہایت خوشی کی تھی ۔

انھوں نے انتقال سے پہلے صرف دو وصیتیں مجھ کو کیں ۔ ایک یہ کہ ان کو بغلی قبر میں جو مسنون ہے ، دفن کیا جائے ۔ دوسری یہ بات کہی کہ ان کے ذمے نہ تو کوئی روزہ قضا کا ہے اور نہ کوئی نماز قضا کی ہے ۔ صرف انھی دنوں کی نمازیں اگرچہ میں نے پڑھی ہیں لیکن اگر میں زندہ رہتی تو ان کی بھی قضا پڑھتی ۔ میرے مرنے کے بعد تم اس قدر نمازوں کا حساب کر کے کفارے کے گیہوں غریبوں کو دبانٹ دینا) جب کہ دوسرے دن انھوں نے قضا کی تو میں نے اُن کی دونوں وصیتوں کو پورا کیا ۔ اُن کی نصیحتیں نہایت حکیمانہ ہوتی تھیں ۔ مثلاً وہ کہتی تھیں کہ " مصیبتیں جو انسانوں پر پڑتی ہیں اس میں کچھ خدا کی حکمت ہوتی ہے ۔ مگر بندے اس حکمت کو نہیں سمجھ سکتے ۔" انھوں نے سید صاحب کو ایک دفعہ نصیحت کی کہ " جہاں جہاں تم جانا لازمی سمجھتے ہو ، اور ہر حالت میں تم کو وہاں جانا لازمی ہوگا تو تم وہاں کبھی سواری پر جایا کرو اور کبھی پیادہ پا ۔ زمانے کا کچھ اعتبار نہیں ہے ۔ کبھی کچھ ہے اور کبھی کچھ ۔ پس ایسی عادت رکھو کہ ہر حالت میں اس کو نباہ سکو" اُن کی یہ نصیحت کس قدر پُر حکمت ہے ۔" اگر کسی نے ایک دفعہ تمھارے ساتھ نیکی کی ہو اور پھر بُرائی کرے ۔ یا دو دفعہ نیکی کی ہو اور دو دفعہ بُرائی کرے تو تم کو آزردہ نہ ہونا چاہیئے ۔ کیوں کہ ایک یا دو دفعہ کی نیکی کرنے والا ، کیسی ہی برائی کرے ۔ اُس کی نیکی کے احسان کو بھلایا نہیں جا سکتا ۔"

اس مختصر مضمون کے پڑھنے سے کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے کہ سرسید کی والدہ کیسی عالی خیال دانش مند اور نیک طینت بی بی تھیں ۔ اور سید صاحب کی لائف پر ان کی والدہ کا کیا اثر پڑا ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس اثر کو کامل طور پر بیان کر کے بتانا ، میرے خیال میں نہ صرف مشکل ہی ہے بلکہ ناممکن ہے ۔ اور اگر خود سرسید بھی چاہتے تو اسے کامل طور پر نہیں بتا سکتے ۔ کیوں کہ انسان کے دل و دماغ پر مختلف اوقات میں مختلف طور کے اثر ایسے نامعلوم طور پر پڑتے رہتے ہیں کہ ان کی اصلیت اور وجہ کا بتانا یعنی یہ معلوم کرنا کہ یہ کہاں سے آئے اور کیوں کر آئے ، نہایت پُر دقت امر ہے ۔ اور خصوصاً اوائل عمر میں جب کہ اس قسم کی تحقیق اور تمیز کی طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی ۔ اس لئے یہ سمجھنا چاہیئے کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اُس سے بہت زیادہ بلکہ بے انتہا زیادہ اثر سید صاحب کی لائف پر اُن کی والدہ کا پڑا ۔ کیا کچھ کم حیرت کی بات ہے کہ ہمارے زمانے کا بڑا ریفارمر اور لیڈر ، عالی دماغ مصنف ، اعلیٰ درجے کا پولیٹیشین ایک سچا روشن خیال ، بڑا شخص ، قوم اور ملک اور سلطنت کا ہمدرد اور بہی خواہ ، اگر غور سے دیکھا جائے تو اپنی ماں کا سچا شاگرد تھا ۔

(اور کیسی ماں جس کو کشمیر کی خاک پاک سے نسبت تھی - جو ذکاوت و ذہانت اور روشن خیالیوں کا مخزن ہے)

وہ لوگ جو تعلیم نسواں کے مخالف ہیں وہ اگر ذرا غور سے دیکھیں تو انھیں معلوم ہوگا کہ ان کے بہت سے خیالات، بہت سے عادات، بہت سے توہمات، اور تعصبات بہت سے جھوٹ موٹ کے ڈر اور جھوٹ موٹ کی امیدیں جو ان کے دلوں میں پتھر کی لکیر ہو گئی ہیں، انھوں نے اپنی ماؤں سے اخذ کی ہیں - اب اگرچہ وہ ان میں سے بہت سے خیالات کو غلط اور فضول تصوّر کرتے ہیں، لیکن افسوس دل سے نہیں مٹا سکتے - یہ سبق انھوں نے اپنی ماؤں کے گھٹنوں پر بیٹھ کر سیکھے ہیں، اس وقت جب ان میں بُرے بھلے کی مطلق تمیز نہ تھی - اور ان کے ننھے ننھے دلوں نے ایسی ایسی باتوں کو اخذ کر لیا جن میں دیکھ کر آج وہ پچھتاتے ہیں - جو لوگ کہ ملک کی ترقی کے خواہاں ہیں - نہیں - بلکہ جو لوگ صرف اپنی اولاد اور خاندان کی بہبود چاہتے ہیں انھیں چاہیئے کہ وہ سب سے پہلے تعلیم نسواں کی طرف توجہ کریں کیوں کہ جب تک ہمارے ہاں کی عورتیں لکھی پڑھی اور قابل نہ ہوں گی ہماری اولاد کے دل و دماغ پر کوئی عمدہ اثر نہیں پڑ سکتا - اور جب آج ہمیں ان کی عصمت اور غربت پر ناز ہے، ایک روز ان کی لیاقت اور عالی دماغی پر بھی فخر حاصل ہوگا -

صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں، بابائے اردو کے مزار پر

ڈاکٹر احراز نقوی

اُردو زبان کا مسئلہ

زبان اپنی قومی اور تہذیبی زندگی کا ایسا صد رنگ شبیہ نما ہے۔ جس میں اپنے خطۂ ارض کے باشندوں کی مکمل زندگی کے ان گنت روپ آویزاں ہیں، مادّی، روحانی اور مابعد الطبیعاتی غرض جملہ محرکات حرف و صوت کے خط و خال میں موجود ہیں۔ زبان انسانی محسوسات کی وہ ابلاغی قوت ہے جو اپنے رنگ بدل بدل کر ہمارے مکمل عمرانی شعور کو واضح کرتی ہے۔ ہمارے قومی مزاج سماجی شعور تہذیبی نفسیات سے روشناسی زبان کے وسیلے سے ہوتی ہے۔ جب ہم کسی تہذیبی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو اُس کے تحقیقی مآخذ میں زبان بھی ایک رہبر کامل کی شکل میں ہماری مشکل کشائی کرتی ہے گویا زبان سبب بنتی ہے۔ مسبّب نہیں۔ مگر جب ہم کسی خطے کی لسانیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو تہذیبی زندگی کے تمام اجزائے ترکیبی ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ اس صورت میں ہمارا تہذیبی مطالعہ سبب بن جاتا ہے اور زبان مسبب ہو جاتی ہے

زبان — کی نشو و نما، ترکیب، ساخت اور اُس کے جدلیاتی عمل میں اُس خطہ کے تاریخی، جغرافیائی، تہذیبی اور مادّی عناصر کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں زبان کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کے لئے اُن تمام پہلوؤں پر گہری نظر رکھنا ماہر لسانیات کا فرضِ اوّلین بن جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہماری توجہ جب زبان میں آواز کے رشتوں اور سانچوں کو اپنی گرفت میں لیتی ہے تو پھر ہمارا مطالعہ سائنسی حدود میں آ کر ایک طرف اجزائے جسمانی کے اُن مرکزی حصّوں سے متعلق ہو جاتا ہے جو حرف و صوت کی ادائیگی میں معاون ہوتے ہیں۔ آواز کا رشتہ پھیپھڑوں سے لے کر ہونٹوں تک کا ہے۔ اس لئے ہماری سائنسی علم میں سانس کی نالی، نرخرے، حلقوم، غدود، تالو، زبان، دانت اور ہونٹ سب آ جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف ہمارے صوتی عمل میں جو خارجی محرکات اور عناصر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کی تشخیص بھی ہمارے سنجیدہ مطالعہ کا ایک دلچسپ حصّہ ہے۔ اس طرح لسانی تجزیئے میں سماجی علوم اور سائنسی موضوعات دونوں ہمارے مطالعہ کا سرچشمہ ہیں۔ ہماری آوازوں کا عمل یکساں اور ہمہ گیر ہوتا۔ تو یقیناً ہمارا صوتی نظام چند اصول اور اٹل ضابطوں پر استوار ہوتا ہے۔

پھر شاید ہماری جستجو کی راہیں بھی اس سے مختلف ہوتیں۔ مگر جب ہم مختلف خطوں کی زبان میں صوت و تلفظ کی بوالعجبیاں دیکھتے
ہیں، تو ہم تحقیقی اور تشخیص نظر سے سوچنے لگتے ہیں کہ آخر ایک ہی ملک کے باشندے بعض تالو کے حصہ اوّل، اوسط اور آخر
سے نکلی ہوئی آوازوں پر قدرت رکھتے ہیں اور بعض نہیں۔ مثلاً "ق، ژ، ع، غ، خ" وغیرہ الفاظ اس سلسلے کے
دلچسپ موضوعات ہیں۔ سرد ممالک کے تلفظات گرم ممالک کے لب و لہجہ
اور تلفظات سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہونٹ اور تالو کے تلفظات اس سلسلے
کی تحقیقی کڑیاں ہیں جن پر صوتی سائنس کے ماہروں نے خاصہ کچھ لکھا ہے اسی طرح سے حلقوں سے نکلنے
والی آوازیں GAT RAL SOUALDS جو اردو میں سہ حرفی اور ہندی بھاشا میں یک حرفی الفاظ
रव घ ढ फ द ہیں جو اردو کی حروف تہجی میں بھاشاؤں کی وساطت سے داخل ہوئے ہیں
ان کا مسئلہ بھی ہند آریائی صوتیات میں بڑی اہمیت رکھتا ہے جو ایک وسیع ہند کے علاقوں میں مختلف تشکیلیں رکھتا ہے۔

اس پس منظر میں جب ہم اردو زبان کا لسانی جائزہ لیتے ہیں تو ہماری پہلی توجہ زبان کی ساخت پر ہوتی ہے ساخت
کے اعتبار سے اردو زبان مختلف لسانی لہجوں اور مخلوط حروف تہجی، مشترک الفاظ اور صرف و نحو سے مرکب ہے۔ مولوی
عبدالحق اور پروفیسر مسعود حسن خاں کی تحقیق کے مطابق اردو زبان کا تولد مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ ہند آریائی
لسانیات تجربے میں شورسینی اپبھرنش ترقی پسند اور فعال حیثیت رکھتی ہے جو بڑی تیزی سے دہلی اور اطراف دہلی میں ترقی پا رہی
تھی۔ اسی کے بطن سے کھڑی بولی کا جنم ہوا۔ کھڑی بولی میں لسانی لوچ اور لچک اور دوسری زبانوں کے مقابلے میں اخذ و جذب
کی بھی پوری صلاحیت بڑھنے، پھولنے اور پھیلنے کا بھی جوہر موجود تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اردو زبان خالص ہند آریائی تخم و گل سے وجود میں آئی اور یہ خیال درست ہے کہ اگر مسلمان ہند
میں نہ آتے تو بھی یہ زبان اپنا کوئی وجود ضرور رکھتی خواہ اس کا نام اور لغت یہ نہ ہوتی۔ مگر اس کا سانچہ ضرور ہوتا۔ مسلمانوں
کی آمد سے کھڑی بولی کی قسمت جاگ اٹھی اور یہ بھاشا ملک کے مرکزی باشندوں کے اتحاد باہمی اور مشترک افہام و تفہیم
کا ذریعہ بن گئی۔ خانقاہ اور بازار میں بولی جانے لگی، درویش کی صدا۔ جوگی کا راگ بن گئی۔ شاعری نے اس کے نکھار
اور بانکپن میں چار چاند لگا دیئے۔ مسلمانوں کی آمد سے کھڑی بولی کی ترقی کی رفتار میں اضافہ ہو گیا اور بہت جلد زبان اردو
کے روپ میں ڈھل کر شعر و شاعری کے میدان میں گل کھلانے لگی۔ بازار کے کاروبار اور خانقاہوں سے نکل کر دربار
میں پہنچ گئی۔

یہ کھڑی بولی کا اعجاز تھا۔ کہ اردو کی شکل میں مدغم ہو کر ایک ہی وقت میں مختلف علاقوں پر اپنا رنگ گانٹھنے لگی یہی
سبب ہے۔ کہ مختلف علاقے اپنی زمین کو اردو کا مسکن قرار دیتے ہیں اور اپنے خطے سے اردو کی تاریخ کا آغاز کرتے

میں ۔اور ثبوت کے طور پر اپنا پہلا شاعر پیش کرتے ہیں ۔ دعوے کی نوعیت کچھ ہو تحقیقی بنیاد پر دعوے خواہ باطل ہو جائیں
مگر اردو کی ہمہ گیر مقبولیت اور جامعیت کے پائیدار استدلال کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اور اس نکتے کو گرفت میں لے کر مختلف علاقوں
میں زبان اردو کے ابتدائی اسالیب کو یکجا کر کے ہم اردو زبان کی نشو و نما کا لسانی خاکہ مرتب کر سکتے ہیں۔ اور ایک اہم نتیجہ
مرتب کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ کہ زبان اردو کا ابتدائی اسلوب جہاں تخلیق ہوا وہاں اُسی علاقے کے متعدد لسانی عناصر اس میں جذب ہو گئے یہی
سبب ہے کہ اردو زبان میں تمام ہند آریائی زبانوں اور بولیوں کے تمام الفاظ کی صورت میں موجود ہیں اور لسانی چھان پھٹک کیجیے تو دراوڑی
بھاشاؤں کے شجرے کے الفاظ بھی بآسانی فراہم کر سکتے ہیں۔ اور اسکے علاوہ عربی، فارسی، اور ترکی زبانوں کا اثر بھی اردو
زبان میں موجود ہے۔ اپنی اپنی جگہ پر یہ تینوں زبانیں لسانیات کی تاریخ میں اپنا منفرد مقام رکھتی ہیں ۔

عربی اور فارسی زبان نے فقط اردو کی لغت کو ہی ضخیم نہیں کیا بلکہ اُسکی ساخت اور مزاج کو بھی متاثر کیا۔

لسانی اعتبار سے اردو زبان ۔ ایک ترقی پسند فعالی، متحرک اور لچک دار زبان ہے۔ اور لسانیات کے اتحاد باہمی کے
اصول پر قائم ہے۔ صلح کل انس و آشتی اور مفاہمت کے ضابطوں سے زبان اردو تخلیق ہوئی ہے الفاظ کے جذب و اختیار کا مسئلہ
ہو یا صرف و نحو کا ۔اردو زبان میں ہر جگہ اشتراک کا مسلک موجود ہے اسی لئے یہ زبان پاک و ہند کے لسانی شجرے میں تمام
زبانوں پر سبقت رکھتی ہے اور دونوں ملکوں میں فقط یہی ایک زبان ہے جو لنگوا فرینکا بننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے یہ
دعوے کسی جذباتی مغلوبیت کی بنا پر نہیں استوار ہے ۔ بلکہ میرے موقفات کے پس منظر میں استدلال کے ٹھوس شواہد بھی موجود ہیں۔

اردو زبان مغلیہ عہد میں شاعری کے علاوہ مختلف حدود میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کر چکی تھی انگریزوں کا تسلط جب آہستہ
آہستہ بڑھنا شروع ہوا تو اُس کے ساتھ ساتھ اردو کو ملکی زبان کی حیثیت سے فوقیت حاصل ہونا شروع ہو گئی ۱۸۴۹ء کی بات
ہے کہ پنجاب کی سرزمین پر جب انگریزوں کا استحکام ہوا۔ تو پنجاب کے گورنر سر جان لارنس نے اردو یہاں کی سرکاری زبان قرار
دیا اپنی لسانی رپورٹ میں وہ ایک جگہ لکھتا ہے ۔

جو زبان کہ عام طور پر استعمال کی جائیگی ۔وہ اردو زبان ہے اور اس زبان کا استعمال تمام قوموں میں عجلت کے
ساتھ پھیلتا جاتا ہے اور یہ زبان لنگوا فرینکا ہے[۱] ۔

اسی طرح ٹیلر[۲] نے اپنے ایک حکم نامے میں لکھا ہے ۔

پشاور کے ۔ ہر سہ اضلاع میں کچہریوں کی زبان اردو ہونی چاہیئے[۳]۔

اردو کی عام مقبولیت کی بنا پر بہار، یوپی میں سرکاری زبان قرار پائی۔ حیدر آباد دکن میں اردو کو جو فوقیت اور

---

(۱) خطبات بابائے اردو مولوی عبدالحق ص ۲۵۵ (۲) کرنل ٹیلر کمشنر پشاور ۔ (۳) اسی زمانے میں ملتان کے کمشنر نے
بھی اردو کو حکماً دفتری زبان بنایا۔

غ حاصل ہوا۔ وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اور جس کامیابی سے علمی، ادبی، سرکاری اور تہذیبی شعبوں کی آبیاری زبان اُردو
، اس کے لئے تاریخ شاہد ہے۔ ۱۸۳۷ء کے بعد دفتری زبان فارسی کے بجائے اردو کو قرار دیا گیا۔ یونیورسٹیوں میں اردو
بولیت حاصل ہوئی۔ غرض ۱۸ ویں صدی کے نصف آخر سے لے کر ۱۹ ویں صدی تک اردو زبان کو ہندوستان کی تمام زبانوں پر
یت حاصل رہی۔ گارساں دتاسی اپنے خطبات میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ موسیو دیو یان اپنی کتاب "اقوام کی پیدائش اور قوت" میں
جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ لکھتا ہے۔

برطانوی ہند کی مردم شماری سرکاری کاغذات کے مطابق اس وقت ۲۸ کروڑ ۴۰ لاکھ ہے۔ آپ کو معلوم
رہنا چاہیئے۔ کہ ان میں تقریباً ۲۰ کروڑ نفوس کے درمیان جو چیز مشترک رشتے کا کام دیتی ہے۔ وہ اُردو
زبان ہے۔ یہ زبان پورے یورپ کے برابر رقبے کی سرزمین میں بولی جاتی ہے"

لم اللسانیات کے تمام ماہرین نے بالاتفاق زبانِ اردو کو ہندوستان کی تمام زبانوں پر ترجیح دی ہے اور اردو کو ایک ترقی پذیر
ر فعال زبان قرار دیا ہے۔ اور ملک ہند کی تمام اقوام کی متفقہ زبان تسلیم کیا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے نئے ملک کی تشکیل میں اردو کا کیا کردار ہونا چاہیئے۔ اور کیا اردو کو قومی زبان تسلیم
ر لینے کے بعد اردو قوم کی ادبی، تعلیمی، تہذیبی اور دفتری احتیاج اور کفالت کر سکتی ہے۔ لسانی اعتبار سے اگر زبان میں
پھلنے پھولنے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔ تو وہ ہماری تمام قومی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہے۔ لسانیات کی تعریف میں اردو
زبان اپنی ساخت اور صرف نحو کے اعتبار سے فعال، ترقی پسند اور قوت جذب کی حامل ہے۔ لسانی مزاج کے اعتبار سے یہ تنقید
زبان پر کی جا سکتی ہے کہ طبعاً اپنے وہب اور فطرت کے لحاظ سے اردو نسوانی لہجے کی زبان ہے۔

یعنی اردو کے صوتیاتی نظام میں نسائی خون اور خمیر شامل ہے۔ اس روشنی میں بعض صاحب علم بڑی آسانی سے یہ
نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں کہ جس زبان کا لب و لہجہ نسوانی ہوگا۔ اُس زبان میں ادب تو پیدا ہو سکتا ہے۔ مگر عظیم ادب نہیں پیدا ہو سکتا ہے اور
اپنے موقف کی حمایت میں وہ یہ کہتے ہیں کہ اسی لئے اردو زبان کے بطن سے عظیم ادب نہیں پیدا ہو سکا۔ اس موضوع پر باقاعدہ بحث
کرنے سے پہلے لسانی منطق کے اعتبار سے یہ موقف ہی غلط ہے کہ اردو زبان اپنے صوتیات اور لب و لہجے کے اعتبار سے نسوانی ہے اردو کی جدید لسانی تحقیقات کو سامنے رکھنے
کے واضح طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اردو کا ابتدائی لسانی شجرہ اُن بولیوں سے ملتا ہے جو اپنی صوتیات کے اعتبار سے اصلاً اور نسلاً مردانہ آہنگ کی ہیں
اردو زبان کا وطن میرٹھ اور اطرافِ دہلی ہے۔ جو خالص کھڑی بولی کا علاقہ ہے اور کھڑی بولی کے آہنگ کو ہم نسوانی کسی بھی حالت
میں نہیں کہہ سکتے۔ اردو کی ابتدائی نشوونما میں پنجابی اور ہریانوی بولی کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ اور ان دونوں کا علاقہ پنجاب کرنال اور
رہتک ہے ان علاقوں کے حرف و صوت پر مردانہ اثرات غالب ہیں۔ میں نے ابھی عرض کیا تھا۔ کہ اردو کے ابتدائی لسانی تجربے
میں مردانہ صوتیات کا عمل ہے۔ اردو زبان کے ارتقا کا دوسرا دور ۱۹ ویں صدی کے وسط سے شروع ہوتا ہے۔ جو ٹھیک
اردو زبان پر پوربی بولیوں کے اثرات کا دور ہے۔ مگر بھاشا خالص نسوانی لب و لہجے کی زبان ہے۔ جس نے ہندوستان

کی کئی زبانوں کو جنم دیا ہے۔ بنگالی زبان اور اودھی بریاں مگدھی بھاشا سے نکلی ہیں۔ مگدھی بھاشا کا اثر زبان اردو پر کسی طرح سے پڑا اور خصوصاً اودھی بھاشا کا اردو زبان پر بہت گہرا اثر پڑا۔ آصف الدولہ کے عہد میں نوابی حکومتوں کا مرکز لکھنؤ بن گیا۔ اور لسانی اعتبار سے لکھنؤ اور اطراف لکھنؤ، اودھی بھاشا کا گڑھ تھے۔ تاریخی واقعات کی ترتیب نے لکھنؤ کو ہی زبان اردو کا گہوارہ بنادیا۔ اسی لئے دبستان لکھنو پر اودھی بھاشا کے مزاج کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔

اس پس منظر میں زبان اردو کے مزاج کا جائزہ لیجئے تو واضح طور پر یہ علم ہوجاتا ہے۔ کہ اردو زبان کی طبع کو تخلیق کرنے میں مردانہ اور زنانہ دونوں طرح کی صوتیات کو دخل ہے۔

مختلف البطن بولیوں کا اردو کی صوتیات پر گہرا اثر ہے۔ اس لئے اردو کی صوتیات میں مردانہ تیہا، طنطنا اور جلال موجود ہے۔ نیز نسوانی بانکپن، انوث اور جمال بھی موجود ہے۔ اردو کی اساس کھڑی بولی پر استوار ہے۔ اس لئے اردو کا بنیادی لہجہ مردانہ ہے اور ثانوی اثر دوسری بولیوں کی صحبت کا نتیجہ ہے۔

ایک اس پس منظر میں ہم دلیل اور ثبوت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اردو کا بنیادی لہجہ مردانہ ہے اور کسی حد تک نسوانی صوتیات کا اثر نمایاں ہے۔

جہاں تک اس زبان پر عظیم ادب کا الزام ہے سو وہ بھی غلط ہے۔ عظیم ادب کو پیدا کرنے میں زبان فقط معاون نہیں ہوتی ہے اور دوسرے بھی محرکات اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کی تفصیلات اس چھوٹے سے مضمون میں ممکن نہیں عظیم ادب کے مبادیاتی پہلوؤں میں ادبی روایات کے تسلسل، تہذیبی اقدار اور سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ عظیم ادب کو پیدا کرنے کے لئے عظیم خیال کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اظہار اور ابلاغ کے لئے ایک خوکشیل زبان کی بھی ضرورت ہے۔ زبان اردو کی لسانی تاریخ میں بھی مجموعہ آٹھ دن سے زیادہ نہیں ہے اسلئے ادبی روایات کے تسلسل میں زبان کی برگزیدگی اس زبان میں نہیں پیدا ہوسکی ہے مگر اس کے باوجود اردو ادب کی تاریخ میں میر انیس، غالب اور اقبال جیسے بڑے شاعر پیدا ہوچکے ہیں کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عظیم ادب کو پیدا کرنے میں اردو زبان حارج نہیں ہے۔ مسئلہ فن، فکر اور فلسفے کا ہے زبان کا نہیں ہے۔

ہماری زبان کے مسائل میں ایک بڑا اہم مسئلہ "قومی زبان" کا ہے۔ جو عرصۂ دراز سے ہمارے ملک میں بڑے پیچیدہ مراحل سے گزر رہا ہے۔ اور بدقسمتی سے زبان اردو من حیث القوم اپنی جگہ ابھی نہیں بنا سکی ہے۔ اردو زبان کے راستے میں کئی سنگ گراں ہیں۔ جن کی تہہ میں غلامانہ ذہنیت کی خلیج حائل ہے۔ ہمارے ملک پر عرصۂ دراز سے انگریزوں کی حکومت رہی ہے۔ ہمارے لہو میں غلامانہ سرشت حلول کرگئی ہے۔ ضرورت تھی کہ سیاسی، اخلاقی اور تہذیبی بنیادوں پر انگریزیت کے خلاف ایسی قوتیں مجتمع ہوجاتیں جو تمام مضر رجحانات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتیں ہمارے ساتھ المیہ یہ ہوا کہ ایک آزاد ملک تو معرض وجود میں آگیا۔ مگر جب آزاد ملک میں ہم نے سانس لی تو موسم خزاں کا آچکا تھا۔ ذہنی اور فکری طور پر ہم دیوالیہ ہوچکے تھے۔ ہمارے تمام مسائل غلط بنیادوں پر حل ہوئے انھیں مسائل میں ایک مقدم مسئلہ اردو کا بھی تھا۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ہمارے ملک میں کوئی دوسری زبان اردو کی حریف ہو ہی نہیں سکتی۔ پاکستان کے
قیام سے پہلے اردو زبان کو ہمہ گیر اور عالمگیر مقبولیت حاصل ہو چکی تھی۔ آج یہ زبان اردو ہی ہے جو پاکستان کے چپے چپے میں سمجھی، بولی
پڑھی اور لکھی جاتی ہے۔ ہمارا تمام مذہبی، سیاسی اور تہذیبی سرمایہ اردو ہی ہے۔ آج بنگال میں کچھ عناصر اردو دشمنی پر متحدہ محاذ
بنا رہے ہیں۔ ان کے تعصبات سے قطع نظر بنگال کے خطے کا اردو پر بڑا احسان ہے۔ اردو ان کی بھی قومی زبان ہے۔ اس زمین نے
جو کچھ اردو کے لئے کیا ہے۔ اُس کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ میری حیرت کا اندازہ اُس وقت نہ پوچھئے جب میں نے
۱۹ویں صدی اور ابتدائی ۲۰ویں صدی کی اُن تمام تصانیف کا مطالعہ کیا جو بنگال سے طبع ہوئی ہیں، سیکڑوں کی تعداد
میں مذہبی، علمی اور ادبی کتابیں موجود ہیں جو اہلِ بنگال کی سعیٔ جمیلہ کا نتیجہ ہیں اور اس کے علاوہ اردو کا پہلا اخبار اردو کا پہلا
مطبع بلکہ اردو صحافت کا دورِ اوّلین اور یہی نہیں اردو کا پہلا نثری دبستان ان سب کے قیام کا شرف بنگال کو حاصل ہے۔ تعصب
برطرف اردو پر اہلِ بنگال کا بھی حق ہے۔ اردو ہی اُن کی قومی زبان ہے۔ بنگالی زبان اُن کی علاقائی زبان ہے جو اُن کی مادری
زبان کا درجہ رکھتی ہے۔ قومی استحکام، باہمی مفاہمت، اتحادِ ملی، قومی یکجہتی اور تہذیبی اشتراک کے لئے ملک کی ایک ہی
زبان ہونا ضروری ہے اور وہ فقط اردو زبان ہے۔ رہا مادری زبان کا مسئلہ تو اُس کا تعلق اپنے اپنے الگ علاقے سے ہے
ہمارے ملک میں کئی علاقائی زبانیں ہیں جن کی باقاعدہ اپنے اپنے علاقوں میں ایک مسلّم حیثیت ہے۔ اُن کی ترویج اُن کا فروغ
لسانی اخلاقیات کی بنا پر احتراماً ضروری ہے۔ اور ایک لسانی منطق اس نکتے میں یہ بھی تو مضمر ہے کہ یہ جتنی علاقائی زبانیں ہیں
ان سب کا اردو زبان کی تخلیق اور ارتقا میں گہرا دخل ہے۔ اس لئے توقع ہے کہ ہر علاقے کی زبان کے الفاظ، روزمرہ،
محاورے، تشبیہ اور استعارے کی شکل میں اردو زبان کو تقویت پہنچانے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

اس طرح سے ہمارا ملک کئی علاقائی زبانوں میں منقسم رہے گا اور ہر زبان اپنے اپنے علاقے میں پھلے پھولے گی۔ اور
ان تمام علاقوں میں ایک زبان اردو رہے گی جو قومی زبان کی حیثیت سے اپنی وحدت کو برقرار رکھے گی۔ اس طرح سے ہم
تمام پاکستانی دوہری زبان والے کہلائیں گے۔ دنیا میں آج کئی ایسے ملک ہیں جہاں دہری زبانیں ترویج پا رہی ہیں۔ لسانی
تاریخ میں ہم سب بائی لنگول کہلائیں گے اور یہ کوئی عیب نہیں ہے۔

اس طرح قومی زبان کے فروغ میں علاقائی زبانیں نہیں سدِّ راہ ہو رہی ہیں۔ بلکہ زبان انگریزی کباب کی ہڈی بنی
ہوئی ہے۔ ہمارے ملک کو آزاد ہوئے بیس برس ہونے کو آئے ہیں۔ مگر انگریزی زبان اُسی آن بان سے راج سنگھاسن
پر براجمان ہے۔ آپ یقین جانئے اس بوالعجبی پر باہر کی دنیا والے ہمارا بری طرح مضحکہ اڑا رہے ہیں۔ یہ کوئی ۶۵ء کی بات ہے کہ
پنجاب یونی ورسٹی کے اردو شعبہ میں جاپان سے ایک طالب علم اردو پڑھنے آیا۔ ایماگا وا یوشنو وری اُس مردِ عاقل کا نام
تھا۔ اُسی زمانے میں میں ایم اے کر رہا تھا۔ وہ موصوف پہلے فقط میرے ہم جماعت ہوئے مگر جلد ہی ہم دونوں ایک دوسرے
کے قریب ہو گئے۔ ایک دن میں نے ایماگا وا سے پوچھا۔ ہمارے ملک میں آپ کو کیا پسند آیا۔ اُس مردِ خدا نے چھوٹتے ہی جواب دیا۔

پاکستانیوں کی انگریزی زبان۔

جاپان، چین اور روس یہ وہ ترقی پسند آزاد ملک ہیں۔ جو اپنی لسانی سنگلاخیت اور دقیقیت کے باوجود بغیر انگریزی کے ترقی کی منزلوں پر گامزن ہیں۔

یاد رکھیئے۔ اگر ہم نے انگریزی زبان کی آمریت سے جلد از جلد نجات حاصل نہ کی تو ہم دوسروں کیلئے نقش حیرانی بنے رہیں گے اور خود اپنے لئے بھی چیستاں بن جائینگے۔

ہم ڈیڑھ سو برس انگریزی زبان کی غلامی کرتے آرہے ہیں کئی زمانے آئے اور گزر گئے بعد دیگرے کئی نسلیں آئیں اور گئیں۔ مگر ذرا تاریخ کا جائزہ لے کر بتلایئے انگریزی زبان میں۔ کتنے ہمارے ملک سے شاعر پیدا ہوئے کوئی ایک مصنف کا نام بتایئے جو وہاں کی تاریخ کا کوئی ورق بنا ہو یا اُن کی کسی درس گاہ میں داخل نصاب ہوا ہو ـــــ انگریزی زبان پڑھ کر ہم کون افلاطون بن گئے کون بڑا فلسفہ ہم نے تخلیق کیا ہے۔ سائنس کے میدان میں کون تیر مارا ہے کوئی تحقیق یا ایجاد کو تو بھاڑ میں جھونکئے ہمارے ہنر مند تو ابھی باہری مشینوں کے کل پرزوں کے اینچ پینچ سے بھی واقف نہیں ہو سکے۔ یقین جانئے ادراکا اور تبحر میں ہم اُن سے کم ہرگز نہیں۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ ہمارا علم ناقص ہے ہمارا ذریعۂ تعلیم غلط ہے جب تک ہمارا طرز تدریس ہماری قومی زبان میں نہ ہوگا۔ اُسوقت تک ہمارے یہاں کوئی تخلیقی کارنامہ انجام نہ پا سکے گا۔ کسی عالم کا یہ قول ہے کہ۔ باہری زبان میں علم حاصل کرنے میں جو مدت پہلے تحصیل زبان میں صرف ہوتی ہے وہی عرصہ معرفت علم کے لئے کافی ہے۔ اس قول کی تصدیق میں کئی ترقی پسند ملکوں کو زندہ مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپ بتلایئے کیا یہ سب ملک جو آج دنیا کے تمام ملکوں سے آنکھیں ملا رہے ہیں تو کیا اُن کا وسیلۂ ترقی انگریزی زبان ہے؟ یہ اعتبار حروف تہجی اور لسانی پیچیدگیوں کے کارن جاپانی اور چینی سے زیادہ کون عجیب و غریب زبان ہوگی۔ مگر اپنی زبان ہی کے دم خم پر یہ ملک صنعت اور سائنس میں اپنی ذہانت کے جھنڈے گاڑے ہوئے ہیں۔

انگریزی زبان کے نادان مقلد ایک یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ ہماری زبان ابھی علمی میدان میں ہیچ مقدار اور نارسائی کا شکار ہے جس کے سبب سائنسی علوم از بس ناممکن ہیں۔ یہ ایک فرسودہ پُر فریب موقف ہے جو اپنے اندر کوئی زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ اردو زبان۔ ادب کے دائرے سے نکل کر علمی شعبوں میں اپنے قدم جما چکی ہے۔ اصطلاحات کا ایک دفتر جمع ہو چکا ہے مختلف موضوعات پر کامیاب کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ اردو میں تدریس کے بھی کامیاب تجربے کی مثالیں موجود ہیں۔ اگر تھوڑی سی اس مرحلے میں دشواری ہے تو اس کا ختم ہونا کون بڑی بات ہے۔ ہم پاکستانیوں کے لئے تشکیل پاکستان سے زیادہ کون مشکل کام تھا۔ عزائم صالح تھے، نیت سعید تھی۔ تو دنیا کے گلوب پر پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ ہم ہیں تو وہی، اگر نیت یہاں بھی صالح ہو تو ہماری قومی زبان کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ شروع شروع میں ہر کام میں دقت ہوتی ہے اسی طرح ابتداء میں ذریعۂ تعلیم میں دقت ہوگی۔ اصطلاحات پر ایک عرصے سے ہمارے یہاں کام ہو رہا ہے ہر اصطلاح

کا ترجمہ کرنا بھی کوئی ضروری نہیں خود انگریزی زبان میں سائنسی اصطلاحات سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں یونانی، لاطینی اور فرانسیسی زبانوں میں موجود ہیں۔ اسی طرح روس، چین اور جاپان کے سائنسی علوم میں انگریزی زبان کی اصطلاحات موجود ہیں پھر ہمیں کیا عار ہے۔ ہماری زبان کا مزاج ہی مخلوط ہے ہماری زبان کا تو قرینہ ہی یہی رہا ہے کہ جہاں کوئی کارآمد لفظ ملا۔ زبان نے اُس سے اپنا ازدواجی رشتہ قائم کر لیا ۔

اسی طرح سے زبانِ اردو کو سرکاری دفتروں میں رائج کرنے کا سوال دربیش ہے۔ یہاں بھی مسائل کی پیچیدگیوں کے ساتھ ساتھ مسائل کا حل بھی موجود ہے' ہمارے دفتروں میں ایک بہت بڑی مخلوق کلرکوں کی ہے اور دفتر کا سارا نظام انہیں کے ہاتھوں سے چل رہا ہے۔ ان کلرکوں کی بیشتر تعداد اُن نوجوانوں پر مشتمل ہے جو محض انگریزی کے تشدد سے نجات حاصل کرنے کے لئے تعلیم ترک کر کے دفتروں میں پناہ لیتے ہیں۔ ہمارے دفتر کے تمام کلرکوں کے لئے انگریزی آج بھی اعصابی تناؤ بنی ہوئی ہے۔ دفتری کاموں کے لئے اگر اردو کو ذریعہ بنایا جائے تو وہ زیادہ بہتر ثابت ہوگا۔ اور جن دفتروں میں اردو کے ذریعے کام ہو رہا ہے۔ وہاں کام انگریزی کے مقابلے میں کم وقت میں جلدی کام ہو رہا ہے اور اعتماد کے ساتھ ہو رہا ہے اور غلطیوں کا تقریباً کوئی امکان نہیں رہتا آپ سوچیئے تو سہی ایک دسویں جماعت یا انٹر پاس کلرک اپنی قومی زبان میں سکون اور سہولت سے کام کر سکتا ہے یا انگریزی میں۔

مگر یہ سب اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم سب مل کر اپنی قومی دلسوزی اور ایمانداری کے ساتھ زبان کو اپنا ملی مسئلہ بنا کر سوچیں اور جلد از جلد اُس پر عمل پیرا ہو جائیں گئے ہوئے وقت کو واپس نہیں لایا جا سکتا۔ مگر آنے والے وقت پر تو بند باندھا جا سکتا ہے۔

زبان کا مسئلہ اتنا غیر اہم تو نہ تھا۔ جتنا ہم نے اسے بنا دیا ہے۔ ملک و قوم کی ایک لنگوا فرنکا ہونا چاہیے۔ جو ہماری قومی تاریخ ہماری تہذیبی زندگی، ہمارے ملی احساسات کی ترجمان' محرم اور رازداں ہو۔ تمام درسگاہوں کا ذریعۂ تعلیم ہو' سرکاری دفتروں کا وسیلہ ہو۔ ملک کے افہام و تفہیم کا ہمہ گیر سرچشمہ ہو۔ ہمارے ملک میں اگر کوئی ایسی زبان ہو سکتی ہے تو وہ فقط اردو ہے۔ اردو اور صرف اردو علم اللسان کا ماہر ہو' یا عالم و مدبر ہو' ہر فرد کا ووٹ اردو کے حق میں ہے ۔ قائد اعظم نے بھی اس پر اپنی مہر توثیق ثبت کی ہے۔ ان کی یہ توثیق ہمارے لئے صحیفے سے کم نہیں۔ اگر اس پر عمل نہ کیا تو بقول بابائے اردو مولوی عبدالحق ہم ناخلف کہلائیں گے۔

اردو زبان کے مذکورہ مسائل کے ساتھ ایک اہم مسئلہ اور اسی سے پیوستہ ہے۔ وہ ہے اردو کے حال اور مستقبل کا سوال۔ لسانیات کا بڑا محکم اور اٹل کلیہ ہے کہ زبان ہمیشہ زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ آپ دکن کی ابتدائی اردو ملاحظہ فرمائیے۔ پھر شمالی ہند کی دور اوّل کی اردو مطالعہ فرمائیے۔ اور دبستان لکھنؤ کی اُردو کا معائنہ فرمائیے۔ نتیجہ یہی اخذ ہوتا ہے کہ زبان کو کبھی ثبات نہیں۔ زبان بھی اپنے جدلیاتی اصول پر گامزن ہے۔ زبان کی بقا اور ترقی اس کے تحرک فعالیت میں ہے جہاں زبان ساکن ہوئی۔ زبان کا تحفظ اور مستقبل خطرے میں پڑا۔ آج دنیا کی ان گنت زبانیں لسانیات کے عروج سے غائب ہو جانے پر

تابوت بنی ہوئی زمانے کی ستم ظریفی کا نوحہ پڑھ رہی ہیں۔ اردو زبان تحرک پسند ہے۔ جو ابتدا سے آج تک زمانے کے ساتھ ساتھ برابر قدم ملاتی ہوئی چل رہی ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد انسانوں کی طرح پاک و ہند کی لسانی قدروں میں بھی ایک زلزلہ آ گیا۔ پاکستان کی تشکیل نے ہماری لسانی وحدتوں کو پارہ پارہ کر دیا۔ انسانوں کے ساتھ لسانی بستیاں بھی اُجڑ گئیں، بولیاں اور زبانیں بھی مہاجر ہو گئیں۔ واگہ اور ڈھاکہ کا سفر کر کے اجنبی دیار کو اپنا مسکن بنایا۔ زبان کی تاریخ میں یہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا۔ کھڑی بولی، برج بھاشا، اودھی بھاشا، روہیلکھنڈی، کشمیری، سندھی، ملتانی، گجراتی، پنجابی، بنگالی اور پشتو وغیرہ زبانوں میں ایک تصادم برپا ہو گیا۔ پاکستان کے استحکام کو آج تقریباً بیس برس ہو چکے ہیں اس اثنا میں زبانِ اردو نے مختلف علاقوں میں اپنی ادا اور روپ کے نئے نئے جلوے دکھائے ہیں۔ ہر علاقے میں اردو مقامی زبان سے بالکل از سرِ نو مفاہمت پیدا کر رہی ہے اور نہ صرف مفاہمت بلکہ الفاظ اور محاورات کا قرضِ حسنہ بھی شروع کر چکی ہے۔ اور لسانی اخذ و جذب سے ایک دھند میں زبان اردو کی شکست و ریخت شروع ہو چکی ہے اور ہر علاقے میں زبان اپنا مسئلہ خود طے کر رہی ہے۔

ملک میں زبان کی نشر و اشاعت کے تین مدارج ہوتے ہیں۔

عوامی سطح

علمی اور معلوماتی سطح

ادبی سطح

عوامی سطح پر زبان اپنا نطقی اور سماجی کردار ادا کرتی ہے۔ جہاں تک گفتار اور سماعت کا تعلق ہے۔ اس بیس سال کے اندر زبان اردو نے خاصی ترقی کر لی ہے۔ اگرچہ علاقائی زبانیں اردو پر غالب ہیں مگر پھر بھی پڑھے لکھے عوام انگریزی کی جگہ بیشتر اردو کو ترجیح دینے لگے ہیں اور اپنے بچوں کو اردو بولنے کی تربیت دے رہے ہیں۔ دوسری طرف مہاجرین کی نئی نسل جو اس عرصے میں ابھی ہے وہ علاقائی زبان میں منجھ گئی ہے اور اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی میں مکمل قدرت رکھتی ہے۔ عوامی سطح پر زبان اردو نئے انداز کی بن رہی ہے۔ یہ نئی اردو دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں اور لکھنؤ کے کرخے اور فرنگی محل سے بالکل مختلف ہے اور یہی نہیں عوامی سطح پر علاقائی زبانیں بھی اپنی ثقاہت کو کھو رہی ہیں اردو زبان میں یہ انقلاب بہت فطری انداز سے ہو رہا ہے اور ایک لسانی اصول کے تحت ہو رہا ہے اور اس تغیر کو کوئی نہیں روک سکتا۔

زبان تحریری سطح پر آ کر دو حصوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ علمی، معلوماتی اور دوسری خالص ادبی سطح ہے۔ علمی اور معلوماتی دسیلوں میں ریڈیو، ٹی وی، فلم اور اخبارات اور عام موضوعات پر کتابیں شامل ہیں۔ اس سطح پر زبان اردو بڑی بے تکلفی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ زبان کی نوک پلک، تذکیر و تانیث کے ضابطے اور صرف نحو کے قواعد سے گلوخلاصی کے اقدامات کے ساتھ زبان بڑی بے باکی سے اپنے اظہار و ابلاغ کی منزلیں طے کر رہی ہے۔ اور علاقائی اثرات سے بھی زبان اردو دوچار ہو رہی ہے اس لئے اردو کے مختلف اسالیب آہستہ آہستہ رواج پا رہے ہیں۔

ادبی سطح پر بھی زبان آمادۂ پیکار ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے ثقہ اردو کا معیار کلاسکی اردو کو سمجھا جاتا تھا اور وہ ادیب جو
روزمرہ کے اردو سے دور رہا کرتے تھے۔ یا جن کا علم سماعی نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ اردو کے کلاسکی دبستانوں سے کسب فیض کیا کرتے تھے اور
اپنی تمام اکتابی ذہانت سے اردو کو گھول کر پی جاتے تھے۔ گیان اور دھیان کی منزلوں کو سر کرنے کے بعد انہیں زبان کا عرفان حاصل
ہوتا تھا۔ آج نئی نسل کا فنکار اپنے رشتے کو کلاسکی ادب سے توڑ کر شاعر اور قلم کار بننا چاہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جدید اردو ادب
کے نئے قلم کار نثری جمالیات اور ثقاہت سے محروم ہو چکے ہیں۔ اور یہی حال شاعری میں اظہار و ابلاغ کا ہے۔ تجریدی آرٹ
ایک کرشمۂ فریب۔ اردو شاعروں کی نئی نسل اپنے ما فی الضمیر کے اظہار و ابلاغ سے عاری ہے۔ کلاسکی اسالیب اور الفاظ و محاورات
کے ابہام سے محرومی نے شاعروں پر بے خبری کی قسمت ڈال رکھا ہے۔ کلاسکی ادب اگر نئی زندگی کے تقاضوں کو پورا نہیں کر رہا ہے۔
تو بجا ہے آپ اس کی تقلید نہ کیجیے۔ مگر اظہار و ابلاغ کے لئے اس کا ادراک بہت ضروری ہے۔ میر امن اور رجب علی بیگ سرور
محمد حسین آزاد اور ابوالکلام کے نثری اسالیب آج بحال سے باہر ہو چکے ہیں مگر ان کے اسالیب پر جب تک پوری گرفت نہ ہو اس
وقت تک اردو کا قلم کار شگفتہ نثر نہیں لکھ سکتا۔

ہاں یہ درست ہے کہ پاکستانی ادب جدید اردو میں تخلیق ہوگا۔ جدید ہندوستانی ادب اور پاکستانی ادب قومی تصور
اور معاشی حالات کی بنا پر ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔ اور ادب کے ساتھ دونوں ملکوں کی زبان اردو بھی ایک دوسرے
سے الگ ہوگی۔ آج آپ جدید ادب کا مطالعہ کیجئے تو زبان اور لب و لہجے کا فرق دونوں میں نمایاں فرق نظر آئے گا۔ بلکہ اسی
طرح جس طرح امریکہ اور انگلستان کی انگریزی جو کسی حد تک ایک دوسرے سے جدا ہے اسی طرح سے ہندوستان اور پاکستان
کی اردو میں بُعد پیدا ہو رہا ہے اور کچھ زمانے کے بعد یہ خلیج اور بھی واضح ہوتی چلی جائے گی۔

اور بُعد فقط پاکستان اور ہندوستان کی زبان میں نہیں بلکہ علاقائی بنیاد پر اردو ایک علاقے کی دوسرے علاقے سے ممیز
ہوگی۔ نئی نسل اپنا اپنا اسلوب کالاو ڈھو رہی ہے۔ جس پر علاقائی اثرات کا پرتو ضرور رہے گا۔ ابھی جدید اردو کے صرف انیس سال
ہی تو گزر رہے ہیں۔ لسانیات کی تاریخ میں یہ کوئی بڑی مدت نہیں ہے۔ نصف صدی گزرنے کے بعد یہ فرق ابھی اور واضح
ہوگا۔ دبستانِ لکھنؤ کا رنگ بھی ایک مدت کے بعد دلی سے مختلف ہوا تھا۔ مدت گزرنے کے بعد لاہور کا دبستان اردو کراچی سے
کسی حد تک مختلف ہوگا۔ دونوں دبستانوں پر مقامی اثرات شامل ہونا ضروری ہیں۔ الفاظ، محاورات ہی کی حد تک نہیں بلکہ
صرف و نحو میں بھی تغیرات کلی طور سے نہ سہی تو جزوی طور سے یقیناً اثرانداز ہوں گے۔ تلفظات اور تذکیر و تانیث میں
افتراق اور نزاع کا پیدا ہو جانا بھی کوئی حیرت کا مقام نہیں ہے مگر یہ بات دیگر ہے کہ آئندہ آنے والی نسل تذکیر و تانیث
کے قضیے میں اپنا وقت نہیں ضائع کرے گی۔

مولانا تمنا عمادی

میری شاعرانہ معرکہ آرائیاں

(۲)

غرض رات کے ساڑھے گیارہ بج گئے۔ ناشتہ رکھا رہا۔ ساور ٹھنڈا ہو گیا۔ میرے اصرار سے ان لوگوں نے ناشتہ کیا۔ جب تک پھر غریب نجو خاں نے ساور درست کیا۔ چائے آئی اور ساڑھے بارہ بجے وہ دونوں یہ کہتے ہوئے تشریف لے گئے کہ اب کل مسلم صاحب کے یہاں آپ کو چلنا ہوگا ہم دونوں صبح سویرے آئیں گے۔ مگر صبح کو صرف نعیم میاں آئے۔ میں ان کے ساتھ بھائی مسلم کے یہاں پہنچا۔ نعیم نے بھائی مسلم کا بیان سن کر کہا کہ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ استاد کے یہاں مولانا تمنا کا جب ذکر آیا تو ان کی توہین و تحقیر خود استاد کی زبانی سنی۔ بلکہ ان کے والد ماجد رحمۃ اللہ کا ذکر بھی اچھے لفظوں میں نہیں کرتے تھے۔ جس کی مجھ کو تکلیف ہوتی تھی۔ کبھی دبی زبان سے میں نے مولانا کی طرف سے مدافعت کی تو وہ خفا ہو جاتے تھے۔ اس لئے چپ ہو جاتا تھا۔ غرض مسلم کی بھی صفائی ہو گئی۔ یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سارا فساد اور اختراع و اتہام ہر ایک کے متعلق بذات خود استاد ہی کا شگوفہ تھا۔ اس واقعے کے بعد سے مجھ کو ان سے سخت نفرت ہو گئی۔ اور جذبۂ انتقام ابھرنے لگا تو ان کی غزلوں کی دھجیاں اڑانے لگا۔

شاد صاحب کی مشہور غزل ہے جس کا مطلع

ڈھونڈوگے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

میں نے اس پر اعتراض کیا کہ ملکوں ملکوں ڈھونڈنا کوئی فصیح محاورہ نہیں۔ شہر شہر پھرے۔ گھر گھر گھومے محاورہ ہے۔ شہروں شہروں گھروں گھروں فصحا نہیں بولتے۔ بہت ہوا تو زبان یا عوام کا محاورہ ہو تو ہو۔ اور پھر جس خواب کی تعبیر حسرت و غم ہو اس خواب کو تو ہر شخص بھول ہی جانا بہتر سمجھے گا۔ اگر بھول چکا ہو تو اس کو ڈھونڈنے کیوں لگا۔ اس لئے اس شعر کی اصلاح یہ ہونی چاہئے۔

ع کیا ڈھونڈھ رہے ہو رہ رہ کر ملتے کے نہیں نایاب ہیں ہم تم دیکھ کے جس کو بھول گئے اے اہل وفا وہ خواب ہیں ہم

حضرت شاد کا مقطع یہ ہے۔

مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شادؔ یہ کہلا بھیجا ہے
آنا ہے اگر تو آجاؤ ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

میں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مرغانِ قفس ہی معشوق ہیں اور اپنے عشاق پھولوں کی طرف سے بے پرواہ ہیں قفس میں مزے اڑا رہے ہیں اور پھول بے چارے چمن میں، فراق کی مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ آخر غریب ہجراں نصیب پھولوں نے اپنے معشوقانِ تغافل شعار مرغانِ قفس کو کہلا بھیجا کہ "آنا ہے اگر تو آجا کہ ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم" ؎

بلبم رسید جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس از آنکہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

حضرت شادؔ نے عشق و محبت کی دنیا میں یہ الٹی گنگا بہائی ہے۔
کوئی لفظ شعر میں ایسا نہیں جو اس پر دلالت کرے کہ مرغانِ قفس بے چاروں کو اور جلانے کے لئے طنزاً پھولوں نے اپنے اشتیاقی پیغام کے کانٹے چبھوئے ہیں۔ کاش یہ مقطع نہ ہوتا اور اس طرح کا ایک شعر ہوتا ؎

اور اہلِ قفس کو جلانے کو پھولوں نے یہ کہلا بھیجا ہے
آنا ہے اگر تو آجاؤ ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

تو ایک بات ہوتی۔ میں نے اپنا مقطع یوں لکھا تھا ؎

سنتے ہو تمنا پھولوں نے کیا شورِ عنادل سن کے کہا
اتنی تو ہے چاہت دو دن کی جھنک کہ ذرا شاداب ہیں ہم

اس طرح ان کی متعدد غزلوں کی اصلاح کی گئی۔ جو ان کے شاگردوں ہی کے ذریعے ان کے پاس پہنچتی رہی۔

<u>ایک پر لطف واقعہ</u> کلکتہ سے "ملت" نام کا ایک روزنامہ نکلتا تھا اس میں میری سیاسی و قومی نظمیں برابر چھپا کرتی تھیں۔ ایک قطعہ چھپا تھا جس کی سرخی ایڈیٹر نے خود اپنی طرف سے دے دی تھی: "خان بہادر بھی رائے صاحب بھی"۔ قطعہ یہ تھا۔

گفتا کہ اول خاں سپس من خاں بہادر گشتہ ام
گفتم بلے دارد ہمی اول با آخر نسبتے

اہلِ اسلام کے جو لیڈر ہیں
اس زمانے میں کچھ تو یہ ہوتے

خاں بہادر نہیں تو خاں ہی سہی
اور خاں بھی نہیں تو خر ہوتے

اور اسی طرح لیڈرانِ ہنود
یوں مشرف خطاب سے ہوتے

رائے صاحب نہیں تو رائے سہی
رائے بھی گر نہیں تو رے ہوتے

ہیں جو مسلم نما و ہندو کیش
وہ خوش اس امتزاج سے ہوتے

خاں بہادر بھی رائے صاحب بھی
یا فقط رائے خاں ہوئے ہوتے

اور اگر اسکے بھی نہ بنتے قابل
تو فقط خر کے ساتھ رے ہوتے

یہ پرچہ حضرت شادؔ خان بہادر کے سامنے کسی طرح آگیا۔ تو انہوں نے کچھ سوچ کر اپنے ایک سرمایہ دار ہندو دوست اگر رائے ایشری پرشاد کو بلایا جو پٹنہ کے ہندو رؤسا میں شمار کئے جاتے تھے۔ اور شہر کے بدمعاشوں اور غنڈوں کے سردار تھے۔ اور رائے صاحب کا خطاب بھی انگریزی حکومت کی طرف سے پائے ہوئے تھے۔ یہ حضرت شادؔ کے بڑے چہیتے شاگرد تھے چونکہ استاد

کی مالی خدمت سب شاگردوں سے زیادہ کرتے رہتے تھے۔ ہر مشاعرے میں استاد ان کو خود غزل لکھ کر دے دیا کرتے تھے۔ اور یہ بڑی شان سے پڑھتے تھے۔ استاد بھائیوں کی جماعت واہ واہ کا شور مچا کر ان کا واہ آسمان تک پہنچا دیتی تھی۔ دوسرے تلامذہ سمجھتے تھے کہ جس نے ان کو خوش رکھا اس نے استاد کو خوش رکھا اور جس نے ان کو ناخوش کیا اس نے استاد کو ناخوش کیا اس لئے ہر استاد بھائی عام طور سے ان کے منہ پر ان کی مدح وثنا میں زیادہ سے زیادہ مبالغہ کرتا تھا مگر جو اہل نظر اور خوددار تھے وہ زیادہ تر چپ ہی رہتے تھے مگر منہ پر ان کو بھی کچھ نہ کچھ تعریف کر ہی دینی پڑتی تھی۔

استاد نے عروض وقوافی پر ایک رسالہ بھی لکھ کر ان کو دے دیا جس کو انہوں نے چھپوا کر شائع کیا تھا اور ان پر ثابت یہ کیا گیا تھا کہ اگلے مصنفین سبھوں نے بھٹک کھایا ہے۔ سب سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ بھول چوک ہوئی اگر دنیا میں کوئی کتاب اس فن میں لکھی گئی ہے تو بس یہی کتاب ہے جو پہلی ہے اور آخری ہے۔ ایسی جامع ومانع غلطیوں سے پاک کوئی کتاب نہ اس سے پہلے کسی نے لکھی تھی اور نہ اس کے بعد کوئی ایسی کتاب لکھ سکتا ہے بجز اس کے کہ اسی کتاب کی نقل کر دے۔ چنانچہ رائے بہادر صاحب نے مجھ کو وہ "عروض عطا" نام کی کتاب اسی زمانے میں تحفۃً دی تھی۔ یہ کہتے ہوئے کہ اس فن میں یہ آخری کتاب ہے۔ نہ اس سے پہلے کوئی کتاب غلطیوں سے پاک لکھی گئی تھی نہ آئندہ کوئی انہیں خوبیوں کی حامل کوئی دوسری کتاب اس فن میں لکھ سکتا ہے۔ مگر آدمی بہت بھولے تھے اور خود بدمعاش یا غنڈے نہ تھے۔ مگر شہر کے بدمعاشوں نے ان کو اپنا آلۂ کار بنا لیا تھا اور ان کے روپے کی مدد حاصل کیا کرتے تھے اور ان کو بے وقوف بناتے رہتے تھے۔

حضرت شاد نے ان کو بلا کر روزنامہ "ملت" کا وہ پرچہ دکھایا اور سرخی دکھائی کہ "خان بہادر اور رائے صاحب بھی" جانتے ہو یہ دونوں کون ہیں؟ خان بہادر میں ہوں اور رائے صاحب تم ہو۔ اور اس کے بعد آخر مصرعہ پڑھو۔ مرخ کے ساتھ رہے ہوتے۔ یعنی ہم تم دونوں خر ہو تے۔ غصے سے رائے صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا اور بعض حاضر مجلس تلامذہ نے بھی اس آگ پر تیل چھڑکنا شروع کیا۔ مگر وہ زیادہ نہ ٹھہر سکے فوراً وہ پرچہ لے کر اپنے دوست مسٹر یونس بیرسٹر کے یہاں پہنچے۔ سوء اتفاق سے مسٹر یونس کو مجھ سے پہلے ہی سے خلش تھی۔ وہ پہلے الیکشن میں جبکہ مسلمانوں نے جمعیۃ العلما کے فتوے کے مطابق کونسل کا بائیکاٹ کیا تھا۔ اس وقت جن لوگوں نے جمعیۃ العلما کو کانگریسی پٹھو سمجھ کر اس کے فتوے کی پروا نہیں کی تھی انہیں لوگوں میں مسٹر یونس بھی تھے۔ چونکہ ان کے مقابل کوئی معقول آدمی نہ تھا۔ اسلئے مسٹر یونس منتخب ہو گئے تھے۔ میں نے ایک نظم لکھی تھی جس کا ایک شعر یہ تھا۔ ؎

کونسل بھی اے حضرت یونس مگر | یہ اگل دے گی جو لقمہ ہضم کے قابل نہیں

اس لئے یہ سمجھ کر کہ اگرچہ نمناپر کسی حیثیت سے بھی ان کی طرف سے کوئی کیس نہیں چل سکتا مگر کم سے کم ان کو حاضر عدالت تو ہونا ہوگا کچھ روپے تو ان کے برباد ہوں گے۔ تھوڑی پریشانی تو ہوگی۔ اسلئے رائے صاحب سے اخبار لے لیا۔ اور کہا منشی صاحب کے یہاں فیس جمع کر دیجئے۔ میں آج رات کو عرضی لکھ کر رکھوں گا۔ سو سو فیس کے جمع کر کے اخبار دیکر رائے

صاحب مسٹر یونس سے یہ کہتے ہوئے اٹھے کہ اگر آپ نے تمنا کو ایک مہینہ کے لئے بھی جیل بھجوا دیا تو میں مٹھائی کھانے کے لئے ایک ہزار روپیہ حاضر کر دوں گا۔ مسٹر یونس نے کہا کہ ایک مہینہ کہتے ہیں، ہم تو ایک سال سے کم پر راضی ہی نہ ہوں گے۔ ایک کی نہیں دو دو سر پر آ دررہ معززین شہر کی ازالہ حیثیت عرفی ہے کچھ کھیل نہیں۔ مگر رائے صاحب کے کان میں پہلے پہل "ازالہ حیثیت عرفی" کا لفظ پڑا تھا اس سے پہلے وہ ہمیشہ اس کا انگریزی نام سنا کرتے تھے اور خود بولتے تھے۔ یہ فارسی ترکیب میں عربی الفاظ کی ترکیب تو ان کو بہت خوش آئند معلوم ہو رہی تھی مگر اس کے مفہوم کو جاننے میں برابر سوچتے رہے کہ آخر اس کے معنی کیا ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت قانونی نقطہ ہے۔ مسٹر یونس کے یہاں سے دس بجے دن کو چلے تھے اور بیٹھے مگر ان کے کچہری کا وقت تھا غرض استاد کے یہاں گیارہ بجے کے قریب دن کو پہنچے۔ مولوی نیاز حسین شائق ہی فقط بیٹھے تھے اور استاد سے باتیں کر رہے تھے۔ رائے صاحب پہنچے اور استاد کو مبارکباد دی کہ حضور مسٹر یونس نے کیس چلانے کا ذمہ لے لیا مگر حضور ایک بات ان کی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اگرچہ بڑی اہمیت کے ساتھ کہی۔ معلوم ہوتا ہے اب پر وہ کوئی بہت سخت دفعہ لگانے والے ہیں۔ استاد چپ نیم تبسم کے ساتھ ان کی باتیں سن رہے تھے اور منتظر تھے کہ جو بات سمجھ میں نہیں آئی ہے اس کو یہ خود ہی بیان کریں گے۔ میں کیوں پوچھوں۔ مگر شائق صاحب انتظار نہ کر سکے اور پوچھ ہی بیٹھے کہ وہ کون چیز ہے جو آپ کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اس کو تو بیان کیجئے۔ ادھر استاد نے ملازم سے پینے کا پانی مانگا۔ رائے صاحب کا رخ اب استاد کی طرف سے شائق صاحب کی طرف ہو گیا۔ شائق صاحب استاد کے بہت پرانے شاگرد تھے اس لئے تلامذہ ان کا ادب کرتے تھے مگر وہ بڑے زندہ دل، خوش مذاق، ظریف اور لسان تھے جنکی لسانی کا نقشہ میں اس سے پہلے کھینچ چکا ہوں۔

رائے صاحب نے کہا کہ جب میں چلنے لگا تو مسٹر یونس سے کہا کہ اگر ایک مہینے کے لئے بھی آپ تمنا کو جیل بھجوا دیجئے تو میں آپ کو مٹھائی کھانے کے لئے ایک ہزار روپے دوں گا۔ انہوں نے کہا ایک مہینہ؟ ہم ایک برس سے کم پر راضی ہی نہ ہوں گے۔ دو دو معززین شہر کا ازالہ حیثیت عرفی کوئی معمولی بات نہیں ہے تو میں ازالہ حیثیت عرفی کے معنی نہیں سمجھ سکا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی بڑا جرم ہے جس کی سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ ان تینوں لفظوں کے الگ معنی تو میں جانتا ہوں یہ سب مل کر کیا مفہوم رکھتے ہیں اس کو سوچتا تو ہوں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ نشست سائبان میں تھی۔ ملازم گلاس میں پانی لئے کھڑا تھا۔ استاد دونوں کی گفتگو سن رہے تھے۔ اور سمجھ رہے تھے کہ شائق اس کو بے وقوف بنائیں گے۔ اس لئے آدمی کو اشارہ کیا کہ گلاس اندر کمرے میں لے چلو دوا کھانی ہے اس کے بعد پانی پینا ہے۔ استاد اندر کمرے میں چلے گئے۔ باتیں سنتے بھی جاتے ہیں اور ایک گھونٹ پانی کا بھی فرد کرتے جاتے ہیں۔ ملازم سامنے گلاس واپس لینے کے لئے کھڑا ہے۔

ادھر گفتگو کا رنگ یہ تھا کہ شائق صاحب نے رائے صاحب سے پوچھا کہ آپ "ازالے" کے معنی جانتے ہیں؟ بولے کہ ہاں۔ پوچھا کہ کیا؟ رائے صاحب پرانے عیاش تھے اس لئے عیاشی کی عربی فارسی انگریزی ہر زبان کی متعارف

اصطلاحوں سے واقف تھے اس لئے رائے صاحب نے کہا کہ جی ہاں ۔ جیسے ازالۂ بکارت ۔ اس کے بعد شائق صاحب نے پوچھا کہ اور حیثیت کے معنی جانتے ہیں؟ ۔ رائے صاحب نے کہا کہ جی ہاں ۔ ہر آدمی کی ایک حیثیت ہوتی ہو ۔ ہر چیز کی ایک حیثیت ہوتی ہے ہر بات کی ایک حیثیت ہوتی ہے ۔ اس کے بعد عرفی کے بارے میں شائق صاحب نے پوچھا ۔ رائے صاحب نے کہا کہ یہ بھی جانتا ہوں ۔ دو قسم کی شادی مسلمانوں میں ہوتی ہے ۔ شرعی اور عرفی ۔ سب پوچھنے کے بعد شائق صاحب اپنے مخصوص شاعرانہ انداز بیان سے کہنے لگے کہ آپ تو ہر لفظ کے معنی جانتے ہی ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اب تو شرعی شادی کہیں بھی نہیں ہوتی ہر جگہ عرفی ہی ہوتی ہے ۔ اور یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ شادی کی پہلی شب ازالۂ بکارت ہوتا ہے : بکارت کا لفظ کریہہ ہے اس لئے اس کی جگہ "حیثیت" کا لفظ رکھ دیا گیا ہے ۔ حضرت شاد کمرے میں ہنسی کو ہزار ضبط کرنا چاہتے تھے مگر ضبط نہیں کر سکتے تھے تو اس کو کھنکھرنے میں چھپاتے ۔ مگر خود جناب شائق کے چہرے پر ہلکا سا تبسم بھی نہ تھا ۔ نہایت سنجیدگی سے سمجھا رہے تھے کہ معززین کی آبرو کی حیثیت بالکل وہی ہے جو ایک کنواری کی بکارت کی حیثیت ہوتی ہے ۔ جب تک کسی نے دست درازی نہیں کی ہے ۔ حیثیت محفوظ ہے ۔ دست درازی ہوئی اور اس کا ازالہ ہو گیا ۔ جس طرح کھوئی بکارت واپس نہیں آسکتی اسی طرح جہاں کسی معزز کی آبرو پر ایک بار کسی نے حملہ کر دیا تو پھر شیشے میں بال پڑ چکا تو پڑ چکا ازالۂ بکارت عرفی ہو گیا ۔ یہی مطلب ہے اس قانون کا ۔ مگر "بکارت" کا لفظ عورتوں ہی کے لئے اور وہ بھی کنواریوں ہی کے لئے مخصوص ہے اور یہاں اصلی بکارت تو مراد بھی نہیں ہے مجازاً بکارت قرار دے رہے ہیں اس کی بکارت کی جگہ حیثیت کا لفظ رکھ کر اس جرم کا نام "ازالۂ حیثیتِ عرفی" رکھا گیا ہے ۔ رائے صاحب یہ تحقیقات لسانی سن کر بہت خوش ہوئے اور جناب شائق سے پوچھا کہ جب اس عبارت میں "حیثیت" کے معنی "بکارت" کے ہیں تو "ازالۂ حیثیت عرفی" کی جگہ ازالۂ بکارت عرفی بھی کہہ سکتے ہیں؟ شائق صاحب نے کہا کہ بخوبی کہہ سکتے ہیں ۔ اور کہنا چاہئے ۔ تو کئی جگہ انہوں نے اس نظم کا اور مبدا تذکرہ کیا اور کہا کہ دیکھئے تو اس بدمعاش نے ہم لوگوں کے ساتھ "ازالۂ بکارت عرفی" کیا ۔ متعدد جگہ اس کا مضحکہ رہا ۔ پھر استاد کو خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے رائے صاحب کو سمجھایا ۔ مگر یہ کہنا بے موقع تھا کہ شائق نے تم کو الو بنایا ۔ اگر یہ سمجھ لیتے تو شائق غریب کے دشمن ہو جاتے ۔ اس لئے یہ سمجھا دیا کہ "بکارت" ایک کریہہ لفظ ہے اسی لئے تو اس کی جگہ حیثیت کا لفظ رکھا گیا ہے ۔ اور تم بھی کریہہ لفظ بولا کرتے ہو جس کی وجہ سے خود بھی اپنا مضحکہ لوگوں سے کراتے ہو اور میرا بھی ۔ تو پھر وہ بھی "بکارت کا اس مرکب سہ حرفی سے ازالہ کر کے" ازالہ حیثیت عرفی "ہی بولنے لگے ۔

مسٹر یونس نے ایک ہفتے کے بعد بلوایا تھا ۔ ایک ہفتے کے بعد گئے تو بیرسٹر صاحب بولے کہ موجودہ قانون کی کتابوں میں جتنے قوانین تھے ان کو تو ہم چھان گئے ۔ اس قانون کی جس دفعہ کو ہم لگانا چاہتے ہیں وہ ان کتابوں میں نہیں ہے ۔ اس لئے فلاں کتاب جو سارے قوانین کی جامع ہے لندن سے منگوائی گئی ہے اور لندن سے ڈاک ایک ماہ سے کم میں نہیں پہنچتی اس لئے آپ کو ڈیڑھ ماہ انتظار کرنا ہوگا ۔ میرا خط تو روانہ ہو گیا ہے ۔ اب فوراً کتاب وہاں سے روانہ ہو گی تو پھر

خدا کے پہنچنے کے بعد ہی۔ اب دیکھئے اس میں ڈیڑھ مہینہ لگتا ہے یا اور زیادہ۔ غرض اسی طرح غریب رائے صاحب کو مسٹر یونس نے بہلاوے میں رکھا آخر غریب مایوس ہو کر بیٹھ رہا۔ حالانکہ بعض دوسرے وکلا ان کو سمجھاتے تھے مگر مسٹر یونس کا سکہ ان کے دل پر ایسا جما ہوا تھا کہ وہ دوسروں کو قانون کا طفل مکتب سمجھتے تھے۔ اور سر علی امام وحسن امام سے بھی مسٹر یونس کا پایہ بلند سمجھتے تھے۔ مگر مسٹر یونس لندن سے کتاب آنے کے حیلے سے ان کو ٹالتے گئے۔ پھر لوگوں نے کہا کہ نصہ پرانا ہو گیا۔ جانے دیجئے۔ چنانچہ بات آئی گئی ہو گئی۔ یہ سارا واقعہ مجھ سے خود مولوی نظیر حسین شائق نے پھلواری میں اخی المکرم جناب حکیم شعیب صاحب رحمۃ اللہ کے یہاں ایک مجمع میں بیان کیا تھا اپنے مخصوص بیان سے۔ رحمۃ اللہ۔

امارت شرعیہ کا فتنہ۔ پھلواری میں ابو الکلام آزاد کے مشورے سے مولانا سجاد نے امارت شرعیہ قائم کی۔ جمیعۃ العلما صوبہ بہار کے ارکان کے مشورے سے میں بھی جمیعۃ العلما کا ایک رکن تھا۔ حضرت مولانا شاہ بدر الدین ماموں صاحب رح امیر شریعت منتخب ہوئے اور مولانا سجاد نائب امیر۔ کئی برس تک یہ امارت چلتی رہی۔ کچھ کام ہو رہا تھا۔ زکوٰۃ تحصیلی جاتی۔ اور طرح طرح سے آمدنی کی صورتیں مولانا سجاد پیدا کرتے رہتے تھے۔ ایک دن آکر انہوں نے کہا کہ آج ایک واقعہ ہوا۔ وہ یہ کہ ایک محصّل (تحصیلدار) پلاموں کے علاقوں سے چھ سو روپے تحصیل کر کے غائب ہو گیا۔ چار پانچ مہینے سے اس کا کچھ پتہ نہیں ہے اب اس رقم کی وصولی یہاں اگر لکھی نہیں جاتی ہے تو خود امیر شریعت حضرت شاہ بدر الدین صاحب کبھی کبھی آمد و خرچ کا رجسٹر منگوا کر دیکھتے ہیں۔ کبھی اپنے مریدوں میں سے کسی معزز شخص کو حساب جانچنے کے لئے بھیجتے ہیں۔ پلاموں والا محصل جو گیا تھا اور اس کو جو خرچ راہ دیا گیا تھا اس کا ذکر رجسٹر میں موجود ہے۔ پھر گزشتہ سال پلاموں سے جو رقم آئی تھی وہ گزشتہ سال کے رجسٹر میں درج ہے۔ امسال پلاموں محصّل تو ہو گیا مگر کیا لایا۔ اس کا ذکر نہیں ہے۔ پلاموں ہی کا کوئی آدمی اگر آئے اور اپنے یہاں کی رقم کا ذکر رجسٹر میں نہ دیکھے تو کیا کہے گا۔ اور سب سے بالا تو یہ ہے کہ حضرت شاہ بدر الدین رحمۃ اللہ سابق امیر شریعت کا حکم تھا کہ جہاں سے جو رقم بھیجی جائے اس کی ایک اطلاع دفتر امارت شرعیہ میں نائب امیر کے پاس اور ایک اطلاع خاص امیر شریعت کے نام سے ضرور بھیجی جائے۔ تاکہ محصّل جو رقم لائے وہ اطلاع کے مطابق اس سے وصول کیا جائے۔ تو پلاموں سے امیر شریعت کے پاس بھی اطلاع پہنچ چکی تھی کہ فلاں محصّل کی معرفت چھ سو روپے فلاں تاریخ بھیجے گئے۔ امیر شریعت سال میں ایک بار خود اپنی اطلاعات کو رجسٹر سے ملاتے تھے جس سے آمدنی کا صحیح اندازہ ان کو مل جاتا تھا اور پھر خرچ دیکھتے تھے۔ تو اگر حقیقت حال رجسٹر پر لکھ دی جائے اور امیر شریعت کو حقیقتِ حال سے مطلع کر دیا جائے تو بڑا فتنہ ہو گا۔ پھر امارت کے تحصیلداروں پر لوگوں کا اعتماد نہ رہے گا۔ آئندہ زکوٰۃ وچندے کی وصولی میں دشواری ہو گی۔ ان سب باتوں کو سوچ کر رجسٹر میں چھ سو روپے کی وصولی لکھ لی گئی اور فقرا و مساکین وغیرہ میں اس کے ایسے اخراجات لکھ دیئے گئے جن کی تحقیق نہ کی جا سکے۔ بستی کے تین غریب آدمی جو اس واقعے کے بعد مرے تھے ان میں سے ہر ایک کے نام سو سو روپے لکھ دیئے گئے کہ بمد معاش ان کو یہ رقم دی گئی۔ غرض اس طرح چھ سو روپے کا حساب پورا کر کے

رجسٹر پر چڑھا دیا گیا ہے۔ بھائی عمر مرحوم نے کہا کہ مجھ کو سخت اور پھر دوسرے حساب پر بھی میرا اعتماد نہ تھا۔ کیونکہ یہ بات تو
دفتر امارت کے دفتر پر واضح ہو چکی تھی۔ سوا حضرت امیر شریعت کے۔ اسلئے سب کو اس غبن کا علم ہو گیا۔ جو آمدنی خود مولانا
سجاد لکھواتے ہیں کہ اتنی رقم فلاں جگہ سے ہم کو ملی تھی جس میں سے اس اس طرح خرچ، باقی اس قدر ہے یا کچھ باقی نہ بچا۔
ان کے بتائے ہوئے حساب کے مطابق آمد و خرچ کی مدوں میں ان کا لکھا ہوا حساب نقل کر دیا جاتا ہے۔ اس کی صحت
کا کیا اعتبار ہے۔ اس کے بعد ہی گیا میں کانگریس خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلما کا اجلاس ہونے لگا تو جمعیۃ العلما کے پاس تو
کوئی فنڈ نہ تھا۔ امارت کی تحویل میں انگورہ فنڈ کے تقریباً دس ہزار روپے تھے۔ مولانا سجاد نے حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ
کو اپنی ضمانت کے ساتھ پورا اطمینان دلا کر انگورہ فنڈ سے چھ ہزار روپے قرض لئے۔ مولانا سجاد کی ضمانت اور اطمینان دہانی
کی وجہ سے بادل ناخواستہ انہوں نے اجازت دے دی۔ کانگریس والوں نے اور خلافت کمیٹی والوں نے بھی مہمانوں کے قیام
و طعام کا انتظام کیا تھا۔ مگر وہ کھانا ناشتہ چائے کی قیمت وصول کرتے تھے۔ اس لئے ہر کھانے والا اپنی جیب کا جائزہ لے
کر ہی کھاتا تھا۔ مگر جمعیۃ العلما کا عام کھلا ہوا دسترخوان تھا۔ باریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست۔ یہی غنیمت تھا کہ دسترخوان
پر وہی لوگ جاتے تھے جن کے پاس جمعیۃ العلماء کا کارڈ تھا۔ مگر سیکڑوں کارڈ غیر علما کو بھی دیئے گئے تھے۔ علما نے سفارش
کر کر کے اپنے تماشہ بین دوستوں کو بھی کارڈ دلوائے تھے۔ اور سب پلاؤ، قلیہ، قورما، میٹھا چاول اور فیرنی کھاتے ہیں اور ناشتہ
میں کھجوریں، خستہ بسکٹ۔ توس مکھن اور کچھ مٹھائیاں بھی تھیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمد تو خرچ کا بیسواں حصہ بھی نہ ہوئی۔
اور سارے روپے ہوا ہو گئے۔ اس موقع پر امارت شرعیہ کا دفتر وہاں گیا تھا۔ میں چونکہ جمعیۃ العلما کا ایک رکن تھا۔ اس
لئے کبھی کبھی آمد و خرچ کا رجسٹر جا جا کر بغور دیکھتا تھا۔ میرے اس دیکھنے کو بعض ملازمین دفتر مشکوک نگاہوں سے
دیکھتے تھے۔ مگر مجھ کو روک نہیں سکتے تھے۔ آخر تیسرے دن وہ دفتر ہی کے بکس میں بند کر دیا گیا۔ مگر میں نے بعض باتیں
نوٹ کر لی تھیں۔ بھائی عمر مرحوم ایک دیانت دار آدمی تھے۔ بعض وقت بعض حساب کے لکھنے سے انکار کر دیتے تھے
تو دوسرا محرر اس کو لکھتا تھا۔ وہ پلاؤں والا حساب بھی جو بنایا گیا تھا۔ اس کو بھی بھائی عمر مرحوم نے نہیں لکھا تھا۔ مولانا سجاد
نے ڈانٹا بھی کہ آپ نوکر ہیں۔ آپ کو جو لکھنے کے لئے کہا جاتا ہے لکھئے۔ عذاب و ثواب میری گردن پر ہے۔ آپ اپنی ملازمت
کا فرض منصبی ادا کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے کہا کہ ہم استعفیٰ دے دیتے ہیں چنانچہ اسی وقت کانگریس والے گیا کے اجلاس
سے پہلے ہی بھائی عمر دفتر امارت سے مستعفی ہو کر الگ ہو گئے تھے۔ مگر اس کا ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ ان رازہائے درون
پردہ کو افشا نہ کر دیں تو ان کے چھوٹے بھائی کو دارالافتاء میں مفتی کی حیثیت سے نوکر رکھ لیا کہ ان کی ملازمت کے خیال
سے وہ افشائے راز نہ کریں گے۔

گیا کے اجلاس کے بعد یہ بالکل کسی پر ظاہر نہ کیا گیا کہ اجلاس کی تجارت میں بہت گھاٹا ہوا۔ بلکہ سب بہت خوش
نظر آتے تھے۔ عام ملازمین تو بس اسی قدر لوگوں سے کہتے تھے کہ بہت کم نفع ہوا۔ کوئی کہتا تھا کہ برابر سرابر رہا۔ گھاٹا نہیں ہوا۔

تاکہ عام پبلک کو اطمینان رہے۔ اور کسی کو کوئی شبہ نہ ہو۔ مجھ کو بھی خبر ملی آمد و خرچ برابر رہا۔ مگر بہت سامان جو جلسے کے لئے خریدے گئے ہیں، ان کے نیلام سے جو آمدنی آئے گی بس وہی نفع ہوگی۔ اس لئے میں بھی مطمئن تھا، مگر حضرت امیر شریعت بار بار مولانا سجاد پر تقاضا کر رہے تھے کہ انگورہ فنڈ کا قرضہ ادا کرو تم نے ضمانت لی ہے۔ تمہاری ضمانت پر میں نے اجازت دی تھی۔ وہ آج کل پر ٹالتے رہے۔ یہاں تک کہ زیادہ تر دہلی میں مرکزی جمعیۃ العلماء کا کام وہاں جاکر سنبھالتے۔ یہاں وہ دو ایک دن کے لئے آئے بھی تو حضرت امیر شریعت سے ملے ہی نہیں اور پھر چلے گئے۔ ایک بار خلوت میں چند آدمی بیٹھے تھے، میں بھی تھا کہ کسی نے خبر دی مولانا سجاد ابھی آئے ہیں۔ غالباً پہلے سے کہہ دیا تھا کہ وہ آئیں تو فوراً ہمیں خبر دیجئے۔ چنانچہ خبر دی گئی تو ان کو بلا بھیجا۔ مجبوراً آئے تو حضرت امیر شریعت نے فرمایا کہ اگر انگورہ فنڈ کا قرض ادا نہ ہوگا تو ہم استعفیٰ دے دیں گے۔ اگر ہم یہ حال سمجھتے تو کبھی اجازت نہ دیتے اس وقت ہم کو علم ہوا کہ انگورہ فنڈ کا قرض ادا نہیں ہوا ہے تو سخت تعجب ہوا اور سخت غصہ بھی ہوا کہ مجھ کو بھی خبر دی گئی تھی قرض ادا کر دیا گیا ہے۔ بلکہ سامان جو نیلام ہوا وہ بھی اسی میں داخل کر دیا گیا۔ تو ہم نے اپنے چچیرے بھائی مولانا قاضی نور الحسن حیدراری رحمۃ اللہ جو محکمہ امارت شرعیہ کے قاضی تھے ان سے جاکر پوچھا کہ آپ کو اس کا علم ہے کہ نہیں۔ اس لئے کہ آپ کو تو دفتر کے آمد و خرچ احساب و کتاب کے رجسٹر سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ تو وہ رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہمیں علم ہوا مگر بہت بعد کو مگر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہم نے خلوت کا واقعہ بیان کیا اس کے بعد امیر شریعت رحمۃ اللہ نے پھر ایک بار مولانا سجاد کو اسی طرح گویا زبردستی بلوایا۔ قاضی نور الحسن صاحب کو بھی اور معلوم نہیں کس کس کو، اور اپنا استعفیٰ لکھ کر ان لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔ مولانا سجاد نے دست بستہ ہو کر کہا کہ حضور چھ مہینے کی مجھ کو مہلت دیجئے۔ آخر ان لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو کر اپنے استعفیٰ کو چھ مہینے کے لئے ملتوی کیا۔ مولانا سجاد نے عرض کیا کہ حضور اس استعفے کو چاک کر دیا جائے۔ انہوں نے ڈانٹ کر کہا جاؤ یہ نہیں ہوگا یہ لکھا ہوا رہے گا۔ یہ پورا واقعہ مجھ کو اخی المکرم قاضی نور الحسن صاحب سے معلوم ہوا۔

اس کے چند ہی مہینے کے بعد حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ بیمار پڑے اور چھ مہینے کی معیاد کے قبل ہی وفات پا گئے اور مولانا سجاد اس چھ مہینے میں انگورہ فنڈ کا قرض ادا کرنے کی ذمہ داری سے آزاد ہو گئے۔ اس کے بعد اخی المحترم مولانا شاہ محی الدین رحمۃ اللہ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ کے بڑے صاحبزادے، اپنے والد کی جگہ سجادہ مجیبیہ پر متمکن ہوئے۔ یہ جانشینی تو سجادے کی تھی۔ اب امیر شریعت دوم کے انتخاب کا وقت آیا تو جمعیۃ العلماء کا اجلاس طلب کیا گیا۔ حضرت شاہ بدرالدین سابق امیر شریعت ایک محفوظ کیریکٹر کے آدمی تھے وہ مولانا سجاد کے داؤ گھات میں نہیں آ سکتے تھے۔ مگر حضرت محی الدین بھائی صاحب رحمۃ اللہ کے ساتھ کا میں کھیلا ہوا ہوں ان کے مزاج اور طبیعت کی سادگی سے خوب واقف تھا۔ یہ سمجھتا تھا کہ مولانا سجاد ان پر مسلط رہیں گے اور جو کچھ وہ کہیں گے۔ وہ ان کو کرنا پڑے گا۔ اس لئے میں دیانتہً سمجھتا تھا کہ ان کو اب امیر شریعت نہیں ہونا چاہئے۔ آخر انتخاب کے قبل منظوم خط ان کے نام بھیجا۔ جس میں ان کی ذاتی خوبیاں

کا ذکر تھا مگر امارت کی انتظامی اور اندرونی خرابیوں کو بیان کرتے ہوئے ان کو مشورہ دیا تھا کہ آپ ایک سجادے پر ہیں جس کی وجہ سے آپ کا اعزاز بغیر امیر شریعت بنے امیر شریعت و امیر طریقت دونوں کا ہے۔ ایسی ذمہ داری کا کام اپنے سر نہ لیجئے جس میں اختیارات سب کے سب دوسرے کے ہاتھوں میں ہوں اور ذمہ داری آپ کے سر۔ اس لئے برائے خدا اس عہدے کو قبول نہ کیجئے۔ یہ نظم میری ایک قدیم کاپی پر موجود ہے مگر یہاں نہیں ہے۔ دیدار امارت۔ گفتار امارت اس کے قوافی و ردیف کی نشست تھی۔ چونکہ فوری سجادہ نشینی کی وجہ سے ہر وقت خلوت میں مریدوں کی بھیڑ رہتی تھی حاضری اچھی ہے اس لئے خط کے ذریعے اپنے خیالات سے مطلع کیا۔ اور نثر سے نظم زیادہ موثر ہوتی ہے اس لئے منظوم خط بھیجا تھا۔

بھائی صاحب نے اس خط کو مولانا سجاد صاحب کے پاس بھیج دیا۔ وہ آگ بگولا ہو گئے اور جذبۂ انتقام سے لبریز ہو کر سوچنے لگے کہ کوئی ایسا شاعر ملے جو اس کا جواب دے اور بہت سخت جواب دے، ربیع الاول کے عرس کا زمانہ تھا بہت سے مریدوں کا مجمع تھا۔ خاص کر نئے سجادہ نشین کے وقت کا پہلا عرس ربیع الاول تھا۔ اگرچہ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول کا تھا۔ مگر ۱۲ ربیع الاول کو بھی ایک چھوٹا سا عرس ہو جاتا تھا۔ بہت سے شعراء موجود تھے جو مریدان باختصاص میں سے تھے۔ شفیق عمادپوری ڈاکٹر مبارک مشہور لوگوں میں سے تھے۔ ان لوگوں سے کہا گیا۔ ان لوگوں نے سختی سے انکار کیا اور کہا کہ یہ خط تو بے حد مخلصانہ اور محبت سے لبریز ہے اگر آپ کے منشا کے خلاف یہ خط ہے تو رکھ لیجئے، جواب دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اور وہ بھی تو اس خاندان کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ اس لئے جواب دینے سے منع کیا۔ سوء اتفاق حضرت شاد عظیم آبادی کا ایک شاگرد معین الدین قیس بھی وہاں موجود تھا، جس کے بڑے چچا شاہ محمد یحییٰ صاحب میرے بڑے مخلص شاگرد تھے اس وجہ سے یہ قیس پہلے میرا بڑا احترام کرتا تھا۔ مگر لوگوں نے اس کو آمادہ کیا اور ایک مرید صاحب نے جیب سے نکال کر سو روپے کا نوٹ اس کو دیا کہ اس کا جواب لکھو اور فوراً اسے چھپواؤ تاکہ ۱۲ ربیع الاول کو تقسیم ہو سکے۔ مولانا سجاد نے کہا کہ جواب لکھ کر دو دن میں لاؤ تاکہ ہم لوگ دیکھ لیں اور پسند کریں اس کے بعد چھپواؤ۔ ایک دن میں تو چھپ جائے گا۔ اس نے اس کو اپنے لئے ذریعۂ شہرت سمجھا اور فوراً وہ میرا منظوم خط لے کر پٹنہ سٹی پہنچا۔ اور اپنے بعض استاد بھائیوں سے مشورہ کیا۔ پھر استاد سے ملا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ مگر کہا کہ جب تک تمنا کی نظم اور تمہاری نظم ساتھ ساتھ نہ چھپے۔ اس وقت تک یہ کیسے معلوم ہوگا کہ تمنا نے کیا لکھا تھا جس کا تم نے جواب دیا۔ مگر تمنا کی یہ نظم تو ایسی نہیں ہے کہ جس میں کوئی ایسی بات ہو جس کا جواب دیا جائے۔ اس لئے اس نظم کو ہٹاؤ اور تمنا کی طرف سے خود ایک نظم لکھ کر اس کو تمنا کی طرف منسوب کر کے دکھاؤ کہ تمنا نے حضرت مولانا شاہ محی الدین صاحب کی شان میں یہ لکھا تھا۔ اور ایسی گستاخی کی تھی اس لئے یہ جواب دیا گیا۔ تو یہ رائے ان لوجوان شاگردوں نے پسند کر لی۔ قیس کو یاد آگیا کہ مولانا شاہ صبیح الحق عمادی جو اپنے والد کی وفات کے بعد سے زیب سجادہ عمادیہ ہیں سلمہ اللہ تعالیٰ۔ جب وہ کتب درسیہ کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو دستار بندی کا جلسہ ہوا تو شاہ صبیح الحق سلمہ اللہ تعالیٰ میرے بھتیجے اور میرے شاگرد ہیں، میں ان کے مناقب کیوں گنتا۔ میں نے ایک نظم نصیحت اور

پھر دعا کی لکھ کر پڑھی گئی تھی جو چھپ گئی تھی جس کا مطلع تھا۔

دستور ہے جب باندھتے دستارِ فضیلت — لیکن نہیں دراصل یہ معیارِ فضیلت
سو واعلم دعلم کا بار چاہیے سر میں — پگڑی سے نہیں گرچہ مانارِ فضیلت

باوجود اس کے کہ یہ نظم ایک پمفلٹ کی شکل میں چھپ چکی تھی۔ بس صرف ردیف بدل دی۔ فضیلت کی جگہ امارت رکھ کر یہ ظاہر کیا کہ تمنا نے حضرت امیر شریعت کو اس طرح گستاخانہ مخاطب کیا تھا۔ میرا مطبوعہ قصیدہ بہت طویل ہے مگر اس میں سے نو دس شعر لے کر اور ردیف بدل کر قیس صاحب استاد کے پاس لے گئے۔ وہ دیکھ کر کہنے لگے۔ اب ٹھیک ہے۔ اور اس کا ایک جواب اتنے ہی اشعار کا قیس کو وہ بتاتے گئے اور وہ لکھتا گیا۔ دس گیارہ اشعار کا لکھنا ہی کیا تھا۔ اور وہ بھی محض سرسری اشعار۔ بس شام تک قیس دونوں لے کر مولانا سجاد کے پاس آ گئے۔

حضرت شاد کے شاگردوں میں ایک نوجوان تھا۔ علی احمد خبر۔ مگر چونکہ وہ غریب آدمی تھا۔ ان کے لئے کبھی کوئی تحفہ نہیں لے جاتا تھا۔ اس لئے اس غریب کی کوئی قدر نہیں تھی۔ اس لئے وہ ان سے زیادہ مدرسہ محمدیہ میں مجھ سے آ کر ملا کرتا تھا۔ مگر وہ حضرت شاد کو مجھ سے جو عناد تھا۔ اس سے بھی واقف تھا اس لئے میرا ذکر کبھی ان کی مجلس میں یا ایسے شاگردوں کی مجلس میں نہیں کرتا تھا اس لئے قیس صاحب اپنے جن نوجوان استاد بھائیوں کے ساتھ استاد کے یہاں گئے تھے اس وفد میں وہ علی احمد خبر بھی تھا۔ ربیع الاول کی تعطیل کی وجہ سے مدرسہ بند ہو گیا تھا اس لئے میں اپنے گھر پر تھا مگر جب مدرسہ کھلا تو علی احمد خبر نے پوری رپورٹ وہاں کی مجھ کو سنائی۔

غرض وہ ایک جعلی نظم میرے نام سے اور اس کا جواب قیس کی طرف سے ربیع الاول کے میلے میں ایک ایک آنے میں فروخت ہو رہا تھا۔ انتخاب امیر ہو چکا تھا۔ بیچنے والا چیخ چیخ کر کہتا تھا۔ "تمنا صاحب نے حضرت امیر شریعت کی شان میں گستاخی کی تھی اس کا جواب خرید لیجئے اور پڑھئے۔"

قیس اپنی نظم پٹنہ کے تین پریسوں میں لے گیا مگر سب نے اس کے چھاپنے سے انکار کیا۔ مجھ سے سب کے تعلقات تھے۔ قیس پھلواری واپس آیا کہ کوئی پریس چھاپتا ہی نہیں۔ ہندو پریس بھی ڈرتے تھے کہ کہیں ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کر دیا تو یہ چار پانچ روپے کا سودا کر کے مقدمہ بازی کون مول لے۔

عابد رضا بیدار

اختر شہنشاہی[1]

اشاریہ

۷۴۳ مرحنیٹ انبالہ:۔ انبالہ، ۲ ورق اوسط، ہفتہ وار۔۔ بلاقیمت محصول۔ ۹ اردسمبر ۱۸۸۶ء کو جو پرچہ میں نے دیکھا۔ اس میں تمام اشتہار۔ اور یہ ازجانب مہتمم کے تھے اور کچھ نہیں تھا۔ ۱۶ اردسمبر ۱۸۸۶ء

۷۴۴ مجموعہ نظایر ہند:۔ قصبہ صاحب گنج، ضلع گیا۔۔۔ ماہواری، ۲ ورق اوسط، ترجمہ اردو انڈین لاز رپورٹ (وغیرہ)۔۔ مہتمم ہری سندر بوس۔۔۔۔ ۳۱ر جنوری ۱۸۶۸ء

۷۴۵ مآل التہذیب:۔ حافظ ابو سعید خان۔۔۔ کے اہتمام سے ۱۳۰۳ھ سے شائع ہونا شروع ہوگا۔۔۔ تین اور زبانوں میں یعنی عربی، فارسی اور انگریزی میں بھی ترجمہ ہوکر سال میں ایک بار شائع ہوا کرے گا۔ المشتہر مالک وایڈیٹر قمر الدین اجمیری ۔۔۔ مقاصد جزئیہ اس کے چھ ہیں۔ (۱) تہذیب یوروپ کی مخفی قباحتوں پر عوام کو مطلع کرنا۔ (۲) مہذبین کو بچہ پرستی وغیرہ ارکان تہذیب کے خطرناک مآل اور انجام سے ڈرا کر۔۔۔ اسلام کی طرف بلانا۔ (۳) ان خیالات فلسفیہ اور عقائد طبعیہ کو جو شریعت اسلامیہ کے مخالف ہیں۔ دوزخ کی طرف جانے والی طرکیں ثابت کرنا۔ (۴) عقائد و احکام اسلامیہ کی حقیقت کا ثبوت یقینی دلائل سے دینا (۵) منشیان یورپ نے قانون اسلام پر جو جاہلانہ نکتہ چینیاں کی ہیں۔ ان کے جواب دینا (۶) تہذیب یوروپ کی بلا فریبیوں کو کل ہندوستانیوں سے عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً ندکھا اور ہر ایک قوم کے مذہب کو مذہب تہذیب پر فی الحال ترجیح دینا۔

۷۴۶ موجِ نربدا:۔ ہوشنگ آباد۔ ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط۔۔۔ مالک ابوالفضل مرزا عبدالکریم۔ ۸ر مئی ۱۸۸۴ء

---

[1] چھٹی اور آخری قسط

۷۳۷۔ موجِ ظرافت:۔ ہوشنگ آباد، ہفتہ دار، ۸ ورق، سب سے چھوٹے۔۔۔ مالک مرزا عبدالکریم، یکم مئی ۱۸۸۶ء

۷۳۸۔ مسرت القلوب:۔ ضمیمہ اخبار شوکت الاسلام، ہفتہ وار، ۲ ورق اوسط۔ سکندر آباد (حیدر آباد دکن) ۲۸ فروری ۱۸۸۹ء

۷۳۹۔ مدبر عالم:۔ دہلی۔۔۔ ہفتہ دار، ۴ ورق اوسط۔۔۔ مالک و مہتمم و ایڈیٹر محمد اسمٰعیل منعم، ۵ اگست ۱۸۸۴ء

۷۴۰۔ مشاورہ:۔ ضمیمہ سپیر اخبار۔ مقام فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ، ہفتہ دار، ۲ ورق خورد۔۔۔ مالک و ایڈیٹر منشی محبوب عالم۔۔۔ یکم جولائی ۱۸۸۷ء

۷۴۱۔ ملک الاخبار۔ کلکتہ۔۔۔ روزانہ، ۲ ورق اوسط۔۔۔ ایڈیٹر نفیس کانپوری، مالک مرزا محمد سعید، یکم ۸۸

۷۴۲۔ مذاق سخن:۔ حیدر آباد، ماہواری، ۲۲ ورق خورد۔۔ مالک و مہتمم مشتاق احمد، ۱۵ ستمبر ۸۸۳ اس گلدستہ میں قصائد مدحیہ، غزلیات طرح وغیر طرح، کا انتخاب پاکیزہ، مضامین نیچرل شاعری، دلچسپ انگریزی ناول کا سادہ ترجمہ، پھڑکتے ہوئے لطیفے۔

۷۴۳۔ مشاعرہ دہلی:۔ دہلی۔۔۔ ۱۲ ورق خورد، ماہواری، شعر و سخن کا رسالہ۔۔۔ مہتمم مرزا یعقوب بیگ عامل یکم جنوری ۱۸۸۳ء

۷۴۴۔ مشتہر:۔ دہلی، ۴ ورق اوسط، پندرھویں دن۔۔۔ اشتہار جنوری ۱۸۸۶ء

۷۴۵۔ مدرس فارسی:۔ بمبئی۔۔۔ انگریزی و فارسی رسالہ۔۔۔ فارسی کی کامل استعداد بذریعہ انگریزی حاصل کرنے کا ایک نادر تحفہ، ۲۴ ورق خورد، ماہواری۔۔ مالک شیخ غلام محمد خاں بہادر۔۔۔ یکم جنوری ۱۸۸۳ء

۷۴۶۔ معنی:۔ شعر و سخن کا ماہواری رسالہ۔ ۱۰ ورق خورد۔۔ مالک شیخ بشارت علی بشیر۔۔ مہتمم سید محمد کاظم اثنا عشری۔۔۔ ایڈیٹر سید غلام حسین۔۔۔ ۲۸ فروری ۱۸۷۷ء

۷۴۷۔ نادر الاخبار:۔ مونگیر، ہفتہ دار، ۸ ورق اوسط۔۔ مالک رام پرشاد و دلشاد۔۔۔ ۱۸۷۲ء

۷۴۸۔ ناصر الاخبار:۔ دہلی۔۔۔ عشرہ دار، ۱۰ ورق اوسط، بعدہٗ ۴ ورق اوسط پر ہفتہ وار۔۔۔ ایڈیٹر و مالک سید نصرت علی قیصر۔۔۔ یکم جنوری ۱۸۷۳ء

۷۴۹۔ ناصر الاسلام:۔ دہلی۔۔۔ مہینے میں دو بار، ۱۰ ورق خورد۔۔ ایڈیٹر و منیجر سید نصرت علی خاں قیصر، ۱۸۷۳ء

۷۵۰۔ ناصر الایمان:۔ لاہور، ماہواری، ۸ ورق اوسط۔۔ مالک و ایڈیٹر نادر علی شاہ سیفی۔۔۔ دینی و دنیوی ترقیات کیواسطے۔

۷۵۱۔ نالۂ عشاق:۔ اجمیر، ماہواری، ۲۰ ورق خورد۔۔ مالک سید نظیر حسین سخا۔۔۔ یکم نومبر ۱۸۸۴ء

۷۵۲۔ نالۂ عشاق:۔ مدراس، ماہواری، ورق خورد، مالک سید حسن رضا آتش، ایڈیٹر محی الدین حسین خاں تسنیم ۱۵ فروری ۱۸۸۴ء

۷۵۳۔ نالۂ عشاق:۔ پٹنہ، ماہواری، ۱۰ ورق خورد، مالک عابد حسین عابد۔۔۔ یکم ستمبر ۱۸۸۵ء

۷۵۴۔ نالۂ دلسوز:۔ اندور، ماہواری، ۸ ورق خورد، مہتمم جگموہن ناتھ شوق... ۱۵ اگست ۱۸۸۵ء

۷۵۵۔ نالۂ زخمی:۔ شیوراج پور، ضلع کانپور۔ ماہواری ۱۲ ورق خورد دوسرا نام ارژنگ مہتمم راج بہادر زخمی ساکن کاکوری...، ۳۰ اپریل ۱۸۸۶ء

۷۵۶۔ نامۂ یار:۔ زلام، ماہواری شعر و سخن کا گلدستہ، ۱۰ ورق خورد... مالک فیاض الرحمن خاں مہتمم مشرف یار خاں۔ ۲ مئی ۱۸۸۴ء

۷۵۷۔ نامۂ عشاق:۔ بنارس، ماہواری شعر و سخن کا گلدستہ، ۱۰ ورق خورد، مالک ولی محمد رضی اثنا عشری... ایڈیٹر محمد عمر کلیم... ۱۵ اگست ۱۸۸۵ء

۷۵۸۔ نامۂ منظوم:۔ چنار، ضلع مرزاپور۔ ماہواری، ۶ ورق خورد۔ مالک ہنومان پرشاد۔ ایڈیٹر پنڈت دین دیال شرما یکم اپریل ۱۸۸۷ء

۷۵۹۔ ناظم الہند:۔ انارکلی، ضلع لاہور۔ ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط... مالک سید ناظر حسین ناظم۔ دوسرا نام اخبار کا سفیر گورنمنٹ ہے.... یکم جولائی ۱۸۸۵ء

۷۶۰۔ نظام الملک:۔ مراد آباد، ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط، مالک قاضی نعیم الدین، ایڈیٹر و مہتمم قاضی احتشام الدین ۱۵ فروری ۱۸۸۴ء۔ نظام الملک کی مسند نشینی کی یادگار میں۔

۷۶۱۔ نظام الاخبار ہند:۔ جھجھر، ضلع رہتک، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط، مالک غلام احمد خاں..، ۲۰ فروری ۱۸۸۴ء

۷۶۲۔ نارومن:۔ میرٹھ، ہفتہ وار، ۲ ورق خورد، مالک رام سروپ..، مہتمم فخر الدین، یکم جولائی ۱۸۸۷ء

۷۶۳۔ نجم الاخبار:۔ اٹاوہ، پہلے ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط۔ اب ۲ ورق کلاں..، مجاریہ حاجی ممتاز علی... مالک حافظ روح اللہ خاں۔ ایڈیٹر خواجہ بشیر الدین احمد... ۱۸۸۲ء

۷۶۴۔ نجم الاخبار:۔ میرٹھ، ہفتہ وار ۶ ورق۔ مالک امیر احمد زیب مہتمم محمد حیات... ۱۸۸۳ء

۷۶۵۔ نجم الہند:۔ مراد آباد۔ ہفتہ وار۔ ۶ ورق اوسط... مالک پنڈت اوتار کشن نجم ایڈیٹر پنڈت پرتاب کشن آغا مہتمم پنڈت شام کشن... جنوری ۱۸۸۱ء

۷۶۶۔ نجم الہند:۔ جونپور... ہفتہ وار ۴ ورق اوسط.. مالک و ایڈیٹر و کاتب شیخ محمد حسن... دسمبر ۱۸۸۶ء گو ہم نے اس اخبار کے حالات کو دیکھا تھا تب ۵۲ پرچے تک اس کی اشاعت تھی یکم اکتوبر ۱۸۸۹ء

۷۶۷۔ الاخبار:۔ عربی بمبئی ہفتہ وار، ۲ ورق کلاں، مالک سعدی زادہ سید محمد رشید۔ اشتہار یکم جولائی ۱۸۸۵ء

۷۶۸۔ نفع العظیم:۔ لاھل ھذہ الاقلیم:۔ عربی... لاہور، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط، مجاریہ حاجی سید محمد عظیم مرحوم۔ مالک شمس الدین... ایڈیٹر حکیم سید مقرب علی خاں دتمیں جگراؤں

لدھیانہ ۱۲ نومبر ۱۸۷۱ء

۷۶۹۔ نزہت الارواح :۔ آگرہ کا اخبار۔ دسمبر ۱۸۸۴ء

۷۷۰ نسیم :— جونپور... پہلے یکم جنوری ۱۸۵۹ اور کو ۴ ورق اوسط... پر... سید مظفر حسین نے جاری کیا۔ ۲ برس کے بعد ۱۸۷۵ اودھ میں بن گیا۔ بعد اس کے... ہفتہ وار شیخ محمد اسحاق نے جنوری ۱۸۸۶ء کو جلد ۱ نمبر ۱ قائم کر کے جاری کیا۔ ۱۸۵۹ء

۷۷۱۔ نسیم سحر :۔ پٹنہ، ہفتہ وار ۴ ورق اوسط... مالک سید وزیر علی اثنا عشری آنریری سکرٹری سید علی محمد شاد۔ اثنا عشری رئیس... جنوری ۱۸۷۷ء

۷۷۲۔ نسیم سحر :۔ بدایوں... ہفتہ وار ۱ ورق اوسط... مالک امتیاز احمد تاثیر مہتمم علی احمد خاں اسیر۔ پرنٹر۔ آغا جان لکھنوی۔ ۱۵ ستمبر ۱۸۸۵ء

۷۷۳ نسیم آگرہ :۔ پہلے... عشرہ وار ۴ ورق اوسط... بابو جے ڈیشر داس اینڈ کمپنی نے باہتمام سوہن لال اب ہفتہ وار... باہتمام بابو جمنا داس بسواس وکیل آگرہ... یکم جنوری ۱۸۷۸ء

۷۷۴ نسیم سارن :۔ شہر چپرہ۔ ہفتہ وار ۴ ورق اوسط... مہتمم بابو لکھی کمار چیٹرجی... یکم جنوری ۱۸۷۸ء

۷۷۵۔ نسیم ہند :۔ فتح پور۔ ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط... مالک بابو کنج بہاری لال وکیل۔ مہتمم لالہ ابکا پرشاد یکم جنوری ۱۸۸۱ء

۷۷۶۔ نسیم صبح :۔ لاہور۔ روزانہ ۴ ورق خورد... مالک مہر بخش مہتمم فتح محمد ایڈیٹر سیف الحق، یکم اکتوبر ۱۸۸۴ء

۷۷۷۔ نسیم جنت :۔ آگرہ۔ ماہواری ۸ ورق خورد۔ گلدستہ نعتیہ۔ مالک صادق علی قیصر مہتمم نثار علی یکم مارچ ۱۸۸۶ء

۷۷۸۔ نسیم سنبل :۔ ضلع دادآباد۔ ہفتہ وار ۴ ورق خورد... احسان اللہ عاجز ۱۸۸۸ء

۷۷۹۔ نصرت السنت :۔ بنارس۔ ماہواری ۸ ورق خورد۔ مالک محمد سعید غیر مقلد... ۱۰ دسمبر ۱۸۸۵ء

۷۸۰۔ نظام :۔ مدراس۔ ماہواری اجرا اشتہار۔ یکم اگست ۱۸۸۴ء

۷۸۱۔ نظائر قانون ہند۔ الہ آباد۔ ماہواری۔ ۲۴ ورق خورد سے ۵ ورق تک... مہتمم لالہ شیو دیال جنوری ۱۸۷۸ء

۷۸۲۔ نظایر قانون ہند۔ لاہور، ماہواری، ۵۶ ورق خورد... مالک ہرسکھ رائے، مہتمم جگت نرائن... یکم جنوری ۱۸۸۰ء

۷۸۳۔ نظایر دیکلی نوٹس :۔ سید پور، ضلع غازیپور، ہفتہ وار، ۸ ورق خورد... مالک شیو پرشاد۔ مہتمم محمد یٰسین شفق اشتہار یکم اکتوبر ۱۸۸۲ء

۷۸۴ - نفیس الاخبار:- فتح گڑھ، مہینہ میں دوبار، ۲ ورق اوسط، مالک صدیق حسن منت، یکم ستمبر ۱۸۸۲ء

۷۸۵ - نغمہ بہار:- لکھنؤ، ماہواری، ۱۲ ورق خورد... مالک سید مہدی حسن عقیل، مہتمم یعقوب علی نصرت
۱۵ ستمبر ۱۸۸۶ء

۷۸۶ - نگم ادھیایان:- لکھنؤ... ماہواری، ۸ ورق خورد، رسالہ قومی کایستھ صاحبان... مالک دیبی پرشاد
یکم جون - ۱۸۸۴ء

۷۸۷ - نغمۂ بہار:- لکھنؤ، ماہواری، ۱۲ ورق خورد، مالک سید مہدی حسن عقیل، مہتمم یعقوب علی نصرت، ۱۵ ستمبر ۱۸۸۶ء

۷۸۸ - نغمۂ عنادل:- بنارس... ماہواری، ۸ ورق خورد، مالک حکیم فدا حسین... یکم اکتوبر ۱۸۸۶ء

۷۸۹ - نغمۂ صمد:- لاہور، ہفتہ وار، ۲ ورق خورد... مالک و ایڈیٹر یوسف علی ترنباش... یکم جولائی ۱۸۸۱

۷۹۰ - نور الابصار:- الہ آباد... ۸ ورق اوسط...، پندرہ روزہ... سدا سکھ لال - مہتمم تفضل حسین...
یکم جنوری ۱۸۵۲ء

۷۹۱ - نور علی نور:- سیالکوٹ، ماہواری، ۲۵ ورق خورد...، مالک دیوان چند...، ۳۰ جنوری ۱۸۵۶ء

۷۹۲ - نور الانوار:- کانپور... ہفتہ، ۴ ورق اوسط... مالک عبدالرحمٰن شاکر... ایڈیٹر عبدالعزیز...
جنوری ۱۸۷۱ء

۷۹۳ - نور الانوار:- آرہ ضلع شاہ آباد... مالک سید محمد ہاشم بلگرامی اثنا عشری... جولائی ۱۸۵۳ء

۷۹۴ - نور الاخبار:- مراد آباد... ہفتہ میں دوبار، ۲ ورق اوسط... مالک نور اللہ... جنوری ۱۸۸۴ء

۷۹۵ - نور الآفاق:- کانپور... ۴ ورق اوسط... پندرہ روزہ رسالہ مذہبی... مالک عبدالرحمٰن شاکر
۳۰ اگست ۱۸۷۳ء

۷۹۶ - نور الاسلام:- کراچی...، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط... بحکم مرزا محمد صادق مشہدی وائس قونسل
دولت علیہ ایران مہتمم مرزا محمد جعفر...، یکم جولائی ۱۸۸۵ء

۷۹۷ - نور الاسلام:- پٹنہ... ماہواری، ۱۸ ورق خورد، مالک و ایڈیٹر حسن علی...، دسمبر ۱۸۸۹ء

۷۹۸ - نورِ نظر:- بلند شہر، ہفتہ وار، مہتمم شیو پرشاد...، ۵ جنوری ۱۸۶۴ء

۷۹۹ - نور افشاں:- لدھیانہ - عیسائیوں کا مذہبی اخبار، ہفتہ وار، ۲ ورق اوسط... ایڈیٹر بابو بنسی دیلی
یکم مارچ ۱۸۷۳ء

۸۰۰ - نورِ بصیرت:- کلکتہ، ماہواری، ۱۲ ورق... مالک ظفریاب خان... ایڈیٹر غلام حضرت...
۱۵ جون ۱۸۸۴ء

۸۰۱ نوبہار:۔ ملتان... ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط، مالک محمد حسین، مہتمم امین الدین... یکم جنوری ۱۸۶۹ء

۸۰۲ نوبہار:۔ ٹونک، ماہواری، شعر و سخن کا رسالہ، مالک غالب علی خاں... یکم مئی ۱۸۸۵ء

۸۰۳ نور بدایوں:۔ پہلے... ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط پر بدایوں میں باہتمام علی امجد حسین.. اب قصبہ آنولہ ضلع بانس بریلی۔ مالک حکیم وراث علی خاں.... مہتمم سید احمد شاہ... یکم جولائی ۱۸۸۲ء

۸۰۴ نہر الفوائد:۔ آرہ، ضلع شاہ آباد، سہ ماہی علمی رسالہ، ۲۵ ورق اوسط... مہتمم خواجہ سید فخر الدین سخن دہلوی بہ صحت سید فرزند احمد صفیر... ۳۱ مارچ ۱۸۶۷ء

۸۰۵ نیر اعظم:۔ مراد آباد... ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط... مالک امجد علی، ایڈیٹر قاسم علی ذکا، ۳ جنوری ۱۸۸۱ء

۸۰۶ نیر اکبر بجنور، ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط... مالک حکیم سید زین العابدین احمد، مہتمم محمد حسین۔ یکم جنوری ۱۸۶۸ء

۸۰۷ نیر ہند:۔ الہ آباد، ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط، مالک عبد اللطیف، یکم جنوری ۱۸۸۱ء

۸۰۸ نیٹو کرسچین ہیرو:۔ ضلع بھنڈارا، قسمت ناگ پور..، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط اردو فارسی رومن میں عیسائی مذہب کا اخبار... یکم جنوری ۱۸۸۵ء

۸۰۹ نیٹو گائیڈ:۔ لاہور، ہفتہ وار، ۴ ورق خورد، انگریزی مشترک، مالک غلام حسین، یکم فروری ۱۸۸۶ء

۸۱۰ نیرنگ مضامین:۔ متھرا، ۵ ورق اوسط، پندرہ روزہ، مالک سمپت رام، یکم جولائی ۱۸۷۸ء

۸۱۱ نیت پرکاش سبھا لدھیانہ:۔ لدھیانہ، ہفتہ وار، ۱۰ ورق خورد، کنھیالال مہتمم، یکم فروری ۱۸۷۳ء

ابجو برہم، دوتوناستی، اسیس پرستی، اور کسے پسندیدہ کا عمل اسکی پوجن ہے۔

۸۱۲۔ والیس آف اسلام:۔ کانپور، مہینہ میں دو بار... انگریزی مشترک، اشتہار یکم مارچ ۱۸۸۵ء

۸۱۳۔ والا جاہی:۔ بھوپال کا رسالہ علمی ماہواری۔ ۱۸۸۳ء

۸۱۴۔ وحید الاخبار:۔ دہلی... مالک پیر خاں... یکم جنوری ۱۸۵۲ء

۸۱۵۔ وزیر ہند:۔ سیالکوٹ، ہفتہ وار، ۶ ورق اوسط۔ مالک مرزا موحد جالندھری ۱۵ اپریل ۱۸۸۴ء

۸۱۶۔ وزیر الملک:۔ سیالکوٹ، ہفتہ میں دو بار، مالک مرزا غلام احمد، یکم جنوری ۱۸۸۶ء

۸۱۷۔ وظائف خلد:۔ میسور، ماہواری، ۱۲ ورق خورد، مالک عبد اللہ خوش حال بن احمد سیٹھ، مہتمم ولی علی محمد خان بیدار، یکم جنوری ۱۸۸۵ء

۸۱۸ وکٹوریہ گزٹ:۔ سہارنپور، مالک رچارڈ انڈین پول، ۱۸۶۰ء

۸۱۹ وکٹوریہ پیپر:۔ سیالکوٹ، ۲ ورق اوسط، ہفتہ میں دو بار...، ایڈیٹر و مہتمم برج لال، مالک گیان چند... یکم جنوری ۱۸۸۰ء

۸۲۰ وکیل ہندوستان:۔ امرتسر، ہفتہ وار، ۸ ورق، مالک و ایڈیٹر پادری رجب علی، یکم جنوری ۱۸۸۷ء

۸۲۱ وکیل قومی:۔ لکھنؤ، ۸ ورق خورد، پندرہ روزہ، مالک ایم اے وزرا عبداللہ حسرتی میانی۔ ۱۴ جنوری ۱۸۸۸ء

۸۲۲ وقائع عالم:۔ پہلے نازیپور سے ۴ ورق کلاں، سراج الدین احمد خاں محمد آبادی نے جاری کیا بعدہٗ ۲ ورق کلاں پر ہو گیا۔۔ ۴ اپریل ۱۸۸۱ء

۸۲۳ وقائع قیصری:۔ الہ آباد، مالک فصیح اللہ، یکم جنوری ۱۸۸۶ء

۸۲۴ وکلی رپورٹ:۔ صاحب گنج۔ ضلع گیا، ماہواری، ۲۴ ورق کلاں۔ مالک جے رام، یکم مئی ۱۸۵۶ء

۸۲۵ وکیلی رپورٹ:۔ آگرہ، ماہواری، مالک سید عشرت حسین، اشتہار ستمبر ۱۸۸۷ء

۸۲۶ ہندوستانی:۔ لکھنؤ۔۔، ہفتہ وار... ۸ ورق اوسط... مہتمم رگھنا نرنجن مکھرجی۔
۱۷ جون ۱۸۶۱ء

۸۲۷ ہندوستانی:۔ لکھنؤ۔۔ یکم فروری ۱۸۸۳ء کو ناگری مشترک چھپتے ۸ ورقوں پر، گنگا پرشاد ورما مالک۔ ہفتہ وار، بعدہٗ ۲ ورق کلاں پر ہفتہ میں ۲ بار۔۔ اب ۴ ورق اوسط پر۔

۸۲۸ ہندوستانی اردو لغات:۔ دہلی۔ ماہواری، ۱۲ ورق خورد۔۔، مالک و ایڈیٹر سید احمد دہلوی۔۔۔ یکم نومبر ۱۸۸۲ء

۸۲۹ ہندو پرکاش:۔ امرتسر... ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط۔۔ مہتمم پنڈت سنتوکھ سنگھ... ایڈیٹر پادری رجب علی
یکم جنوری ۱۸۷۲ء

۸۳۰ ہندو باندھو۔ لاہور، ماہواری، ۱۰ ورق خورد، مالک پنڈت شیو نرائن اگنی ہوتری، یکم اپریل ۱۸۷۵ء
مقصود اصلی اس کا ہندو دھرم اور سنسکرت کا احیا ہے۔

۸۳۱ ہادی حقیقت:۔ لاہور، مہینہ میں دو بار، ۲ ورق اوسط، یہ پرچہ مذہبی متعلق برہم سماج کے ہے، جاری کنندہ چندر سین ہادی برہم دہلوی سکرٹری رام چندر سنگھ۔ مہتمم مکند رام، ۱۸۷۳ء

۸۳۲۔ ہمائے بے بہا:۔ لاہور، مہینہ میں دو بار، ۴ ورق خورد، مالک دیوان چند، یکم جنوری ۱۸۸۳ء

۸۳۳ ہمائے پنجاب:۔ لاہور، ہفتہ وار، ۸ ورق اوسط۔۔ مالک پنڈت مکند رام، ایڈیٹر گوپی ناتھ، یکم اپریل ۱۸۸۰ء

۸۳۴۔ ہمائے بنگال:۔ کلکتہ، ۲ ورق اوسط... روزانہ، المشتہر احسان اللہ بادشاہ کمپنی۔۔ مئی ۱۸۸۴ء

۸۳۵ ہدایت:۔ لاہور، ہفتہ وار، ۴ ورق خورد، مالک حافظ فضل دین واعظ۔ ایڈیٹر غلام اللہ قصوری۔

یکم جون ۱۸۸۴ء

۸۳۶۔ ہردل عزیز۔ لاہور، ہفتہ وار، ۴ ورق خورد، مالک دیوان آیا سنگھ پسر متبنیٰ دیوان بوٹا سنگھ۔ ایڈیٹر رام سنگھ... ۶ مارچ ۱۸۸۵ء

۸۳۷۔ ہردل عزیز۔ لکھنؤ...، ماہواری، ۱۶ ورق خورد، المشتہر۔ رائے سری کرشن چند قیصر۔ اشتہار، ۲۰ اپریل ۱۸۸۵ء

۸۳۸ ہزار داستان:۔ حیدرآباد، ہفتہ وار، ۱۰ ورق اوسط، مالک سعید احمد زید بلگرامی، ۱۵ اپریل ۱۸۸۳ء

۸۳۹ ہمایوں:۔ بدایوں، ماہواری، شعر و سخن کا گلدستہ، مالک افضل علی، اشتہار یکم جنوری ۱۸۸۵ء

۸۴۰ ہریانہ پنچ :۔ جھجر، ہفتہ وار، ۴ ورق اوسط، المشتہر غلام احمد خاں، اشتہار، ۲۰ فروری ۱۸۸۴ء

۸۴۱ ہریانہ اخبار:۔ جھجر، ضلع رہتک، ماہواری ۴ ورق خورد...، مالک غلام محمد خاں بریاں.... مہتمم غلام احمد خاں، یکم جولائی ۱۸۸۴ء

۸۴۲۔ ہمت :۔ فیروز والہ، ضلع گوجرانوالہ.... ۴ ورق...، باہتمام مفتی محبوب عالم...، اس کے دو صفحوں میں دو تین سو خبریں ہوتی ہیں۔ کسی ایک اخبار میں اس قدر خبروں کا مجموعہ نہیں مل سکتا... یکم جنوری ۱۸۸۶ء

۸۴۳۔ ہلال:۔ بھوپال...، بغرض اصلاح قومی ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو چھوٹے ۴ ورقوں پر... جب ہفتہ وار ہوگا۔ تب قیمت (بدلے گی)۔ مہتمم محمد حسن... ۱۹ ستمبر ۱۸۸۶ء

پروفیسر محمد مسعود احمد

عبدالرشید لائق[ل]

عشق و محبت اک ہمہ گیر جذبہ ہے جس میں ہر ذی روح اسیر ہے۔ اور انسان تو گویا اُنس و محبت کا پیکر ہے۔ اسی سے اس کی زندگی ہے، اسی سے رونق حیات ہے۔ غالب نے خوب کہا ہے ؎

رونق ہستی ہے عشق خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

جس سے رونق ہستی ہے اسی جذبۂ محمود سے غزل کی رونق بھی قائم ہے۔ اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو روح غزل روح کائنات کی ترجمان ہے۔ نظیری نیشا پوری نے خوب کہا ہے ؎

حدیث حسن و مشتاق درون پردہ پنہاں بود
برآمد شوق از خلوت نہاد ایں راز بر صحرا

پیٹ کی لگن اور ہے دل کی لگی کچھ اور ہی چیز ہے۔ اس "لگن" نے خود غرضانہ ماحول کی تعمیر کی اور اس "لگی" نے صفحہ کائنات کو باغ و بہار بنایا۔ جب تک عشق و محبت کی بہاریں قائم ہیں کوئی خزاں غزل کا سہاگ نہیں لوٹ سکتی۔

جناب لائق نے عشق و محبت کی مختلف کیفیات اور محبوب کا سراپا بڑے دل نشیں انداز سے بیان کیا ہے۔ وہ درد عشق کو ہوس پرستی کے مرادف خیال نہیں کرتے بلکہ اس کو "درد لا دوا" سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ؎

ہر ایک دکھ کا ازالہ جہان میں ممکن ہے
وہ درد عشق ہے جو نفس کا بجز ہو جائے (ص ۱۴۱)

یہی خیال کو عنگیں دہلوی نے یوں باندھا ہے ؎

یہ داغ عشق نہ ہو جدا اپنے سینے سے کہیں مٹا ہے کھدا حرف بھی نگینے سے

ل۔ دوسری اور آخری قسط

غالب نے اس مضمون کو اس طرح باندھا ہے ؎

پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا
یوں ہو تو چارۂ غم الفت ہی کیوں نہ ہو

جناب لائق کو حسن و جمال کی عظمت و شوکت کا پورا پورا احساس ہے۔ اسی احساس نے ان سے یہ شعر کہلوایا ہے ؎

مرتبے یہ ملے حسینوں کو — سرنگوں تاجدار کرتے ہیں (ص ۱۱۰)

لیکن وہ ہر کسی کو دل دینے کے قائل نہیں، وہ دل جیسی متاع گراں بہا کو، قدر خریدار دیکھ کر، دینا چاہتے ہیں ؎

دل جنس بے بہا ہے کریں گے نہ رائیگاں
بیچیں گے اس کو قدر خریدار دیکھ کر (ص ۸۴)

اور جب ان کو قدر شناس مشتری مل جاتا ہے تو دل دے بیٹھتے ہیں۔ آئیے اب ان کی نگاہوں سے ان کے محبوب کی بہار دیکھیں کیونکہ 'دید لیلیٰ کے لئے چاہئے دیدۂ مجنوں'۔ محبوب کے جسم نازنیں پر جب ان کی نگاہ پڑتی ہے تو بیساختہ پکار اٹھتے ہیں ؎

نازک تنی تو یہ ہے کہ اللہ کی پناہ
لیکن خدا نے دل ترا پتھر بنا دیا (ص ۹۲)

پیکر گل سے ہٹ کر جب نظریں چہرہ یار پر پڑتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک بجلی سی کوند گئی ہے ؎

برق تپاں کو دیکھ کر، روئے صنم پہ کر نظر
اپنے ہی دل میں دیکھ لے ان کی چمک الگ الگ (ص ۹۱)

اور جب چشم جاناں کو دیکھا تو ایک نئی بہار نظر آئی، بلکہ ایک نئی دنیا نظر آئی۔ ایک نیا عالم سامنے آیا۔ خوب کہا ہے ؎

جام جہاں نما تری آنکھیں ہیں ساقیا
مجھ پہ نہیں، نگاہ کئے جا رہا ہوں میں (ص ۹۵)

چشم یار کے ساتھ جب ابروئے یار پہ نظر پڑی تو آفتاب و ماہتاب نظر آئے۔ ایسا معلوم ہوا کہ زمین نے آسمان کی بہاریں چھین لی ہیں ؎

ابرو ہیں ماہ نو، رُخ روشن ہے ماہتاب
مثل فلک زمیں پہ قمر تو ہلال تو ! (ص ۱۱۴)

پھر نگاہوں نے جب تیروں کی بوچھار کی تو چیخ اٹھے ؎

نگاہ ناز جاناں ہی متاع ہوش جب کھوئے — تو دیوانوں میں پھر چشم غزالاں کون دیکھے گا (ص ۶۹)

مژگاں نے بھی نگاہوں کا ساتھ دیا تو یہ عالم تھا ؎

زخم وہ دل پہ لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے

خوب کہا ہے ؎ مژگان یار پہلے ہی جادو طراز تھیں

سرمہ سے اس نے اور بھی نشتر بنا دیا (ص ۶۲)

چبھ گئی کس کی نظر خارِ تمنا ہو کر رہ گیا دل فقط اک خون کا دھبّا ہو کر (ص ۸۴)

جناب لائق کو پیکرِ جاناں میں نگاہوں سے زیادہ پُر تاثیر کوئی شئے نظر نہیں آتی۔ وہ محبوب سے ملتجیانہ انداز میں کہتے ہیں ؎

جس طرح بھی تو چاہے کرے صید، مگر یار

پھندا کوئی دزدیدہ نظر سے نہیں بہتر (ص ۸۶)

یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ جناب لائق کا محبوب ایرانی نہیں ہندی ہے۔ وہ عورت کے حسن نسوانی میں عجب سحر طرازی اور دل کشی پاتے ہیں، چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں ؎

حسن نسوانی کو بخشا ہے الٰہی کیا اثر

دیکھتا ہوں جو نہی ہستی سے گزر جاتا ہوں میں (ص ۱۰۹)

اسی لئے ان کے ہاں زلف یار کے ساتھ قشقہ کا ذکر بھی ملتا ہے اور بڑے دل نواز پیرایہ میں ؎

آئینہ دار ترے حسن کا، قشقہ ہے ترا

جو چمکتا ہے چراغ رُخِ زیبا ہو کر

"چراغ رُخِ زیبا" کی معروف ترکیب بڑی خوبی سے کھپائی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اقبال کے شعر میں اس ترکیب سے وہ لطف پیدا نہ ہو سکا جو جناب لائق نے اس شعر میں پیدا کر دیا ہے۔

شاعر کو زلف جاناں، سکوں ساماں نظر آتی ہے۔ وہ زلف کے سایہ سایہ بہاروں کی سیر کرنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

جھولا ہو سبزہ زار ہو، زلفیں ہوں دوش یار پر

دیکھ صنم کے کان میں دُر کی لٹک الگ الگ (ص ۹۱)

وہ جسم نازنیں کو دیکھ کر خرامِ ناز پر نثار ہونا چاہتا ہے جس کو نقش قدم نئی بہاروں کا پتہ دیتے ہیں ؎

موجِ خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

وہ "نقش کف پا" کی شوخی سے اپنے محبوب کو ڈھونڈ لیتا ہے ؎

شوخی یہ کیسے دیتی ہے نقش کف پا کی
کوئی تو ابھی گزرا ہے اس راہ گزر سے (ص ۱۳۴)

جب محبوب اپنی بہاروں کو لے کر روپوش ہو جاتا ہے تو عاشق خستہ جگر شاکیانہ انداز میں کہتا ہے

ع مجھ کو ہے چراغ تہہ داماں کی شکایت

اس میں شک نہیں چراغ تہہ داماں کی تشبیہہ بڑی نادر تشبیہہ ہے ۔

(۱۳)

حسن جاناں کی بہاروں کا ذکر ہو چکا لیکن ان بہاروں کی یاد نے عاشق کے دل پر جو قیامت ڈھائی اس کا ذکر بھی ضروری ہے ۔ جب محبت دل میں جگہ کر لیتی ہے تو خیال جولانیاں دکھاتا ہے ، اور کبھی کبھی تو ایسا معلوم ہوتا ہے ع ' یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں ' عالم خواب میں محبوب کی آمد اور شب کی تاریکیوں کو سحر بنا دینے کی دل ربا کیفیت کو شاعر نے بڑی خوبی سے بیان کیا ہے ؎

خواب میں بھی وہ اگر یاد آیا مطلع نور سحر یاد آیا (ص ۔ ۶۰)

وہ یاس و ناامیدی کو محبت میں رکاوٹ تصور نہیں کرتا بلکہ اس کو قنوطیت میں رجائیت کی جھلک نظر آتی ہے ؎

ناامیدی کا بھلا ہو جس سے
ہو کے عاجز ترا در یاد آیا (ص ۶۰)

اور جب در پر رسائی ہو جاتی ہے تو عجب محویت کا عالم طاری ہوتا ہے ؎

سر کو کبھی جو رکھ دیا اس در بے نیاز پر
عرض نیاز رہ گئی ، وام تخیلات میں

وصال و فراق کی کیفیات کو بھی جناب لائق نے بیان کیا ہے ، محبوب ان کے گھر آتا ہے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور فخریہ انداز میں کہتے ہیں ؎

خوش نصیبی پر نہ کیوں اتراؤں اے بخت رسا
ان کا آنا میرے گھر میں جلوہ ناہید تھا (ص ۵۶)

وصال کے بعد شکوہ و شکایت کا باب کھلتا ہے ؎

بیٹھا ہوں ان سے کہنے پھر احوال درد دل
سیل سرشک چشم کو طوفاں کئے ہوئے (ص ۱۴۰)

باتیں ہوتی ہیں مگر دل کی بھڑاس نکالے نہیں نکلتی۔ محبوب ' غرور عز و ناز ' کے ساتھ پیش آرہا ہے

جواب دیرانہ اور بیباکانہ دیا جارہا ہے ؎

میں نے جو پوچھا "کیا تو گیا تھا عدو کے گھر"؟
کس ناز سے وہ کہتا ہے "ہاں ہاں گیا گیا"؟

اسی لئے وہ محبوب کی غفلت شعاریوں کے شاکی نظر آتے ہیں۔ مگر آداب عشق و محبت سے واقف ہیں۔
بایں ہمہ غفلت شعاری و بے وفائی وہ محبوب کو "بے وفا" نہیں کہنا چاہتے ؎

غفلت شعاریاں تری حد سے گزر گئیں
پھر بھی نہیں مجال کہ میں بے وفا کہوں (ص ۱۰۶)

وہ محبوب کی نو ایجاد طرز ستمگری کے بھی شاکی ہیں ؎

یہ عجب ہے طرز ستمگری نہ تو لب ہلے نہ زباں ہلی
جسے تاکا تو نے صنم اسے شب و روز بے خبری رہی (ص ۱۵۳)

اس کے باوجود فراق بارگوار انہیں، وصال کے لئے بیتاب نظر آتے ہیں ؎

میں ان سے دور دور وہ مجھ سے الگ الگ
بچھڑے ہوئے دلوں کو الٰہی ملائے کون؟

بایں ہمہ ہر حالت میں وفاشعار رہنا چاہتے ہیں، ان کی نظر میں تقاضائے عشق و محبت یہی ہے کہ محبوب کی ہر ادا پر سر تسلیم خم کیا جائے اور وفاشعاری کے ساتھ جاں نثاری کا حق ادا کیا جائے۔ وہ شہید وفا کو تاجدار دو جہاں سمجھتے ہیں ؎

کرامت ہے شہیدان وفا کی کہ ہیں فرماں روا دونوں جہاں پر (ص ۸۸)

یہ بات وہی ہے جو سرمد شہید نے ایک رباعی میں کہی ہے۔ رباعی

آنانکہ غم تو برگزیدند ہمہ در کوئے شہادت آرمیدند ہمہ
در معرکۂ دو کون فتح از عشق است با آنکہ سپاہ او شہید ند ہمہ

(۱۴)

عشقیہ اشعار کے ساتھ جناب لائق کے ہاں خمریہ اشعار بھی ملتے ہیں، بغیر خمر کے عشق بے کیف ہے مگر وہی خمر جس کا حسرت نے ذکر کیا ہے ؎

مست صہبائے شوق ہے حسرت ہم نشیں ساغر شراب اٹھا

جناب لائق زاہد خشک سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ؎

بہار میکدہ ابر بہار میں زاھد
دکھا ئی دے گی جو ایمان راہ بر ہو جائے (ص ۱۴۱)

ایک جگہ کہتے ہیں :۔

میکدہ پیر مغاں یہ ترا آباد رہے بات جو دیکھی یہاں، مرشد کامل میں نہیں (ص ۱۱۲)

دوسری جگہ یوں کہتے ہیں :۔

تلقین توبہ محفل رنداں میں واعظا
کاہے کو سر پہ لیتا ہے اپنے وبال تو

عقل 'محل موقع' کی تلاش میں رہتی ہے، مگر عشق کو اس سے سروکار نہیں۔ اسی لئے شاعر کہتا ہے ؎

رند آزاد کو کیا کام محل موقع سے
جس جگہ ہاتھ لگی پی لی وہیں تھوڑی سی

شراب کا ذکر آیا ہے تو بہار کا ذکر بھی ضروری ہے۔ آیئے "جوش بہار اور چاندنی رات" پر جناب لائق کی ایک نظم کے چند اشعار ملاحظہ کریں ؎

تمھاری مانگ میں جو دیکھا سودۂ الماس تو کہکشاں نے ستاروں سے اپنی مانگ بھری
بیاض گردن دلبر نہ دیکھے جو ناکام افق کے ماتھے پہ دیکھے سپیدہ سحری
کجا یہ ماہ دو ہفتہ کجا جبین صنم برا نہ مانے فلک تو میں بات کہدوں کھری
نہال نرگس و نخل سمن پہ ہے یہ شبہ کہ تاج ہیرے کا پہنے ہوئے ہے سبز پری
شمیم گل ہے خراماں بساط عالم میں نہال باغ میں پہنے لباس نیلوفری

ملا ہے روز ازل ہی جو جس کے تھا لائق
صنم کو بخشا تغافل تو مجھ کو بے خبری

(۱۵)

جناب لائق کے ہاں اخلاقی اشعار بھی ملتے ہیں، چونکہ وہ خود زندگی کی تلخیوں کو سہہ کر آگے بڑھے ہیں، اس لئے دوسرے غم نصیبوں کی ہمت بندھاتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں ؎

ہمت سے کر مقابلہ دنیا میں رہ کے تو
شہرت ہوئی اسی کی جو کلفت اُٹھا گیا (ص ۱۷)

ایک جگہ کہتے ہیں ؎

بار ہمت کو نہ اے رہ رو راہ مقصود
ٹھوکریں کھا، نہ پڑے ماتھے پہ چیں تھوڑی سی (ص ۱۴۴)

دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں ؎

پژمردہ نہ رکھ خاطر، ظلمت میں شفق بن جا
رنگینی میں گل بن جا، وسعت میں بیاباں ہو (ص ۱۱۸)

جناب لائق فلسفی تو نہیں اور نہ ان کا کوئی خاص فلسفہ ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ انھوں نے زندگی پر فلسفیانہ انداز میں نظر ڈالی ہے۔ مثلاً مسرت و غم کے بارے میں ان کا یہ شعر ملتا ہے ؎

کبھی عیش تھا کبھی رنج و غم کبھی فکر فرقت گلبدن
مری تار و پود حیات میں یہ جھلک عجیب و غریب ہے (ص۔ ۱۲۵)

فلسفۂ موت کا اس طرح ذکر کیا ہے ؎

خدا کرے کہ تو بیتاب ہی رہے اے دل
کہ راز مرگ کا پنہاں ترے قرار میں ہے (ص ۔۱۲۶)

(۱۶)

روزمرہ، محاورات اور ضرب الامثال کا استعمال داغ کے کلام کی امتیازی خصوصیات میں سے ہیں۔ سائل کے ہاں بھی داغ کے تتبع میں محاورات و ضرب الامثال ملتی ہیں۔ جناب لائق کا کلام بھی استاد سائل کی پیروی میں ان خصوصیات سے معمور ہے۔ یہاں چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں:۔

متاع بے بہا ہوش و خرد ہم سب کو دے بیٹھے ہوا پامال ہائے اس طرح دل کا نگر اپنا (ص ۷۰)

وہ دن ہوا ہوئے جو اٹھاتے تھے ناز ہم لالہ رخوں کے جور کی کس میں تواں ہے اب (ص ۷۹)

سنبھل ناداں، رہا تیل ان تلوں میں اب نہیں باقی جلے گا دہر میں تیرا چراغ آرزو کب تک

بات کی بات ہے میں بات بنا بھی نہ سکوں باتوں باتوں میں بگڑ جاؤں، منا بھی نہ سکوں (ص ۱۰۸)

منہ لگی جس کے کر لیا اپنا دختر رز کی یہ کرامت ہے (ص ۱۲۸)

چھانتے ہیں گلی گلی کی خاک تیرے مستوں کو یہی عادت ہے (ص ۱۲۸)

تو نے تو کبھی بات نہ پوچھی رہی حسرت آنے لگے پیغام بس اللہ کے گھر سے (ص ۱۳۴)

غضب ڈھایا، ستم توڑا، نگاہیں پھیر لیں اس نے رہا کرتا تھا میرے ساتھ جو شیر و شکر پہلے (ص ۱۴۷)

تجھ جو دیکھ لیتا ہے وہ آپے میں نہیں رہتا اداؤں پر تری مٹتے ہیں کیا کیا دیکھنے والے (ص ۱۴۹)

(۱۷)

الغرض جناب لائق نے ہر موضوع پر طبع آزمائی کی ہے اور ہر صنف سخن میں کچھ نہ کچھ کہا ہے، اور جو کچھ کہا ہے بڑے سلیقے سے، اکثر شعرا مقطع میں جو سخن گسترانہ بات کہہ دیا کرتے ہیں اس کو شاعرانہ تعلی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، مگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو کبھی کبھی دل لگتی بات کہہ دیتے ہیں - جناب لائق نے بھی اپنی شاعری کے انداز بیان کے متعلق جو یہ کہا ہے، جھوٹ نہیں ہے ؎

کہاں ہے کون ہے کہتے ہیں لائق نرالا جس کا انداز بیاں ہے

نہ صرف انداز بیان بلکہ علو فکر کے لحاظ سے بھی ان کا کلام قدر کرنے کے لائق ہے ؎

تنویر مہر دیکھی افق پر تو یہ کہا میرے ہی مرغ فکر کا یہ آشیاں نہ ہو

مختلف موضوعات پر بحث کرتے ہوئے ہم نے جناب لائق کے بہت سے اشعار پیش کئے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حروف تہجی کے لحاظ سے ان کے کلام کا انتخاب بھی پیش کر دیا جائے اور اس خلوت کدے میں لے جایا جائے جہاں حضرت لائق دردِ دل سنا رہے ہیں ؎

خلوت میں آکے تجھ کو سناؤں میں درد دل فرقت میں تیری مجھ پہ نہ کیا کیا گزر گئی

انتخاب کلام لائق

آتش کدہ تھا جسم مرا نار عشق سے دل کا سویدا جس نے سمندر بنا دیا

اللہ رے روانیٔ تحریر بے خودی جو اس کو خط لکھا اسے دفتر بنا دیا

سائل کے التفات کا لائق ہے مدح خواں اصلاح دے کے اس کو سخنور بنا دیا (ص ۶۲)

نگاہیں پھیر لیں ، اب چشم گریاں کون دیکھے گا ۔۔۔ یہ رونا ہے مرا حال پریشاں کون دیکھے گا
نہ رکھ عاشق کو اپنے مبتلا تو رنج فرقت میں ۔۔۔ بہاریں حسن کی اے فتنہ ساماں کون دیکھے گا
بھرم کھل جائے گا سارا نہال لالہ و گل کا ۔۔۔ ترے آگے بہار صد گلستاں کون دیکھے گا
مچلنا جادۂ الفت میں دل کا دیکھ کر لائق ۔۔۔ کہا کرتا ہوں ، بڑھ کر اس سے ناداں کون دیکھے گا (ص ۷۹)

ہنس کے وہ جب کہیں مجھے "آیا نہ کیوں تو میرے گھر؟" ۔۔۔ سمجھوں میں یہ عنایتیں ، ان کا ہے یہ عتاب کیا؟ (ص ۶۲)

رہرو راہ یار بن ، شکوہ نہ کر تو جبر کا ۔۔۔ غیرت عشق ہو گئی ، شامل حرص و آز کیا!
منزل یار سامنے ، دوری راہ کچھ نہیں ۔۔۔ لغزش پا سے کر حذر ، گردش چشم ناز کیا!
شرم و حیا کا ہو بھلا ، مانع شرک ہو گئی ۔۔۔ غیر خدا کے روبرو دست کریں دراز کیا!
سالک راہ خسروی ، تشنۂ دید للّٰہی
ناز و نیاز سربسر ، لائق امتیاز کیا! (ص ۷۴)

سفاک ، ستم گار ، جفاکار ہے لیکن ۔۔۔ عشاق کو واجب نہیں جاناں کی شکایت
اپنے ہی کیا کرتے ہیں اپنوں کو نصیحت ۔۔۔ کیا آ کے فرشتے کریں انساں کی شکایت
دل منزلت حسن سے واقف ہی نہیں ہے ۔۔۔ نادانی ہے کرنی دل ناداں کی شکایت
پردہ ترے رخ کا بھی ہے کیا داخل زینت ۔۔۔ مجھ کو ہے چراغ تہ داماں کی شکایت
مقراض زباں روک تو اے مادر گیتی ۔۔۔ کوئی بھی کیا کرتا ہے جاناں کی شکایت (ص ۸۰)

مٹ گیا ، خوب ہوا ، تھا اسی لائق لائق ۔۔۔ رنج کی جائے تھی ، پہنچا نہ مگر یار کو رنج

یاد آتا ہے زمانہ ترا راحت انگیز ۔۔۔ دل میں ہر تار نفس چبھتا ہے کانٹا ہو کر
کوچۂ یار میں جب جائے نسیم سحری ۔۔۔ کوئی کہہ دے کہ مرے پاس سے جانا ہو کر (ص ۸۴)

نشۂ جوش جوانی ہو کہ متوالی ہوں ۔۔۔ یہ وہ آنکھیں ہیں کہ ہشیار رہیں غافل ہو کر (ص ۸۷)

یہ داغ دل ہے کہ رو سیاہی ، نہ بو محبت کی اس سے آئی ۔۔۔ چمن میں لالے سے کہہ دو جا کر ، ڈرا نہ ہم کو دکھا دکھا کر

یہاں منت ہوں تیرا قاصد، تو کہیو جا کر یہ اس صنم سے　　کہ اس کو مارا ہے تو نے ظالم رُلا رُلا کر، گھلا گھلا کر
گیا نہیں ہے تو اس کے در تک، ذرا بتا تو کہ ہے پاسبانی　　عبث تو کرتا ہے ایسی باتیں چبا چبا کر چبا چبا کر
دماغ کھانے کو آ گیا ہے وہی ہیں ترکِ صنم کی باتیں　　ابھی سویرا ہوا ہے ناصح! خدا خدا کر، خدا خدا کر

(ص ۸۸)

ہے کاشکر دنیا میں فدائے تنگ و پوک تک　　پئے گا بے حجابانہ تو خون آرزو کب تک
وجود افراد کا لائق مجازی زیر گردوں ہے　　بہ پیشِ خرمنِ ہستی شرار آرزو کب تک

(ص ۹۱)

شورشِ بزمِ طرب اور ہجومِ یاراں　　یاد آتی ہے تری گرمیٔ محفل قاتل

(ص ۹۲)

محشر کی دار و گیر سے مجھ پہ بنے گی کیا　　لرزیں گے تیرے سامنے زہاد کے قدم
غلغال کا سا شور ہے حجرے میں شیخ کے　　دیوانہ کر نہ جائیں پری زاد کے قدم
ہر محتسب ہے حلت و حرمت کا جوہری　　پیر مغاں تک آتے ہیں نقاد کے قدم

(ص ۹۴)

رحمت کا مستحق ہوا جس معصیت سے میں　　اے شیخ وہ گناہ کئے جا رہا ہوں میں

(ص ۹۵)

لوحِ جبیں خمیدہ ہو، حمد و ثنا ہو روز و شب　　نامِ خدا ہو کا بجز نقش دل گداز میں
راہِ سلوک ہے کھلی، عزمِ سفر ہو مستقل　　کچھ نہیں فرق اس جگہ غزنوی و ایاز میں
خضرِ طریق چاہئے واقفِ راہ چاہئے　　موسیٰ کو رہنما بنا راہِ ضیا طرازنہ میں
قبض سے ہو نہ مضمحل، بسط سے ہو نہ شاد دل　　قلب کا اضطرار جان رحمتِ حق کے راز میں
سینہ لسانِ برق ہو دل میں ضیا مشرق ہو　　بحرِ الم میں غرق ہو، پھنس نہ فضائے آز میں

(ص ۱۰۰)

واہ ری رحمتِ خالق جو کرم تو نے کیا　　خوب برسا ہے کہ برسا نہیں ایسا برسوں

(ص ۱۰۱)

در شہوار آسانی سے ملتا ہے کہاں لائق　　تلاطم میں گزرتی ہے صدف کی آبرو برسوں
(ص ۱۰۱)

لالۂ صحرا لب جو مست ناز بیخودی　　سرخوش و پرجوش دیکھا آب کی تنویر میں
رنج و کلفت یاد کس کو جب خدا کا فضل ہو　　ظلمت شب کون دیکھے ماہ کی تنویر میں
سبزہ نوخیز پر کیوں استراحت کیجئے　　مزرعۂ امید دیکھی جوہر شمشیر میں

(ص ۱۰۴)

دنیا کہوں اسے کہ زیارت کدہ کہوں　　یاران رفتہ سو گئے ہیں ہر جا، میں کیا کہوں

(ص ۱۰۶)

یاس و امید کے منظر کو دکھا بھی نہ سکوں　　تو جو پوچھے کہ کہاں ہے؟ تو بتا بھی نہ سکوں
اشک بن کر سر مژگاں ہے تمنا آئی　　ساغر دیدہ چھلک جائے، اٹھا بھی نہ سکوں
شب فرقت نے کیا ہے مجھے اتنا لاغر　　صبح کا دامن صد چاک دکھا بھی نہ سکوں
مکتب عشق کی تعلیم سے مجبور رہا　　میں بلانا تمھیں چاہوں تو بلا بھی نہ سکوں

(ص ۱۰۸)

غواص ہو قلم جب بحر سخن میں یارب　　ذہن رسا میں پیدا نور رشنا دری ہو
آنکھوں میں وہ اثر ہو جس کی طرف نظر ہو　　ہیبت سے تن بدن میں لرزہ ہو تھرتھری ہو

(ص ۱۲۰)

کبھی راہ میں جو وہ مل گئے تو نظر چرا کے وہ چل دئے　　جو گلہ کیا تو یہ کہہ دیا کہ یہی ادائے حبیب ہے

(ص ۱۲۵)

خلا محال ہے دنیا میں جس طرف دیکھو　　یہ ذرہ ذرہ ہے میرا جو اس غبار میں ہے

(ص ۱۲۶)

عشق سو آفتوں کی آفت ہے　　شرح اس لفظ کی قیامت ہے
کلبۂ حزن میں وہ شمع جمال　　نور افروز ہو، یہ حسرت ہے
چھالے پڑتے ہیں تیغ قاتل میں　　خون میں اپنے یہ حرارت ہے

(ص ۱۲۸)

بچتے تھے جس نگاہ سے وہ وار کر گئی　　لذت سے زندگانی کی - بیزار کر گئی
مقتل میں سرخ رو ہوں رقیبوں کے روبرو　　اچھا ہوا کہ وہ خلش سبکسار کر گئی

(ص ۱۲۹)

نذر کر دیتا تجھے جان حزیں تھوڑی سی — دیر کی تو نے بت پردہ نشیں تھوڑی سی
لٹ گئی پاس جو تھی دولت دیں تھوڑی سی — اب دھرا کیا ہے بجز جان حزیں تھوڑی سی
تیرے انداز تبسم سے چمن میں کلیاں — بیشتر شرم سے کمھلائیں، کھلیں تھوڑی سی
ساز خاموش ہوں مشتاق نوا چھیڑ کے دیکھ — جان لے تا صفت گوشہ نشیں تھوڑی سی
نیت اپنی کبھی منت کش مقصد نہ ہوئی — کچھ حیا مجھ کو رہی، ان کو نہیں تھوڑی سی
صورت نقش قدم ہے یہیں تمنا مقصود — تیرے قدموں میں جو مل جائے زمیں تھوڑی سی
ہم نہ کہتے تھے کہ ہر وقت رہے منہ پہ نقاب — لے اڑا چرخ پہ ضو ماہ مبیں تھوڑی سی

(ص - ۱۴۴)

ترے لطف نظر پر ہے متاع زندگی اپنی — اب آگے تیری مرضی شاد یا ناشاد رہنے دے
فراز کہکشاں پر جادہ ہے کوئے محبت کا — نہ کر توہین الفت نالہ و فریاد رہنے دے

(ص ۱۴۶)

زمانہ سے نرالی آگ دیکھی دل میں عاشق کے — نہیں دیکھا کہیں اٹھتا دھواں پیچھے شرر پہلے

(ص ۱۴۷)

صبا نے جس دم سیکھا الٰہی خیر گلشن کی — نواسنجیٔ بلبل عقدۂ مشکل نہ بن جائے

(ص ۱۴۹)

میری بغل میں مہ جبیں آج نہیں تو کل سہی — آئے گا کیا کبھی نہیں آج نہیں تو کل سہی
شورش دل نے کر دیا عقل و خرد کو خیر باد — سر پہ اٹھائی ہے زمیں آج نہیں تو کل سہی
صید نگاہ ناز ہو جام مئے نشاط پی — دیکھ کے چشم سرمگیں آج نہیں تو کل سہی
عیش و نشاط زندگی عہد شباب کو سمجھ — جا کے رہے گی بالیقیں آج نہیں تو کل سہی
ہمت جستجو نہ ہار مقصد دل ملے گا یار — دیر و حرم ہی میں کہیں آج نہیں تو کل سہی

(ص ۱۵۵)

بسان نقش پا ہیں اے فلک ہم — مٹوں کو کیا مٹائے جا رہا ہے
جوانی دے رہی ہے درس الفت — سمجھ میں نکتہ نکتہ آ رہا ہے
نظر کس کی پڑی ہے میرے دل پر — کہ بے پھڑکائے پھڑکا جا رہا ہے
تلاش یار میں بیتاب ہو کر — ہوا بن کے در در جا رہا ہے

(ص ۱۵۶)

ڈاکٹر شانتی رنجن بھٹاچاریہ

آزادی کے بعد

مغربی بنگال میں اردو[1]

پندرہ روزہ جریدے

(۱) "آفاق" کلکتہ :۔ مدیر شفیع نشاط۔ غالباً نومبر ۶۲ء سے یہ پندرہ روزہ کے طور پر منظر عام پر آیا۔ اس سے قبل یہ ماہنامہ تھا۔ یہ پندرہ روزہ اندازاً سال بھر نکلتا رہا ہے۔

(۲) "آرزو" کلکتہ :۔ ادارہ تحریر میں محمد حسین شمس، راز عظیم اور محترمہ رالجہ سلطانہ نا شاد کے نام رہے ہیں ۶۰ء کے آخری حصہ میں جاری ہوا۔ اور صرف ۵، ۶ شماروں کے بعد بند ہوگیا۔ یہ پندرہ روزہ اشار آرٹ پریس کلکتہ میں چھپ کر ۲ بیدن بگان لین کلکتہ سے شائع ہوتا تھا۔

(۳) "اسپورٹس اور تفریح" کلکتہ :۔ اس باتصویر جریدے کے ایڈیٹر جناب بدرالحسن صاحب تھے۔ سنہ اجراء ۶۲ء لیکن پابندی سے نہیں نکلا۔ تین سال تک نکلنے کے بعد بند ہوگیا۔ پرنٹر پبلشر سمیع احمد اسے ۱ نور علی لین کلکتہ ۱۴ سے شائع کرتے رہے ہیں۔ ضخامت عام شمارہ ۱۸ صفحات۔

(۴) "اسپورٹسمین" کلکتہ :۔ مدیران ساجد حمید، ایس۔ ایم طغرا امام اور سرپرست ڈاکٹر شعیب عالم صاحب رہے ہیں۔ پہلے یہ ہفتہ وار تھا۔ پہلا پندرہ روزہ شمارہ (جلد ۲ شمارہ ۲۵) مورخہ یکم نومبر ۶۳ء کا ہے۔ ہفت روزہ کے صفحات ۲۱ تھے اور پندرہ روزہ کے صفحات عام طور پر ۳۲ رہے ہیں۔ علاوہ تصاویر کے۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ "فٹ بال نمبر" نکالنا ہے۔ جو نومبر ۶۵ء کو نکلا۔ یہ خاص نمبر اردو میں اپنی نوعیت کا پہلا پرچہ ہے۔ ادارہ نے "اپنی باتیں" کے تحت لکھا۔ اردو زبان میں فٹ بال کے بابت سارے مضامین بالکل نئے اور اچھوتے ہیں جو آج تک پیش نہیں کئے گئے۔" یہ جریدہ تقریباً دو سال تک نکلتا رہا ہے۔

(۵) "اسپورٹس اور فلم" کلکتہ :۔ ایڈیٹر بدرالحسن صاحب۔ سنہ اجراء ۶۳ء اور غالباً ۶۴ء تک جاری رہا ہے۔ پرنٹر پبلشر جناب سمیع احمد اسے اسٹار آرٹ پریس ۲۳ زکریا اسٹریٹ کلکتہ میں چھپوا کر ۱ نور علی

---

[1] ۔ دوسری اور آخری قسط

لین کلکتہ ۱۴ سے شائع کرتے رہے ہیں۔ سرپرست جناب الحاج قاضی الماس خان صاحب رہے ہیں۔

(۶) "جام جم" کلکتہ:۔ مدیر راقم الحروف۔ پہلا شمارہ یکم مئی ۶۳ء کو نکلا۔ صرف ۵ شمارے نکلے چونکہ اس کے بعد مجھے سرکاری ملازمت مل گئی اور مجبوراً اس پرچے کو بند کردینا پڑا۔ ۱۵ راگست ۶۳ء کا خصوصی شمارہ اس کا آخری شمارہ رہا ہے۔

(۷) "جام کوثر" کلکتہ:۔ سنہ اجراء اگست ۶۶ء۔ مدیر اعلیٰ ارشد القادری اور معاون جناب ضیا جالوی مذکورہ ادارۂ تحریر کے تحت اس کے صرف ۷، ۸ شمارے نکلے ہیں جس کے بعد اسی نام سے ایک اور پرچہ نئے انتظامات کے تحت نکلنے لگا۔ جس کا پہلا شمارہ بطور "معراج نمبر" کے نومبر ۶۶ء میں جاری ہوا۔ اس نئے پندرروزہ "جام کوثر" کے مدیر جناب محمد وکیل الرحمن ہیں۔ یہ رضوی پبلشرز ۲۳ رپن لین، کلکتہ ۱۶ سے شائع ہو رہا ہے۔

(۸) "معمار" کلکتہ:۔ سنہ اجراء ۵۸ء اندازاً چار سال تک نکلتا رہا ہے۔ ایڈیٹر عالم باردی کے علاوہ ادارۂ تحریر میں محترمہ رابعہ سلطانہ ناشاد، جناب ولی صدیقی سلطان پوری اور سید عاشق حسین مہمی کے نام ملتے ہیں۔ یہ پرچہ محترمہ رابعہ سلطانہ ناشاد صاحبہ کی ملکیت رہا ہے

(۹) "مغربی بنگال" کلکتہ:۔ حکومت مغربی بنگال کا پندرہ روزہ ترجمان ہے جو حکومت مغربی بنگال کے شعبۂ اطلاعات و تعلقات عامہ سے گذشتہ ۱۴ سال سے مسلسل نکل رہا ہے۔ یہ محکمہ کے ڈائریکٹر کی زیرنگرانی شائع ہوتا ہے۔

(۱۰) "نباض" کلکتہ:۔ مدیر جابر فروزپوری۔ پہلا پرچہ ۱۶ ر نومبر ۵۲ء بروز اتوار شائع ہوا۔ یہ اندازاً دو سال تک ۱۱ ہرن باڑی لین ۱۲ سے نکلتا رہا ہے

ماہنامے

۱۔ "ارمغان" کلکتہ:۔ ایڈیٹر جناب قدوس صدیقی۔ غالباً ۴۹ء کے آخر میں نکلا تھا۔ کب تک نکلتا رہا علم حاصل نہ کر سکا۔

۲۔ "اخوت" کلکتہ:۔ ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر جناب وقار مشرقی۔ ستمبر ۶۳ء میں روزنامہ "اخوت" کے بند ہونے کے بعد وقار مشرقی صاحب جو آخری دور میں روزنامہ کے مدیر تھے نے چند ماہ تک اسے بطور ماہنامہ شائع کیا۔ غالباً ۳، ۴ شمارے ہی نکلے ہیں۔

۳۔ "ارمان" کلکتہ:۔ یہ فلمی رسالہ جنوری ۵۴ء میں جاری ہوا تھا۔ تقریباً ایک سال تک نکلا ہوگا۔ یہ ۱۱ ہرن باڑی لین کلکتہ سے شائع ہوتا تھا۔

۴۔ "آفاق" کلکتہ: سنہ اجرا، اکتوبر ۵۸ء۔ دو سال تک زندہ رہا۔ مدیر جناب شفیع نشاط۔ ۲ مفید الاسلام لین کلکتہ ۱۴ سے نکلا کرتا تھا۔

۵۔ "اعلان نو" کلکتہ:۔ ایڈیٹر جلال الدین قادری۔ پہلا شمارہ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ غالباً جون ۵۹ء میں نکلا۔ صرف ۳، ۴ شماروں کے بعد بند ہوگیا۔ یہ ۱۵ شمس الہدی روڈ کلکتہ سے شائع ہوتا تھا۔

۶۔ "آوازِ مشرق" کلکتہ:۔ غالباً ۴۹ء کے آخر میں نکلا۔ ایک معیاری ادبی رسالہ تھا۔

۷۔ "بزم ہند" آسنسول مغربی بنگال۔ نومبر ۶۰ء سے تین سال تک نکلتا رہا ہے۔ ایڈیٹر بلیغ صاحب آسنوی۔ یہ ادبی ماہنامہ ریل پار ستلاڈنگہ، آسنسول، مغربی بنگال سے شائع ہوتا رہا۔

۸۔ "پیغام" مٹیابرج۔ پہلے یہ ایک قلمی رسالہ تھا۔ اور تین چار شمارے قلمی نکلے ہیں۔ پہلا قلمی پرچہ جنوری ۵۲ء کا ہے۔ اور دوسرا فروری ۵۲ء کا۔ یہ دونوں قلمی پرچے میری ذاتی لائبریری میں ہیں۔ جولائی ۵۲ء سے یہ پرچہ مطبع میں چھپ کر شائع ہونے لگا۔ میرے یہاں جلد ۱ کا شمارہ ۱ تا ۶ محفوظ ہیں۔ شاید اس کے بعد یہ پرچہ بند ہوگیا اس کے مدیر سید عاشق حسین فہمی اسے ۲ بی گارڈن ریچ روڈ مٹیابرج ۲۴ پرگنہ سے شائع کرتے تھے۔

۹۔ "تاج العرفان" کلکتہ: مرتبہ احسن لطیف۔ ابھی صرف پہلا شمارہ ہی نکلا ہے۔ جو کہ جون ۶۶ء کا ہے۔ یہ ایک دینی رسالہ ہے اپنے مقاصد کے سلسلے میں ادارہ نے لکھا۔ کہ اسلام کے محاسن و محامد کی اشاعت اسکا اولین مقصد ہے۔

۱۰۔ "یہاں اسے" کلکتہ: پہلا شمارہ ماہ نومبر ۶۴ء کا ہے۔ ایڈیٹر ناظر الحسینی اور مینیجنگ ایڈیٹر جناب انور حسین۔ غالباً ۲، ۳ شمارے نکلے۔ یہ رسالہ ۱۸ بی، اسمتھ لین کلکتہ ۱۳ سے شائع ہوتا تھا۔

۱۱۔ "حسن و صحت" کلکتہ:۔ ہر ماہ پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ اجرا۔ ماہ جنوری ۶۳ء۔ یہ ایک طبی رسالہ ہے۔ مدیر ولی احسن صاحب۔ نیز ادارۂ تحریر میں حکیم مبارک کریم تکمیلی، حکیم منصور انجم اور حکیم نور الحسن تکمیلی کے نام شامل ہیں۔ اس کے پرنٹر پبلشر محمد کلیم الدین ہیں۔ اور یہ اجالا پریس میں چھپ کر ۴۲ امرتلہ لین کلکتہ سے شائع ہوتا ہے۔

۱۲۔ "دردِ دل" کلکتہ:۔ اجرا۔ مارچ ۶۶ء مجلس ادارت میں جناب ولی صدیقی سلطان پوری، عالم بابری، عبدالحلیم ناشاد، ارشاد حسین خان صاحب کے نام شامل ہیں۔ اور نگران حضرت جرم محمد آبادی ہیں۔

۱۳۔ "دلہن" کلکتہ:۔ غالباً ۵۳ء میں نکلا تھا۔ یہ خواتین کا رسالہ تھا۔ باوجود تلاش کے مجھے اس کا کوئی شمارہ نہیں ملا۔ صرف ماہنامہ "پیغام" کلکتہ میں میری نظر سے اس کا ایک اشتہار گذرا ہے۔

۱۴۔ "دلچسپ" کلکتہ:۔ سنہ اجرا ۵۳ء۔ یہ ایک مزاحیہ رسالہ تھا۔ جو ۹ بی، بولائی دت اسٹریٹ کلکتہ سے نکلا کرتا تھا۔ اندازاً سال بھر نکلتا رہا ہے۔

۱۵۔ "روحِ ادب" کلکتہ۔ پہلا شمارہ اگست ۱۹۶۶ء میں نکلا۔ مدیر نظام الحسینی صاحب اور نگراں جناب محمد حفیظ الدین صاحب۔ یہ ڈائجسٹ نما باتصویر رسالہ ہے۔

۱۶۔ "سیلاب" کلکتہ۔ ایڈیٹر۔ لطیف الرحمٰن اور ادریس الحق صاحب۔ سنہ اجراء ۱۹۶۸ء اندازاً دس شمارے نکلے۔

۱۷۔ "ساقی" کلکتہ:۔ ترتیب دینے والے جناب شہزاد منظر اور اصغر حسین صاحب۔ سنہ اجراء ۱۹۶۳ء ۲ یا ۳ شماروں کے بعد یہ پرچہ بند ہو گیا۔

۱۸۔ "ساز" کلکتہ:۔ مدیر عاجز انصاری صاحب۔ سنہ اجراء ۱۹۶۱ء مدیران اعزازی میں سید حرمت الاکرام قطب شاہین، محمودہ بہار، ثریا محمود ندرت کے اسمائے گرامی شامل رہے ہیں۔ عرصہ تین سال تک نکلتا رہا ہے اس کے سالنامے ادبی اہمیت کے ہوتے تھے۔ یہ ۱۵ الیٹ، تانتی بگان روڈ کلکتہ ۱۴ سے نکلا کرتا تھا۔

۱۹۔ "سوز" کلکتہ:۔ بند ہو گیا کہنا دشوار ہے کیونکہ اب بھی کبھی کبھی نکل جاتا ہے۔ ایڈیٹر تنویر سکندر پوری سنہ اجراء فروری ۱۹۶۳ء

۲۰۔ "شعلہ" کلکتہ۔ سنہ اجراء ۱۹۴۹ء غالباً دو سال تک نکلتا رہا۔ اس کے سرپرست حضرت جرم محمد آبادی اور نگران جناب رضا مظہری رہے ہیں۔

۲۱۔ "شاھین" کلکتہ:۔ ایڈیٹر راخام چغتائی۔ سنہ اجراء ۱۹۶۵ء تقریباً سات سال تک نکلتا رہا ہے۔

۲۲۔ "شفا الملک" کلکتہ:۔ ایک طبی رسالہ ہے۔ جسے حکیم محمد یونس صاحب جی ۱۲ لوئر چیپ پور روڈ کلکتہ سے نکالا کرتے ہیں۔ لیکن یہ پابندی سے نہیں نکلتا ہے۔ سنہ اجراء غالباً ۱۹۶۲ء ہے۔

۲۳۔ "صدائے حریت" کلکتہ:۔ مدیر ناظر الحسینی۔ پہلا شمارہ جنوری و فروری ۱۹۶۶ء کا مشترکہ شمارہ ہے۔ صرف چند شمارے نکلنے کے بعد یہ ماہنامہ بند ہو گیا۔

۲۴۔ "ضربِ کلیم" کلکتہ:۔ ۱۹۴۸ء میں جاری ہوا تھا کتنے شمارے نکلے، اور کب بند ہوا اس کا علم حاصل نہیں کر سکا۔ ادارۂ تحریر میں قسیم پھلواری، پرویز شاہدی اور سابر ابراہیم ہوش کے نام شامل رہے ہیں۔

۲۵۔ "فانوس ڈائجسٹ" کلکتہ۔ اجراء جولائی ۱۹۶۶ء۔ سرپرست قاضی الیاس خان صاحب کے علاوہ مجلسِ ادارت میں جناب عطاالرحمٰن نشاط، فیروز سلطان اعجاز اور جاوید احمد صاحبان کے نام شامل ہیں۔ اس کے کئی شمارے فوٹو آفسٹ پر بھی شائع ہوئے ہیں۔

۲۶۔ "فلم ریو" کلکتہ:۔ ایڈیٹر انیس ساز۔ پہلا شمارہ ماہ دسمبر ۱۹۶۳ء کا ہے۔ پرنٹر پبلشر جناب مقصود حسن نے ۲۴ لوئر چیت پور روڈ کلکتہ سے شائع کیا ہے۔ غالباً ۲ شماروں کے بعد یہ جریدہ بند ہو گیا۔

۲۷۔ "کہانی" کلکتہ:۔ سنہ اجراء ۱۹۵۸ء صرف پانچ شمارے نکلے اور پھر بند ہو گیا۔ ایڈیٹر جناب نشاط ایمان تھے۔

اور آخری دو یا تین شماروں کے ادارۂ تحریر میں جناب مظہر امام صاحب کے علاوہ راقم الحروف کا نام بھی شامل تھا۔

۲۸۔ "کسوٹی" کلکتہ:۔ سنہ اجراء ۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۰ء میں یہ رسالہ بند ہوگیا۔ مدیر جناب کاوش رنگین صاحب تھے

۲۹۔ "معاون" کلکتہ:۔ سنہ اجراء ۱۹۵۱ء۔ یہ فلمی و نیم ادبی رسالہ تھا۔ ماہنامہ "شمع" دہلی کے مضمون کے اشارے پر بحث کرتا تھا۔ اور یہی اس کی شہرت کی وجہ رہی ہے۔ "شمع" کے بند ہونے پر غالباً ۱۹۵۶ء میں یہ رسالہ بند ہوگیا۔ اس کے مدیر جناب عبداللہ تھے لیکن اصل میں جناب مظہر امام صاحب جو اُن دنوں کلکتہ میں ملازمت کرتے تھے۔ وہی اس رسالے کو ایڈیٹ کرتے رہے ہیں۔

۳۰۔ "مجسمہ" کلکتہ:۔ اجراء نومبر ۱۹۶۶ء ایڈیٹر جناب ایس رفیع۔ طابع و ناشر جناب مظفر حسین اس فلمی رسالہ کو دتو سرکار لین کلکتہ سے شائع کرتے ہیں۔ لیکن اس کے شمارے ابھی تک پابندی سے نہیں نکل رہے ہیں۔

۳۱۔ "ندائے وطن" کلکتہ:۔ ایڈیٹر۔ ایم ابوالحسن خان۔ جنوری ۱۹۶۵ء میں جاری ہوا۔ اب بھی بند ہوگیا کہا نہیں جا سکتا کیونکہ کبھی کبھی اسکے شمارے نکل جاتے ہیں

۳۲۔ "نشیمن" کلکتہ:۔ یہ مٹیا برج سے نومبر ۵۲ء میں جاری ہوا تھا۔ صرف چند شماروں کے بعد ناکام ہوگیا۔

دوماہی و سہ ماہی رسالے

۱۔ "نئے دھارے" دوماہی۔ کلکتہ۔ مدیر یونس احمر۔ اکتوبر یا نومبر ۱۹۴۷ء میں جاری ہوا تھا۔ ۳، ۴ شمارے نکلے۔ اُس کے بعد آپسی اختلافات نیز اقتصادی دشواریوں پر ادارۂ تحریر قابو نہ پا سکا اور یہ ادبی رسالہ بند ہوگیا۔

۲۔ "ہمالیہ" کلکتہ:۔ یہ سہ ماہی رسالہ ہے اور اس کا صرف پہلا شمارہ دسمبر ۱۹۶۶ء میں منظرِ عام پر آیا ہے۔ ادب کی صحت مند قدروں کا ترجمان کہلاتا ہے۔ ضخامت ۱۰۰ صفحات سے زیادہ اور قیمت فی پرچہ ایک روپیہ۔ ترتیب دینے والوں میں جناب شوکت خلیل اور جمال احمد صاحب کے نام شامل ہیں۔

آزادی کے بعد مغربی بنگال سے شائع ہونیوالی کتابیں

۱۹۴۸ء

۱۔ "پیامِ نو" مصنف وقار راشدی۔ ناشر جناب وقار راشدی مالک مکتبہ اشاعت اردو نے ۲ مارشل لین کلکتہ ۱۳ سے شائع کیا۔ ضخامت ۲۱۴ صفحات۔ "پیامِ نو" میں دورِ حاضر کے مشہور شاعروں کی ۵۳ نظمیں شامل ہیں۔ نیز نظموں کے ساتھ ہر شاعر نے مختصر طور پر اپنے سلسلے میں لکھا ہے۔ ان میں بنگال کے شعرا بھی ہیں اور چند بنگال کے باہر سے تعلق رکھنے والے شعراء

ہی مثلاً۔ اثر لکھنوتی، سردار جعفری، نظر حیدر آبادی، اعجاز صدیقی، حفیظ مالیگانوی، ساغر نظامی، احمد ندیم قاسمی اور سیماب برآبادی وغیرہ۔

۱۹۵۴ء

۱۔ "گلدستہ ادب" مرتب جناب نور محمد چودھری۔ ناشر دارالاشاعت بزم شاکری کلکتہ۔ صفحات ۴۴۔

۱۹۵۶ء

۱۔ "ٹیلی فون گرل" مصنف و ناشر کرم چند، کلکتہ سے شائع کیا۔ ضخامت ۱۴۸ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ ۱۲ آنے۔ یہ دس ایسے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جن میں اصلاحی رنگ نمایاں ہے۔

۱۹۵۷ء

۱۔ "آئینہ بحور" مصنف حضرت منی لال جوآن سندیلوی۔ یہ فن عروض کی ایک مختصر کتاب ہے۔ جناب منی لال جوآن علامہ آرزو کے قابل قدر شاگرد ہیں۔

۲۔ "فریاد و جواب فریاد" مصنف منی لال جوان سندیلوی۔ قیمت ۱۲ آنے۔ مقام اشاعت۔ کلکتہ۔

نمونۂ کلام کے طور پر دو شعر حاضر خدمت ہیں۔

بیٹھے ہیں یوں بہا کے لہو بے گناہ کا جیسے کسی پہ آپ ہیں احساں کئے ہوئے

محبت نے جبیں سائی کی وہ پختہ سندری ہے کسی کا بس نہیں ہے جو مٹائے کا نشاں مجھ سے

۳۔ "اُجالوں کے گیت"۔ مصنف سید حرمت الاکرام۔ قیمت ایک روپیہ صفحات ۵۸۔ حلقہ ترویج ادب کلکتہ سے شائع ہوا۔ اب حرمت الاکرام کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ موصوف عرصہ تک کلکتہ میں تھے۔ جس کی بنا پر حال ہی میں آپ نے "کلکتہ اک رباب" کہی ہے۔ اجالوں کے گیت ان کی نظموں کا پہلا مجموعہ ہے۔ جس میں ۲۵ منتخب نظمیں ہیں۔

۴۔ "شاہکار قصیدے" مصنف شاکر کلکتوی۔ ماہ رمضان میں رمضان کے فضائل بیان کرتے ہوئے قصیدے کہنے کا ایک دستور کلکتہ کے مسلمانوں میں چلا آرہا ہے۔ شاکر کلکتوی اس طرح کے قصیدے کہنے والوں میں مقبول ہیں۔ اور یہ کتاب ایسے ہی چند قصائد کا مجموعہ ہے جسے بزم شاکری نے کلکتہ سے شائع کیا۔

۱۹۵۸ء

۱۔ "بہتے آنسو" یہ نوجوان مصنف علی اختر صاحب کے چند افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جو کہ اشار آرٹ پریس کلکتہ سے چھپ کر شائع ہوا۔

۲۔ "میر کاروان" مصنف ناظر الحسینی۔ یہ کتابچہ مولانا آزاد کی موت کے فوراً بعد شائع ہوا جن دنوں کہ ناظر الحسینی روزنامہ "انجمن" کے مدیر تھے۔ دیباچہ پروفیسر نیاز احمد خان صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

۳۔ "تذکرہ حبیب" مصنف حافظ کرامت الرحمان حافظ لکھنوی ۔ نعتیہ مجموعہ کلام ہے ۔ ضخامت ۴۸ صفحات قیمت ۱۲ آنے

۴۔ "لفٹ میں پاکٹ بک الیکٹریکل" مصنف محمد رفیع ۔ بی ۔ ایس ۔ سی ۔ صفحات ۶۴ ۔ یکم مئی ۱۹۵۸ء کو کلکتہ سے شائع ہوا ۔ مصنف مقصدِ تصنیف کے سلسلے میں رقمطراز ہیں " اس کتاب کو اردو میں لکھنے کی صرف ایک غرض ہے کہ لفٹ چلانے والے کو ضروری ہدایت مل جائے اور لائسنس لینے میں کامیاب ہو۔

۱۹۵۹ء

۱۔ "تیر و ترکش" مصنف سوز سکندر پوری ۔ عبدالحق خان سوز سکندر پوری حضرت جرم محمد آبادی کے شاگرد ہیں ۔ یہ اب تک ان کا واحد مجموعۂ کلام ہے ۔ ضخامت ۱۲۸ صفحات ۔ نمونۂ کلام کے طور پر دو شعر ملاحظہ ہوں

جگر میں آگ لگے آنکھ سے گرے آنسو | ابھی وہ بات مگر سوز کے سخن میں کہاں

تشنہ لبی کا واسطہ شانِ کرم دکھائیے | ہاتھ نہ روکئے ابھی حقنا پیوں پلائیے

۲۔ "ناسخ سے وحشت تک" مصنف سید لطیف الرحمٰن ۔ صفحات ۲۴۸ ۔ مصنف نے کافی کدوکاوش و تلاش کے بعد یہ کتاب لکھی ہے ۔ جس میں عبدالغفور ناسخ ، عصمت اللہ انیخ ، ابوالقاسم محمد شمس اور رضا علی وحشت کلکتوی کے حالات زندگی کے علاوہ نمونۂ کلام نیز کلام پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ یہ ایک قابلِ قدر تصنیف ہے ۔

۳۔ "نکہت و نغمہ" جناب ناظر الحسینی کی چند منتخب نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے ۔ صفحات ۶۴ ۔ ناظر کے اشعار دورِ جدید کے ترجمان ہیں ۔ اور وہ وحشت کلکتوی کے بہترین شاگردوں میں سے ہیں ۔

۱۹۶۰ء

۱۔ "ذکرِ آزاد" مصنف مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم ۔ صفحات ۴۸۰ ۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ مصنف کے نام سے ہی کیا جا سکتا ہے ۔ مولانا آزاد کو سمجھنے کے سلسلے میں یہ ایک اہم تصنیف ہے ۔ مصنف کے فرزند نیک جناب احمد سعید ملیح آبادی نے اسے شائع کیا ہے ۔ قیمت سات روپے ۔

۲۔ "آخری شکست" مصنف جان عالم سیف کی یہ پہلی تصنیف ہے ۔ جو ایک تاریخی ناول ہے ۔ اور جسے اسپین کی اسلامی تاریخ کے پس منظر میں لکھا گیا ہے ۔

۳۔ "راہ کا کانٹا" مصنف راقم الحروف کی ۱۳ کہانیوں کا مجموعہ ہے ۔ یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء کو منظرِ عام پر آیا ۔

۱۹۶۱ء

۱۔ "روپ متی" مصنف جان عالم سیف ۔ یہ تاریخی ناول مصنف کی دوسری پیشکش ہے اور جن صاحبان نے تعارف و پیش لفظ لکھے ان کا مشترکہ خیال ہے کہ نقشِ اوّل سے یہ نقشِ ثانی بہتر ہے ۔

۲۔ "ناسور" مصنفہ۔ محترمہ رابعہ سلطانہ نشاط صاحبہ۔ صفحات ۱۲۰۔ محترمہ رابعہ سلطانہ یعنی بیگم سید صفدر امام بنگال کی جانی پہچانی شاعرہ ہیں۔ یہ اُن کی چند نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے۔ نمونۂ کلام کے طور پر دو شعر ملاحظہ ہوں۔

مجھے نشتر ملے مرہم کے بدلے — یہی ناسور کی ابتدا ہے

خزاں میں پھولی پھلی ہوں خزاں نے سینچا ہے — خزاں نصیبوں کو پیاری ہے زندگی اپنی

۳۔ "شاعر کی شادی" مصنف۔ راقم الحروف۔ مورخہ یکم دسمبر ۶۱ء کو شائع ہوا۔ یہ ایک طویل افسانہ ہے

۴۔ "پھول رانی" مصنف۔ جاوید نہال صاحب۔ یہ اُن کے افسانوں کا اب تک واحد مجموعہ ہے جس میں بارہ کہانیاں ہیں۔ ضخامت ۱۶۰ صفحات۔

۱۹۶۲ء

۱۔ "نیا شاہکار"۔ یہ محترمہ صالحہ بیگم مخفی کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ محترمہ ایک عرصے سے میدان علم و ادب میں اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

۲۔ "پیاسے دل" مصنف ابراہیم اختر۔ یہ ایک مختصر ناولٹ ہے۔ راقم الحروف نے "تعارف" لکھا۔ ابراہیم اختر، مہاراشٹرا کے ضلع پربھنی کے باشندے ہیں۔

۳۔ "پختونستان کا مطالبہ" مصنف راقم الحروف۔ یہ سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان کی زندگی اور سیاسی خدمات کا مختصر تذکرہ ہے۔ جو ۱۵ اکتوبر ۶۲ء کو منظر عام پر آیا۔

۱۹۶۳ء

۱۔ "شعلۂ رنگین" مصنف حضرت جرم محمد آبادی۔ بنگال کے کونے کونے میں آپ کے شاگردوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ یہ کتاب آپ کی غزلوں، نظموں، قصائد، قطعات و رُباعیات کا پہلا مجموعہ ہے۔

۲۔ "بنگالی ہندوؤں کی اردو خدمات" مصنف راقم الحروف۔ کتاب کے نام سے موضوع ظاہر ہے۔ یہ میری تحقیقی ادبی تصنیف ہے جس پر حکومت مغربی بنگال نے مجھے رابندرناتھ ٹیگور انعام دیا پانچ ہزار روپے اعطا کیا۔

۱۹۶۴ء

۱۔ "سوانح حیات تجار عراقی ہند"۔ مصنف الحاج محمد حنیف۔ کتاب پر سنہ طبع درج نہیں ہے لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے یہ ۶۴ء میں شائع ہوئی۔ اس میں ۳۵ تجار کے مختصر حالات زندگی شامل ہیں۔ صفحات ۱۰۸۔

۲۔ "سوانح عمری الحاج جناب شیخ محمد صدیق صاحب مرحوم"۔ مصنف الحاج محمد حنیف۔ غالباً یہ بھی ۶۴ء میں شائع ہوئی۔ صفحات ۴۴ ہیں۔

۳۔ "اردو کے ذریعہ بنگلہ سیکھو"۔ مصنف راقم الحروف۔ قیمت پچاس پیسے۔

۱۹۶۵ء

۱۔ "منارہ نور" مصنفہ ڈاکٹر نظام الدین نظامؔ۔ ضخامت ۲۲۴ صفحات۔ نظامؔ صاحب۔ بنگال کے ایک نوجوان شاعر ہیں۔ اور اکثر طویل نظمیں کہتے ہیں۔ یہ ان کا مجموعہ کلام ہے۔ دو شعر پیش کرتا ہوں۔

عشق کو ناز ہو جس پر وہ جگر پیدا کر جو کھرا کھوٹا پرکھ لے وہ نظر پیدا کر

بھلا کیا خاک سمجھیں گے فدائی مرغ و حلوا کے زمانے کی روش کیا، مسلکِ دار و رسن کیا ہے

۲۔ "رنگ و بو" یہ جواں فکر شاعر جناب خرد غوث پوری کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔ صفحات ۱۲۸۔ دو شعر ملاحظہ کیجئے۔

صدائے حق کے لئے آج بھی زمانے میں رسن ہے، دار ہے، زنداں ہے، دیکھئے کیا ہو

جنہیں ہے موت سے جرأت نظر ملانے کی وہی بدلتے ہیں تاریخ بھی زمانے کی

۳۔ "سیل اشک" از اشک امرتسری مرحوم۔ اشک مرحوم۔ بنگال کے مقبول عوامی شاعر تھے جو ۱۹۵۶ء میں انتقال فرماگئے۔ ان کے کلام کے اس مجموعہ کو جو کہ واحد مجموعہ کلام ہے "انجمن ترقی اردو ہند" شاخ مغربی بنگال" نے شائع کیا۔ اور اس طرح ان کے چند فن پاروں کو آئندہ نسلوں کو لئے محفوظ کر لیا ہے۔ صفحات ۹۶۔

۱۹۶۶ء

۱۔ "الہام سحر" مصنفہ حضرت آرزوؔ سہارنپوری کی غزلوں کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اس دوسرے ایڈیشن کے صفحات ۲۱۲ ہیں۔ یہ سلکیہ، ہوڑہ، مغربی بنگال سے شائع ہوا ہے۔

۲۔ "نقشِ بقا" یہ جناب محمد برہان الدین بقاؔ نظامی کے کلام کا انتخاب ہے جو مٹیا برج کلکتہ سے شائع ہوا۔ نمونۂ کلام کے طور پر دو شعر حاضر ہیں۔

جس کو سکوں مل نہ سکا کشمکش حیات میں اُس کے لئے جگہ نہیں وسعت کائنات میں

انداز زمانے کے بدلنا سیکھو گرداب حوادث سے نکلنا سیکھو

۱۹۶۷ء

۱۔ "جام جم"۔ یہ بنگال کے صحت مند خیالات و جواں فکر شاعر جناب مضطرؔ حیدری کی غزلوں، نظموں اور رباعیات کا پہلا مجموعہ ہے جسے اردو سبھا کلکتہ نے شائع کیا۔ مضطرؔ صاحب کے دو شعر سنیے گا۔

کچھ اور مسافر بھی ہیں ہمراہ ہمارے ہم اپنے سفینے کو ڈبو بھی نہیں سکتے

یہ ہمیں تھے کہ بھرم آپ کا رکھا ہم نے ہم کبھی حسرتِ دیدار سے آگے نہ بڑھے

اقامتی اردو کالج

کی

تعمیر میں حصہ لیجئے

اردو آپ کی
اردو کالج آپ کا

اس کالج کی زیر تعمیر عمارت میں ایک اینٹ آپ بھی رکھئے

اختر حسین

(اختر حسین)
ہلال پاکستان
صدر انجمن ترقی اردو

گردوپیش

تصویر کا ایک رُخ

رموزِ مملکت

ہمارے ہاں قومی زبان اردو کو کس حد تک سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حکومت کی طرف سے ڈسٹرکٹ کونسلوں کو یہ احکام جاری کئے گئے ہیں کہ "نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن کے زیرِ اہتمام عوامی نمائندوں کے لئے "منتظم اور مفادِ عامہ" کے عنوان سے ۲ر دسمبر کو جو آٹھ روزہ کورس شروع ہو رہا ہے۔ اس میں انگریزی زبان جاننے والے ارکان بھیجے جائیں۔ یہ احکام صوبائی محکمہ سماجی بہبود، بنیادی جمہوریت اور لوکل گورنمنٹ کیطرف سے چٹھی نمبر ۱۹ - ۱X - ٹی۔ آر۔ جی۔/ بی ڈی کے ذریعے ڈسٹرکٹ کونسلوں کو بھیجے گئے ہیں۔"

سرکاری محکموں کے اعلانات کی زبان

کراچی اسٹاک ایکس چینج کے ڈائرکٹر جناب عبدالرحمٰن چھاپرا اور ایوانِ صنعت و تجارت کے دیگر ارکان نے اس بات پر سخت غم و غصہ کا اظہار کیا ہے کہ بعض محکموں کے ضروری اعلانات اور ٹینڈر نوٹس اردو اخبارات میں شائع نہیں کرائے جاتے جس کی وجہ سے کراچی اور اندرونِ ملک کے اسّی فی صد تاجروں کو بڑی مشکلات جھیلنی پڑتی ہیں۔ بعض سرکاری محکموں کے اکثر اعلان اور ٹینڈر نوٹس انگریزی اخباروں میں شائع ہوتے ہیں، جب کہ اسّی فیصد تاجر اردو اخبار پڑھتے ہیں۔

جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے

جناب محمد ایوب کھوڑو نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر پاکستان سائنسی میدان میں ترقی کرنا چاہتا ہے تو اُسے ذریعہ تعلیم کے طور پر انگریزی اپنانی ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے طلبہ کو انگریزی پڑھنی چاہیئے۔ انہوں نے اُس کے دلائل وہی دیئے ہیں جو تمام مصلحت اندیش، قومی تقاضوں سے اغماض برتنے والے اور آزادی کی نعمتوں اور غلامی کی لعنتوں سے بے خبر کرتا دھرتا دیتے آئے ہیں۔ لیکن ہمیں سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ معلوم ہوئی۔ کہ جناب کھوڑو عوامی رہنما ہونے کے دعوے دار ہیں اور مسلم لیگ کے اُن لیڈروں میں سے ہیں۔ جنہوں نے قیامِ پاکستان میں نمایاں حصّہ لیا ہے۔ اور اُن مقاصد اور اصولوں پر تقریریں کرتے رہے ہیں۔ جن سے مسلم لیگ

بارت تھی۔ یہ کردار کی خامی ہو یا فکر کی۔ مگر یہ طے ہے کہ پاکستان کی نئی نسل کو ایسی باتوں پر مسلم لیگ کی پوری تحریک مشکوک نظر آنی لگتی ہے

تصویر کا دوسرا رُخ

سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب اشتیاق حسین قریشی نے قوم کو تنبیہ کی ہے۔ کہ اگر قوم نے انگریزی زبان کی غلامی کا طوق جلد اتار کر نہ پھینکا۔ تو وہ ترقی کی دوڑ میں دوسروں سے بہت پیچھے رہ جائے گی۔ ڈاکٹر قریشی مغربی پاکستان اُردو اکادمی کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد میں خطبہ صدارت پڑھ رہے تھے۔

چیف جسٹس کا موقف سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس جناب اے آر کارنیلیس نے کہا ہے کہ کوئی قوم اپنے تاریخی ورثے پر فخر کرتے ہوئے سائنسی دنت ترقی کی عظیم منازل سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس کا ذریعہ تعلیم اس کی اپنی قومی زبان ہو۔ انہوں نے اس سلسلے میں چین کی سائنسی ترقی کا حوالہ دیا۔ اور اُسے ان کی اپنی زبان کا کارنامہ قرار دیا۔ چیف جسٹس نے جاپانیوں کا بھی حوالہ دیا۔ اور کہا کہ ایشیا میں صرف وہی قومیں سائنس کے میدان میں اپنے پیروں پر کھڑی ہیں جو اپنی زبان میں تعلیم دیتی ہیں۔ انھوں نے اردو کے بارے میں کہا۔ کہ اس میں آسانی سے تمام علوم پڑھائے جا سکتے ہیں۔

اُردو کانفرنس ربوہ میں ایک اردو کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں تین سو کے قریب ماہرین تعلیم ممتاز دانش وروں اور اہل قلم شریک ہوئے۔ یہ کانفرنس دو روزہ تھی۔ اور دو روز میں اُس کے آٹھ اجلاس منعقد ہوئے جس میں اردو کے مختلف مسائل پر غور و فکر اور بحث و تمحیص ہوئی۔ اس کانفرنس میں زرعی یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب ظفر علی ہاشمی نے کہا کہ اردو کے ذریعے زراعت کے شعبے میں متعدد تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ قومی زبان کی ترویج ہمارے معاشرتی اور ثقافتی شعبوں میں قومی یگانگت پیدا کریگا۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے کہا کہ اردو زبان پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے ہمارے اساتذہ قابلیت کے باوجود علمی خدمات انجام نہیں دے سکتے۔ جو کی اُن سے توقع ہے۔ انھوں نے کہا کہ غیر زبان کے تسلط نے ہمارے اساتذہ اور طلبہ کیلئے علوم میں صحیح اور تخلیقی اضافہ کرنے کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ ڈاکٹر قریشی نے کہا کہ ابتدائی تعلیم سے معیاری تعلیم تک اردو زبان اختیار کر لینی چاہیئے۔ اجلاس سے ڈاکٹر عبدالسلام خورشید۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری' آغا محمد باقر' اور قاضی محمد اسلم نے بھی خطاب کیا۔ ایک مشاعرہ بھی ہوا۔ جسکی صدارت جناب عابد علی عابد نے فرمائی۔

سرگودھا اکادمی کا اجلاس سرگودھا اکادمی کے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے مولانا غلام رسول مہر نے ارشاد فرمایا۔ کہ اردو زبان کا مسئلہ اسلامی ثقافت کا مسئلہ ہے۔ آپ نے کہا کہ اگر اس کی حفاظت نہ کی گئی تو اردو میں محفوظ قوم کا سرمایہ ضائع ہو جائے گا۔ جو قوم کی زندگی کے مترادف ہے۔ اس اجلاس میں پروفیسر غلام جیلانی اصغر۔ ڈاکٹر وزیر آغا اور پروفیسر خورشید نے اپنے افکار سے نوازا۔

مغربی پاکستان اسمبلی میں

مغربی پاکستان اسمبلی میں تحریک التوا پیش کرتے ہوئے جناب حمزہ نے کہا کہ نیپا کے لئے آٹھ روزہ تربیتی کورس میں انگریزی جاننے والوں کو بھیجے جانے سے صوبے کے عوام میں تشویش پیدا ہوگئی ہے۔ جناب حمزہ نے کہا کہ قومی زبان اردو سے مسلسل اغماض برتا جا رہا ہے اور افسروں کو انگریزی ہی تربیت دی جا رہی ہے۔ آپ نے دلائل دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ نیپا کوئی غیر ملکی ادارہ نہیں۔ جس کیلئے انگریزی ذریعۂ اظہار کی ضرورت ہو۔ انھوں نے حکومت پر تنقید کرتے ہوئے کہا۔ کہ آزادی کے بعد بھی انگریزی زبان کی غلامی ذہنوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

قائد اعظم کے ارشاد کی یاد دہانی:

کراچی کے مشہور تاجر جناب عبدالرحمٰن چودھری نے جناب ایوب کھوڑو کے اس بیان کی تردید کرتے ہوئے جس میں انگریزی پڑھنے کا مشورہ دیا گیا تھا اپنے بیان میں کہا ہے کہ کھوڑو کا یہ بیان غلط ہے کہ انگریزی کے بغیر قومی ترقی نہیں ہوسکتی، انھوں نے کہا۔ کہ تمام ترقی یافتہ قومیں چینی، جاپانی، فرانسیسی اور روسی کوئی غیر زبان استعمال کرنا اپنی توہین سمجھتی ہیں۔ جناب چودھری نے جناب کھوڑو کو قائد اعظم کا ارشاد یاد دلایا ہے۔ جس میں انہوں نے اردو کے بارے میں اپنے قومی موقف کا اظہار کیا ہے۔ جناب چودھری نے جناب کھوڑو کو نصیحت کی ہے۔ کہ انہیں بابائے قوم کے اصولوں پر چلنا چاہیے۔

چیف جسٹس کے بیان کا خیر مقدم

کراچی میں ایک جلسہ مولانا اسعد القادری کی صدارت میں اس بیان پر مبارک باد دینے کے لئے منعقد ہوا جس میں چیف جسٹس جناب اے آر کارنیلیس نے اردو کے بارے میں اپنے خیالات کا بانگ دہل اعلان کیا ہے جلسے میں چیف جسٹس کو پر جوش مبارک باد دی گئی اور دشمن عناصر پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا گیا۔ کہ علم و ہنر اور سائنس میں اصل ترقی قومی زبان ہی کے ذریعے ہوسکتی ہے۔ روس۔ چین اور جاپان اس کی کھلی مثالیں ہیں۔

تعلیمی، تہذیبی، ادبی اور علمی خبریں

پاک ایران تعلقات پر مباحثہ کراچی میں ترقی اردو بورڈ کے زیر اہتمام ایک مجلس مذاکرہ سے خطاب کرتے ہوئے ایران کے قونصل جنرل جناب ڈاکٹر احمد تہرانی نے فرمایا۔ کہ پاکستان اور ایران کا نصب العین اور منزل ایک ہے۔ انھوں نے کہا۔ کہ یہ دونوں ملک ایک ہی چمن کے دو پھول ہیں۔ اور ثقافتی، مذہبی اور تاریخی رشتے میں منسلک ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بعض اردو شعروں پر فارسی شعروں کا گمان ہوتا ہے۔ یہ اُن اثرات کا نتیجہ ہے۔ جو ماضی میں دونوں زبانوں کے اتحاد سے ظہور میں آئے تھے۔

جناب ممتاز حسن نے اپنی تقریر میں کہا۔ کہ اردو ادب پر فارسی کے بڑے گہرے اثرات ہیں۔

ادب کا نوبل انعام فرانس میں گوئٹے مالا کے سفیر اور مشہور ناول نگار میگوئل اینجل استوریس کو ادب کا نوبل پرائز دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ سویڈش اکادمی نے کہا ہے کہ یہ اعزاز جناب استوریس کو گوئٹے مالا کے عوامی کردار کی عکاسی پر دیا گیا ہے۔ جناب استوریس گوئٹے مالا کے پہلے ادیب ہیں۔ جنہوں نے نوبل پرائز حاصل کیا۔ اور سفیروں میں یہ انعام حاصل کرنے والے

چوتھا سفیر چین

افریشائی ادیبوں کا استقبالیہ

افریشائی ادیبوں کی رابطہ کمیٹی کو سہ ماہی "مسیب" کی طرف سے ایک استقبالیہ دیا گیا جس میں مشرقی پاکستان سے کمیٹی کے ارکان عبدالغنی ہزاری حسن حفیظ الرحمان صلاح الدین محمد، لاہور سے انتظار حسین، صفدر میر، راولپنڈی سے جمیل ملک اور کمیٹی کے چیرمین جناب احمد ندیم قاسمی نے شرکت کی۔ اس موقع پر "مسیب" کے مدیر نسیم درانی نے کہا مجھے امید ہے کہ پاکستان کے ادیب امن اور جدوجہد آزادی کے لئے ہر ممکن تعاون کریں گے۔ احمد ندیم قاسمی نے فرمایا۔ کہ یہ کمیٹی پاکستانی ادیبوں کے خیالات کی بھرپور ترجمانی کریگی۔

نقش کی ایک تقریب

مشہور اردو ماہنامے "نقش" کے خواتین نمبر کی دوسری اشاعت پر ایک ادبی تقریب آرٹ کونسل کراچی میں منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت مشہور افسانہ نگار ہاجرہ مسرور نے کی اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے والی خواتین میں بیگم شاہدہ احمد طوسی، بیگم اسلم فرخی۔ اور سعیدہ افضل وغیرہ شامل ہیں۔

اس آئینہ خانے میں

مولانا ضیاءالدین احمد برنی کی علالت

مشہور ادیب مولانا ضیاءالدین احمد برنی دو ماہ سے سخت علیل ہیں۔ وہ دِق کے مرض کی شدت میں مبتلا ہیں۔ لیکن اس علالت کے باوجود انہوں نے لکھنے پڑھنے سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اور اس دوران کئی قابلِ قدر اور اہم تصانیف اور تالیفات ترتیب دیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ A CRITICAL STUDY OF THE FOUR GOSPELS

یہ کتاب انگریزی میں ہے۔ اور اسے "ادارہ وقف" شائع کر رہا ہے۔

۲۔ لارڈ رپن کے واقعات۔ یہ لارڈ رپن کے واقعات کی ڈائری کا ترجمہ ہے۔ جو اردو میں پہلی بار کتابی شکل میں شائع ہوگا۔

۳۔ مولانا محمد علی جوہر ۔ یہ کتاب مولانا محمد علی جوہر کے اہم واقعات پر مشتمل ہے اور اسے اردو اکادمی شائع کر رہی ہے۔

۴۔ مضامین ۔ پہلا حصہ اردو مضامین پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے میں مصنف کے انگریزی میں لکھے ہوئے مضامین شامل ہیں۔

۵۔ مشاہیر کے خطوط۔ دو حصے۔ ایک انگریزی میں اور دوسرا اردو میں۔

فیض کے ساتھ ایک شام

تاریخی مجلس کے زیرِ اہتمام "فیض کے ساتھ ایک شام" منائی گئی جس میں فیض کے بے شمار مداحوں نے شرکت کی۔ صدرِ جلسہ جسٹس رحمان نے فیض کو زبردست

خراجِ تحسین پیش کیا۔ اور کہا کہ فیض ایک عالمی شاعر ہیں۔ ان کے علاوہ جناب عباس احمد عباسی اور تاریخی مجلس کے معتمد جناب حمید علی نے فیض پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ فیض نے اس تقریب میں وادیِ سینا کے عنوان سے اپنی نئی نظم اور بعض دوسری نظمیں سنائیں فریدہ خانم نے فیض کی چند غزلیں گا کر محفل کو اور پُرلطف بنا دیا۔

انیس خورشید کو انعام

جامعہ کراچی کی سنڈیکیٹ نے فنِ کتاب داری پر انیس خورشید صاحب کی علمی اور تحقیقی خدمات کے سلسلے میں ۵۰۰ روپے انعام دیا ہے۔ انیس خورشید صاحب شعبہ فنِ کتاب داری جامعہ کراچی کے صدر رہ چکے ہیں۔ اور آج کل امریکہ کی پٹسبرگ یونیورسٹی سے اسی فن پر ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں انیس خورشید صاحب کی دو کتابیں شائع ہو کر مقبولِ عام ہو چکی ہیں۔ تیسری کتاب "کتب خانہ ایک جائزہ" مشتاق بک ڈپو کراچی سے شائع ہونے والی ہے۔

پاکستانی شاعر کو برطانوی وظیفہ

پاکستان کے ایک شاعر اور ناول نویس جناب ذوالفقار غوث کو برطانیہ کی آرٹس کونسل نے بارہ سو اسٹرلنگ کا شاعری کا وظیفہ دیا ہے۔ جناب ذوالفقار غوث کو برطانیہ میں بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ اُن کا ناول "دی مرڈر آف عزیز خاں" کو برطانوی اخبارات نے بے حد سراہا تھا۔ اُن کی نظموں کا مجموعہ میکمیلن اینڈ کمپنی شائع کر رہی ہے۔ جناب غوث اعظم ۱۷ سال کی عمر میں انگلستان گئے تھے جہاں انہوں نے سلون اسکول جیلسی میں پھر کیبل یونیورسٹی میں تعلیم کی تکمیل کی۔ یہیں سے انہوں نے "یونیورسٹیز لوپمپریس" کے نام سے ایک جریدہ نکالا تھا۔

یادوں کے چراغ

شعرائے آگرہ

آگرے میں اُن شاعروں کی یاد میں ایک سہ روزہ جشن منایا جا رہا ہے۔ جو آگرے میں پیدا ہوئے تھے۔ اُس کا انتظام ناگری پرچارنی سبھا نے کیا۔ جشن میں آگرے کے شعرا پر مقالات پڑھے جائیں گے۔ اور انہیں خراجِ تحسین ادا کیا جائے گا۔ ان شعرا میں اردو اور دوسری زبانوں کے مندرجہ ذیل شعرائے کرام شامل ہیں۔ مرزا غالب نظیر اکبرآبادی، سورداس خان خاناں رانگیے راگھو گھاب رائے۔ ادر للو لعل اور پنڈت ستیہ نارائن۔

نظیر کی صد سالہ جوبلی

انجمن اسلامیہ پاکستان کی جانب سے نومبر کے آخری ہفتے میں نظیر اکبرآبادی کی صد سالہ جوبلی منائی جا رہی ہے۔ اردو کے اس بے نظیر شاعر کی یاد جناح کالج میں منائی جائے گی۔ جو کے چار اجلاس ہوں گے۔ اور اس میں شرکت کے لئے ہندوستان سے بھی ادیبوں اور شاعروں کو بلایا جائے گا۔ جلسے کے اہتمام کے لئے تین سب کمیٹیاں بنا دی گئی ہیں۔ جو اس جوبلی کے مختلف اجلاسوں پر تجاویز مرتب کر رہی ہیں۔ جوبلی ادبی اجلاس مقالات و مضامین) ڈرامے اور مشاعرے وغیرہ پر مشتمل ہوگی۔

ماتم میں ہم شریک

عبدالعزیز فطرت

پاکستان کے ادبی حلقوں میں یہ خبر افسوس سے سُنی جائے گی۔ کہ اردو کے کہنہ مشق شاعر اور مشہور اہلِ قلم عبدالعزیز فطرت ۵ راکتوبر ۱۹۶۷ء کو انتقال فرما گئے۔ عبدالعزیز فطرت کا کلام اردو کے تمام ادبی رسائل میں شائع ہوتا رہا ہے۔ وہ ذیابیطس کے مرض میں مبتلا تھے۔ کچھ عرصے قبل "جشنِ فطرت" بڑی دھوم سے منایا گیا تھا۔ ادارۂ "قومی زبان" اس سانحے پر مرحوم کے پسماندگان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

نذر سجاد حیدر

مشہور ناول نگار اور ادیبہ نذر سجاد حیدر کا بمبئی میں ۷۳ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ وہ عرصے سے صاحبِ فراش تھیں۔ نذر سجاد حیدر کا شمار اس دور کی بہترین خواتین میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے پہلی بار تعلیم حاصل کی۔ اور روشن خیالی عام کی۔ وہ اپنے زمانے کی مقبول ترین مصنفہ تھیں اور خواتین کے ادب میں اُن کا مقام منفرد ہے۔ نذر سجاد حیدر کا مشہور ادیب سجاد حیدر یلدرم کی شریکِ حیات تھیں۔ اس سانحے پر ادارۂ "قومی زبان" مرحوم کی صاحبزادی مشہور ادیبہ قرۃ العین حیدر سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

سمیع آرٹسٹ

۲ راکتوبر ۱۹۶۷ء کو کراچی میں برِّصغیر کے ممتاز آرٹسٹ اور کارٹونسٹ جناب سمیع کا انتقال ہوگیا۔ سمیع مرحوم ایک تاریخی امانت تھے۔ وہ مولانا محمد علی جوہر کے مشہور اخبارات "کامریڈ" اور "ہمدرد" میں بھی کارٹون بنا چکے ہیں۔ اُن کی رحلت سے ایک پورے دور کی یادیں خاک میں مل گئیں۔ ادارہ "قومی زبان" مرحوم کے پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

آئینۂ ہند

جے پرکاش نارائن کی تقریر:۔

ایک جلسہ عام میں مشہور رہنما جے پرکاش نارائن نے اردو اور ہندی کے مسئلے پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ اردو کو صرف پاکستان کی زبان کہنا غلط ہے۔ کیوں کہ اردو جسطرح پاکستان کی زبان ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی بھی ہے۔

شاہکار کا خاص نمبر

ماہنامہ "شاہکار" ۱۲۴۔ بخشی بازار۔ الہ آباد۔ جنوری ۱۹۶۸ء میں اپنا خاص نمبر پیش کر رہا ہے۔ جو ناولٹ نمبر ہوگا۔ جس میں ۹ عظیم ناولٹ شائع کیے جا رہے ہیں۔ صفحات ۲۵۰ اور قیمت ۲ روپے ہوگی۔ اس کے بعد جون اور جولائی میں بھی ایک خاص نمبر نکالنے کا اعلان کیا گیا ہے۔

مسلم مجلس مشاورت کا میمورنڈم

یو پی کی مسلم مجلس مشاورت کی مجلس عاملہ نے حال میں جو تجاویز منظور کی ہیں۔ اُن میں اردو کے بارے میں بھی ایک تجویز ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ اردو کو دوسری

سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے۔ گزشتہ بیس سال میں اردو کے حقوق کے بارے میں درجنوں یادداشتیں پیش کی جا چکی ہیں۔ اس تجویز میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ محض ہندی کی درخواستیں طلب کرنے کا حکم منسوخ کیا جائے۔ کیونکہ یہ حکم آئین کی دفعہ ۳۵ کے خلاف ہے۔

دوماہی "ادبی تبصرے" انجم لاج "کلاں محل" دہلی۔ سے ایک دوماہی رسالہ "ادبی تبصرے" شائع ہو رہا ہے۔ یہ صرف معیاری کتابوں، ادبی اور علمی رسالوں، دانش گاہوں اور انجمنوں کی سرگرمیوں پر تبصروں پر مشتمل ہوگا۔ "ادبی تبصرے" کے ادارے میں ڈاکٹر قمر رئیس اور خلیق انجم شامل ہیں۔

اردو جماعتوں کا اتحاد یہ احساس یوپی کے پورے صوبے میں برابر پھیل رہا ہے۔ کہ یوپی میں اردو کے لئے کئی جماعتی محاذ الگ الگ قائم ہیں۔ جس کی وجہ سے اُن کی متحدہ قوت قائم نہیں ہو پاتی اس بات کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ ان سب محاذوں کو ایک ہی کڑی میں پرو دیا جائے۔

اردو اور ہندی ساتھ ساتھ نئی دہلی میں ہندوستان کے اردو اور ہندی ادیبوں نے ایک مشترکہ بیان میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ملک کے تمام تعلیمی اداروں میں اردو اور ہندی کی تعلیم ساتھ ساتھ دی جانی چاہیئے۔ اس بیان پر دونوں زبانوں کے نمائندہ ادیبوں کے دستخط ہیں۔

سید احمد خاں۔ حالات وافکار
بابائے اردو

ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنی نشاۃ ثانیہ کے اولین معمار سید احمد خاںؒ کی شخصیت اور علمی کارناموں کا جائزہ جس میں بابائے اردو نے سر سید کے حالات اور افکار کے بعض پہلوؤں پر نئے انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کو مولانا حالی کی "حیات جاوید" کا ضمیمہ سمجھنا چاہیئے۔

قیمت چار روپے

غالب ۔ فکر و فن
ڈاکٹر شوکت سبزواری

مطالعۂ غالب کے سلسلے میں ڈاکٹر شوکت سبزواری درجۂ استناد رکھتے ہیں۔ انہوں نے غالب کی شخصیت، اس کے ماحول اور فن کے بارے میں وقتاً فوقتاً جو مقالات لکھے ہیں انہیں اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ قیمت پانچ روپے

مقالات حالی (اوّل)
مولانا الطاف حسین حالی

مولانا الطاف حسین حالی مرحوم کے علمی، ادبی اور دینی مضامین جو مختلف اخباروں اور رسالوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے تھے ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔

قیمت: تین روپے

انجمن ترقی اردو بابائے اردو روڈ کراچی ۱

ایک عظیم الشّان علمی کارنامہ

قاموس الکتب

کتابوں سے متعلق یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہوگی۔ پہلی جلد جو مذہبی کتابوں سے متعلق ہے۔ شائع ہو چکی ہے۔ یہ اسلام اور دیگر مذاہب کے بارے میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی مکمل فہرست ہے جس میں تقریباً بارہ ہزار کتابوں کے متعلق بنیادی معلومات دی گئی ہیں۔

یہ کتاب ۲۰×۳۰/۸ تقطیع کے چودہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۲۶ عنوانات کے تحت کتابوں کو تقسیم کیا گیا ہے۔ آخر میں ۲۰۰ صفحات کا اشاریہ ہے۔ شروع میں بابائے اردو کا فاضلانہ مقدمہ ہے۔

قیمت چالیس روپے

انجمن ترقی اردو

بابائے اردو روڈ۔ کراچی ۱

نئے خزانے

(جنوری تا جون ۱۹۸۳ء کے رسائل کا موضوع وار اشاریہ)

قسط سوم

مرتبہ
ابو سلمان شاہجہانپوری

انجمن ترقی اردو (پاکستان)
کراچی

اس مرتبہ جنوری تا جون ۱۹۸۹ء چھ ماہ کا اشاریہ ایک ساتھ ترتیب دیا گیا ہے اور یہ اس کی تیسری قسط ہے اس میں پچھلے دو برس کے بعض وہ رسائل بھی شامل ہیں جو اس سے پہلے دستیاب نہ ہو سکے تھے۔

اشاریے کی تیاری میں جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ صرف ان ہی حضرات کو ہو سکتا ہے جو اس قسم کے کاموں کا تجربہ رکھتے ہیں۔ رسائل کی فراہمی ایک بڑا مشکل کام ہے، اس کے لئے پوری کوشش کی جاتی ہے۔ پھر بھی بعض رسالے نظر سے نہیں گزرتے۔ مدیران کرام کو بار بار خطوط لکھے جاتے ہیں اور—

وان ایک خامشی تری سب کے جواب میں

کے مصداق وہ تعاون حاصل نہیں ہوتا جو اس قسم کے کاموں کے لئے ضروری ہے۔ ہم نے اپنے وسائل کی حد تک اس اشاریے کو ہر اعتبار سے جامع بنانے کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی ممکن ہے بعض رسائل نظر انداز ہو گئے ہوں۔ اور ان کے حوالے اس میں موجود نہ ہوں۔ ہم اپنے قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر کوئی حوالہ اس اشاریے میں نہ ہو تو وہ ہماری رہنمائی فرمائیں تاکہ آیندہ اقساط میں اسے شامل کر لیا جائے۔

(ادارہ)

تصوف

ابو الفتح، مولانا	ینابیع ۔ تصوف کی ایک نایاب تصنیف	الرحیم، ص ۵۳۲ تا ۵۴۱، دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸
ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر	تاریخ تصوف کا ایرانی اور ہندی پس منظر	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۷ تا ۱۵، جنوری
ملا واحدی	صحیح صوفی	ہمدرد صحت، ص ۱۲ تا ۱۴ + ۱۵۲، دسمبر
جلال شاہجہانپوری	ویدانت درشن ۔ ہند کا فلسفہ تصوف	صبح امید، ص ۱۱ تا ۱۵، جون
ہانس کرز، ڈاکٹر	تصوف اور عصریت	برہان، ص ۲۱۰ تا ۲۱۸، اپریل

تعلیمات

ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر	کچھ ذریعہ تعلیم کے بارے میں	نصرت، ص ۵ تا ۹، دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸
احمد، احمد حسین	ضلع لاہور کی تعلیمی رپورٹ	صحیفہ، ص ۵۹ تا ۷۵، اپریل
احمد حسین رسولپوری مبارکپوری، مولانا	التحصیل والتکمیل	البلاغ، ص ۱۲ تا ۲۸، جنوری
" "	" "	" " ص ۲۵ تا ۲۸، فروری
اختر بجلی، نعمت علی	اردو میں سائنس کی تعلیم کا مستقبل ۔ ایک جائزہ	کتابی دنیا، ص ۱۰ تا ۱۴، اپریل
ارشد، علامہ عبد الحمید	آزاد اسلامی یونیورسٹی	الجامعہ، ص ۹۶ تا ۱۰۳، جولائی
اصلاحی، مولانا امین احسن	طلبا سے خطاب	میثاق، ص ۷۳ تا ۷۷، اپریل
افغانی، مولانا سید شمس الحق	برصغیر میں اسلامی مدارس اور معاشرہ پر ان کا اثر	مجلہ جامعہ اسلامیہ، ص ۶۱ تا ۸۱
اقبال ملک، ممتاز	نظام تعلیم	قندیل، ص ۱۸ + ۴۴، ۱۲ مارچ
امیر احمد، مخدوم	برصغیر میں مغربی تعلیم کا نفاذ اور اسلامی تعلیمات کو محفوظ رکھنے کے لئے دینی درسگاہوں کی جدوجہد	مجلہ جامعہ اسلامیہ، ص ۸۱ تا ۸۸
امین، قاری محمد	دینی تعلیم کے ذرائع اور طریق کار	" " ص ۵۳ تا ۵۷
انجم اعظمی	سائنس کی تعلیم	افکار، ص ۲۳ تا ۴۳ + ۴۴، مئی
" "	عمرانی علوم کی تعلیم	" " ص ۲۳ تا ۲۷، جون
انیس الدین انصاری	روس کا تعلیمی نظام	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۵ تا ۱۰، فروری
برکاتی، مسعود احمد	اپنے بچے کا گلا نہ گھونٹیے	ہمدرد صحت، ص ۴۳ تا ۵۵، جنوری

مصنف	عنوان	ماخذ
جار اللہ، الٰہی بخش	فکر اسلامی کی روشنی میں جامعۂ اسلامیہ بہاولپور کا قیام اور اس کا نصب العین	مجلہ جامعہ اسلامیہ، ص ۱۲۳ تا ۱۳۵،
حامد حسن بلگرامی	اسلام میں تعلیم کا نصب العین	" " " ۵۲ تا ۶۳،
" "	اسلام کا نظریہ تعلیم اور معاشرہ	سیارہ، ص ۶۳ تا ۷۲، فروری
حسام اللہ شریفی، محمد	نظام تعلیم	فاران، ص ۲۳ تا ۳۴، "
حسن الدین ہاشمی	اسلامی درسگاہیں اور معاشرہ پر ان کا اثر	مجلہ جامعہ اسلامیہ، ص ۳۳ تا ۴۵،
حمید احمد خاں	خطبہ صدارت ـ بتقریب عطائے اسناد، اسلامیہ کالج گوجرانوالہ	محور، ص ۱۱ تا ۱۷،
خورشید احمد	مسلمانوں کی تعلیمی روایت	چراغ راہ، ص ۱۵ تا ۲۲، مئی
" "	" "	فکر و خیال، ص ۱۵ تا ۲۲،
رحمان، ایس اے	تعلیمی مسئلہ کے چند پہلو	ثقافت، ص ۴۷ تا ۵۲، مارچ
رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر	سماجی و اقتصادی ترقی میں تعلیم کا حصہ	فکر و خیال، ص ۱ تا ۱۳، جنوری
" "	ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ میں تعلیم کا حصہ	" " ۸ تا ۱۱،
سبحانی، مولانا عنایت اللہ	مشن اسکولوں میں تعلیم ـ دینی نقطۂ نظر سے	زندگی، ص ۴۸ تا ۵۶، جنوری
سلامت اللہ، ڈاکٹر	تعلیم اور فطرت انسانی	اردو، ص ۴۷ تا ۶۳، اپریل
شفائی، حکیم	زرعی یونیورسٹی	قومی زبان، ص ۸۰ تا ۸۲، فروری
عبد العزیز، ڈاکٹر محمد	تعلیمی سرمایہ کاری	تہذیب الاخلاق، ص ۱۱۳ تا ۱۲۵، جنو
عبد القدوس، مولانا	پشاور یونیورسٹی میں علوم اسلامیہ کی تعلیم	مجلہ جامعہ اسلامیہ، ص ۹۶ تا ۱۱۲،
عبد اللہ، ڈاکٹر سید	کردار اور گفتار (جوہر آباد کالج میں ایک خطبہ)	چٹان، ص ۷ تا ۸، ۱۶، ۲۰ مارچ
عرشی، امتیاز علی	زانوجی کا نظام تعلیم و تعلم	صحیفہ، ص ۹ تا ۲۹، جنوری
عطا محمد چشتی، مولانا	اسلامی تعلیمات کے لئے ایک لائحۂ عمل	مجلہ جامعہ اسلامیہ، ص ۱۴۷ تا ۱۵۲،
عنایت اللہ، ڈاکٹر شیخ	پاکستانی یونیورسٹیوں میں علوم اسلامیہ کی تعلیم	" " " ۹۰ تا ۹۶،
عنایت اللہ	مغلوں کے عہد میں تعلیم	عالمی ڈائجسٹ، ص ۸ تا ۲۲، اپ
فضل الرحمان، ایم	پاکستان میں تعلیم کے جدید رجحانات	فکر و خیال، ص ۱۴ تا ۱۹،
قادر مرحوم، مولوی محمد	۱۹۰۷ء کے سندھ میں صنعتی تعلیم	العلم، ص ۳۵ تا ۴۳، جنوری تا

دیر امتیاز، ایم اے	تاشقند یونیورسٹی میں اردو طریقہ تعلیم	ہماری زبان، ص ۳، ۲۲ اپریل
رشی، الطاف حسن	ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سے انٹرویو	اردو ڈائجسٹ، ص ۲۴ تا ۳۳، جنوری
رنلیس، جسٹس اے آر	قانون کی تعلیم اور اردو	قومی زبان، ص ۵ تا ۹، اپریل
رم شاہ ازہری، مولانا سید	جدید و قدیم کا ایک حسین امتزاج جامعہ اسلامیہ بہاولپور کا قیام اور اس کا نصب العین	مجلہ جامعہ اسلامیہ، ص ۱۱۳ تا ۱۲۲
لال الدین بلوچ	قرآن کا نظریۂ تعلیم	سندھ مسلم کالج میگزین، ص ۲۹ تا ۴۵، اپریل
حسن صبیح	ایک ماہر تعلیم کے نظریات (ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی)	فکر و خیال، ص ۱۲ تا ۱۴
لمزا علی	قواعد اور انگریزی تعلیم	" ، ۲۳ تا ۲۵
رعلی خاں، خان	خطبہ صدارت ـ کانفرنس فروغ تعلیمات دین	مجلہ جامعہ اسلامیہ، ص ۱۳ تا ۱۸
زر احمد، حافظ	پاکستان میں ایک غیر اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت	میثاق، ص ۲۳ تا ۳۴، مئی
نعمانی، محمد حسین خاں	آزاد اسلامی یونیورسٹی	الجامعہ، ص ۷ تا ۲۰، اپریل
یم صدیقی	ہمارا موجودہ نظام تعلیم	فکر و خیال، ص ۷ تا ۱۲، جنوری
دانی، نذیر احمد	ضلع سبیلہ میں تعلیمی ترقی	العلم، ص ۲۴ تا ۴۸، اکتوبر تا دسمبر
ولی اللہ خاں، ڈاکٹر	تعلیم اور معاشرہ	میثاق، ص ۲۱ تا ۳۶، جون
الی پوتا، ڈاکٹر عبدالواحد	پاکستان کے ترقی پذیر معاشرے کے لئے ایک تعلیمی لائحہ عمل	مجلہ جامعہ اسلامیہ، ص ۱۲۷ تا ۱۴۶
———	پروفیسر حمید احمد خاں (سے انٹرویو)	محفل، ص ۱۰۸ تا ۱۸۷، جنوری فروری
———	نظام تعلیم ـ خلفائے عباسیہ کے عہد میں	شہاب، ص ۹۹، ۱۱۰، ۱۲ اپریل

تہذیب و ثقافت اور فنون لطیفہ

امینی، مولانا محمد تقی	تہذیب کی تشکیل جدید	معارف، ص ۲۰ تا ۳۶، جنوری
" " "	" " "	" " ۱۰۵ تا ۱۱۸، فروری
رحمان، جسٹس ایس اے	پاکستانی ثقافت کا مسئلہ	ثقافت، ص ۵ تا ۱۰، جنوری
" "	" " "	لاہور، ص ۹ تا ۷، ۱۳ فروری

سبائی، شیخ مصطفیٰ	مغربی ثقافت اور اسلامی تمدن	چراغِ راہ، ص ۱۳ تا ۲۰، فروری
عبدالرحمٰن، چغتائی	ثقافتی قدریں	ثقافت، ص ۲۵ تا ۳۱، جنوری
عمر، پروفیسر احمد خالد	تہذیبِ حاضرہ کا جائزہ	سندھ مسلم کالج میگزین، ص ۸۰ تا ۸۴، اپریل
غوری، شبیر احمد خاں	انسانی تہذیب کی تاریخ میں اسلامی ثقافت کا مقام	فکر و نظر، ص ۲۴۱ تا ۲۵۸، نومبر
مبارک احمد، ملک	اسلامی تمدن ۔ ایک اصولی جائزہ	مجلۃ الجامعہ، ص ۵۷ تا ۶۴، جولائی تا ۲
وزیر آغا، ڈاکٹر	کلچر کا مسئلہ	ماہِ نو، ص ۳۰ تا ۳۴، اپریل
	پاکستان آرٹ کونسل	جہاں نما، ص ۲۰، یکم فروری

خود نوشت سوانح حیات

تمنا عمادی، مولانا	روداد حیات خود نوشت سوانح عمری	قومی زبان، ص ۳۴ تا ۴۷، مارچ
حسن البنا شہید		
معروف شاہ شیرازی (مترجم)	قاہرہ کا پہلا سفر — بہ سلسلہ مذاکرات حسن البنا شہیدؒ	چراغِ راہ، ص ۵۳ تا ۵۸، اپریل
حسین شاہ	شاہ حسین کے خود نوشت سوانح حیات	امروز، ص ۷، ۱۸ جون
"	خود نوشت سوانح حیات	" " ۹، ۱۲، ۲۵ جون
عالم، ایس این	سوانح [1]	جہاں نما، ص ۱۹، ۱۳ مارچ
عبدالماجد دریابادی، مولانا	عمر کا ۷۵ واں سال	صدق جدید، ص ۱ تا ۳، ۱۷ مارچ
" "	" "	ہمدرد صحت، ص ۹ تا ۱۱، جون
عبداللہ، ڈاکٹر سید محمد	مجھے ہمیشہ یاد رہے گا (میرا بچپن)	کوہستان، ص ۱۵، یکم جون
فراق گورکھپوری، رگھوپتی سہائے	فراق گورکھپوری کا ایک خط (خود نوشت سوانح حیات) خیر بہوروی کے نام	فروغِ اردو، ص ۱۷ تا ۲۲، اپریل
قریشی، اشتیاق حسین	جب میں طالب علم تھا	اردو ڈائجسٹ، ص ۱۲۹ تا ۱۳۱، جون

[1] ایس این عالم سابق انسپکٹر جنرل پولیس مغربی پاکستان "سوانح" کے زیر عنوان اپنے دورِ ملازمت کے مختلف سیاسی، اخلاقی، قانونی، تاریخی اور دیگر دلچسپ اور پُر از معلومات، واقعات و مشاہدات تحریر فرماتے ہیں اس شمارے تک ان کی ۲۸ اقساط چھپ چکی ہیں

قیصری بیگم (نواسی ڈپٹی نذیر احمد)	کتاب زندگی (خودنوشت سوانح)	اردو نامہ، ص ۶۴ تا ۷۸، مارچ
مشتاق احمد خاں	میری ڈائری کے چند اوراق	نقوش، ص ۷۷ تا ۹۰، مئی
مہدی نواز جنگ، نواب	جب ہم پڑھتے تھے	ترقی اردو، ص ۳، یکم مئی
ناظر کاکوروی، سید مشیر احمد علوی	آشفتہ سری میری (۲)	العلم، ص ۶۸ تا ۷۴، اکتوبر تا دسمبر
ہارون خاں شروانی، پروفیسر	جب ہم پڑھتے تھے	ترقی اردو، ص ۳۰۰، ۲۹ مئی

ریاضیات

عبدالرشید، قاضی	ریاضیات ــ فکر کی اساس	محفل، ص ۴۳ تا ۴۶، جنوری فروری
نقوی، سید یحییٰ حسن	مہندسوں اور صفر کا مسئلہ	برہان، ص ۲۱۵ تا ۲۳۶، اپریل
″ ″	″ ″	″ ″ ۲۹۵ تا ۳۰۴، مئی

سیر و سیاحت

اکبر خاں، میجر جنرل محمد	میرا سفر چین (۱)	سیارہ ڈائجسٹ، ص ۱۶۳ تا ۱۶۸، مئی
″ ″	″	″ ″ ۱۷۷ تا ۱۸۹، جون
شروانی، مولانا حبیب الرحمان خاں	الفوز العظیم (سفرنامۂ حج)	معارف، ص ۸۵ تا ۱۰۴، فروری
شروانی، نواب صدر یار جنگ		
مولانا حبیب الرحمان خاں	الفوز العظیم (سفرنامہ حج)	″ ″ ۱۶۵ تا ۱۸۵، مارچ
شروانی، نواب صدر یار جنگ		
مولانا حبیب الرحمان خاں	″ (″ ″ ″)	″ ″ ۲۵۴ تا ۲۹۱، اپریل
طاہر صدیقی	بارہ روز پاکستان میں	ہمدرد صحت، ص ۶۴ تا ۸۸، مارچ
قریشی، الطاف حسن	قافلے دل کے چلے (سفر حجاز)	اردو ڈائجسٹ، ص ۱۱ تا ۳۰، مئی
قطب الدین، محمد	دریائے نیل (قسط ۱۵)	العلم، ص ۴۶ تا ۸۳، جنوری تا مارچ

شخصیات

مولانا ابوالکلام آزاد

آزاد، مولانا ابوالکلام	ازدواجی زندگی کا حقیقی مقصود (ایک نیازمند کی تقریب شادی کی دعوت کے جواب میں)	انوارِ اسلام، ص ۱۹ تا ۲۰، مارچ
" " "	اسوۃ النبی صلعم — تذکار نزول قرآن	المنبر، ص ۱۲ تا ۱۵، دسمبر
" " "	ایک غیر مطبوعہ خط عبدالکریم صابر کے نام	چٹان، ص ۲، ۲۰ر فروری
ابوسلمان شاہجہانپوری	امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد — سیرت کا ایک پہلو اور تاریخ دعوت و عزیمت کا ایک باب	الجمعیۃ دہلی، ص ۱+۸، ۱۹ر فروری
" "	امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد — سیرت کا ایک پہلو اور تاریخ دعوت و عزیمت کا ایک باب[1]	اجالا کلکتہ، ص ۴+۵ و ۷، ۲۶ر ا
" "	قول فیصل — الہلال کا ایک مضمون، مشہد اکبر نمبر ۱ اور اس کا مصنف	ہماری زبان، ص ۳ تا ۴ + ۶، ۷،
" "	مولانا آزاد پر کتابوں اور رسالوں کا اشاریہ	صبح، ص ۳۰ تا ۴۳، جنوری
" "	مولانا آزاد کی شاعری	" " ۱۵ تا ۲۲ + ۲۵، "
" "	مولانا ابوالکلام آزاد پر پہلی کتاب	کتابی دنیا، ص ۵ تا ۱۰، مارچ
" "	مولانا ابوالکلام آزاد پر پہلی کتاب	معارف، ص ۲۹۵ تا ۳۰۵، اپریل
" "	" " " (۱)	مدینہ بجنور، ص ۳، ۱۳ر مئی
" "	" " " (۲)	" " ۳، ۱۷ر "
" "	مولانا ابوالکلام آزاد کا غیر مطبوعہ کلام	چٹان، ص ۹ تا ۱۱ + ۱۸، ۲۰ر فروری
ابوعلی اعظمی	غبار خاطر[2] پر ایک نظر	" " ۷ تا ۸ + ۱۸، ۲۶ر جون
اعظمی، عبداللطیف	انڈیا ونس فریڈم — کیا مولانا آزاد کی تصنیف ہے؟	" " ۱۲ تا ۱۴ و ۹ تا ۱۰ + ۱۴، ۱۵ر ا
" "	" " " " "	مدینہ بجنور، ص ۲، ۳ر مئی
" "	" " " " "	صبح، ص ۱۰ تا ۱۴، جنوری و فروری
" "	" " " " "	مدینہ بجنور، ص ۲، ۹ر مئی

---

[1] یہ مضمون اخبار مدینہ بجنور مورخہ ۲۲ر فروری [illegible] میں بھی شائع ہوا ہے۔

[2] مجموعہ مکاتیب مولانا ابوالکلام آزاد

لی، عبداللطیف	انڈیا ونس فریڈم - کیا مولانا آزاد کی تصنیف ہے؟[1]	جامعہ، ص ۱۴۸ تا ۱۵۷، مارچ
"	" " " "[2]	صبح، ص ۲۷ تا ۳۵، "
"	غبار خاطر - ساہتیہ اکیڈمی ایڈیشن	" " ۴۵ تا ۴۴، "
	ملفوظات آزاد	چٹان، ص ۴ + ۱۷، ۲۰ فروری
ہی، امین عالم	غبار خاطر پر ایک نظر	کتابی دنیا، ص ۱۹ تا ۲۱، اپریل
"	" "[3]	قومی زبان کراچی، ص ۹۳ تا ۹۵، اپریل
نیہ سعدیہ	زلیخا بیگم (اہلیہ مولانا ابوالکلام آزاد)	چٹان، ص ۷، ۱۷ اپریل
یاض الرحمان شروانی	مولانا آزاد کا خط اور رشری سد حیر گھوش کا سفید جھوٹ	مدینہ، ص ۳، ۱۷ جون
رود، آل احمد	مولانا آزاد کی یاد میں	ہماری زبان، ص ۱، ۲۲ فروری
مدھیر گھوش	کیبنٹ مشن کے نام مولانا آزاد کا خفیہ خط	مدینہ، ص ۲ + ۶، ۹ جون
مدلقی، حبیب احمد	مولانا ابوالکلام آزاد کی اردو[4]	تحریک، ص ۲۹ تا ۴۰، جنوری
بدالباقی	انڈیا ونس فریڈم - کیا مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیف ہے	چٹان، ص ۱۷ تا ۱۸، جون
لی جواد زیدی	مولانا آزاد کی نثر	صبح، ص ۳۴ تا ۵۲، جنوری فروری
اروقی، ڈاکٹر خواجہ احمد	مولانا آزاد کی صحافی عظمت	تہذیب الاخلاق، ص ۱۲۶ تا ۱۳۰، جنوری تا مارچ
ریداحمد	انڈیا ونس فریڈم - جوابی تصریحات	چٹان، ص ۱۲ تا ۱۴، ۵ جون
"	" "	مدینہ، ص ۲، ۱۳ جون
"	" " (۲)	" " ۲، ۱۷ "
الک رام	غبار خاطر (مولانا آزاد)	تحریر، ص ۱۶۱ تا ۱۷۶
ہر، مولانا غلام رسول	آزادی ہند کی کہانی اور مولانا آزاد	جامعہ، ص ۳۰۳ تا ۳۱۵، جون

[1] مولانا غلام رسول مہر کے مضمون مطبوعہ صبح دہلی بابت ماہ جنوری فروری ۵۹ء کے جواب میں

[2] عبدالباقی، مولانا غلام رسول مہر، محمد اجمل خاں، مہر محمد خاں شہاب مالیرکوٹلوی، سید خلیل شاہ مکیش اکبرآبادی، اور ریاض الرحمان شروانی کے مکاتیب

[3] دلی یونیورسٹی میں ایک جلسے کی روداد اور غبار خاطر پر مالک رام کے مضمون کا خلاصہ

[4] منقول از ماہنامہ "نیا دور" لکھنؤ بابت ماہ اکتوبر ۵۹ء

مہر، مولانا غلام رسول	آزادیٔ ہند کی کہانی اور مولانا آزاد	صبح، ص ۷ تا ۹، جنوری فروری
،، ،،	،، ،، ،،	،، ،، ۲۳ تا ۲۶ + ۱۰، مارچ
،، ،،	،، ،، ،، (۱)	مدینہ، ص ۳، ۱۳ رجون
،، ،،	،، ،، ،، (۲)	،، ،، ۳ + ۵، ۲۵ رجون
،، ،،	انڈیا ونس فریڈیم — کیا مولانا آزاد کی تصنیف ہے؟	،، ،، ۵ رمئی
،، ،،	انڈیا ونس فریڈیم کے بارے میں	چٹان، ص ۱۲ تا ۱۳، ۸ رمئی
،، ،،	آزادیٔ ہند کی کہانی اور مولانا آزاد	،، ،، ۱۲ تا ۱۵، ۱۲ رجون
،، ،،	مولانا ابو الکلام آزاد کا تصورِ حدیث اور ان کی خدمات	الرحیم، ص ۲۱ تا ۳۶، مارچ
وقار انبالوی	آزادی کی بنیادیں — گوجھول کی بوچھاڑ میں رکھی گئیں (مولانا آزاد اور مولانا محمد علی جوہر کے متعلق دو واقعات)	چٹان، ص ۲، ۲۰ رفروری
،، ،،	ابو الکلام آزاد	،، ،، ۲، ۲۰ ر ،،

مولانا آزاد اور علامہ اقبال

ابو سلمان شاہجہانپوری	حضرت علامہ اقبال اور مولانا ابو الکلام آزاد — ادیبوں اور نقادوں کی نظر میں	چٹان، ص ۱۸ تا ۱۹ + ۲۷، ۲۴ اپریل
،، ،،	حضرت علامہ اقبال اور مولانا ابو الکلام آزاد — ادیبوں اور نقادوں کی نظر میں	مدینہ، ص ۲، ۲۹ رمئی
،، ،،	حضرت علامہ اقبال اور مولانا ابو الکلام آزاد — ادیبوں اور نقادوں کی نظر میں	،، ،، ۲، یکم جون
عبداللہ، ڈاکٹر سید محمد	اقبال اور ابو الکلام کے ذہنی فاصلے	چٹان، ص ۸ تا ۹، ۲۴ راپریل
مہر، مولانا غلام رسول	علامہ اقبال اور مولانا آزاد	،، ،، ۲ + ۱۸، یکم مئی

علامہ اقبال ؒ

آزاد، جگن ناتھ	اقبال اور مفکرین مغرب	آجکل، ص ۲ تا ۱۳، اپریل
،، ،،	اقبال — فکر و فن کا امتزاج	گفتگو، ص ۲۲۳ تا ۲۲۹

احسن علی خاں	اقبال کا ساقی نامہ	افکار، ص ۲۸ تا ۳۵، مئی
احمد شجاع، حکیم	اقبال کے نظریہ خودی کا صحیح مفہوم	چٹان، ص ۵ تا ۱۶+۲۶، ۲۲ راپریل
اختر، شیر محمد	تعلیمات اقبال	قندیل، ص ۳، ۲۴ راپریل
اسرار احمد سہاروی، پروفیسر	علامہ اقبال کا نظریۂ ابلیس	سیارہ، ص ۲۵ تا ۳۰، ”
اشرف بخاری، سید	اقبال اپنے پیغام کی روشنی میں	نوائے وقت، ص ۳+۶، ۲۱ راپریل
اصلاحی، مولانا امین احسن	علامہ اقبال کی تعلیم کے بارے میں میرا تاثر	چٹان، ص ۲۵، ۲۴ راپریل
اقبالؒ، علامہ	اقبال کا ایک غیر مطبوعہ خط بنام سکندر علی وجد	اردو ادب، ص ۱۶۴،
”	اقبال کے چند غیر مطبوعہ خطوط بنام مہاراجہ کشن پرشاد شاد	اردو، ص ۸۵ تا ۹۱، اپریل
” ”	اقبال کے دو غیر مطبوعہ خطوط[1]	ادبی دنیا، ص ۹، ستمبر و اکتوبر
اقبال	علامہ اقبال کا وصیت نامہ	جنگ، ص ۱۹، ۲۴ راپریل
” ”	علامہ اقبال کے چند غیر مطبوعہ خطوط	” ” ۲، ۲۴ ر ”
” ”	علم ظاہر و علم باطن (ایک غیر مطبوعہ مضمون)	” ” ۱۰، ۲۴ ر ”
اقبال بانو	اقبال کا تصور انسان کامل	” ” ۳، ۲۴ ر ”
اورنگ زیب اعوان، محمد	اقبال اور رسالت	جہاں نما، ص ۱۷+۲۶، ۱۰ رمئی
اوس، ایس ایم	مسلمانوں کو اپنی ترقی کے لئے کیا کرنا چاہیے — علامہ اقبال کے استاد مولانا میر حسن کی رائے	جنگ، ص ۱۰، ۲۴ راپریل
ابن اکرام	اقبال کی شاعری اور اس کا پس منظر	جام نو، ص ۹۵ تا ۹۸، اقبال نمبر
ایوب خاں محمد	شاعر مشرق کی برسی پر صدر ایوب کا پیغام	جنگ، ص ۲، ۲۲ راپریل
برنی، ضیاء الدین احمد	اقبال، دیگر مشاہیر اور عطیہ فیضی	ماہ نو، ص ۱۲ تا ۲۶، اپریل
”	ڈاکٹر اقبال	جام نو، ص ۱۰۴ تا ۱۱۰، اقبال نمبر
بشارت علی قریشی، ڈاکٹر محمد	پردہ اٹھنے کی	سیارہ، ص ۷۴ تا ۸۳، اپریل
بقا، محمد شریف	قیام پاکستان میں اقبال کا حصہ	نوائے وقت، ص ۲، ۲۱ ر ”
” ”	کلام اقبال میں طنز و مزاح کے موتی	امروز، ص ۱۰، ۲۲ راپریل

---

[1] شیخ غلام قادر گرامی اور سید مصطفیٰ حسن رئیس جگراؤں کے نام

بیدار، عابد رضا	عظیم اور لازوال (ہیمر شیلڈ) اور اقبال کی ڈائریوں کا انتخاب (ترجمہ)	اردو ادب، ص ۲۳۱ تا ۲۴۶،
تاثیر، ڈاکٹر	اقبال	قندیل، ص ۱۳، ۲۳ اپریل
تحسین سروری	شاعر مشرق کے خطوط قائد اعظم کے نام	جنگ، ص ۱۹، ۲۴ ”
جاوید اقبال، ڈاکٹر	اقبال کے تصور شیطان کے ماخذ	تحریک، ص ۱۲ تا ۴۲، جون
جمالی، جمال احمد	اقبال (رپورتاژ)	حریت، ص ۹، ۲۲ اپریل
جمیل زبیری	اقبال کا ذہنی ارتقاء	جام نو، ص ۵۳ تا ۶۴، اقبال نمبر
جمیلہ شاہین	عورت ـ اقبال کی کمزوری	فنون، ص ۲۳ تا ۳۴، جولائی و اگست
جوش ملیح آبادی	یاد اقبال	قومی زبان، ص ۱۱ تا ۱۲، اپریل
جوش ملسیانی	داغ اور اقبال	چٹان، ص ۱۴، ۲۴ اپریل
جوہر، تریبھے رام	حالی، اکبر اور اقبال	قومی زبان، ص ۶۵ تا ۷۰، اپریل
چغتائی، عبدالرحمان	کیا مسلمانوں کی مصوری کا مستقبل ہے؟ (علامہ اقبال کا ایک استفسار)	جنگ، ص ۰۰، ۲۳ اپریل
حسن قریشی، حکیم محمد	اقبال ۱۹۲۰ء میں نظریۂ قومیت کے حامی تھے	” ” ۲، ۲۴ ”
” ”	تنگ آکر لب فریاد ہوا	مشرق، ص پ، ۲۱ ”
” ”	مکالمہ خضر و اقبال	امروز، ص ۲۳ ”
حمود الرحمان جسٹس	خطبہ صدارت ـ یوم اقبال	چٹان، ص ۵ تا ۱۰، یکم مئی
خالدہ بیگم ـ رضیہ فاطمی اور ارشد جاوید	میرے پسندیدہ شاعر ـ اقبال	ساغر، ص ۳۴ تا ۳۶، ۲۱ اپریل
خان بہادر چودھری	اقبال اقبال کی نظر میں	قندیل، ص ۱۰، ۲۳ اپریل
ڈار، بشیر احمد	اقبالیات اور اقبال اکیڈمی پر ایک نظر	جنگ، ص ۱۱، ۲۴ ”
ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین	شبلی کی تاریخ رحلت اور اقبال	اردو، ص ۹۲ تا ۹۴، ”
رحمت فرخ آبادی	اقبال ایک تاریخ ساز	نگار پاکستان، ص ۷۸ تا ۸۱، مئی جون
رشید احمد صدیقی	چند ملاقاتیں چند یادیں	حریت، ص ۱۶، ۲۲ اپریل
رضا،	ہمارا اقبال	مخزن، ص ۱۵ تا ۱۶، ۱۴ ”
رہبر، محفوظ الرحمان	علامہ اقبال اور تصور شاہین	جام نو، ص ۱۳۶ تا ۱۳۸، اقبال نمبر

رفعت، سید مبارز الدین	علامہ اقبال کے ایک شعر کا مفہوم[1]	ہماری زبان، ص 6 تا 7، 14ر اپریل
ریاض الرحمان شروانی	ڈاکٹر اقبال اور نواب صدر یار جنگ — نواب حبیب الرحمان خاں شروانی	چٹان، ص 3 تا 8، 22ر اپریل
ذکریا، خواجہ محمد	اقبال اور فاشزم	محور، ص 44 تا 46
زیب النساء بیگم	علامہ اقبال کی شاعری کا پس منظر	قندیل، ص 4، 22ر 4ر
ساقی، ف۔م	اقبال اور پاکستان	ساغر، ص 3، 21ر اپریل
سحر انصاری	یوم اقبال کی تقریبات کی چند جھلکیاں	افکار، ص 38 تا 40، جون
سرفراز احمد، سید	اقبال اور نطشے	قندیل، ص 6، 22ر اپریل
سرور اکبرآبادی	اقبال کا نظریہ خودی	جام نو، ص 116 تا 118، اقبال نمبر
سرور، آل احمد	اقبال اور ہم (اداریہ)	ہماری زبان، ص 1 تا 2، 22ر اپریل
سعید نفیسی		
عبدالصمد صارم (مترجم)	شاعر مشرق — میری نظر میں	امروز، ص 11، 22ر اپریل
سکوت خلوتی	اقبال منسوخ	سیارہ، ص 15 تا 18، جون
سلطان احمد	اقبال کا نظریہ خودی اور آل احمد سرور	نگار پاکستان، ص 43 تا 45، فروری
"	اقبال اور نظریہ خالص دوراں — اعتراضات کی روشنی میں	" " 41 تا 48، جنوری
سمیع الوری	اقبال اور مقام بندگی	جام نو، ص 123 تا 126، اقبال نمبر
سیف الدین	کلام اقبال میں مناظر فطرت	چٹان، ص 13 تا 18، 10ر اپریل
شاہد	دگر دانائے راز آید کہ نآید	نوائے وقت، ص 7، 21ر "
شاہین، افتخار احمد	کلام اقبال کی بعض نمایاں خصوصیات	نگار پاکستان، ص 70 تا 72، اپریل
شفیق، شفیق احمد	اقبال کا پیغام جہد و عمل	جام نو، ص 119 تا 122، اقبال نمبر
شمسی طہرانی، ایچ ایم ضیاء الدین	تسامحات اقبال	تحریک، ص 30 تا 37، جون
شمل، پروفیسر ڈاکٹر اینی میری	فکر اقبال کا مستقبل	چٹان، ص 8، 24ر اپریل

---

[1] شعر یہ ہے ؎ پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر — مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

شورش کاشمیری	غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد	چٹان، ص ۱۱ + ۱۴، ۲۹ مئی
شہاب الدین، خواجہ	اقبال کی صحیح یادگار	شہاب، ص ۲ تا ۸، ۱۴ ر "
شیدائی، پروفیسر اسلام الحق	اقبال کا نظریۂ سخت کوشی	سیارہ، ص ۳۱ تا ۳۴، اپریل
صابر، مرزا صابر بیگ	خودی کیا ہے؟	قندیل، ص ۹، ۲۳ ر "
صادق حسین ایڈوکیٹ	علامہ اقبال کی چند یادیں	نوائے وقت، ص ۲، ۲۱ ر "
صدیقی، اویس صالح	اقبال ایران اور پاکستان کے رشتوں کی ایک کڑی	جنگ، ص ۱۱، ۲۹ راپریل
صدیقی، محمد احمد	اقبال کی غزل گوئی — بال جبریل کی روشنی میں	جام نو، ص ۱۲۷ تا ۱۳۵، اقبال نمبر
صلاح الدین احمد، مولانا	مرد مومن کا مقام	قندیل، ص ۹، ۲۳ راپریل
صوفی، خالد نظر	چند یادداشتیں — شاعر مشرق کی گھریلو زندگی	نوائے وقت، ص ۸، ۲۱ ر "
"	سادگی اور بردباری کا مجسمہ — اقبال	امروز، ص ۸، ۲۳ راپریل
صولت جعفر، خواجہ	اقبال کی شاعری کے مختلف ادوار	جام نو، ص ۱۳۹ تا ۱۴۲، اقبال نمبر
طاہر فاروقی، ڈاکٹر	اقبال کا تصور مرد مومن	فنون، ص ۱۲ تا ۲۰، جولائی و اگست
"	" " "	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۹ تا ۲۱، اپریل
ظفر علی خاں، مولانا	اقبال	قندیل، ص ۱۲، ۲۳ راپریل
ظفر ہاشمی، صاحبزادہ سید	علامہ اقبال کے ترانے کی شان نزول	چٹان، ص ۱۵ + ۱۷، یکم مئی
عارف سنبھلی	حکیم الامت علامہ اقبال	جام نو، ص ۱۴۷ تا ۱۵۰، اقبال نمبر
عاشق ہرگانوی، مناظر	اقبال کا فلسفۂ عقل و عشق	" " ۱۱۱ تا ۱۱۵، "
عباداللہ فاروقی	اقبال بحیثیت مفکر و مجتہد	ماہ نو، ص ۷ تا ۲۰، اپریل
"	اقبال کا تصور ابلیس	سیارہ، ص ۳۴ تا ۴۹، جون
"	قرۃ العین طاہرہ اور اقبال	امروز، ص ۹، ۲۳ راپریل
عبدالحکیم، خلیفہ	خلیفہ عبدالحکیم کا ایک یادگار مضمون	جنگ، ص ۲۰، ۲۳ ر "
عبدالرحمان، سید صباح الدین	علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی	چٹان، ص ۲۰ تا ۲۲، ۲۴ ر "
عبدالسلام	اقبال اور اشتراکیت	کتابی دنیا، ص ۴ تا ۹، اپریل
"	تعلیمی تحریک — شاعر مشرق کی نظر میں	الجامعہ، ص ۱۴ تا ۱۹، مئی
عبدالغفار الخیری، محمد	علامہ اقبال سے دو یادگار ملاقاتیں	جام نو، ص ۵۵ تا ۵۸، اقبال نمبر

عبداللطیف، ڈاکٹر	ایک گنج گراں مایہ کی تلاش (اقبال کی ایک کتاب کا مسودہ)	تحریک، ص ۶ تا ۷+۴۴، جون
عبدالمغنی، پروفیسر	اقبال کا نظریۂ انسانیت	سیارہ، ص ۳۹ تا ۴۲، اپریل
عبدالواحد، سید	اقبال اور عصری سیاست	ماہ نو، ص ۷ تا ۱۰، "
عبدالوحید، خواجہ	تحریک شبان المسلمین[۱]	اقبال ریویو، ص ۸۳ تا ۹۱، جولائی
عبداللہ، ڈاکٹر سید	اقبال کے فوراً بعد	قومی زبان، ص ۷ تا ۱۰، اپریل
" "	سہل اقبال	نوائے وقت، ص ۸، ۲۱ر "
" "	کلام اقبال کا منسوخ حصہ	چٹان، ص ۳۱ تا ۳۲، ۲۴ر "
" "	کیا اقبال وجودی تھے؟	فنون، ص ۷ تا ۲۰، جولائی اگست
عبداللہ قریشی، محمد	معاصر شعرا اقبال کی نظر میں	قومی زبان، ص ۱۵ تا ۲۶، جون
عدیل، حاجی	اقبال ایک مطالعہ	منشور، ص ۱۳ تا ۱۸، مارچ
علی بخش	میرے ڈاکٹر صاحب (علامہ اقبال)	قندیل، ص ۸، ۲۳ر اپریل
غبار یادر	اقبال کا نظریۂ قانون	جام نو، ص ۸۳ تا ۹۴، اقبال نمبر
غلام عمر خاں، ڈاکٹر	خودی اور معاشرہ ــــ اقبال کا نقطۂ نظر	تحریک، ص ۸ تا ۱۳، جون
عزری، عبدالستار	اقبال بیک وقت شاعر اور فلسفی کیوں تھے؟	جام نو، ص ۹۹ تا ۱۰۳، اقبال نمبر
فاضل، سید عبدالرشید	اقبال اور تصوف	قومی زبان، ص ۱۵ تا ۴۲، اپریل
"	" " (۲)	" ۳۶ تا ۴۱، مئی
فرید جعفری	اقبال کے تصورات	ساغر، ص ۵ تا ۷، ۲۱ر اپریل
فضل حمید	اقبال کا فلسفہ خودی اور تصور خدا	فکر و نظر، ص ۳۴۳ تا ۳۵۶، دسمبر
قاسمی، احمد ندیم	اقبال کی ایک نظم ــــ ابلیس کی مجلس شوریٰ	امروز، ص ۷، ۲۳ر اپریل
قریشی، ڈاکٹر اشتیاق حسین	اقبال کے فلسفے کا محور......	مشرق، ص ۷، ۲۱ر "
قریشی، منظور انور	اقبال منزل	چٹان، ص ۱۷+۲۷، ۲۴ر "
قمر تابش	کویت میں یوم اقبال	قندیل، ص ۲۱، ۲۸ر مئی
کاظم ابتدائی	اقبال اور تحریک پاکستان	اقبال ریویو، ص ۱۰۱ تا ۱۳۰، جنوری

۱؎ حضرت علامہ اقبال کی زیر قیادت "تحریک شبان المسلمین" کی تاریخ - خواجہ صاحب کی ڈائری کے چند اہم اقتباسات

کرم حیدری	اقبال بارگاہ رسالت مآب میں	ماہ نو، ص ۱۲، اپریل
گوپال متل	بہ یاد اقبال	تحریک، ص ۲تا۴، جون
محبوب، محبوب الرشید	اقبال اور ان کی اردو شاعری	سندھ مسلم کالج میگزین، ص ۲۰تا۳۷، اپریل
محمد حسن قریشی، حکیم	علامہ اقبال کی آخری رات	شان سندھ، ص ۳۱تا۳۳، مئی
محمد دہلوی، سید	اقبال اسلام کے بہترین بہی خواہ تھے	ساغر، ص ۱۷، ۲۱ اپریل
محمد شفیع	اقبال کی بعض یادیں	اقبال ریویو، ص ۹۲تا۹۸، جولائی
"	میں نے اقبال کو مرتے وقت دیکھا	جام نو، ص ۱۵۱تا۱۵۴، اقبال نمبر
محمد عزیز، پروفیسر	اقبال — میری نظر میں	چٹان، ص ۷، ۲۴ اپریل
محمد منور، پروفیسر	ابوالاثر حفیظ اور اقبال	" " ۱۱تا۱۲+۳۰، ۲۴ اپریل
محمد نواز	اقبال کا حقیقی کارنامہ	فاران، ص ۳۲تا۴۰، جون
محمد یوسف، ڈاکٹر شیخ	اقبال اور شعر	نگار پاکستان، ص ۲۳تا۵۳، مئی جون
محروم، تلوک چند	اقبال — انارکلی میں	چٹان، ص ۱۳+۲۹، ۲۴ اپریل
محمد احمد، شیخ	اقبال اور مسئلہ سود	نصرت، ص ۵۷تا۶۳، دسمبر ۷۶ء جنوری ۷۷ء
محمود الرحمان (سہروردی کاکوی)	اقبال کی ایک نظم "مسجد قرطبہ"	جام نو، ص ۵۶تا۶۲، اقبال نمبر
محمود الرحمان	روزگار فقیر — ایک تعارف	" " ۱۶۷تا۱۶۸، "
محمود شام	اقبال کے نزدیک قوموں کی زبوں حالی کا علاج	اخبار جہاں، ص ۴۲، ۲۷ اپریل
محی الدین اجمیری، خانزی	اقبال کی زندگی کے چند گوشے	اقبال ریویو، ص ۳۶تا۴۶، جنوری
مدنی، شایان احمد	اقبال اور ظرافت	جام نو، ص ۱۶۱تا۱۶۶، اقبال نمبر
ممتاز حسن		
مسلم ضیائی (مترجم)	اقبال اور پاکستان	ہمدرد صحت، ص ۴۵تا۴۵، اپریل
ممتاز حسن	اقبال ایک پیغمبر کی حیثیت سے	جام نو، ص ۱۲تا۱۴، اقبال نمبر
"	" " "	ساغر، ص ۵تا۱۴، ۱۵ مئی
مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ	خودی سے مراد عرفان نفس ہے۔	چٹان، ص ۹، ۲۴ اپریل
میکش اکبرآبادی	قلندر اقبال	تحریک، ص ۵۶تا۶۲، جون
ناز، ایم ایس	علامہ اقبال کی شخصیت اور پیغام	قندیل، ص ۲، ۲۳ اپریل

غنی خواجہ	کلام اکبر بنام اقبال[1]	قومی زبان، ص ۱۳ تا ۱۴، اپریل
" "	اقبال اور مولوی احمد دین[2]	اقبال ریویو، ص ۶۲ تا ۷۰، جولائی
ظر انصاری	شاعر و فنکار اقبال کی نظر میں	جام نو، ص ۱۶۶ تا ۱۸۷، اقبال نمبر
بیر نیازی، سید	اقبال کے حضور میں	چٹان، ص ۳۳ تا ۳۵، ۲۳ اپریل
" "	کچھ علامہ اقبال اور طب کے متعلق	ہمدرد صحت، ص ۱۷ تا ۲۳، مئی
نزاکت علی خاں، کنور	حضرت شرف الدین بوعلی قلندر ۔ علامہ اقبال کی نظر میں	نیرنگ خیال، ص ۵۲ تا ۵۴، جون
نسیم شاد	علامہ اقبال اور اسلامی ریاست کا قیام	مشرق، ص ب، ۲۱ اپریل
نظامی، شمس الحق	اقبال اور مسلم نوجوان	جام نو، ص ۱۵۹ تا ۱۶۰، اقبال نمبر
نظامی، عبدالحمید	خواب اقبالؒ	لاہور، ص ۱۰ تا ۱۱، ۱۷ اپریل
نظیر صدیقی	اقبال پر چند خیالات	تحریک، ص ۱۴ تا ۲۰، جون
نعیم ہاشمی	تصانیف اقبال کا سرسری جائزہ	جام نو، ص ۱۷۹ تا ۱۸۳، اقبال نمبر
نکہت اشارت	اقبال کا تصور ابلیس	ساغر، ص ۱۴، ۲۱ اپریل
نوشابہ صدیقی	اقبال ــــ خواتین کے پسندیدہ شاعر	اخبار جہاں، ص ۳۳، ۲۲ اپریل
نیاز فتح پوری	اقبال ــ منشورات لاسکی	نگار پاکستان، ص ۶ تا ۱۹، جنوری
وارث میر	اقبال اور نطشے	نصرت، ص ۶۵ تا ۷۰، مئی جون
وحیدالدین، فقیر سید	اقبال اور عشقِ رسولؐ	جام نو، ص ۱۴ تا ۴۸، اقبال نمبر
وحید قریشی، ڈاکٹر	حیات اقبال کے بعض فراموش شدہ ورق	چٹان، ص ۹ تا ۱۰، ۲۳ اپریل
وزیر آغا، ڈاکٹر	اقبال کی شاعری میں ظرافت کی لہریں	تحریک، ص ۶ تا ۲۹، جون
وفا راشدی	اقبال کا فلسفۂ حیات	نگار پاکستان، ص ۶۳ تا ۶۵، اگست

---

[1] روزگار فقیر جلد دوم میں اقبال سے منسوب ایک نظم کی نشان دہی جو فی الواقع اکبر الہ آبادی کی ہے اور کلیات اکبر میں شامل ہے ۔

[2] "بزم اقبال" کے نام سے زیر ترتیب کتاب کا ایک حصہ جس میں مولوی احمد دین کی شخصیت اور علامہ مرحوم سے ان کے رابطے کی داستان بیان کی گئی ہے ۔

وقار انبالوی	ڈاکٹر اقبال کے ہاں	چٹان، ص ۷ تا ۱۰، ۸ رمئی
وقار عظیم	خطوں کی روشنی میں (غالب، سرسید، نذیر احمد، شبلی، اکبر اور اقبال)	اوراق، ص ۴۹ تا ۵۸، جنوری
"	عشرت پرویز اور غم فرہاد	فنون، ص ۱۳ تا ۳۶، جولائی واگست
ہارون الرشید	اقبال کا نظریۂ تعلیم	جام نو، ص ۷۳ تا ۸۲، اقبال نمبر
یعقوب علی	اقبال ـــ ملت اسلامیہ کا مفکر	ساغر، ص ۲۵ تا ۲۸، ۲۱ راپریل
"	" " "	نصرت، ص ۸۵ تا ۹۰، مئی جون
یوسف الدین، ڈاکٹر محمد	اقبالیات پر تین نئی تصانیف [1]	تحریک، ص ۹۳ تا ۹۰، جون
یوسف علی خاں	علامہ اقبال کے دو خط (سید رحمت اللہ شاہ کے نام)	اخبار جہاں، ص ۲۲، ۲۲ راپریل
یونس شاد، سید	اقبال کے یہاں قوت و جلال کا عنصر	جام نو، ص ۴۹ تا ۵۲، اقبال نمبر
ــــــــ	اقبال اور ایشیائی جمعیتہ الاقوام	چٹان، ص ۲۳ راپریل
ــــــــ	اقبال اور موجودہ تعلیم	قندیل، ص ۱۸ + ۲۰، ۲۳ راپریل
ــــــــ	اقبال اور واقعہ کربلا	اخبار جہاں، ص ۲، ۲۹ ر "
متعدد حضرات [2]	اقبال کا ایک شعر اور اس کا مطلب ـــ پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر	ہماری زبان، ص ۸ تا ۱۰، ۲۰ رمئی
ــــــــ	ثقافت اسلامیہ کی روح ـ علامہ اقبال کے نقطۂ نگاہ سے	حریت، ص ۲ + ۹، ۲۲ راپریل
ــــــــ	علامہ اقبال کا قائداعظم کو مشورہ	مشرق، ص ۵، ۲۱ راپریل
ــــــــ	قائداعظم، علامہ اقبال اور اصفہانی [3]	چٹان، ص ۱۴ تا ۱۸، ۱۵ رمئی
ــــــــ	نظم اقبال کی اور سفرنامہ مولوی محبوب عالم کا	جنگ، ص ۱۱، ۲۲ راپریل
انور شعور	تراجم اقبال	اخبار جہاں، ۲۶ راپریل

[1] (۱) روح اسلام اقبال کی نظر میں (۲) اقبال کا تصورِ عشق (۳) اقبال کا تصورِ خودی

[2] مندرجہ ذیل حضرات نے اظہار خیال کیا ہے ابو محمد سحر، تفضل حسین، انجمن آرا انجم، قیصر جہاں اور حسن عسکری

[3] ایم اے ایچ اصفہانی کا ایک مراسلہ اور اس کا جواب

غالب

مصنف	عنوان	ماخذ
احتشام حسین، پروفیسر	غالب کے غیر مطبوعہ خطوط	فروغ اردو، ص ۴ تا ۱۱، جون
اسد الزماں	غالب کی قوتِ مشاہدہ	آجکل، ص ۷ تا ۲۱، فروری
اعظمی، عبداللطیف	غالبیات (اشاریہ)	صبح، ص ۴۰ تا ۴۶، جنوری فروری
افتخار، ایم	غالب رجائی تھے یا قنوطی	قندیل، ص ۱۹، ۱۹ر فروری
اکبر علی	غالب اور قومی دفتر خانہ	صبح، ص ۷۴ تا ۹۴، جنوری فروری
تحسین سروری	مفتی محمد عباس اور غالب	ماہ نو، ص ۴۵ تا ۵۲، فروری
سالک لکھنوی	احوال غالب از کلام غالب	صبح نو، ص ۱۳ تا ۲۱، جون
سلیم اختر	غالب کی نرگسیت	ماہ نو، ص ۵۹ تا ۶۴ + ۸۵، فروری
نادر، نرلش کمار	مکروات غالب	آج کل، ص ۲۷ تا ۳۶، فروری
ا۔ انصاری	مرزا غالب کی مثنویاں	گفتگو، ص ۲۰۶ تا ۲۲۲
عبدالحق، بابائے اردو مولوی	ذکر غالب	قومی زبان، ص ۷ تا ۱۰، فروری
عبدالخالق عبدالرزاق	غالب کا ایک شعر[1]	ہمدرد صحت، ص ۱۴ تا ۱۶، ستمبر
عبدالرشید، محمد	دیوان غالب کی دو قدیم شرحیں	آج کل، ص ۳۸ تا ۴۲، فروری
عبداللہ، ڈاکٹر سید	انتخاب اشعار غالب یا کار و بار رسوائی	چٹان، ص ۶۶، ۱۹، ۲۹ر مئی
" "	غالب — شاعر دو زباں	قومی زبان، ص ۱۱ تا ۱۵، فروری
عبدالودود، قاضی	جہان غالب	صبح، ص ۵۳ تا ۸۳، جنوری و فروری
عرشی، امتیاز علی	غالب کی چند نئی فارسی تحریریں	ماہ نو، ص ۹ تا ۲۰، فروری
" "	مرزا غالب کا زائچہ	آج کل، ص ۷ تا ۱۱، "
قدرت نقوی، سید	حیاتِ غالب	قومی زبان، ص ۲۶ تا ۳۰، فروری
" "	مجموعہ بیرنگ	ماہ نو، ص ۳۳ تا ۴۲، فروری

---

[1] اس شعر کی شرح ہے

نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم — لے لیا مجھ سے میری ہمت عالی نے مجھے

کرم حیدری	غالب کی فارسی شاعری	ماہ نو، ص ۵۳ تا ۵۸، فروری
مالک رام	دستنبو	آج کل، ص ۱۲ تا ۱۵، "
مبارک جہانسوی	غالب — علم الاعداد کی روشنی میں	فکر و خیال، ص ۶۳ تا ۶۶، جنوری
محمد مصطفٰے	غالب اور زنقہ	قومی زبان، ص ۱۳ تا ۱۴، فروری
"	" "	" " ۷۷ تا ۸۹، مارچ
"	" " (۳)	" " ۵۵ تا ۶۶، اپریل
مختار الدین احمد	غالب کے خطوط — ایک قدیم مجموعے میں	آج کل، ص ۳ تا ۱۰، مارچ
مسلم ضیائی	عمدۂ منتخبہ اور غالب	ماہ نو، ص ۲۲ تا ۳۲، فروری
"	غالب کا زائچہ اور تاریخ ولادت	اردو نامہ، ص ۶۶ تا ۷۵، مارچ
معتصم، حکیم رشید احمد	غالب کی حقیقت پسندی	بصائر، ص ۱۴۵ تا ۱۵۸، جنوری
مہر، مولانا غلام رسول	مرزا غالب کی شاعری کے بعض پہلو	آج کل، ص ۳ تا ۶، فروری
" "	مرزا غالب کے چند شعر	ماہ نو، ص ۲۲ تا ۲۳، "
مرزا ادیب	غالب اور عصر جدید	امروز، ص ۱۴، ۱۷ مئی
نادم سیتا پوری	ایک ممتاز غالب شناس (میاں فوجدار محمد خاں)	ماہ نو، ص ۳۷ تا ۴۲ + ۷۲، اپریل
نثار لطفی	غالب کا زائچہ	" " ۵۶ تا ۵۷ + ۹۳، مارچ
نیاز فتح پوری	دلی اسکول کے چار بڑے شاعر (مصحفی، مومن، ذوق اور غالب)	نگار پاکستان، ص ۵۰ تا ۵۶، اگست
"	غالب کا طرز شاعری اور شاعرانہ خصوصیات	" " ۱۰۵ تا ۱۱۵، مئی جون
وحید الدین، ڈاکٹر سید	غالب کا نظریۂ حیات	الشجاع، ص ۱۳ تا ۱۶، مئی
ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی	مرزا غالب کی ایک اردو تقریظ	ہماری زبان، ص ۴، ۲۲ اپریل
" " "	مرزا غالب کی وفات پر تین ہندو اساتذۂ سخن کے قطعات تاریخ وفات	" " ۶، یکم جون

سہ ماہی

اُردو

اکتوبر ۱۹۶۷ء

یہ "اردو" کا خصوصی شمارہ ہے جو فارسی زبان و ادب سے متعلق ہے۔ شہنشاہ ایران کے جشن تاج پوشی کی یادگار میں یہ شائع کیا گیا ہے۔

مندرجات :

اور

تذکرۂ ہمیشہ بہار

مصنفہ

کشن چند اخلاص

اس تذکرے کو ڈاکٹر وحید قریشی نے مرتب کیا ہے۔ اخلاص کا یہ تذکرہ پہلی بار منظر عام پر آیا ہے۔ اس شمارے میں پہلی قسط جو ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ شامل کی گئی ہے۔ ٹائپ کی طباعت، صفحات تین سو سے زائد۔ قیمت تین روپے پچاس پیسے

انجمن ترقی اردو پاکستان بابائے اردو روڈ۔ کراچی ۱

مخطوطات انجمن ترقی اُردو

(فارسی عربی)

انجمن میں فارسی اور عربی مخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ان مخطوطات کی اجمالی فہرست سید سرفراز رضوی، مہتمم کتب خانۂ خاص انجمن ترقی اُردو نے مرتب کی ہے جس میں ہر مخطوطے کے بارے میں ضروری اور بنیادی معلومات جمع کردی گئی ہیں۔ متعدد مخطوطات کے عکس بھی شائع کئے گئے ہیں۔ طباعت بذریعہ آفسٹ ہوئی ہے۔ قیمت : تین روپے پچاس پیسے

انجمن ترقی اُردو
بابائے اردو روڈ
کراچی ۱

ہفت مقالہ

(فارسی زبان و ادب)

یہ رسالہ "اردو" کے ایسے مضامین کا انتخاب ہے جو فارسی زبان و ادب سے متعلق ہیں۔ یہ انتخاب ممتاز ماہر ایرانیات سید حسام الدین راشدی نے کیا ہے۔ اس مجموعے میں مندرجہ ذیل مقالے شامل ہیں۔

- تصنیفات شیخ فریدالدین عطار — حافظ محمود شیرانی
- شاہ نامے کا دیباچۂ قدیم — حکیم شمس اللہ قادری
- فردوسی کا مذہب — پروفیسر شیخ محمد اقبال
- رباعیات عمر خیام — عبدالباری آسی لکھنوی
- فارسی زبان کے زیر سایہ زبان اردو کی تدریجی ترقی — ڈاکٹر سید عبداللہ
- نواب صمصام الدولہ شہنواز خاں (صاحب مآثر الامراء) — محمد حسین محوی صدیقی

انجمن ترقی اردو
بابائے اردو روڈ
کراچی ۱

چند لکھنے والے:

پروفیسر ہارون خاں شروانی — سہیل عظیم آبادی
سید ہاشم رضا — ڈاکٹر حامد شہریار
حکیم محمد سعید — محمد معین الدین دردائی
سید قدرت نقوی — کوثر چاند پوری
فضل احمد صدیقی — ڈاکٹر ابوسعید نورالدین
پروفیسر شبیر علی کاظمی — محمد حبیب اللہ رشدی
پروفیسر عبدالقوی دسنوی — جمیل نقوی

اور بہت سے دوسرے

- سوا دو سو صفحات ○ آفسٹ کی طباعت ○ متعدد تصاویر
- بابائے اُردو کے دوستوں اور نیازمندوں کے انٹرویو
- متعدد غیر مطبوعہ خطوط ○ قیمت ۲ روپے

انجمن ترقی اُردو

بابائے اُردو روڈ کراچی ۱

انجمن ترقی اردو پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ

قومی زبان

جلد ۳۱ شمارہ ۶

دسمبر ۱۹۶۷ء

انجمن ترقی اُردو پاکستان
بابائے اُردو روڈ
کراچی ۱

قیمت فی پرچہ : ایک روپیہ
قیمت سالانہ : دس روپے

فہرست

ادارۂ تحریر

جمیل الدین عالی

مشفق خواجہ

نادم سیتاپوری

انتخاب لاجواب

اردو زبان میں ٹیکنکی اور صنعتی صحافت کا آغاز "پیسہ اخبار" کے مولوی محبوب عالم (وفات ۱۹۳۷ء) کا رہین منت ہے "پیسہ اخبار"[ل] کے اجرا (۱۸۸۷ء) سے قبل بھی مولوی محبوب عالم مرحوم عام صحافتی روش سے ہٹ کر تعلیمی صحافت کی طرف زیادہ مایل رہے۔ مطبع "خادم التعلیم" لاہور کا نام ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے مزاج میں ایک خاص قسم کی انفرادیت تھی "پیسہ اخبار" گوجرانوالہ سے جاری کیا گیا تھا اس زمانے کے فائل ہندوستان میں نایاب ہیں دوسرے دور کے کچھ پرچے مجھے دستیاب ہوئے ہیں اس میں روزانہ خبریں نہیں ہیں بلکہ چند مخصوص عنوانات کے تحت ۱۸ × ۲۰ ایک چار کے ایک ورقے میں پھیلا دیئے جاتے تھے۔ میرے پاس ۱۹۱۲ء و ۱۹۱۳ء کے مختلف شمارے جو موجود ہیں ان کی تعداد تخمیناً چالیس پچاس ہوگی۔ ہر صفحے میں تین کالم ہیں اور سرورق پر سعدی کا یہ قول لکھا ہوا ہے۔ "تو پاک باش برادر مدار از کس باک"

"پیسہ اخبار" کے اسی نامکمل فائل میں دو بوسیدہ اوراق ایک قدیم شمارے کے بھی ہیں۔ یہ نامکمل شمارہ ۲۷ جون ۱۹۰۱ء کا پرچا ہے ابتدائی دو صفحات نہیں ہیں سائز بڑا ہے جیسے اس زمانے کے عام اخبارات کا ہوا کرتا تھا۔ صفحات ۳،۴

ل "اودھ پنچ" کے مندرجہ ذیل نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ "پیسہ اخبار" اپنے سن اجرا ۱۸۸۷ء کے بعد حوادث زمانہ سے دوچار رہا اور غالباً اس کے پہلے دور کا خاتمہ ۱۸۹۷ء سے پہلے ہو چکا تھا۔ اودھ پنچ نے "پیسہ اخبار" لاہور کے عنوان سے لکھا ہے۔

"افسوس ہے کہ روزانہ "پیسہ اخبار لاہور" جو تین سال سے جاری تھا مئی ۱۸۹۹ء کو بند ہوگیا۔ سنتے ہیں جو خوبیاں روزانہ اخبار کے واسطے درکار تھیں اکثر اس میں پائی جاتی تھیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ عام تعلیم کی کمی۔ ایک خریدے گا بیس پڑھنے کو دوڑیں گے۔ اخبار کا کیے ہینگ کی پڑیا ہے کہ چپے کو لے لو وہ بھی بیسا کھے کے دھوسے پر۔ اور وہ بھی کاٹھ کی ہنڈیاں کو سال بھر کے لئے کافی۔ بھلا اس سامان سے کہیں اخبار چل سکتے ہیں۔

(اودھ پنچ لکھنؤ۔ ۱۱ مئی ۱۸۹۹ء صفحہ ۲۔ کالم ۱)

۶، ۵ جو اس فائل میں شامل ہیں۔ اس میں مضمون خاص کے تحت دو مراسلے ہیں۔

۱۔ مسلمانان علی گڑھ اور ترک۔

۲۔ مرزا صاحب قادیانی کے خواب اور ان کی تعبیر

"ایک شاعرہ کا نوحہ" حصہ نظم کا ایک عنوان ہے جس میں لکھا ہوا ہے۔

" بنو بیگم دہلی کی مشہور شاعرہ پردہ نشین اپنے عاشق کے غم میں کہتی ہے ؎

چھوڑ کر مجھ کو کہاں اے بت گمراہ چلا ۔۔۔ تو چلا کیا کہ یہ دل بھی ترے ہمراہ چلا

چھٹ گیا غم سے مرا کشتہ ابرو مرکر ۔۔۔ اک چھری میرے گلے پر بھی مری آہ چلا

دیگر

موت آتی ہے نہ ہے زیست کا یارا مجھ کو ۔۔۔ ہائے آشفتہ تری موت نے مارا مجھ کو

موت پر بس نہیں چلتا ہے کروں کیا ورنہ ۔۔۔ تو نہیں ہے تو نہیں زیست گوارا مجھ کو

اب گئے چین کہاں عیش کدھر بستر خواب ۔۔۔ نہیں مخمل بھی کم از بستر خارا مجھ کو

کیا ہوئی ہائے فغاں کی ترے شور انگیزی

لے چلے تجھ کو ۔۔۔ تو تو نے نہ پکارا مجھ کو

اسی شمارے کے کالم تین پر صنعتی خبریں ہیں اور عنوان ہے "صنعت و حرفت"

"سودیسی کارخانہ" کے تحت۔ پارچہ بافی کی ایک فیکٹری کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ مدراس پریسیڈنسی میں سودیشی کپڑے کا پہلا مل لال موہن گھوش ڈبیرسٹر کلکتہ کے صاحبزادے مالی موہن گھوش آئی۔سی۔ایس نے قائم کیا ہے اور اس کے لئے ایک مخصوص آدمی کو جاپان بھیج کر صنعت پارچہ بافی کی ٹریننگ دلائی ہے۔

تیسری خبر ملک کی "درآمدی اور برآمدی" پالیسی سے تعلق رکھتی ہے جس میں اعداد و شمار کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ ماہ اپریل ۱۹۰۷ء میں دوسرے ممالک سے ۱۲،۲۸۷ اونس سونا درآمد کیا گیا اور ۲،۱۲۱۱ اونس سونا باہر بھیجا گیا ۵۵،۳۳۵۵ ۱۱۰ اونس چاندی باہر سے آئی اور ۱۳،۵۸۵۳ اونس چاندی باہر بھیجی گئی۔

چوتھی خبر زرعی برآمد سے تعلق رکھتی ہے اور اس عہد قدیم کی یاد تازہ کرتی ہے جب مشترکہ ہندوستان دوسرے ممالک کی غذائی ضروریات پورا کیا کرتا تھا۔ ۱۹۰۲ء ۱۹۰۳ء کے جو اعداد و شمار اس خبر میں دیئے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ۱۰۲،۹۲،۱۵۰ ہنڈرویٹ گیہوں دوسرے ممالک کو بھیجا گیا جس کا بڑا حصہ ۲۲،۷ صرف مصر کو برآمد کیا گیا۔

۱۹۰۳ء ۱۹۰۴ء میں ۱۲،۱۲،۹۱۵ ہنڈرویٹ گیہوں دوسرے ممالک کو برآمد کیا گیا اور اس میں بھی ایک بڑا حصہ مصر ہی کو ملا۔

۱۹۰۴ء ۱۹۰۵ء میں ۲۰۲۵۰۰۰۵۴ ہنڈرویٹ کے علاوہ ۱۱۶۲۰۱۱۷۷ ہنڈرویٹ گیہوں مصر کو برآمد کیا گیا۔

۱۹۰۵ء ۱۹۰۶ء (اپریل لغایت جون) میں مصر کو ۱۰۲۹۸۵۴ ہنڈرویٹ اور دوسرے ممالک کو ۱۸۷۵۰۴۶۷ ہنڈرویٹ گیہوں برآمد کیا گیا۔

اس خبر میں یہ نوٹ بھی دیا گیا ہے کہ مصر کو جو گیہوں برآمد کیا جاتا ہے اس کا بھی ایک حصہ دوسرے ملکوں کو بھیجا جاتا ہے

صفحہ چار کالم ایک کی سرخیاں ملاحظہ ہوں جو معاصرین کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔

۱۔ سوانح عمری لکھنے کی ضرورت (مُتَرجِمُ روزگار کا نوٹ)

۲۔ حیدرآباد میں فضول مصارف (مشیر دکن کا ادارتی نوٹ)

۳۔ یوروپین اور یوریشین تعلیم کا خرچ (وکٹوریہ پیپر کا اقتباس)

۴۔ انکم ٹیکس (سیالکوٹ پیپر کا نوٹ)

۵۔ بنجر و افتادہ آراضی (مشیر دکن سے)

کالم ۲ و ۳ میں مراسلات کے تحت دو مراسلے درج کئے گئے ہیں۔

صفحہ پانچ پر مرزا ارشد گورگانی کی وفات پر غلام حیدر ارشد بلگرامی کا قطعہ تاریخ ہے اور اس کے بعد "پیسہ اخبار" کے خاص نامہ نگاروں کی بھیجی ہوئی کچھ خبریں ہیں۔ چند خبروں کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

۱۔ جوناگڑھ میں اودھا کمپنی سودیشی منجن اور پومیٹم بنا رہی ہے ایک دوسری کمپنی صابن اور بٹن بنانے کی قائم ہوئی ہے۔

۲۔ کاٹھیا واڑ ریلوے نے بھی بجلی کی روشنی کا انتظام کر لیا۔

۳۔ (۱۲ر جون ۱۹۰۶ء) شاد عظیم آبادی کے بھتیجے کے اچانک سانحہ انتقال کی خبر۔ یہ بارہ سالہ بچہ شاد عظیم آبادی کے چھوٹے بھائی سید امیر حسن کا لڑکا تھا۔

اسی صفحے پر عربی اخبارات کے تراجم ہیں۔

صفحہ ۶ پر کچھ خبریں اور ایک مضمون ہے (جنوبی افریقہ میں ہندوستانی اور انگریزی قومیں)

اس صدی کی پہلی دہائی میں "پیسہ اخبار" کی عام روش اگرچہ کچھ زیادہ بدلی ہوئی نہیں تھی پھر بھی اسی دور کے کچھ آثار و شواہد سے پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں کچھ تبدیلیاں ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ میرے پاس ۱۸×۱۲ کے دو ایک نامکمل شمارے ایسے بھی ہیں جو "پیسہ اخبار" کا باتصویر ضمیمہ تھا سرورق پر جلی حروف میں "محبوب عالم" ضمیمہ پیسہ اخبار درج ہے چار چار صفحات کے یہ دونوں باتصویر ضمیمے ۱۹۰۳ء کے ہیں، پہلے شمارے پر ۲۳ر مئی ۱۹۰۳ء (نمبر بست دیکم) درج ہے دوسرے پر ۵ر ستمبر ۱۹۰۳ء (نمبر سی و دوم)۔ فہرست مضامین سرورق پر درج ہے۔

شمارہ اول ۔ ۲۳ر مئی ۱۹۰۳ء

۱۔ کوہستان لبنان میں شورش کی اصل وجہ ۔ مع پانچ تصاویر اور ایک نقشہ کے ۔
۲۔ چین میں سزا دینے کے نرالے طریقے ۔ مع تین تصاویر کے ؟

شمارہ دوم ۔ ۵ ستمبر ۱۹۰۳ء

۱۔ گورنر ہندوستانی توپ خانہ ۔ مع پانچ تصاویر کے ۔
۲۔ تصاویر کے عجائبات ۔ مع ۱۳ تصاویر کے ۔
۳۔ فولاد کو پنیر کی طرح کاٹتا ہے ۔
۴۔ ہندوؤں کا علم ہیئت ۔
۵۔ ملک معظم کا نیا ٹکٹ اور سکہ ۔ مع دو تصاویر
۶۔ لندن میں ریلوے لائن ۔

" پیسہ اخبار" اس صدی کی دوسری دہائی میں پہنچ کر اپنے ابتدائی دور سے بہت کچھ الگ ہو چکا تھا اور اس پر مولوی محبوب عالم کے خاص رنگ کی انفرادیت غالب آچکی تھی ۱۹۱۲ء ۔ ۱۹۱۳ء اور ۱۹۱۵ء کے جو چند شمارے میری نظر سے گزرے ہیں وہ عام صحافتی روش سے ہٹے ہوئے ہیں ۔ ایک مقبول روزنامہ ہونے کے باوجود " پیسہ اخبار" کو چند مخصوص عنوانات پر تقسیم کر دیا گیا تھا جو حسب ذیل ہیں ۔

۱۔ واقفیت عامہ کے متعلق اعداد و شمار ۔ جس میں ہندوستان اور دوسرے ممالک کی آبادی ۔ اقتصادی و معاشی ترقیاں تعلیمی مسائل ۔ زراعت ۔ صحت عامہ ۔ صنعت و حرفت ۔ صحافت ۔ سرمایہ کاری ۔ ٹیکس ۔ عالمی حادثات غرضکہ ہر موضوع پر اعداد و شمار دیئے جاتے تھے ۔
۲۔ مذاق ۔ چھوٹے چھوٹے لطیفے ۔
۳۔ عجیب عجیب باتیں ۔ دلچسپ معلوماتی واقعات و دلچسپ چھوٹی چھوٹی خبریں ۔
۴۔ حفظ صحت ۔ طبی استفسار اور ان کے جوابات ۔
۵۔ گمنام و نشان عزیز ۔ مفقود الخبر لوگوں کے متعلق اعلانات ۔
۶۔ عام سوال ۔ علمی اور ادبی مسائل پر سوالات اور ان کے جوابات ۔
۷۔ شعر و سخن (حصہ نظم) اس دور کے مشاہیر کی نظمیں اور غزلیں ۔ متعدد شماروں میں ڈاکٹر اقبال اور اکبر الہ آبادی وغیرہ کے کلام کو شامل کیا گیا ہے ۔

روزنامہ " پیسہ اخبار " کی ترتیب و تدوین سے مولوی محبوب عالم کے خاص انفرادی ذوق صحافت پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے جو غیر منقسم ہندوستان میں تکنیکی صحافت کے مؤسس و بانی کا درجہ رکھتے ہیں ان کے دور میں بھی اس رنگ

کے کچھ اخبار نکالے گئے لیکن مولوی محبوب عالم کے سامنے کسی کا چراغ نہ جل سکا - ان قدیم اخبارات کی طرزِ صحافت سے پتا چلتا ہے کہ وہ غیر منقسم ہندوستان میں ایک غیر سیاسی اخبار نویسی کو رائج کرنے میں زندگی بھر کس جد و جہد کے ساتھ لگے رہے اور اپنے عہد کے کتنے کامیاب انسان تھے جنھوں نے پامردی کے ساتھ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا جو ان کی راہ میں سنگِ گراں بن کر آتی رہیں -

ہفت روزہ " انتخاب لاجواب " لاہور جو مولوی محبوب عالم کے اسی مخصوص طرزِ صحافت کا تاریخی کارنامہ کہا جاتا ہے اپنے زمانے کا وہ کامیاب اخبار تھا جس کی مثال اس عہد میں نہیں ملتی - اس ہفت روزہ کی اشاعت کا منصوبہ بنایا گیا نمونے کا ایک پرچہ بھی شائع کیا گیا اور " پیسہ اخبار " کے ذریعے عوام کو متوجہ کرنے کی بھی کوشش کی گئی پھر بھی اس منصوبے کے مکمل کرنے میں کئی سال لگ گئے چنانچہ ۲۶ را کتوبر ۱۸۹۸ء کو " انتخاب لاجواب " کا پہلا شمارہ جب نکلا تو مولوی محبوب عالم مرحوم اپنے مستقبل سے کچھ زیادہ پرامید نہیں تھے - ایک ادارتی نوٹ (کچھ اپنی نسبت) میں تحریر فرماتے ہیں -

" صاحبان - آخر کار " انتخاب لاجواب " آپ کی خدمت میں آج بہت کچھ بیم و رجا کے ساتھ حاضر ہوتا ہے بیم اس بات کا ہے کہ میں مدت سے اس " رسالہ " کو جاری کرنے کی فکر میں تھا اور ہمیشہ اس بات کا اندیشہ رہا کہ پبلک اس کی کافی قدر نہیں کرے گی - پہلے پہل ۱۸۹۴ء کے اخیر میں اس کے اجرا کا اشتہار دیا لیکن پھر مناسب سمجھا کہ اگر بجائے اشتہار کے اس رسالہ کا ایک نمبر بطور نمونہ کے پبلک کے (سامنے) پیش کیا جائے تو یقیناً اس کا اثر بہت اچھا ہوگا - چونکہ اس قسم کا رسالہ پہلے ہمارے ملک میں جاری نہیں ہوا - لوگ اپنے لئے خود دیکھ لیں گے کہ اس کے مضامین کیسے دلچسپ - مفید - کارآمد اور بیش قیمت ہیں ، چنانچہ ۱۷ رفروری ۱۸۹۵ء کے " پیسہ اخبار " کے ہمراہ انتخاب لاجواب کا نمبر بطور نمونہ کے شائع کر دیا گیا - اس نمبر کو دیکھ کر ملک کے اردو اخبارات نے یک زبان ہو کر اس کی تعریف کی اور تسلیم کر لیا کہ اس سے پیشتر اس سے بہتر یا اس قسم کا کوئی رسالہ اردو زبان میں ہندوستان میں نہیں چھپا - اور میں کہتا ہوں کہ انگریزی میں بھی کوئی ایسا رسالہ ہندوستان میں نہیں چھپا -

جن اخبارات نے اُس وقت " انتخاب لاجواب " کے نہایت مفید ہونے کی رائے دی تھی ان کے نام حسب ذیل ہیں -

۱ - سول ملٹری نیوز لدھیانہ (۲) راجپوتانہ گزٹ اجمیر (۳) دودمین لاہور (۴) پنجاب سماچار لاہور (۵) اخبار عالم میرٹھ (۶) مہر نیمروز (۷) کارنامہ لکھنؤ (۸) پٹیالہ اخبار پٹیالہ (۹) مشیر ہند لاہور (۱۰) منیر اعظم مراد آباد (۱۱) جام جمشید مراد آباد (۱۲) لاہور پنچ لاہور (۱۳) زمانہ کان پور (۱۴) پنجاب امرتسر (۱۵) دوست ہند بھیرہ (۱۶) صدائے ہند لاہور (۱۷) وکٹوریہ پرکاشک (۱۸) برہمہ پرچارک لاہور - اس کے علاوہ صدہا چٹھیاں " انتخاب " کی تعریف سے لبریز وصول ہوئیں - مگر درخواستیں سات سو وصول نہ ہوئیں - بحالیکہ میں نے عہد کیا تھا کہ سات سو درخواستوں سے کم وصول ہونے کی صورت میں " انتخاب " کو شائع نہیں کروں گا - اور اس لئے ۱۸۹۵ء میں انتخاب جاری نہ ہوا - لیکن ۱۸۹۸ء میں پھر دلی جوشِ جنون مجبور کرتا ہے کہ باوجود ان

مشکلات کے "انتخاب" کو جاری کر دیا جاوے۔

"رہا" صرف یہ ہے کہ اگر "انتخاب" نے اپنے آپ کو قدر دانی کے قابل بنا دیا تو خریدار خود بخود پیدا ہو جائیں گے ورنہ یہ بھی ان صدہا دوسرے ہندوستان کے اخباروں رسالوں کے ساتھ جاملے گا کہ جو اس سے پہلے بند ہو چکے ہیں۔ ذرا آپ اس نمبر کو مرتا با پڑھ کر محنت کی داد دیجئے۔"

بندہ محبوب عالم ایڈیٹر "انتخاب لاجواب" کا

انتخاب لاجواب کا یہ پہلا شمارہ بائیس ۲۲ صفحات کا ہے اس کے سرورق پر ایک اعلان ہے جس سے معلوم ہوتا ہے اچھے مضامین لکھنے والوں کو معاوضہ بھی دیا جاتا تھا اور یہ خصوصیت ایسی تھی جو شاید اس سے پہلے کسی اردو اخبار یا رسالے کو حاصل نہیں تھی۔

سالانہ قیمت (محصول ڈاک) چھ روپے تھی اور ایک پرچے کی قیمت دو آنے۔

سرورق کے تینوں کالموں میں کچھ لطیفے ہیں اور تیسرے کالم میں "تار خبر کا انعامی مقابلہ" ایک اعلان ہے۔ جسے "مختصر نویسی" کا ایک دل چسپ مقابلہ کہنا چاہیئے۔ اعلان میں لکھا ہے۔

"فرض کرو کہ "اردو زبان" کے الفاظ تار دینے کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔ ہم ایک بارہ لفظ کا تار دینا چاہتے ہیں مگر جتنے لمبے سے لمبے اور بڑے لفظ استعمال ہو سکتے ہیں کئے جاویں ناظرین جو صاحب خواہ کسی مطلب کا ایک بارہ لفظ کا تار ایسا مرتب کر سکیں کہ جس میں ممکن لمبے سے لمبے لفظ موجود ہوں۔ ہم انھیں انتخاب لاجواب کا تیسرا نمبر چھپنے پر پانچ روپے کا انعام نذر کریں گے۔ علاوہ اردو کے لفظ عربی یا فارسی یا سنسکرت کے استعمال ہو سکتے ہیں مگر صرف وہی جو عام فہم ہوں۔ لمبے سے لمبے اور بڑے سے بڑے لفظ کا مطلب یہ ہے کہ جو ابجد کے زیادہ حروف سے مرکب ہوں جیسے "طمع" چھوٹا اور "اطمینان" بڑا لفظ ہے۔"

دوسرے صفحے پر ۱۸۹۸ء کا ایک مکمل کلینڈر ہے اور بقیہ دل چسپ معلوماتی تراجم و اقتباسات! مثلاً

"عجیب و غریب کرتب و تماشے"

"ایڈورڈ ڈمننگ نامی ایک شخص ولایت انگلستان میں مشہور "بسیار خور" ہے جو ایک منٹ میں بہتر ۷۲ انڈے کھا جاتا ہے۔"

"جلتے ہوئے تنور میں لیٹ جانا"

"چند سال گذرے ہیں پیرس میں "مارٹنیز" نامی ایک باشندہ اسپین نے عجیب و غریب تماشا کیا ایک تنور اس قدر گرم کیا گیا کہ اس کی حرارت ۲۹۲ اور ۳۱۲ درجے کے درمیان یعنی اس درجہ سے زیادہ جس میں پانی جوش مارنے لگتا ہے سو درجہ زیادہ تھی۔ "مارٹنیز" فلالین کا کرتا پاجامہ اور ایک نیچا چوغہ پہن کر اس تنور میں داخل ہوا۔ اس کے پاس ایک مرغی رکھی ہوئی کباب ہوتی رہی اور اتنی دیر تک یہ گیت گاتا رہا اور پورے ۱۵ منٹ کے بعد باہر آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ پھر اس تنور میں داخل ہوا اور وہاں بھنی ہوئی مرغی کو وہیں کھایا اس کے بعد تنور کا دروازہ

بندکر دیا گیا - ایک تختہ پر یہ شخص لیٹ گیا اور تختہ کے گرد موم بتیاں جلتی رہیں تھوڑی دیر کے بعد تماشائی چلا اٹھے کہ "بس کرو" جس وقت دروازہ کھولا گیا تو اس تنور سے باقیماندہ موم بتیوں کی چربی کا دھواں ایسا ناگوار اور متعفن برآمد ہوا کہ آدمیوں کا سانس بند ہونے لگا - " مارٹینز" نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور جیسا تھا ویسا ہو گیا - دوسری مرتبہ جس وقت وہ تنور سے برآمد ہوا اس کی نبض منٹ میں ۱۷۶ حرکتیں کرتی تھی یہ کرتب " علمائے سائنس" کے ایک مجمع کثیر کے روبرو کیا گیا تھا جو ان باتوں کو سن کر پہلے باور نہ کیا کرتے تھے "

اسی قسم کے کئی دل چسپ اور شعبدانی اقتباسات اور ترجمے اور بھی ہیں جنھیں شاید اس عہد کی صحافت میں کافی اہمیت حاصل تھی - اس کے علاوہ دوسرے دل چسپ عنوانات یہ ہیں -

پیسہ آبشار کے بہاؤ پر زور سے بہتا ہے -

چوبی گولے پر سفر کرنا -

اونچی لکڑیوں پر زندگی بسر کرنا -

بلندی سے تھیلے میں بند ہو کر گرنا -

ملاقاتی سے ہاتھ ملانا -

ساگر کے میلے پر بچوں کو ڈبونا -

عجیب زمانہ شہر سیام میں -

حکمت کے موتی مشرق اور مغرب سے زندگی کے متعلق (مشاہیر کے اقوال)

روئے زمین کے رسم ورواج اور توہمات (شیطان پرستوں کی عجیب رسوم)

یورپ کی ماؤں کے توہم -

دلچسپ کہانیاں -

دنیا کی حیرت خیز تاریخی حکایات -

انتخاب مفید -

موالید ثلاثہ کے عجائبات (مردم خور آدمی)

پدمنی (ناول قسط وار)

آٹھ سال کا سفر -

اخباروں کی کوچہ بکوچہ فروخت -

مراسلات -

کار آمد باتیں۔

اڈیٹر کے مشورے۔

بھوت اور چڑیلیں کس طرح ثابت کی گئیں۔

بے قافیہ کلام بہت سخت ہوتا ہے۔

مشاہیر عہد (میر محبوب علی خاں نظام دکن)

چاند چھ میل سے قریب نے آنا۔

جاہ کن را چاہ در پیش۔

علمی اصول پر شادی کی گئی۔

مشنق انارکسٹی نہلوم (روس کے فرقہ نہلسٹ کی رازداریاں)

اشتہارات

عنوانات کی اس فہرست میں کوئی کالم خبروں کا نہیں ہے۔ انتخابات لاجواب کی یہ بھی ایک خصوصیت تھی کہ اس کا کوئی تعلق سیاسیات سے نہیں تھا یہاں تک کہ اس میں ملکی اور مقامی خبریں بھی نہیں ہوتی تھیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ "انتخاب لاجواب" کو "پیسہ اخبار" کے ادبی و معلوماتی ضمیمے کے طور پر نکالا گیا تھا۔

"انتخاب لاجواب" کے جو چند شمارے میری نظر سے گزرے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزی تراجم کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ اور یہ زمانہ وہ تھا جب اعلا تعلیم کے اعتبار سے پنجاب دوسرے کئی صوبوں سے آگے نکل چکا تھا انگریزی داں طبقہ بھی اچھا خاصا موجود تھا اور مغربی افکار و احوال سے ایک خاص دلچسپی بھی لی جاتی تھی۔

"انتخاب مفید" کے چھوٹے چھوٹے چٹکلے دل چسپ بھی ہیں اور معلوماتی بھی۔ ملاحظہ ہوں۔

ملکہ اٹلی کو ہر قسم کی جوتیاں جمع کرنے کا خبط ہے۔

سال گذشتہ بنگال میں پیسہ پیسہ والی پوڑیاں کونین کی ۲۲ لاکھ فروخت ہوئیں۔

برٹش میوزیم کے کتب خانے میں ایک کتاب جس کی پانچ ہزار بیس جلدیں ہیں۔ یہ کتاب پندرہ سو پونڈ میں خریدی گئی ہے اس میں ۲۸ صدیوں کے علوم چین کا حال ۱۱۰۰ قبل مسیح سے ۱۷۰۰ عیسوی تک کا درج ہے۔

زمانہ قدیم میں تمام عیسائی والیان ملک کا "ماتمی رنگ" سرخ تھا۔

برطانیہ اعظم کی آبادی جاپان سے کچھ کم ہے۔

"اخباروں کی کوچہ بکوچہ فروخت"

"اس رسم کا بانی و موجد مسٹر "بیونل بروہ" ہے جب اس نے اخبار "ڈیلی ٹیلی گراف" چھاپنا شروع کیا تو لڑکوں

کی ایک "برگیڈ" بنائی - انھیں وردیاں دیں اور اخبار ان سے بکوانا شروع کیا - ان میں سے آدھے لڑکے تو اخبار اور وردیاں لے کر کافور ہو گئے اور آدھوں نے بہت کامیابی کے ساتھ اپنے کام کو انجام دیا - ان لڑکوں میں سے آج ایک لڑکا لکھ پتی امیر ہے۔"

انتخاب لاجواب کے یہ چند نمونے گزشتہ صدی کی "تکنیکی صحافت" کے اس منفرد اور مخصوص رنگ کے عکاس ہیں جن کے موسس و بانی پنجاب کے مشہور و ممتاز صحافی مولوی محبوب عالم مرحوم تھے - ہندوستانی صحافت میں جو کامیاب تکنیکی تجربہ ستر برس ادھر مولوی محبوب عالم نے کیا تھا وہ ہندوستانی صحافت کے ایسے لافانی نقوش ہیں جن کو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا -

---

ڈاکٹر لطیف حسین ادیب

عبقری اور اُن کا کلام

آپ بریلی میں انفرادی خصوصیات کے حامل شاعر تھے - آپ کے والد بزرگوار مولوی کریم بخش تحصیل نگینہ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے - آپ نے ۱۸۵۷ء کے پرآشوب دور میں ترک وطن کرکے بریلی میں سکونت اختیار کرلی تھی - عبقری ۱۸۷۶ء میں بریلی میں پیدا ہوئے - آپ کا مکان بزریہ عنایت گنج شہر کہنہ بریلی میں تھا -

عبقری کی تعلیم کا آغاز اس دور کے شرفا کے دستور کے مطابق گھر سے ہوا، عربی، فارسی اور اردو کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی - بعد ازاں حضرت مولانا سید محمد شجاعت علی بریلوی اور مولوی احمد علی بریلوی سے عربی و فارسی کی تحصیل کی - اس طرح وہ قدیم طریقہ تعلیم و تربیت سے بخوبی بہرہ ور ہوئے اور مروجہ علوم میں دستگاہ حاصل کی -

اخلاق و عادات کے لحاظ سے آپ بزرگان سلف کی صحیح یادگار تھے - انکسار، تواضع، خوش اخلاقی، اخلاص، پاک باطنی، صاف گوئی، حق پرستی وغیرہ تمام صفات حسنہ آپ کی ذات میں موجود تھیں - خود صاحب علم و فضل تھے اور اہل علم کے قدردان - فتنہ و فساد سے بالطبع نفور تھے اور صلح جوئی کے حامی ؎

ملا جو شیخ تو اس سے کیا سلام علیک　　نظر پڑا جو برہمن تو بندگی کرلی

عبقری کو شعر و شاعری کا بچپن ہی سے شوق تھا - سولہ سال کی عمر سے آپ نے باقاعدہ شاعری شروع کی - اسی زمانے میں حکیم مولوی وہاب الدین خاں قہر بریلوی اور مولوی میر فرزند علی فوق بریلوی سے علم عروض، بیان و معانی سیکھا اور مہارت حاصل کی - ساتھ ہی ساتھ قہر بریلوی سے مشورۂ سخن بھی لیتے رہے - قہر بریلوی کے انتقال کے بعد مولانا سید احمد حسن شوکت میرٹھی سے استفادہ کیا اور جلد ہی بریلی کے صف اول کے شعرا میں مقام حاصل کرلیا - ۱۸۹۳ء سے ۱۹۳۴ء تک مسلسل فکر سخن کرتے رہے - آپ نے تقریباً پچاس ہزار اشعار کہے - بیشتر کلام تلف ہوگیا جو کچھ بچا وہ ان کے فرزند محمد کامل المتخلص بہ کامل صدیقی نے "ریاض عبقری" کے نام سے ۱۹۳۴ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع کیا -

عبقری کا ابتدائی اور وسطی دور کا کلام خدنگ نظر لکھنؤ، پیام یار لکھنؤ، پیام عشق قنوج، سفینۂ نجات دہلی، صحن چمن بجنور

نسیم دکن حیدرآباد، پروانہ میرٹھ، ارمغان فرخ بمبئی، وصال یار بریلی، بہار بے خزاں بریلی وغیرہ رسائل میں شائع ہوتا رہا۔ آخری دور کا کلام ہمدم لکھنؤ، نیرنگ دہلی، ندیم بمبئی، شاعر آگرہ وغیرہ رسائل میں شائع ہوا۔

آپ نے ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ کیا۔ حج بیت اللہ کے بعد سے آپ کے اوقات کا زیادہ حصہ خلوت نشینی اور یاد حق میں صرف ہونے لگا۔ اسی زمانے میں آپ پر لقوہ کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے ادبی مجالس اور مشاعروں سے گریز کرنے لگے۔

عبقری کی عمر کا زیادہ حصہ بہ سلسلۂ ملازمت کانپور اور جبلپور میں بسر ہوا۔ آپ نے جبلپور میں بعارضۂ لقوہ اپریل [illegible] میں داعی اجل کو لبیک کہا اور وہیں کی خاک میں آسودۂ خواب ہوئے۔

عبقری بریلی کے مقامی اثرات شاعری سے محفوظ رہے اور انھوں نے ہر قدم پر اپنی ہی فکر کی رہنمائی قبول کی۔ لہٰذا ان کی شاعری اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اپنے ہم وطنوں کی شاعری سے مختلف اور انفرادیت کی حامل ہے۔

عبقری کی غزلوں میں دو انداز ملتے ہیں۔ اول وہ جس میں انھوں نے مروجہ روش شعرگوئی سے استفادہ کیا اور دوم وہ جہاں بیان میں شخصی علم و فضل کی وجہ سے انفرادیت پیدا ہو گئی۔ اول الذکر انداز غزل گوئی عاشقانہ مضامین پر مشتمل ہے۔ ان اشعار کی تعداد کم ہے۔ ان اشعار میں سیدھے سادے مضامین کو دل نشیں پیرائے میں پیش کیا گیا ہے اور عام عصری غزل گوئی کے میلانات کے زیر اثر دلکش و دل پذیر طرز میں اشعار لکھے گئے ہیں۔ مثلاً ؎

پہلے بھی اٹھ چکی ہیں ہزاروں قیامتیں	یہ جنبش نظر کی نئی داستاں نہیں
بزم عالم میں وہ ہم رند شکستہ دل ہیں	مے بھی پیتے ہیں تو ٹوٹے ہوئے پیمانوں سے
رہی دونوں کے حصے میں زمانے بھر کی الجھن ہے	نہ بل تقدیر سے نکلے نہ زلف یار سے نکلے
ہائے جو کل تک نیاز آگیں نگاہِ ناز تھی	آج وہ مست مے پندار ہو کر رہ گئی
چار میکش جس جگہ جم جائیں بزم جم ہے وہ	مل گئے دو گھونٹ جس در پر وہی میخانہ ہے
بیٹھے بیٹھے دل بھر آتا ہے کس کی یاد میں	کیا ہوا ہے خود بخود آنسو چلے آتے ہیں کیوں
اپنی بگڑی ہوئی زلفوں کو بنایا بھی تو کیا	میری بگڑی ہوئی تقدیر بنائے کوئی

عبقری کی غزل کے انداز دوم میں گرانباریٔ مضامین و الفاظ کے باوصف ان کی فطری صلاحیت شعرگوئی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اس طرز میں آورد کلام اور تصنع کا احساس ہوتا ہے لیکن عبقری نے بلاشبہ یہ اشعار روانی و آسانی کے ساتھ لکھے ہیں۔ انھوں نے تراکیب وضع کیں، ادق لفظ استعمال کئے مگر ان کے قلم کے دباؤ اور تیز روی میں یہ پتھر موم ہو گئے۔ مثلاً غزلیات میں ان تراکیب کا استعمال ہوا۔ شرر انگیزی رفتار، سحر سامری، رہین منت صورت نگر، منظر صد جلوہ گاہ اشک چکیدۂ دل حسرت پرست، علت غائی کونین، حال انوار شبستان حقیقت، چشم عبادت نواز، صلائے مریم سلسلۂ شک سا وغیرہ۔ شعر کے طلسم کرنے میں یہ تراکیب کلید مقصد ہیں۔ ان میں ایک فضا، ایک کیفیت ملتی ہے۔ یہ وہ ز

جو اس وقت بریلی کے تقلیدی رنگ شاعری سے ممتاز و منفرد ہے۔

نہ تھی دیوانگی جب تک میں ہشیاری سے غافل تھا
کھلی آنکھیں تو پائے عقل پابند سلاسل تھا

غریق بحر مایوسی مرا ڈوبا ہوا دل تھا
بھنور میں آ پھنسی تھی ناؤ کوسوں دور ساحل تھا

خلل انداز بزم ناز میرا قصۂ دل تھا
زباں پہ آتے ہی اکھڑا ہوا سارنگ محفل تھا

بروز حشر فردوس نظر دامان قاتل تھا
کہ ہر اک داغ سینے سے لگا لینے کے قابل تھا

کبھی بڑھ بڑھ کے ہم بھی بات کرتے تھے زمانے میں
مگر یہ جب کا قصہ ہے کہ اپنے پاس بھی دل تھا

کہاں ہوتے ہیں ایسے مرد میدان وفا پیدا
ہزاروں میں دل مرحوم میرا ایک ہی دل تھا

حریف ناخدا تھی انتہائے رنج مایوسی
اندھیری رات طوفانی ہوا تھی دور ساحل تھا

یہ چھوٹی سی غزل اے عبقری لکھی ہے عجلت میں
ادھر کم فرصتی تھی اس طرف اصرار کامل تھا

دعائے نیم شب ہو گی ضیا بار اثر کب تک
وہ آ کر بام پر ہوں گے الٰہی جلوہ گر کب تک

افق پر تیرگی چھائی گیا دن رات آ پہنچی
خمار آخر خمار آلودۂ خواب سحر کب تک

ادھر بھی کوئی چھینٹا یا الٰہی ابر رحمت کا
ترے بحر کرم سے غیر ہوں گے بہرہ ور کب تک

شب تاریک فرقت ہو گی ممنون سحر آخر
ہمارے نالہائے دل رہیں گے بے اثر کب تک

اجل اچھی ہے اس آوارہ گردی کی مصیبت سے
تلاش آب حیواں طالب عمر خضر کب تک

تلاش مدعا کر اسوۂ ارباب باطن سے
تری کوشش رہین منت صورت نگر کب تک

سلامت پائے وحشت خیر سودائے محبت کی
رہے گی عبقری ناکامیابی ہم سفر کب تک

ذکر ہے کس کریم کا ان کے حریم ناز میں
کوند رہی ہیں بجلیاں آج سر نیاز میں

دیدۂ دل سے کر نظر پھر نہ تلاش راز میں
شاہد حق ہے جلوہ گر صورت ہر مجاز میں

آئے نہ حور کا خیال شیخ حرم نماز میں
جلوۂ ذات چاہیئے دیدۂ حق طراز میں

ہند میں تیرا ذکر ہے تیرا بیاں حجاز میں
تیری ہی دھن سمائی ہے اہل جہاں کے ساز میں

تیری نوا ہے جاں فروز نغمۂ دل نواز میں
تو ہے صدائے درد سوز نالۂ جانگداز میں

ان کو دیا عروج حسن مجھ کو کیا ذلیل عشق
دخل کسی کا کچھ نہیں قدرت کارساز میں

گر ترا ہے انتظار خلق ہے محو انتظار
حشر بپا ہوا ہے یار تیرے خرام ناز میں

اہل وطن کی قدر کر رفعت غیر پر نہ مر | کیف مئے طہور ہے بادۂ خانہ ساز میں
صحبت پیر مے فروش دیتی ہے درس عقل و ہوش | خودسری شباب میں جذبۂ کبر و ناز میں
عشق کی شان بے نیاز ہو گی نہ صرف امتیاز | محو ہے شان غزنوی بندگیٔ ایاز میں
قالو بلیٰ کا اعتراف کر لیا سب نے صاف صاف | سن کے الست کا پیام زمزمۂ حجاز میں
گو ہے خزاں بروئے کار حالت میکشاں ہے زار | اب بھی ہیں سر بمہر خم میکدۂ حجاز میں

ہند میں دل ملول ہے شوق در رسولؐ ہے
عبقری کوئی لے چلے بارگہ حجاز میں

عبقری نے "مد و جزر اسلام" کے دور میں آنکھیں کھولی تھیں - ان کے سینے میں ایک درد مند اور حمیت قومی سے لبریز دل تھا - انھیں اپنے ماضی سے محبت تھی اور وہ اسلاف کے کارہائے نمایاں کی رجعت کے تمنائی تھے - شاید وہ خود لذت فقر سے بھی آشنا تھے - لہٰذا ان کے کلام میں درس اخلاق اور مایوسی، بیزاری اور برہمی سے پیدا ہونے والا طنز ملتا ہے - میرے خیال میں ان کا یہ کلام ان کی شخصیت کا آئینہ دار اور حقیقت پسندانہ ہے - یہ وہ کلام ہے جس کی روشنی میں ان کا ذہنی ارتقا متعین کیا جا سکتا ہے -

اوّل اوّل اخلاقی مضامین پر مشتمل اشعار ملتے ہیں ؎

یہ مانا فرض ہے انسان پر اہل ہنر ہونا | مگر پہلے ہنر سے چاہیئے اس کو بشر ہونا
تنقید کی جو آپ ہی اپنے عیوب پر | ہم سے زیادہ خلق میں کوئی برا نہ تھا
آنکھ کھلتی ہے بشر کی آفتیں آنے کے بعد | آدمی بنتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد
جسے کہ شرم گناہوں کی ہو نہ انساں سے | خدا کے سامنے وہ شرمسار کیا ہوگا
دل خانۂ خدا ہے نہ پامال کر اسے | ہل جائے عرش دیکھ نہ رب مجید کا
خدا نے عجز کو بخشا ہے رتبۂ عالی | خدا کے خاص وہی ہیں جنھیں غرور نہیں

عبقری نے ان خیالات پر اکتفا نہیں کیا، تسلیم و رضا، فقر و قناعت اور جہد و عمل کی تعلیم دی - اس وقت بریلی کے ماحول شاعری میں، جو بہت کچھ داغ کے طرز کلام سے متاثر تھا، عبقری کے یہ اشعار روش عام سے علیحدہ اور پُر اثر ہیں ؎

حق حق پکار دور انا الحق گزر گیا | جوش جنوں کو بھینے دے دامن دریں سے دار
بخشی ہے ہم کو فقر نے وہ شان بے نیاز | منعم تو کیا ہے بھیک نہ مانگیں خدا سے ہم
بندگان عشق کو تیری رضا سے کام ہے | شاد تیرے ہاتھ سے ناشاد تیرے ہاتھ سے

مانا کہ اس کا فضل و کرم کارساز ہے لیکن عمل بھی شرط ولی حیلہ ساز ہے

مگر شاعر تو مضطرب اور بے اطمینان ہوتا ہے۔ اس کی نظر تنقیدی اور اس کا کلام دل نشین ہوتا ہے۔ اس کا حساس دل، اس کی تنقیدی نظر اور اس کا دل نشین کلام معاشرے کے مصائب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کی بیزاری، مایوسی اور برہمی طنز کا پیرایہ اختیار کر لیتی ہے۔ عبقری کی برہمی کا باعث وہ لوگ ہیں جن کے ظاہر اور باطن، نیت اور عمل میں فرق ہے، جو خود فریب ہیں اور زندگی کے مسائل کو جانتے بوجھتے نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ عبقری کے طنز میں تاسف و معذرت نہیں ہے۔ ان کا طنز بھرپور ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر وہ صرف طنز نگار ہوتے تو اردو شاعری میں علامت حیات بن جاتے۔ انھوں نے مسلم معاشرے کی دکھتی رگ پکڑی تھی اور طنز کو ملاحت سے بے نیاز کر لیا تھا ؎

رندوں میں اور شیخ میں اللہ رے امتیاز دنیا فروش یہ ہیں وہ عقبیٰ فروش ہے

سیر حرم کے واسطے اک مستعار دل لے کے چلے ہیں زاہد کا فرنما سے ہم

میں وہ ہوں رند حقیقت پرست اے زاہد کہ میرے جام میں عکس جمال حور نہیں

رندوں نے تیرے عرش کی منزل کو جا لیا زاہد ابھی پڑا ہے نشیب و فراز میں

خروش و رعد و باراں تھا کہ وعظ ترک مے نوشی جناب شیخ رندوں پر بہت گرجے بہت برسے

زاہد کو منع بادہ کشی کا ملا ثواب لپٹے ہیں رند بن کے فرشتے عذاب میں

کہو زاہد سے حجرے سے نکل مہر درخشاں بن کرے گا گوشۂ تاریک میں چلّہ کشی کب تک

فقیہہ دہر میدان عمل میں گام فرسا ہو بیان اختلاف حنبلی و شافعی کب تک

"ریاض عبقری" کا حصہ دوم نعتیہ شاعری پر مشتمل ہے۔ وہ بشکل مخمس ہے یا مسدس۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ اس میں اصلاحی رنگ غالب ہے جس کی وجہ سے اس کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ نعتیں عبقری کے زور کلام کا اعلا نمونہ ہیں۔

روشنی مہر نبوت کی نہ جب آئی تھی ظلمت کفر کی گھنگھور گھٹا چھائی تھی

گمرہی رہبر ہنگامۂ رسوائی تھی راج تھا جھوٹے خداؤں کا خدائی تھی

سب تھے بگڑے ہوئے شیطان کی بن آئی تھی

کوئی تھا ملت آذر کے شرر باروں میں کوئی تھا بادۂ تثلیث کے سرشاروں میں

کوئی تھا دام برہمن کے گرفتاروں میں ذات واحد کے نہ تھا کوئی پرستاروں میں

ہر طرف سنگ در بت پہ جبیں سائی تھی

جب ہوا آپ کا دنیائے مجازی میں ظہور ذرے ذرے کو ملا رتبۂ صد جلوۂ طور

کیا ویراں کدۂ دہر کو بیت المعمور	نور توحید سے آفاق بنا بقعۂ نور

کھل گئی سر پہ جو تاریک گھٹا چھائی تھی

جب محمدؐ کی غلامی کا شرف حاصل تھا	تیرا ہر نقش قدم رہبر صد منزل تھا

جادہ پیمارہِ توحید میں تیرا دل تھا	سنت احمد مختار کا تو حامل تھا

خادم بن کے حکومت ترے گھر آئی تھی

عمل و جوش سے کر دے علم جہل نگوں	اسوۂ احمد مختار سے لے درس سکوں

اپنی ہستی کو نہ رکھ دہر میں بیکار و زبوں	پھر زمانے کو دکھا دبدبۂ خیبر فرّوں

گھر میں کھانے کو نہ تھا ہاتھ میں دارائی تھی

چند نظمیں مثلاً ڈولی، ٹوٹی ناؤ، سونی بجریا، ترچھی نظر، من کی چندریا، ثیرب بسیا میں ہندی الفاظ کی پیوند کاری ہے ۔ ہندی الفاظ کا برمحل استعمال بھلا لگتا ہے ۔ ان نظموں میں ہندی الفاظ کی پیوند کاری برمحل نہیں ہے ۔ مزید برآں اردو مصرعوں کے ساتھ ہندی مصرعے کا پیوند قباحت سے خالی نہیں ہے ۔ اس سلسلے میں یہ بات مزید غور طلب ہے کہ ہندی کی بھگتی شاعری میں جو الفاظ علاماتی نوعیت کے ہیں ۔ وہ اردو شاعری میں اردو فکر و معنی کی علامت بن کر استعمال نہیں ہو سکتے ۔ عبقری نے نہ صرف ہندی کے علاماتی الفاظ اردو نظموں میں غلط داخل کئے بلکہ ان الفاظ کے وزن اور لہجے کو بھی بے جوڑ استعمال کیا ۔ میرے خیال میں یہ نظمیں عبقری کے زور بیان کی بے لگامی کا مظہر ہیں ۔ اگر یہ ہندی مصرعے نظموں سے خارج کر دیئے جائیں تو نظموں کی معنوی و تکنیکی حیثیت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا ۔

بریلی کے اس دور شاعری میں جب کہ شعرا داغ کی غزل کے خمار سے محظوظ ہو رہے تھے اور ان کی بے روا رنگ اور طرز بیاں بہت کچھ تقلیدی بن چکا تھا، عبقری کا متنوع، پر اثر اور پر جوش کلام انفرادیت کا حامل معلوم ہوتا ہے ۔ وہ بلاشبہ بریلی میں اس صدی کے بڑے شاعر تھے ۔

ایسے عالی نظر کہاں پیدا	عبقری کا بھی دم غنیمت ہے ۔

علامہ تمنا عمادی

میری شاعرانہ معرکہ آرائیاں

مولانا سجاد کے پاس نظامی پریس کے مالک خواجہ نصیر حسین نوجوان، خواجہ سید حسن کے بیٹے، بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ یہ تو واقعہ ہے، آپ کی امارت کا اور سارا لٹریچر تو چھپتا ہے منظر ندوی صاحب کے برقی پریس میں اور یہ چار پانچ کی مزدوری کی چیز آپ دوسری جگہ چھپوانا چاہتے ہیں۔ چونکہ اس کے چھاپنے سے منظر ندوی صاحب نے انکار کر دیا مقدمہ بازی کے ڈر سے۔ اور دوسرا اس مقدمہ بازی کی زحمت بلاوجہ اپنے سر کیوں لے لے۔ یہ کون سا انصاف ہے۔ خواجہ نصیر حسین سے مولانا سجاد نے کہا کہ اگر تم اس کو چھاپ دو تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ امارت کا سارا لٹریچر اور اخبار نقیب تمھارے ہی پریس میں چھپے گا۔ سدن میاں پنچورے کے بڑے زمیندار بیٹھے تھے انھوں نے کہا کہ مقدمہ بازی اگر ہو گی تو مقدمے کے سارے اخراجات میں دوں گا اور بہتر سے بہتر وکیل بیرسٹر بھی دوں گا۔ تو خواجہ نصیر حسین قیس کو لے کر اسی دن اپنے پریس میں آئے اور مسودہ کاتب کو لکھنے کو دے دیا کتابت ہوئی اس کے بعد طباعت ہوئی۔ بارہ بجے شب تک وہ چھپ کر تیار ہو گیا۔ علی الصباح قیس اور خواجہ نصیر حسین اس کو لے کر دفتر امارت میں پہنچے۔ میں نے جو منظوم خط بھائی صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا اس کو تو بھائی صاحب نے پڑھ کر فوراً مولانا سجاد کے پاس بھیج دیا تھا۔ مولانا سجاد نے صرف جواب کے لئے ڈاکٹر مبارک اور مولانا شفق عماد پوری کو دکھایا تھا ممکن ہے کہ دو چار اور آدمیوں کی نظر بھی پڑ گئی ہو۔ اس کے بعد تو وہ نظم قیس لے کر استاد کے پاس آ گئے۔ یہاں استاد نے دیکھی اور قیس کے ساتھ جو استاد بھائی وہاں آئے موجود تھے ان لوگوں نے دیکھی۔ اس کے بعد تو پھر جعلی نظم بن گئی۔ اور میرا وہ اصلی منظوم خط کیا ہوا اس کو کون جانے قیس کے پاس رہ گیا یا مولانا سجاد نے لے لیا۔ یا ضائع کر دیا گیا۔ اب تو عام نظروں کے سامنے وہی جعلی نظم تھی جو میری نظم سمجھی جاتی تھی۔

خانقاہ کے لوگوں کو یہ ہنگامہ آرائی بالکل پسند نہیں تھی مگر اس کا تعلق خانقاہ سے نہ تھا بلکہ امارت سجادیہ سے تھا۔ امارت شرعیہ تو حضرت شاہ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ تک تھی ان کے بعد ختم ہو چکی تھی اس کے بعد امارت سجادیہ رہ گئی تھی۔ جو پھر امارت کانگریسی بنی۔ اور آج تک امارت کانگریسیہ ہے۔ غرض خانقاہ کے ارکان کے پاس خموشی کے سوا کوئی

---

[1] تیسری اور آخری قسط

چاہتا نہ تھا - وہ دل سے متنفر تھے اس لئے اس ہنگامے میں سجادیہ جماعت کا ساتھ کیا دیتے - مگر مخالفت بھی نہیں کرسکتے تھے۔ روک بھی نہیں سکتے تھے - مریدان خانقاہ میں مخلصین اور عقل و ہوش والے میرے ہمدرد تھے - مگر خموش تھے اور عوام کو تو میرے خلاف ابھارا ہی جاسکا تھا -

مجھ کو وہ مطبوعہ دونوں نظمیں ملیں تو سخت حیرت ہوئی کہ یہ جعلی نظم میری طرف منسوب کرکے چھاپی گئی ہے اور اس کا جواب دیا گیا ہے - میں فوراً پٹنہ آیا اور منظر ندوی کے برقی پریس میں بیٹھ کر اشعار کہتا جاتا تھا اور کاتب لکھتا جاتا تھا - اس طرح بیس اکیس شعر کی نظم لکھی - اور فوراً ایک ہزار کی تعداد میں چھپوا کر پھلواری آیا - اور اس کی اشاعت کرائی - اس نظم سے بہت لوگوں پر حقیقت حال واضح ہوگئی اور میری طرف سے بہت لوگوں کے قلوب صاف ہوگئے - مگر کچھ کینہ کش لوگ اپنا دل صاف نہ کرسکے - جن میں تین آدمی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر تھے - مگر چونکہ تینوں مرچکے اس لئے ان کا ذکر نہ ہو تو بہتر ہے - اذکروا الموتی بالخیر - اگرچہ مولانا سجاد بھی وفات پاچکے، قیس اور خواجہ نعیم دونوں بیچارے جوانی موت مرے اور حضرت شاد بھی رخصت ہوگئے - بھائی نظیر حسین شائق اور ان کے بیٹے نعیر سب رخصت ہوگئے - جو افراد تاریخ ہیں ان کا ذکر تو کرنا ضروری تھا - ورنہ تاریخ بھی مرتب نہیں ہوسکتی اس لئے مجبوراً ان کا ذکر کیا جن کا تعلق فقط کینہ کشی سے تھا کوئی ایسا عملی حصہ نہیں تھا جس کے ذکر کی ضرورت ہو اس لئے ایسے لوگوں کا ذکر مناسب نہیں ہے -

اس کے بعد ایک رسالہ قیس نے بطور تذکرے کے چھاپا - جس میں اپنی نظم اور میرے نام سے جو جعلی نظم چھاپی تھی، پھر میری نظم جو اپنی برائت میں میں نے لکھی تھی ان سب کو شائع کیا اور میری نظموں پر اعتراضات جاہلانہ شائع کئے - ان جاہلانہ اعتراضات سے سمجھتا ہوں کہ یہ اعتراضات حضرت شاد کے بتائے ہوئے نہ ہوں گے - مثلاً ایک اشتہار بھی میری طرف سے چھپا تھا - جس کے آخر میں متنبی کا یہ عربی شعر تھا ؎

اَلْخَیْلُ وَاللَّیْلُ والبیداء تعرفنی ۔۔۔ وَالضَّرْبُ وَالْحَرْبُ وَالْقِرْطَاسُ وَالْقَلَمُ

(گھوڑا بھی پہچانتا ہے مجھ کو اور رات بھی اور دشت و بیاباں بھی، اور ضرب بھی، حرب بھی اور قرطاس و قلم بھی) (سب آگاہ ہیں)

اس شعر کے متعلق لکھا کہ معاذ اللہ - یہ وہ شعر ہے جس کو فرزدق شاعر نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی شان میں کہا تھا - جس کو تمنا نے اپنے پر چسپاں کیا ہے - حضرت شاد عربی جانتے تھے - اتنے جاہل نہ تھے کہ وہ اس شعر کا مطلب نہ سمجھ سکتے - فرزدق کا شعر یہ ہے ؎

ھٰذا الّذی تعرف البطحاء وطأتہٗ ۔۔۔ اَلْبَیْتُ یَعْرِفُہٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَم

(یہ وہ ہیں جن کے نقوش قدم کو بطحا پہچانتا ہے اور خود ان کو بیت اللہ پہچانتا ہے - حرم جانتا ہے اور حل (یعنی حرم سے باہر کی دنیا)

بس صرف "تعرف" کا لفظ دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ وہی شعر ہے۔

اسی طرح ایک جگہ "مقابلے میں" میں نے لکھا تھا، اسی اشتہار میں۔ اس پر اعتراض کیا کہ "مقابلہ" کے لفظ کے بعد "میں" نہیں آتا۔ حالانکہ بغیر "میں" لائے اس کا استعمال ایسے مواقع میں ممکن ہی نہیں۔ استاد سے اس نے سنا ہوگا کہ "مقابل" کے بعد "میں" لانا جائز نہیں۔ یعنی "مقابل میں" کہنا غلط ہے۔ اس نے سمجھ لیا کہ "مقابل" اور "مقابلہ" ایک ہی ہے۔ جب اس کے بعد "میں" نہیں آسکتا تو اس کے بعد کے نہیں آسکتا۔ اس کا جواب میرے ایک شاگرد ارمان آرکی ایم اے نے دیا۔ اور حضرت شاد کی بھی خوب خبر لی۔ شاد صاحب نے کہہ دیا کہ قیس میرے یہاں نہ آئے اگر آئے تو گردن میں ہاتھ دے کر نکال دوں گا قیس کو خبر ملی تو ایک قاب انڈے کا حلوہ، ایک قاب گاجر کا حلوہ لے کر پہنچا اور تحفہ پیش کر دیا۔ حلوائے مطبق پر جو نظر پڑی تو مسکرا کر پوچھا کہ کس چیز کے حلوے ہیں۔ قیس نے کہا کہ یہ انڈے کا حلوہ ہے اور یہ گاجر کا۔ کہنے لگے رات ہی انڈے کے حلوے کا خیال آیا تھا کہ بنواؤں تم خوب لائے۔ اور ساری خفگی غائب تھی۔ اس کے بعد ارمان کے پمفلٹ کا جواب خود لکھ دیا۔ اس میں صرف سب وشتم اور ذاتی حملے تھے۔ اور ان کا نام خود ہی بنایا۔ "خون تمنا" توجیہ "خون تمنا" شائع ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ اردو میں سوال و جواب کا سلسلہ تو کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس لئے ایک قصیدہ فارسی میں اور ایک قصیدہ عربی میں خاص شاد صاحب کو مخاطب کر کے لکھا جائے۔

اور یہ دونوں قصیدے "فعل موذی" کے نام سے شائع ہوئے۔ فارسی قصیدے کا مطلع یہ تھا ؎

من کہ آوا بلبل دستاں شکنم ۔۔۔ آہ سناشم کہ ز ہنگامہ زاغاں تشکنم

اور عربی قصیدے کا مطلع یہ تھا ؎

شاب شادٌ ولا عجبٌ لعیا ۔۔۔ نحن من شانہ نری عجبا

تو پھر حضرت شاد نے سپر رکھ دی اور فتنۂ امارت سجادیہ ہمیشہ کے لئے دب گیا۔

بعض مشاعرے

حضرت شاد کے یہاں میری آمد و رفت تو پہلے سے کم تھی ان واقعات کے بعد تو اور بھی کوئی موقع ان کے یہاں جانے کا نہ تھا۔ ایک بار ان کے شاگرد رشید لاڈلے صاحب مختار بیتاب عظیم آبادی نے بہت اصرار کیا اور وہ خود خانقاہ عمادیہ میں آکر مجھ کو اپنے ساتھ ان کے یہاں ایک مشاعرے میں لے گئے۔ مصرع تین چار دن قبل بھیج چکے تھے۔ ایک غزل لکھ لی تھی۔ وہی پڑھی۔ مصرعِ طرح یاد نہیں ہے۔ ردیف نگاہ میں، پناہ میں تھی۔ میرا مطلع یہ تھا ؎

اک رابطہ تو ہے نگہ عذر خواہ میں ۔۔۔ شاید اسی سے ربط ہو عفو و گناہ میں

حضرت شاد نے دوبارہ پڑھوایا اور داد دی استادی کی شان رکھتے ہوئے اور سامعین نے بھی بہت پسند کیا

مقطع یہ تھا ؎

رہتا تمھارات دن جو تمنّا نشے میں چور بیٹھا ہے سرجھکائے ہوئے خانقاہ میں

حضرت شاد نے فرمایا "نشے میں چور" ؟ ..... میں نے کہا جی ہاں "نشے میں چور" پھر انھوں نے اسی طرح پوچھا پھر میں نے وہی کہا اور ذوق کا یہ مصرع پڑھا - ؏

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

اس کے بعد وہ چپ ہو رہے -

مشاعرہ ختم ہوا تو رخصت کے وقت اٹھے اور میرے داہنے ہاتھ کو اپنی بغل میں دبائے ہوئے دو چار قدم چلے اور میرے والد مرحوم سے اپنے دوستانہ تعلقات کو یاد دلایا اور کہا کہ تم تو میرے عزیز ہو میرے ایک بھائی کے بیٹے ہو - میں نے کہا کہ میں تو آپ کو چچا ہی کہتا ہوں اور جس طرح آپ مجھ کو اپنا عزیز سمجھتے ہیں میں بھی اسی طرح آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں - اس کے بعد رخصت ہوا -

ایک مہینے کے بعد میں مسجد سے عشا کی نماز پڑھ کر نکلا تو دیکھا کہ خانقاہ عمادیہ (پٹنہ سٹی منگل تالاب کے پھاٹک پر ایک ٹم ٹم آکر رکا - کھڑا ہو کر دیکھنے لگا - خیال ہوا کہ شاید کوئی مہمان کہیں سے آئے ہوں - ٹم ٹم سے ایک صاحب اترے اور سیدھے میرے پاس آئے - دیکھا تو شاد صاحب کے شاگرد رشید جناب امداد صاحب ہیں - صاحب سلامت اور مصافحے کے بعد بولے کہ آپ ہی کو لینے کے لئے آیا ہوں - میں نے پوچھا کہاں ؟ کہنے لگے کہ استاد کے یہاں مشاعرہ ہے اور مجھ کو خاص کر کے بھیجا ہے کہ ضرور ساتھ لے آؤ - میں نے پوچھا کہ کیا غیر طرحی مشاعرہ ہے ؟ کہنے لگے کہ کہنا بھی غیر طرحی ہوتا ہے ؟ میں نے کہا کہ مجھ کو تو مصرع طرح کی کوئی اطلاع نہیں ہے - انھوں نے مصرع طرح سنایا جواب یاد نہ رہا - " بہار سے، غبار سے" طرح تھی - میں نے کہا کہ اب کس وقت شعر کہوں گا اور کب پڑھوں گا - نو بجے کا شروع ہوئی تھی - اب کچھ دیر میں دس بجیں گے - میں نے سنت بھی نہیں پڑھی ہے اور کھانا بھی کوٹھے پر رکھا ہوا ہے وہ میرے ساتھ کوٹھے پر آئے - میں نے دو رکعت سنت پڑھی اس کے بعد کھانا کھایا - کھانے کے دوران ایک مطلع ذہن میں آگیا - راستے بھر سوچتا گیا - حضرت شاد کی مجلس تک پہنچنے سے پہلے سات شعر ہو گئے - حضرت شاد نے اپنے قریب بٹھا میں نے عرض کیا کہ مجھ کو مصرع طرح تو پہلے بھجوا دیتے - انھوں نے کہا کہ میں نے تو ایک کارڈ سے مطلع کر دیا تھا - اب یہ کیوں کر کہتا کہ مجھ کو یقین نہیں آتا - غرض مجھ کو جب حکم ہوا تو وہی سات شعر پڑھ دیئے - جو وہیں پر پنسل سے لکھ لئے مطلع تھا -

قائم ہے یادگار سلف خاکسار سے باقی ہے کارواں کی علامت غبار سے

حضرت شاد نے پھر پڑھوایا اور کہا کہ بہت اچھا مطلع نکلا ہے - تعلی کی تعلی اور انکسار کا انکسار - ماشاءاللہ ایک شعر یاد آگیا -

دیکھو یہ خبط ڈھونڈ رہا ہوں بغل میں دل گھل کر بہا تھا کیا مژۂ اشکبار سے

اسی طرح مجھ کو مسلسل تین چار مشاعروں میں عین وقت پر بلوایا - اور اس طرح مجھ کو راہ میں چند شعر کہہ کر پڑھنا پڑے - پھر نہ کوئی بلانے کو آیا نہ میں گیا - شاید مشاعرے وہ سلسلہ قائم نہ رہا -

(واضح رہے) کہ میں نے جو واقعات لکھے ہیں محض سرسری طور سے - جو واقعہ پہلے گزرا وہ بعد کو لکھا گیا بعد کا واقعہ پہلے یاد آگیا - اس سے ان واقعات پر تسلسل زمانی قائم نہ رکھ سکا - جیسے جیسے بات یاد آتی گئی لکھتا گیا یہ مشاعرے کے واقعات بہت قبل کے ہیں - جب کسی قسم کا مباحثہ میرے ان کے درمیان پیدا نہ ہوا تھا -

حفیظ عظیم آبادی مولانا حافظ نذر الرحمان سجادہ نشیں خانقاہ حضرت مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی بڑے خوش مذاق صاحب دیوان شاعر تھے - اردو فارسی دونوں زبانوں میں کہتے تھے - عربی ادب کا بھی فی الجملہ ذوق رکھتے تھے - میرے والد مرحوم کو چچا کہتے تھے - اس لئے میں ان کو بھائی کہتا تھا - مجھ سے بہت بڑے تھے مگر برابر کا برتاؤ رکھتے تھے - اکثر مشاعروں میں ان کا ساتھ رہتا تھا -

مرتضےٰ اثیر لوری کٹرے کے رئیسوں میں مرتضےٰ اثیر صاحب تھے - میرے بڑے دوست تھے - انھوں نے ہر سال ربیع الاول کی پہلی سے بارھویں تک اپنے یہاں نعت خوانی کی مجلس قائم کی تھی - میرے ذمہ یہ تھا کہ واقعات جنگ بدر وخیبر و احد وغیرہ کو منظوم کر کے مسدس میں میر انیس کے رنگ میں پڑھا کروں - چنانچہ کئی سال تک اس کا سلسلہ جاری رہا جس کا شہر میں بڑا شہرہ ہوا اور دور دور سے لوگ سننے کے لئے آتے تھے - میرے چچا اور مرشد حضرت مولانا شاہ رشید الحق عمادی مجیبی سجادہ نشیں خانقاہ عمادیہ نے بھی سننے کا اشتیاق ظاہر فرمایا - تو ایک مسدس جنگ بدر والا ان کی خدمت میں چند مخصوص حضرات کے مجمع میں ان کو پڑھ کر سنایا - تو انھوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک تمہیں "حسان الہند" کہنا چاہیئے - اس کے بعد سے میرے نام کے بعد اکثر لوگ یہ لقب لکھنے لگے - مرشد کا بخشا ہوا خطاب تھا - اس وقت تک عربی شعر گوئی کی مشق نہ تھی - اللہ تعالےٰ نے عربی پر بھی قدرت عطا فرمائی کہ اس وقت دس بارہ قصائد تقریباً پچیس قطعے اور عربی خطوط اور مضامین نثر کا مجموعہ تقریباً سو اسو صفحات کا موجود ہے

آرے کے احباب آرہ شاہ آباد میں میرے تین استاد بھائی تھے - مولانا حکیم ضمیر الحق قیس احمد اللہ اور مولوی امیر حسن بدر اور مولوی محمد اسماعیل مختار نطق - آرے مشاعروں میں بہت جاتا تھا - اور جب جاتا تھا تو زبردستی صدارت میرے ہی سر رہتی تھی حالانکہ یہ تینوں استاد بھائی مجھ سے بہت بڑے اور پرانے کہنے والے تھے - مولانا حکیم ضمیر الحق قیس مجھ سے بے حد محبت رکھتے تھے ان کے بعد حضرت بدر - حضرت بدر مرحوم کے شاگرد اللہ بچا نجے تھے شمر، عین الہدیٰ نام تھا - بڑے جھگڑالو تھے - اکثر مشاعروں میں دوسروں سے جھگڑ جاتے تھے اور مقابلے کا چیلنج دینے کے لئے تیار ہو جاتے - ان کے استاد حضرت بدر نے ان کو خط لکھ کر تاکید کردی کہ خبردار سب سے جھگڑنا مگر مولانا تمنا سے نہ الجھنا - ایک تو وہ میرے استاد بھائی ہیں دوسرے تم کسی چیز میں کبھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے - اس کے بعد سے شمر مرحوم برابر میرا لحاظ کرنے لگے تھے -

حضرت پدر مرحوم حضرت صفیر بلگرامی کے بھی شاگرد تھے اور حضرت شمشاد لکھنوی کے بھی - میں نے حضرت صفیر مرحوم کا وقت نہیں پایا انہیں حضرت شمشاد مرحوم کی شاگردی کا شرف رکھتا ہوں اور فارسی و عربی شاعری میں علامہ شبلی کا فیض یافتہ ہوں - رحمہم اللہ تعالیٰ

حضرت آزاد عظیم آبادی

فارسی اور اردو پر پوری قدرت رکھتے تھے - اور خوب کہتے تھے - بڑے کہنہ مشق مگر کسی قدر عربی بھی جانتے تھے اور مجھ کو عربی ہی میں منظوم خط لکھا کرتے تھے اور مجھ کو جواب میں عربی ہی میں منظوم خطوط لکھنا پڑتے تھے مگر ان کی عربی کا رنگ ان کی فارسی کی طرح تھی - اپنے قلم سے اپنے ہم عصروں میں شاید کبھی کسی کی تعریف اس قدر کہ اس کو اپنے سے بڑھا دیا ہو، میرے سوا نہیں کی - ان کے متعدد عربی قطعے منظوم خطوط کی حیثیت سے ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں جس میں اپنی نومشقی کا اعتراف کیا ہے اور میری کافی تعریف ہر خط میں کی ہے - مجھ سے بے حد محبت رکھتے تھے اور بہت خلوص سے ملتے تھے -

میرے بھائی مولانا محمد مسلم پروفیسر سلمہ اللہ تعالیٰ نے آئی اے پاس کرنے کے بعد پڑھنے کا سلسلہ ترک کر کے تجارت کا عزم کیا تھا اور بک سیلر بن گئے تھے - پٹنہ محلہ چوہٹہ میں ان کی دوکان تھی - ان کے اور میرے دوست نظامی سلمہ اللہ تعالیٰ جو اب اورنگ آباد (گیا) میں وکیل ہیں اس وقت میٹرک میں تھے - اسی دوکان میں بھائی مسلم صاحب کے ساتھ رہتے تھے - میں اس وقت انگریزی مشن رود پر شیرستان میں رہتا تھا - ہر روز آخر عصر تک وہاں پہنچ جاتا تھا - اور علامہ حافظ فضل حق آزاد کا مکان سلطان گنج میں تھا وہاں سے وہ بھی مغرب کے بعد پہنچ جاتے تھے - تقریباً بارہ بجے شب تک ہم لوگوں کی مجلس بحث و ادب گرم رہتی تھی ، ایک دوسرے پر اعتراض کرتا تھا - بحث گرم رہتی تھی اور شاعری رہتی تھی - ایک بار انھوں نے اپنی ایک فارسی غزل سنائی "سری کشی ، زری کشی" کی طرح پر جب وہ غزل سنا چکے تو ایک شعر میرے ذہن میں بھی آگیا - میں نے کہا کہ ایک شعر مجھ سے بھی سن لیجئے کہا پڑھئے تو پڑھا ؎

بیک بوسہ لب تواں لبت لب   زآہم چرا دود سری کشی

پھڑک گئے - کہنے لگے کہ بھائی فارسی میں جب تک زبان کا لطف نہ ہو صرف مضمون کچھ لطف نہیں دیتا - اس کے بعد پھر پڑھوایا - پھر خود تین چار بار دھرایا اور بولے کہ ہمیں فارسی کے ایسے ہی اشعار پسند ہیں جن میں فارسیت کا ایسا رنگ غالب ہو کہ اہل زبان کا کلام معلوم ہو -

ان کی ایک عادت یہ تھی کہ خود وہ کبھی کسی کی تعریف ضرور کرتے تھے - اگرچہ کم ہی لوگوں کی تعریف کرتے تھے مگر آپ نے اگر کسی کی تعریف ان کے سامنے (خصوصاً ان کے کسی ہم عصر کی) کی تو پھر وہ اس کی تنقیص اپنا فرض سمجھتے تھے اور اگر آپ نے ان کے کسی مخالف کی بھی تنقیص ان کے سامنے شروع کردی تو وہ اس کی طرف سے مدافعت اپنا فریضہ جانتے تھے مگر بڑے پرگو اور پہلوان شاعر تھے اکھاڑے کے شاعر -

آرے کا ایک واقعہ

ہری جی مہراج اور مہاراج ڈمراؤں کے درمیان جو شہرۂ آفاق ایک بہت بڑا مقدمہ تھا اور فارسی کے پروانے پر بحث تھی - اس لئے بڑے فارسی داں، یہاں تک کہ پروفیسر کاظم شیرازی وغیرہ آرے میں

جمع تھے۔ ہری جی کی طرف تنہا میں تھا۔ اور مہاراج کی طرف ناظم شیرازی وغیرہ متعدد ماہرین زبان فارسی تھے۔ جس کی تفصیل میں رسالۂ مہر نیمروز کے رضا علی وحشت نمبر میں کر چکا ہوں اس لئے یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ وہاں سے نقل کر لیا جاسکتا ہے۔ غرض میں ہری جی کی "ایڈورڈ" کوٹھی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ جمعے کا دن آگیا تو جمعے کی نماز کے لئے جامع مسجد پہنچا اس سے پہلے بھی جمعہ پڑھنے کے لئے یہیں آتا تھا۔ اب کے بار کچھ زیادہ چہل پہل تھی۔ نماز کے بعد جلسے کا انتظام شروع ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ ترکوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کے لئے جلسہ ہے۔ پہلی جنگ میں تو سب سے صلح ہوئی تھی صرف ترکوں سے صلح نہیں کی گئی تھی۔ مجھ سے کہا گیا کہ کوئی مناسب وقت کی نظم پڑھیئے۔ میں اس کے لئے تیار تو آیا نہیں تھا۔ مگر ایک نعتیہ مسدس جنگ طرابلس کے موقع پر لکھا تھا اس کے کچھ بند یاد تھے وہی پڑھ دیئے۔ جو مناسب وقت تھا اس لئے وہ بند بہت پسند کئے گئے۔ یہ مسدس چونکہ دس بارہ برس پہلے کا تھا اور قوال بھی اس کے کچھ ابتدائی اور کچھ آخر کے بند گایا کرتے تھے اس لئے بعض لوگوں کے کان ان بندوں سے آشنا تھے۔ جلسہ ختم ہوا تو بھائی مولوی امیر حسن بدر نے فرمایا کہ کل ہی آٹھ بجے شب کو مشاعرہ ہے اس مشاعرے میں آنا ہوگا۔ میں نے کہا کہ کسی کو اگر آپ بھیج دیں گے تو اس کے ساتھ آجاؤں گا۔ سواری کی ضرورت نہیں ہے ہری جی کا موٹر موجود ہے۔ مگر مقام مشاعرہ کا رات کو پتا لگانا مشکل ہوگا۔ انھوں نے فرمایا کہ ضرور بھیج دوں گا۔ چنانچہ ایک صاحب تشریف لائے۔ ہری جی کو موٹر کے لئے کہلوایا۔ موٹر آگیا۔ جب چلے تو راہ میں جو صاحب لینے کے لئے آئے تھے انھوں نے پوچھا کہ جو مسدس جمعے کے دن آپ نے پڑھا تھا وہ کس کا تھا؟ میں نے کہا جس نے پڑھا تھا اس کا تھا۔ کیوں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے کسی دوسرے کا کلام پڑھ دیا۔ تو ان صاحب نے فرمایا کہ جلسے کے بعد بعض لوگوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ اس مسدس میں کئی بند ڈاکٹر اقبال یا ظفر علی خاں کے تھے۔ میں نے پوچھا کہ وہ لوگ مشاعرے میں بھی آئیں گے؟ انھوں نے کہا ضرور آئیں گے۔ تو اس وقت سے ایک قطعے کی فکر میں لگ گیا۔ مشاعرے والے مکان میں پہنچ گیا تو پہلے عشا کی نماز پڑھی پھر قلم نکال کر قطعے کے اشعار سوچتا گیا لکھتا گیا۔ قطعہ درست ہوگیا۔ مشاعرہ میری ہی صدارت میں شروع ہوا تھا اس لئے آخر میں پڑھنے کا موقع ملا تو پہلے یہ قطعہ پڑھا؎

آدمی اپنے معائب کو معائب سمجھے　　　تب ہنر اس کو نظر آئیں مہر اوروں کے
ورنہ جب ٹھیکری اپنی بھی ہے یاقوت و عقیق　　　سنگریزے بھی نہیں لعل و گہر اوروں کے
نخل اس باغ کے کس طرح کے ہوں گے جن میں　　　تخم اوروں کے نظر آئیں ثمر اوروں کے
سچ ہے تحفہ کہیں مقبول ہو کیوں کر اس کا　　　بے بلائے جو چلا آیا ہو گھر اوروں کے
آج تو سن کے مسدس کو ہمارے یہ کہا　　　اس میں آتے ہیں کئی بند نظر اوروں کے

کل ہمیں کو یہ کہیں گے کہ تمنا تو یہ ہیں
دست و پا ان کے بدن میں ہیں مگر اوروں کے

چونکہ میرا رخ بھائی بدر صاحب کی طرف تھا اس لئے وہ سمجھے کہ میرا گمان ان کے متعلق ہے اس لئے قسم کھانے لگے کہ واللہ باللہ میں نے یہ نہیں کہا ہے نہ آپ کے متعلق کبھی ایسا خیال کر سکتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ کی طرف میرا وہم بھی نہیں ہے آپ کی طرف نگاہ محض داد طلبی کے لئے تھی۔

ایک اور مشاعرہ شاہ ارزاں کی درگاہ کی خانقاہ میں ایک مشاعرہ تھا جس میں احسن مارہروی وغیرہ باہر کے بھی کچھ شعرا آئے ہوئے تھے۔ بھائی نظیر حسین مرحوم شاگرد شاد کے صاحبزادے نصیر مرحوم نے مشاعرہ شروع ہونے سے پہلے حضرت شاد کا یہ مطلع پڑھا ؎

جب اہل ہوش کہتے ہیں افسانہ آپ کا سنتا ہے اور ہنستا ہے دیوانہ آپ کا

اور کہا کہ اس قافیہ و ردیف پر اور اسی وزن پر کوئی صاحب ایک مطلع اگر کہہ دیں تو میں جانوں۔ میں نے کہا کہ حضرت تپاںؔ پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک مطلع ہے ؎

ہوش والوں سے جو سنتا ہے فسانہ تیرا بیٹھا منہ پھیر کے ہنستا ہے دوانہ تیرا

احسن مارہروی مرحوم اور تمام شعرا نے اس مطلع کی بہت داد دی۔ نصیر صاحب قیس عظیم آبادی اور حضرت شاد کے اور بھی تلامذہ جو وہاں موجود تھے ان لوگوں کو ناگوار ہوا۔ مگر سنجیدگی سے کہنے لگے، حضرت تپاںؔ کا دیوان چھپا ہوا نہیں ہے کہ شاہ صاحب نے دیکھ کر وہیں سے یہ مضمون اڑا لیا۔ یہ توارد ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے تو سرقے وغیرہ کا الزام نہیں دیا۔ ایک بزرگ کا ایک مطلع یاد تھا۔ پڑھ دیا، اس کے بعد نصیر اور قیس وغیرہ نے کہا کہ آپ اسی قافیہ و ردیف میں ایک مطلع کہہ دیجئے۔ میں نے دس پندرہ منٹ کی فکر کے بعد ایک مطلع پڑھا ؎

بے سمجھے کیا کہے کوئی افسانہ آپ کا
خاموش کچھ سمجھ کے ہے دیوانہ آپ کا

حضرت احسن مارہروی اور سب شعرا نے بہت داد دی اور تلامذۂ شاد اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ پھر میں نے وہیں گیارہ اشعار کی غزل بھی پوری کرلی۔ ایک شعر یاد آگیا ہے ؎

دے مارا اس نے شیشۂ دل کو زمین پر
کہتے ہوئے کہ "جائیے پیمانہ آپ کا"

اور اشعار یاد نہیں آتے۔

حضرت شاد سے ایک بار مذہبی چھیڑ بھی رو در رو ہو گئی تھی مگر اس کا ذکر مناسب نہیں معلوم ہوا اس لئے چھوڑ دیا۔

ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی

جوش ملسیانی

آپ یکم فروری سنہ ۱۸۸۴ء کو قصبہ ملسیان ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے ۔ چودہ سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اس لئے شروع ہی سے گھریلو ذمہ داریوں کا بار اٹھانا پڑا اور نہایت غریبی اور تنگ دستی سے گزر بسر ہوئی بچپن سے ہی جوش صاحب کو قدرت نے نہایت اچھا ذہن عطا کیا ہے اس لئے بہت جلد آپ ادیب فاضل اور منشی فاضل بن گئے اور ان امتحانوں میں صوبہ پنجاب میں اول رہے ہیں سنہ ۱۹۰۱ء میں مدرسی کا معزز پیشہ اختیار کیا نکودر ہائی اسکول میں آپ اردو فارسی کے مدرس اول رہے ۔ عربی اور فارسی کے عالم ہونے کے علاوہ آپ اردو کے ایک باکمال صاحب فن شاعر ہیں ۔ نواب مرزا داغ دہلوی کے جو گنے چنے شاگرد رہ گئے ہیں ان میں آپ کا بھی نام نامی ہے ۔ آپ کے شاگردوں کا حلقہ وسیع ہے جن میں سے سرشار سیلانی ماہر ناموی رہبر بدایونی اور قیس جالندھری خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ آپ کی شاعری کی گولڈن جوبلی کے جشن کی صدارت پنڈت گووند بلبھ پنتھ مرحوم نے فرمائی تھی اور اس موقع پر آپ کی ساٹھ سالہ ادبی خدمات کے سلسلے میں ایک ابھینندن گرنتھ پیش کیا گیا تھا ۔

آپ کی تصنیفات یہ ہیں " بادۂ سرجوش " " جنون و ہوش " " شرح دیوان غالب " " دعوت عمل " " دستور القواعد فارسی ، اقبال کی خامیاں ، آئینہ اصلاح " تنقیدی مضامین کے دو مجموعے بھی ہیں لیکن یہ شائع نہیں ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ان کے شائع کئے جانے کی کوئی امید نظر نہیں آتی ۔

۱ ۔ بادۂ سرجوش ۔ نظموں اور غزلوں کا سب سے پہلا مجموعہ ہے اور فن شاعری کا بہت اچھا نمونہ اس مجموعے کے شائع ہوتے ہی اردو کے سب ہی ادیبوں اور نقادوں نے آپ کو اہل زبان مان لیا تھا ۔ اس مجموعے میں ہر جگہ اسلوب بیان اور حسن بندش استادانہ شان سے نظر آتی ہے ۔ علامہ کیفی مرحوم اس مجموعے کے ملنے پر رقمطراز ہیں ۔

" جناب جوش ملسیانی کا مجموعہ کلام بادۂ سرجوش میں نے غور و تعمق سے پڑھا پڑھتے وقت مجھے تو یہی محسوس ہوا کہ رام پور میں مشاعرہ ہو رہا ہے ۔ داغ ، امیر ، تسلیم و ظہیر کی خوش بیانیوں سے مسرور ہوتا

ہوں مجھے اس کلام میں کوئی شعر کوئی مصرع کوئی لفظ ایسا نظر نہیں آتا جس پر حرف گیری ہو سکے ۔ زبان شیریں بیان برجستہ وشگفتہ سلاست میں رنگینی اور رنگینی سے سادگی مجھے ہم آغوش نظر آئی "

۲۔ جنون وہوش ۔ یہ مجموعہ ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا ہے اس میں بھی غزلیں اور نظمیں شامل ہیں ۔ اس کے شروع میں جوش صاحب نے سب سے پہلے متروکات کی ایک فہرست دے دی ہے ۔ یہ مجموعہ اردو شاعری کے باب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے ۔

۳۔ دیوان غالب مع شرح ۔ تالیف ہے جناب جوش ملسیانی کی جون ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی ۔ اب تک دیوان غالب کی جتنی شرحیں شائع ہوئی ہیں ان میں اس کا مرتبہ کسی سے کم نہیں ہے ۔ علامہ نیاز فتح پوری نگار پاکستان جولائی ۱۹۵۰ء میں مطبوعات موصولہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس شرح کے سلسلے میں رقمطراز ہیں ۔

" جناب جوش ملسیانی کی تالیف ہے اس مقصد کے ساتھ کہ وہ اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کے کام آئے شروع میں ایک بسیط مقدمہ بھی شامل ہے جس کے مطالعہ سے غالب کی شاعری کی اہمیت کا اجمالی علم پوری طرح حاصل ہو جاتا ہے ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کلام غالب کے جس ایڈیشن کو سامنے رکھ کر یہ شرح لکھی گئی ہے وہ بہت غلط تھا اور مولف نے ان غلطیوں کو دور کئے بغیر شرح لکھنے کی کوشش کی اس لئے بعض اشعار متن وشرح دونوں حیثیت سے بالکل بے معنی ہو گئے ہیں تاہم جوش ملسیانی کی یہ کوشش قابل قدر ہے "

۴۔ دعوت عمل ۔ اس میں جنگی اور قومی خیالات کی نظمیں ہیں اور ہر ایک نظم یا گیت میں جنگی ضروریات مدنظر رکھی گئی ہیں ۔

۵۔ دستور القواعد :۔ فارسی صرف ونحو پر نہایت ہی عمدہ کتاب ہے ۔

۶۔ اقبال کی خامیاں :۔ یہ کتاب ۱۹۲۸ء میں پہلی بار شائع ہوئی ۔ اس کتاب میں اقبال مرحوم کے کلام پر ایک تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے اس کتاب کا ایک نسخہ میری لائبریری میں محفوظ ہے ۔

۷۔ آئینۂ اصلاح :۔ یہ کتاب جوش صاحب نے مبتدی شعرا کے لئے لکھی ہے ۔ اور ساتھ ہی انھوں نے اپنے شاگردوں کے کلام پر اپنی اصلاحوں کے نمونے بھی دیئے ہیں ۔ کتاب بڑی قابل قدر ہے اور موضوع کے لحاظ سے ادب میں ایک اضافہ ۔

جناب جوش ملسیانی کی ذات اردو ادب میں نہایت عزت واحترام کے قابل ہے ۔ شاعری میں حضرت داغ کے مقلد ومتبع ہیں اور اتباع اور تقلید میں اس حد تک کامیاب ہوئے ہیں کہ ان کے اشعار پر کلام داغ کا دھوکا ہوتا ہے نہر گوالیاری کے علاوہ مرزا داغ کے تلامذہ میں آپ ہی ایک اور ایسے شاعر ہیں جن کا کلام داغ اسکول میں فنی غلطیوں سے نہ صرف پاک ہے بلکہ شعری ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے ۔ آپ کی غزلوں میں زبان کی صفائی بیان کی سادگی محاورے

کی برجستگی حسن تراکیب لطف تشبیہ و خوبی استعارہ مضمون کی تازگی اور شوخی کے علاوہ شگفتگیٔ تفکر اور بلند خیالی کے نمونے نظر آتے ہیں ۔ جوش صاحب کے کلام میں وہ معاملہ بندی شوخی چھیڑ چھاڑ اور لذتیت نہیں جن کی وجہ سے داغ اور ان کا اسکول بدنام رہا ہے ۔ ذیل میں آپ کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ۔

جنوں کی چیرہ دستی زندگی کے ساتھ جائے گی — عدم آباد کی حد سے ملا ہے چاک دامن کا

جناب شیخ کی میراث اس میں چل نہیں سکتی — ابھی تو گلشن جنت کے ہم حق دار بیٹھے ہیں

جور تو اے جوش آخر جور ہے — لطف بھی ان کا ستم ڈھاتا رہا

کر گئی موت مجھے اور بھی رسوائے جہاں — اس نے الزام یہ رکھا کہ وفادار نہ تھا

فغاں میں برقِ سوزاں کا اثر پیدا کر اے بلبل — یہ آہیں کوئی آہیں ہیں یہ نالے کوئی نالے ہیں

حیاتِ جاوداں آئی ہے جاں بازوں کے حصے میں — ہمیشہ جینے والے ہیں یہ جتنے مرنے والے ہیں

یہ ادا ہوئی کہ جفا ہوئی یہ کرم ہوا کہ سزا ہوئی — اسے شوق دید عطا کیا جو نگہ کی تاب نہ لا سکے

کچھ جذبۂ صادق ہو کچھ اخلاق و ارادت — اس سے نہیں کیا بحث وہ بت ہے کہ خدا ہے

نظریں بھی انقلاب کے زیر اثر ہیں جوش — تاریکیوں کا نام چراغاں ہے آج کل

فغاں ہر دل سے اٹھی لب پہ جان بے قرار آئی — قضا آئی قفس والوں کی یا فصلِ بہار آئی

مارا ہے تمھیں نے مجھے لوٹا ہے تمھیں نے — انکار کے انداز سے ہوتا ہے یقیں اور

زندگی کیوں نہ ہو لب فریاد — ایک دل وہ بھی خانماں برباد

لب اظہار کی ضرورت کیا — آپ ہوں اپنے درد کی فریاد

کسی مصلحت سے دعا بن گئی ہے — مرے لب پہ میری فغاں آتے آتے

ایک تو خوابِ گراں اور اس پہ یہ گوشِ گراں — کون سی امید پر زنجیر در کھڑکایئے

جب منزلِ مقصود نہیں پاتا ہوں — کوشش کوئی راہ پہ لے آتا ہوں

پہلے تو خدا کی جستجو ہوتی تھی — اب اپنی جستجو کئے جاتا ہوں

ہر ایک جواں پیر نظر آتا ہے — سہما ہوا نخچیر نظر آتا ہے

اس پر بھی زن و مرد ہیں آئینہ بدست — کیا عالم تصویر نظر آتا ہے

خدا جانے صبا سرِ دل کیا پیغام لاتی ہے — کہ پہروں کانپتے رہتے ہیں تنکے آشیانوں میں

عشق کو محض جنوں میں نے سمجھ رکھا تھا — عقل آئی مجھے مل کر ترے دیوانے سے

مخطوطات انجمن ترقی اُردو

(فارسی۔عربی)

انجمن میں فارسی اور عربی مخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ان مخطوطات کی اجمالی فہرست سیّد سرفراز رضوی، مہتمم کتب خانۂ خاص انجمن ترقیٔ اُردو نے مرتب کی ہے جس میں ہر مخطوطے کے بارے میں ضروری اور بنیادی معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔ متعدد مخطوطات کے عکس بھی شائع کئے گئے ہیں۔ طباعت بذریعہ آفسٹ ہوئی ہے۔ قیمت۔ تین روپے پچاس پیسے۔

طیب انصاری (عثمانیہ)

جوشؔ ملیح آبادی

ایک شاعر۔ ایک مفکّر

جوش کی شاعری مجموعہ اضداد ہے، جوش کی شاعری میں تسلسل نہیں ہے۔ جوش موقع پرست شاعر ہے جو ہر نئی تحریک [کا] ساتھ دیتا ہے، جوشؔ کی شاعری مختلف خانوں میں بٹی ہوئی ہے، جوش شہرت پسند شاعر ہے اور جوشؔ کی شاعری رسمی ہے۔ [ا]ن ایسے کتنے اعتراضات جوشؔ کی شاعری کے تعلق سے آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اعتراضات حرف بہ حرف صحیح نہیں ہیں [لیک]ن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ بے بنیاد ہیں۔ ان اعتراضات میں نقادوں کا خلوص کارفرما ہے۔ جوشؔ کی شاعری پر جو [اعت]رانات میں نے جمع کئے ہیں ان میں شاہد احمد کی تنقید کو شامل نہیں کیا گیا ہے[۱]۔ کیونکہ بقول جوشؔ انہیں ان سے بغض للّٰہ [ہ]ے دراصل ایسے معترضین کو ادبی نقادوں میں شامل نہیں کیا جا سکتا جو فن اور فکر کی بنیاد پر نہیں، ذاتی بغض وعناد [کی رو]شنی میں قلم اٹھاتے ہیں۔ تنقید کیچڑ اچھالنے کا فن نہیں ہے اور نہ ہی مخاصمت ومخالفت کے اظہار کا ذریعہ۔ اسے بندر [کے ہا]تھ میں ترازو بھی نہیں سمجھنا چاہیئے۔ نقاد کا منصب اعلیٰ وارفع ہے۔ وہ منصف بھی ہے اور معتبر بھی! کھرے کھوٹے کی [پہچ]ان رکھتا ہے، حق وناحق کی تمیز پیدا کرتا ہے، وہ انسانی اقدار اور انسانی اصولوں کا پاسدار ہوتا ہے اور انھی اعلیٰ قدروں [کی رو]شنی میں کسی بھی فن پارے کی پرکھ کرتا ہے۔ وہ فرشتہ تو نہیں ہوتا لیکن نیک وبد کے اظہار میں فرشتے کی طرح غیر جانبدار رہتا [ہے] یا پھر کم از کم اس کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

جوشؔ کی شاعری کو سمجھنے کے لئے فن کی اس دورخی کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس کی وضاحت ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے [قومی] زبان" میں کی ہے۔ "بحیثیت فن شعر کا تعلق فنونِ لطیفہ سے ہے، دوسری طرف چونکہ اس کی تخلیق زندگی، خاص طور پر [انسانی] زندگی کی گردشوں میں ہوتی ہے اس لئے یہ انسانی معاشرے سے بھی گہرا رشتہ رکھتا ہے۔ اس کی حیثیت ایک ایسی کہانی [کی] ہے جس کا ایک سرا جمال اور دوسرا اعمالِ حیات پر قایم ہو۔" اسی وجہ سے جب ڈاکٹر مسعود جوشؔ پر قلم اٹھاتے ہیں تو [انہیں ج]وشؔ کی شاعری مجموعہ اضداد نظر آتی ہے اور نہ ہی وہ اس کو مختلف خانوں میں بٹی ہوئی پاتے ہیں۔ جیسا کہ فیض نے کہا [ہے۔ ا]س رائے کی صداقت کو واضح کرنے کے لئے جوش کے تمام مجموعوں کے ناموں کو ترتیب دے لیجئے۔ شعلۂ حکایت، فکر، آیات،

---

[۱] [جس و]قت یہ مضمون لکھا گیا اس وقت شاہد صاحب بقید حیات تھے

عرش، سلاسل، سیف، خروش اور سموم اور دوسری طرف اس کہانی کا دوسرا اجمال یعنی شبنم، حرف، نشاط، نغمات، عرش، سنبل، سبحہ، سرود اور صبا سے جاکر ملتا ہے۔ آپ جوش کی شاعری میں جمال کی نیرنگیاں پائیں گے اور اعمالِ حیات کی تلخیاں بھی۔

اقبال کی طرح جوش کی زندگی مجموعۃ البحرین ہے جس میں مشرق و مغرب کے علم و حکمت کے دھارے آکر مل گئے ہیں لیکن اقبال کی طرح جوش کی شخصیت "جامع کمالات" نہیں ہے۔ اس وجہ سے ان کا کلام غیر معمولی اور لازوال قوتوں کا آئینہ دار نہیں ہے۔ البتہ ان کی شاعری میں چونکہ اپنے عصر کی تمام تر تحریکوں کی گھن گرج پائی جاتی ہے اس وجہ سے وہ ان مختلف تحریکات کا "سنگم" ضرور کہلائی جا سکتی ہے۔ بقول ڈاکٹر اعجاز حسین جوش کی عظمت اس وجہ سے ہے کہ "موجودہ اردو شاعری کے لب و لہجہ میں تیزی اور پکار میں شدت کی ابتدا اقبال سے ہوئی اور ایک کارآمد تلخی اور غیظ و غضب کا اضافہ جوش کی ذات سے ہوا۔ انھوں نے الفاظ کے رنگین پردوں میں بھی جذبات کی نشتریت چھپانا ننگ و عار سمجھا۔ میدان شاعری میں للکار کر ایک آواز دی جس میں دلوں کو ہلا دینے کی قوت تھی۔ پر پرواز کو سمیٹنے سے پہلے اڑ جانے کی تحریک تھی۔ وہ اشارے اور کنائے سے میدان عمل میں بلانے کے قائل نہیں، کمیں گاہوں سے چھپ چھپ کر کمک پہنچانے میں بزدلی کا عنصر پاتے ہیں ان کا قول ہے ؎

یا اوڑھ لے اے زہرہ جبیں مقنع و چادر — یا کھینچ لے اے مرد خدا میاں سے تلوار

یا رقص کی محفل میں بجا تال سے گھنگھرو — یا جنگ کے میداں میں سنا تیغ کی جھنکار

غرض اس دور میں ہماری شاعری کے سیاسی رجحان میں شدت و وسعت پیدا کرنے کے ذمہ دار جوش ہیں۔ مزدور و کسان وغیرہ کے متعلق انھوں نے شد و مد سے جذبات نظم کئے ہیں کہ شاعری کو حقِ خدمت گزاری سے سبکدوش کرا دیا"۔ جوش کی شاعری کے تعلق سے جو کہا گیا کہ انھوں نے شد و مد سے جذبات نظم کئے ہیں اس بات کی صداقت میں شبہ نہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ انھوں نے شاعری کو حق خدمت گزاری سے سبکدوش کر دیا تا وقتیکہ کوئی شاعر حیاتِ انسانی کی نبض کو پہچان نہ لے، وہ فکر صحیح سے انسانیت کو بہرہ ور نہ کر دے اور اپنی شاعری کے ذریعہ انسانی کارواں کی حقیقی رہبری کا حق ادا نہ کر دے وہ حق خدمت گزاری سے سبکدوش کیسے ہو سکتا ہے؟ جوش کے کندھوں پر تو خصوصیت سے یہ بوجھ جوں کا توں موجود ہے اور ان کا بدلتا ہوا، لچکدار ذہن بہت ممکن ہے زندگی کی حقیقی اور سچی شاہراہ کو پہچان لے، ان سے ایسی توقع رکھی جا سکتی ہے لیکن انھیں اس فرض سے سبکدوش نہیں کیا جا سکتا۔

انسانی ذہن کی یہ خوبی ہے کہ وہ لچکدار ہو اس میں قوتِ جذب بلا کی موجود ہو، وہ ہر نئی بات اگر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو وہ کسی بھی مقام پر جمود کا شکار نہ ہو لیکن اگر یہ لوچ اور لچک عمر کے آخری حصے تک باقی نہ رہے اور کسی بھی بہتر اور افضل چیز کو دائمی طور پر قبول کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، اچھے اور برے کی پہچان نہ کر پایا ہو اور حق و باطل کو رد و قبول کرنے کی جرأت پیدا نہ کر سکا ہو تو پھر یہی خوبی برائی ہی نہیں عذاب جان بن جاتی ہے۔ جوش کی جان کچھ اسی عذاب میں مبتلا نظر آتی ہے۔ جوش ہی پر کیا منحصر ہے آج بیسویں صدی کے بیشتر دانشور، مفکر، محققین اور شاعر اسی بیچارگی اور محرومی کا شکار ہیں۔ جوش کا پہلا

مجموعہ "روحِ ادب" کے نام سے ۱۹۲۰ء میں منظرِ عام پر آیا اور اپنی شعری خوبیوں کی وجہ سے مقبول بھی ہوا لیکن سبھی نقاد اس بات پر متفق ہیں کہ فکری لحاظ سے "روحِ ادب" میں بقول ڈاکٹر مسعود "کھوئے ہوئے غم، بچھڑے ہوئے جذبات، اور اشتعالِ خیالات کے نقوش ہیں۔ چونکہ یہ نقوش عام طور سے ناپختہ اور خام ہیں اس لئے شاعرانہ اعتبار سے زیادہ لائقِ اعتنا نہیں۔ یہ لفظوں کی جڑ ہیں۔ جذبہ اس قدر بلاواسطہ ہے کہ اس سے کوئی حسین خط نہیں بنتا"۔ اور جہاں تک عاشقانہ شاعری کا سوال ہے احتشام حسین نے ٹھیک کہا ہے کہ "اس کا انداز یا تو رسمی ہے یا طفلانہ اور غیر جنسی"۔ باوجود اس کے "روحِ ادب" حرفِ غلط کی طرح مٹائی نہیں جا سکتی کیونکہ احتشام حسین نے اسی مجموعے کے ذریعے جوش کی ذہنی کش مکش کا مطالعہ کیا ہے اور اس دنیا کا پتا چلایا ہے جو جوش نے مطالعہ اور مشاہدے کی مدد سے ایک اور دنیا بنالی ہے۔ لیکن صحیح معنوں میں بچھڑے ہوئے جذبات اور اشتعالِ خیالات کے نقوش میں پختگی اور عاشقانہ شاعری میں حقیقی اور جنسی انداز تو "نقش و نگار" میں پیدا ہوا اور پھر وہ آئندہ پختہ سے پختہ تر ہوتا جاتا ہے۔ ویسے بھی بدلتے ہوئے ہندوستان کی سماجی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کے آثار "نقش و نگار" اور اس کے بعد کے مجموعوں ہی میں کہیں زیادہ واضح اور جامع طور پر نظر آتے ہیں۔

بلاشبہ جوش کی مجموعی شاعری پر مجموعہ اضداد ہونے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ تو دریا کے دو کنارے ہیں جو ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں یا پھر دو خطوط جو متوازی کھینچے گئے ہیں لیکن جہاں تک جوش کی شاعری کا فکری پہلو ہے یا پھر زیادہ واضح الفاظ میں جوش کی فکری شاعری "مجموعہ اضداد" ضرور ہے۔ جوش کی شاعری میں فکر کی تلاش کیجئے آپ کو جوش یہاں رومانی شاعر نظر آئیں گے، پھر وہ زندگی کی ترجمانی کرتے دکھائی دیں گے اور اس موقعے پر وہ قومی شاعر ہیں، وہ انقلابی شاعر ہیں وہ ترقی پسند شاعر ہیں، وہ اسلامی شاعر ہیں اور بعضوں کے نزدیک جوش رجعت پسند شاعر بھی ہیں۔ کسی بھی شاعر کے تعلق سے نقادوں نے اتنا اختلافِ رائے ظاہر نہیں کیا جتنا جوش کے بارے میں۔ اس کی بڑی ذمہ داری جوش ہی کے بہروپیے مزاج پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن جس بات پر سارے نقاد متفق ہیں وہ ان کی رومانیت ہے۔ جوش بنیادی طور پر رومان پسند شاعر ہیں۔ یعنی وہی پہلی بات ---- ان کی شاعری کا شبنمی یا جمالی تسلسل جو ان کے ہر مجموعۂ شعر کے ساتھ چلا رہا ہے۔ اور ان کی شاعری کا یہی پہلو جوش کی شاعرانہ عظمت کو منواتا ہے۔ جوش کی شاعری کا فکری پہلو سطحی ہے اور رومانی عنصر کی زیادتی نے فکری عنصر کو ان کی شاعری میں بالکل ختم کر دیا ہے۔ احتشام حسین کے الفاظ میں "مفکر جوش کو شاعر جوش نے اکثر شکست دے دی ہے" جوش اپنی شاعری کے رومانی پہلو کی وجہ سے تاریخِ شعر میں ہمیشہ زندہ اور یادگار رہیں گے۔ اس قبیل میں جوش تنہا نہیں ہیں، ساتھ میں جگر بھی ہیں اور فیض و مخدوم بھی۔ جگر "خالص" شاعر تھے کہیں کہیں فکرِ جمیل کی پرچھائیں نظر آتی ہے لیکن ان کی حیثیت دہکتے سورج کے سامنے ابر پاروں کے ٹکڑوں سے زیادہ نہیں۔ البتہ فیض اور مخدوم کے ہاں فکر و فن دونوں کی جلوہ سامانیاں نظر آتی ہیں لیکن جو بات فیض و مخدوم کو مفکر جوش سے بلند کرتی ہے وہ زندگی کے ایک نظریے سے اٹوٹ وابستگی ہے۔ فیض اور مخدوم کی فکر اگرچہ [illegible] کمزور ہے لیکن کسی ایک نظریۂ حیات سے وفاداری بھی قابلِ احترام بات ہے جہاں تک

شاعر مخدوم کا مقابلہ شاعر جوش سے ہے، جوش اپنے وقت کے محمد علی کلے ہیں جن کو شکست دینے والا آج کی صدی میں پیدا نہیں ہوا۔ جوش آج کے قافلۂ شوق کے سالار ہیں۔ مخدوم بھی اپنی رومانی شاعری ہی کی وجہ سے زندہ رہیں گے لیکن جوش، جگر، حسرت، فراق اور فیض کے بعد تاریخ شعر میں ان کا نام لیا جائے گا۔ ہاں! جوش کے جس شاعر سے پچھاڑے جانے کا امکان تھا وہ گزر گیا۔

میری مراد علامہ اقبالؒ سے ہے!! اردو شاعری کا عظیم ترین شاعر اقبالؒ! فکر کی بلندیوں اور فن کی رفعتوں سے آگے نظر آتا ہے۔ اقبالؒ کی شاعری دورِ جدید کے لئے معیار بن گئی ہے شاعرِ آخر الزماں — اقبالؒ کے بعد کوئی شاعر پیدا نہیں ہوگا، جس طرح نبی آخر الزماںؐ کے بعد ولی، مجذوب اور علما و مجتہدین پیدا ہوئے ہیں اسی طرح مختلف شاعر نما پیدا ہوں اور بات ہے —!!

جوش کے بارے میں میں نے ابھی ابھی دو ٹوک باتیں کہنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے مختصر سے الفاظ میں جوش کی فکری عظمت کا تعین کیا ہے میں نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ جوش بنیادی طور پر رومانی شاعر ہیں اور ان کی فکری شاعری مجموعہ اضداد — لیکن یہ باتیں حقیقت پر مبنی ہونے کے باوجود نئی نہیں ہیں اور نہ ہی اس سہل پسندی سے جوش کا حق ادا کیا جاسکتا ہے۔ جوش بیسویں صدی کے عظیم زندہ شاعر ہیں۔ جوش کی شخصیت ہمہ گیر ہے اور اسی وجہ سے ان کی شاعری ایک زمانے پر محیط ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن نے ٹھیک ہی تو کہا ہے کہ "ان کے یہاں مربوط اور عمیق فلسفۂ فکر نہیں ہے مگر قومی اور آفاقی مسائل سے آنکھیں چار کرنے کی ہمت ان میں ضرور ہے اور اس ہمت کو وہ محض ذہنی جمناسٹک نہیں رہنے دیتے بلکہ اسے شعر کے پر کیف اور دل نواز سانچے میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔" جن قومی اور آفاقی مسائل کو جوش نے پر کیف شعروں میں ڈھالا ہے ان کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے جوش کی شاعری کا مطالعہ ضروری ہے۔ کم از کم آپ کو اپنے پیشِ نظر "سیف و سبو" رکھنا ہوگا۔ میں نے "سیف و سبو" کا انتخاب کیوں کیا ہے؟ کیا "سیف و سبو" سارے مجموعوں میں سب سے بہترین مجموعۂ شعر ہے؟ "سیف و سبو" کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ خود جوش نے اس مجموعہ شعر کو مرتب کیا ہے۔ یہ اس وقت مرتب ہوا جب کہ ہندوستان آزادی کے آخری مرحلے میں پیکار جنگ تھا۔ "روح ادب" کے بعد فکر جوش جن مراحل سے ہو کر گزری ہے اس کی نمائندہ نظمیں اس مجموعے میں موجود ہیں اور اس کے بعد جدید نظموں کے جنم لینے تک بھی کوئی قابل لحاظ تبدیلی ان کی فکر میں پیدا نہیں ہوئی ہے البتہ آزادی کے بعد اور آزادی کے موقع پر ہند و پاک میں جو خونیں تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں "سرود و خروش" اور "سموم و صبا" میں ان کا ذکر ملتا ہے "سیف و سبو" میں شامل تمام نظمیں جوش کے فکری میلانات اور خیالات کی بڑی حد تک آئینہ دار ہیں۔

"سیف و سبو" کا حرفِ آغاز ہی بڑا چونکا دینے والا ہے، جوش کی فطرت اور طبیعت کا غماز — جوش کا مشہور شعر ہے

کام ہے میرا تغیر، نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ، انقلاب و انقلاب و انقلاب

جس زمانے میں جوش نے یہ چونکا دینے والا حرکی اور انقلابی شعر کہا ہے اس وقت ہندوستان سیاسی اور سماجی کشاکش میں مبتلا تھا "کعبہ و کلیسا" کی کش مکش حریت پسندوں اور مجاہدوں کی شبانہ روز جدوجہد اور آزادی کے حصول کے جذبہ و جوش نے سامراجی اقتدار کی چولوں کو ڈھیلا کر دیا تھا، ایوان حکومت آزادی کے نعروں سے دہل گیا اور چاروں طرف آزادی کے گیت گائے جانے لگے سامراجی اقتدار میں جوش نے "بغاوت"، "شکست زنداں کا خواب"، "نظام نو" اور "وفاداران ازلی کا پیغام" جیسی انقلابی نظمیں لکھیں۔ بغاوت کی جو آواز جوش نے بلند کی وہ ان ساری آوازوں میں سب سے زیادہ بلند، سب سے زیادہ گرج دار اور سب سے زیادہ حرکی تھی جو اس وقت فضاؤں میں گونج رہی تھیں۔ ہندوستانی قوم میں ایک نئی قوت پیدا ہوئی اور بہت سے افراد اسی آواز پر لبیک کہہ کر جنگ آزادی میں کود پڑے۔ جوش کا لہجہ جیسا کہ ہر انقلابی کا ہوتا ہے انتہائی تیز و تند اور تلخ رہا ہے اس میں بڑھتے ہوئے قدموں کے لئے تازیانہ تھا۔ غداران قوم کو للکارا گیا۔ وفاداروں کی ہمت بندھائی گئی اور سامراجیوں کو واضح اور ترش انداز میں کہا گیا کہ وہ جلد جبر و استبداد سے باز آئیں۔ ہندوستان کی آزادی میں جہاں فرزانوں کی تدبیریں اور دیوانوں کی لغزشیں کام آئی ہیں وہیں شاعروں کی آتش نوائی نے اہم ترین رول ادا کیا ہے۔ ان شاعروں میں جوش خاصی اہمیت رکھتے ہیں اور ان کی اس حرکی اور انقلابی شاعری کو دیکھ کر قوم نے انھیں قومی شاعر کا نام دیا اور انقلابی مجاہدوں نے انھیں شاعر انقلاب کہہ کر اپنا پیشوا تسلیم کیا ہے۔

جوش نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں یوں ہی حصہ نہیں لیا، پھر ان کا ذہن محدود تھا کہ محض ہندوستانی ہونے کے ناتے انھوں نے انقلاب کا نعرہ لگایا، دراصل جوش انسان کی اس آزادی کے قائل ہیں جو ذہنی آسودگی اور قلبی سکون و راحت سے عبارت ہے اور جو انسان کو ذہنی اور قلبی خوشی اور مسرت کے سامان مہیا کرتی ہے۔ آزادی کا یہ حقیقی تصور اس وقت عملی صورت اختیار کر لیتا ہے جب کہ انسان سیاسی استبداد اور معاشی جبر سے مکمل نجات حاصل کر لے۔ یہی وجہ جوش نے اس وقت کی قومی تحریک کی ہمنوائی کی جو انسان کو پھر ایک بار غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے کا تہیہ کر چکی تھی۔ جوش کی شاعری میں فکری انتشار کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جوش ہر اس نئی تحریک کا ساتھ دیتے ہیں جو انسانیت کی فلاح اور انسانیت کے اعلا اصولوں، اعلا قدروں کی دہائی دیتی ہوئی داخل ہوتی ہے۔ اس سے جہاں جوش کا اپنے مقصد آزادی سے والہانہ پن ظاہر ہوتا ہے وہیں ایک عامی کی نظر بھی دکھائی دیتی ہے جو اپنی کم بضاعتی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے ہر چمکدار چیز کو سونا سمجھ بیٹھتی ہے۔

جوش پر محدود مطالعے کا الزام مشکل ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔ جوش نے ان کتب کا بھی مطالعہ کیا ہے جو انسان کو مذہب بیزار بنا دیتی ہیں۔ قیام حیدرآباد ہی کے دوران دارالترجمہ میں انھوں نے بڑی حد تک اپنی گریزی رجحان کو اپنے طور پر پرورش کیا ہے۔ لیکن جوش نے اشتراکی تحریک سے اپنے آپ کو نہ تو پوری طرح وابستہ ہی کیا اور نہ ہی کسی دوسرے

نظام حیات سے اپنا رشتہ جوڑا ہے ۔ اس کی وجہ سے جہاں انھیں دہریت پسندی کا طعنہ سننا پڑا وہیں ہمیشہ ہی سے ان کی ترقی پسندی مشکوک رہی ۔ لیکن اس نیم وابستگی کا فائدہ یہ ہوا کہ ان کے جذبہ جنوں کو اور بھی جنوں خیزی کے سامان ہاتھ آئے ۔ طبیعت بچپن ہی سے تازیانہ لگانے پر مائل تھی اب تو برق وشرر برسائے جانے لگے" بارگاہ قدرت میں، اشتراکی زندگی، جرأت مندی، بغاوت کی گرمی، وفاداران ازل کا پیغام، اور "کسان" اس تحریک سے وابستگی کا حاصل ہیں ۔

"سیف و سبو" کی پہلی نظم " انسان کا ترانہ" میں انسان کی قوت، قوت ارادی، بلند حوصلگی اور علو ہمتی کا اظہار ہے ۔ انسان کہتا ہے کہ میری شان سے بحر و بر کانپتا ہے، شجر و حجر لرزہ براندام ہیں اور میرے تیشۂ نو کی جھنکار سن کر کوہ و کمر کے سخت دل دہل جاتے ہیں ۔ میرے درس اخلاق کی صدا سے تن عیب و جسم ہنر کانپتے ہیں اور میری شرح جبر مشیت کے آگے خیر و شر کے نہاں خانوں میں لرزہ اٹھتا ہے ۔ میرے عزم پرواز کے دبدبے سے نجم و شمس و قمر کے دل ہل جاتے ہیں اور ذوق تسخیر قدرت ایسا کہ عناصر قدرت کے قلب و جگر میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے ۔ میرے تازہ آئین فکر و نظر سے نظام قضا و قدر اور خاک کی نو بہ نو گردشوں سے دل کوزہ گیا، کوزہ گر بھی کانپتا ہے ۔

انسانی عزم کا یہ جاہ و جلال، حوصلے کی یہ بلندی، خیالات کی یہ رفعت اور انسانی عظمت کی یہ بزرگی اور برتری کا تخیل جوش کے بعد کہیں اور نظر نہیں آتا ۔ جوش شاعر انسانیت ہیں اور وہ انسانیت کی عظمت میں اپنا ایقان رکھتے ہیں ۔ جوش ایک ایسا دل اپنے سینے میں رکھتے ہیں جو غم انسان کو دیکھ کر غمناک اور انسانی زندگی کی خوشی پر پھول کی طرح کھل اٹھتا ہے ۔ لیکن جوش نے جس ماحول میں، جس فضا اور جس ملک میں آنکھیں کھولی ہیں وہاں انسانیت بلک بلک کر دم توڑ رہی تھی، انسان ملکی اور قومی تعصبات کا شکار تھا قوم اور نسل کے جھگڑے تھے اور مذہب اور ذات پات کے فتنے آئے دن فسادات کی صورت میں نمودار ہوتے رہتے تھے ۔ کانپور کے فرقہ وارانہ فساد پر جوش کی نظم ان کے جذبۂ انسانیت کا بہترین نمونہ ہے ۔ وہ اس جھگڑے کی جڑ پر انگلی رکھتے ہیں اور ملک کے باشندوں کو درس انسانیت دیتے ہیں ۔ "سیف و سبو" میں شامل نظم "پست اقوام" میں جوش عوام کو اس بات پر اکساتے ہیں کہ وہ ذات پات کے جھگڑوں سے نجات حاصل کر لیں ۔ لیکن کوئی صورت نظر نہیں آتی بالآخر مجبور ہو کر کہتے ہیں ۔

گردن کا طوق، پاؤں کی زنجیر کاٹ دے
اتنی غلام قوم میں ہمت کہاں ہے جوش

غلام قوم کی تن آسانی خون کے آنسو رلاتی ہے لیکن جوش رونے رلانے کے قائل نہیں وہ درحقیقت رجائی شاعر ہیں ان کا ایقان انسان کی مکمل آزادی اور مساوات پر ہے اس وجہ سے وہ پہلو بدل کر "آگ" برسانے پر تل جاتے ہیں ۔

وقت آیا ہے کہ بے پردہ ہو اے برق جمال اب دہکتی نہیں سینوں میں ترے نام سے آگ

خلوت خاص کے شعلے تو بہت دیکھے ہیں آج برسا افقِ جلوہ گہِ عام سے آگ

جوش کیا صبح کو پھر دیکھئے تنظیمِ عالم

آج روشن ہے مرے دل میں سر شام سے آگ

جوش کے اندر جو انسانی جوش ہے جو جہاں سیاسی میدان میں جوش سے سیاسی اور انقلابی شعر کہلواتا ہے وہیں وہ معاشرہ کے سب سے قابل رحم انسان "کسان" کی طرف بھی توجہ منعکس کراتا ہے۔ کسان ہندوستان کی معاشرتی اور معاشی زندگی میں ان داتا کا مقام رکھتا ہے لیکن عجیب بات ہے یہی کروڑوں انسانوں کو دینے والا ان داتا خود دانے دانے کو ترپتا ہے۔ بلاشبہ وہ اک قوی انسان ہے۔ ارتقا کا پیشوا! وہ تہذیب نو کا پروردگار بھی ہے اور تاج دار خاک بھی! امیر بوستان و ماہر آئین قدرت بھی ہے، ناظم بزم جہاں بھی اور ناظر گل بھی ہے وہ پاسبان رنگ و بو بھی! اور گلشن پناہ بھی ہے لیکن اس کے حصے میں کیا آیا —؟!

سیم و زر، نان و نمک، آب و غذا کچھ بھی نہیں

گھر میں اک خاموش ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں!

جوش نے یہ شعر ۱۹۴۷ء سے پہلے کہا ہے آزادی سے پہلے —! لیکن آزادی کے بعد اس حقیقت میں تلخی اور بھی بڑھ گئی ہے۔!

"مہاجن اور مفلس" جوش کی ان خیالات کی ترجمان ہے جہاں خود اندرون ملک سرمایہ دار طبقے سے شدید نفرت ظاہر کرتے ہیں۔ مہاجن ہندوستان کے سماجی ڈھانچے میں بورژوائی طبقہ ہے اور بورژوائی طبقے کی نمائندگی کرتا ہے اس طبقے کے وجود نے ملک کی معیشت میں عدم توازن پیدا کر دیا ہے۔ مفلسوں کی غربت کا اور ان کی محنت کا استحصال کرتا ہے اور ان کی شب و روز کی محنت سے کمائی ہوئی دولت پر اپنا ایوان تعمیر کرتا ہے۔ سماج کے اس طبقے کے خلاف شدید نفرت جوش کی انسان دوستی کا لازمی ردعمل ہے۔

جوش کو ہم میں سے اکثر لوگ دہریت کا علمبردار شاعر سمجھتے ہیں، اس میں یقیناً جوش کی اس شاعری کا قصور ہے جس میں انھوں نے اشتراکی نظام کے راگ الاپے ہیں اور اشتراکیت بلاشبہ اس سائنٹفک دور کا مذہب بن گیا ہے لیکن حقیقی معنوں میں ایک ملعون مذہب ہے — ایک گمراہ کن نظام حیات! کارل مارکس پر اقبال نے بھی نظم کہی ہے لیکن اقبال پر ایسا شبہ نہیں کیا جاتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبال کی فکر صحیح نے کارل مارکس کو خدا کے حضور میں پیش کیا، کارل مارکس کی تعلیمات کو آفریں کہنے سے پہلے کارل مارکس سے اعتراف بندگی کرایا ہے۔ یہ مجاہدانہ تخیل جوش کے یہاں نظر نہیں آتا۔ کچھ یہی بات نطشے کے یہاں بھی نظر آتی ہے وہ اپنے وقت کا عظیم فلسفی تھا لیکن اس نے اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہیں کیا اس لئے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط راستے پر ڈال دیا۔ اس کی اس گمراہی کو دیکھ کر اقبال نے کہا ؂

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے

آج جوش بھی اپنے قلبی واردات کا صحیح طور پر اندازہ نہ کر پائے ہیں وہ گمراہ نہ سہی لیکن راہ کے پیچ و خم میں کھو کر رہ گئے ہیں یہ جوش کے مخلص نقادوں کا کام ہے کہ وہ اس طرف جوش کی رہبری کریں ۔ اگر جوش عمر کے اس حصے میں بھی " مقام کبریا" کو پہچان نہ سکیں تو یہ اردو شاعری کا بھی زبردست المیہ ہوگا ، جوش کی زندگی کا تو ہے ہی ! انسانی ذہن کی یہ بہت بڑی محرومی ہے کہ وہ فکر و عمل کی سچائی کو محسوس نہ کرے ۔ مجھے ایسے موقع پر ٹی ۔ ایس ۔ ایلیٹ رہ رہ کر یاد آتا ہے ۔ اس نے کبھی کہا تھا کہ " مذہبی عقیدے کے زوال کے بارے میں تو ہر جگہ بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن کسی نے مذہبی ادراک و شعور کے زوال کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے ۔ جدید دور کی بیماری یہ نہیں ہے کہ خدا اور انسان کے بارے میں کچھ تصورات پر سے ایمان اٹھ گیا ہے جن پر ہمارے آباد اجداد ایمان رکھتے تھے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس دور نے خدا اور بندے کے بارے میں محسوس کرنے کی صلاحیت کو گنوا دیا ہے ۔ اور یہ صلاحیت ہمارے آباد اجداد میں موجود تھی " میں نہیں کہتا کہ جوش کے ہاں خدا اور بندے کے بارے میں محسوس کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ۔ لیکن جوش کو تو چاہیئے کہ وہ خدا اور انسان کے اٹوٹ رشتے پر ایمان کامل کا اظہار کر دے ۔ عام لوگ شاید ایسا نہ کر سکیں لیکن جوش کی بصیرت ابھی اس قدر مفلوج نہیں ہوئی ہے جوش کے قلب میں ایمان کی چنگاریاں اب بھی موجود ہیں جبھی تو ان کے قلم سے بعض اوقات " میلاد " ذاکر سے خطاب " شمع ہدایت" جیسی نظمیں نکل جاتی ہیں ۔ " سیف و سبو " میں " مولوی " جیسی نظم جوش نے شامل کی ہے ۔ اس نظم میں جدید مولوی کا حلیہ بیان کیا ہے اور آخر میں بجا طور پر چوٹ بھی کی ہے ؎

مگر آنکھوں میں ہنگام تبسم
ریا کی تشمکیں ، اللہ اکبر

اس پر مولوی اور مولوی ٹائپ مسلمان جھنجھلا کر جوش کے تعلق سے دہریت کا فتویٰ صادر کرتے ہیں حالانکہ اس معاملے میں جوش نے اقبال کی بہ نسبت کہیں زیادہ عقیدت مندی سے کام لیا ہے ۔

جوش حکیم و نکتہ داں نہیں ہیں اس وجہ سے ان کی شاعری متعین روحانی اور اخلاقی مقاصد کے لئے مفید نہیں ہے ۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہے وہ اسرار حیات سے بالکل ہی ناواقف رہے ہیں وہ زندگی کا گہرا مشاہدہ کر چکے ہیں ان کی نگاہ تیز ہے اور وہ ذہن رسا رکھتے ہیں ۔ درحقیقت وہ ایک حساس انسان ہیں ۔ اس وجہ سے ان کے جذبات شدت کے ساتھ سریع الاشتعال ہوتے ہیں اور وہ اپنے احساسات اور جذبات بہترین الفاظ میں ادا کر دینے کی قوت بھی بے پناہ رکھتے ہیں ۔ ان کی طبیعت کا خاصا یہ ہے کہ وہ کائنات کے ہر ذرے ، حیات کے ہر تیور ، حواس ماورائے حواس کے ہر پہلو ، احساسات کے ہر رخ اور جذبات کی ہر ادا کا مطالعہ کرتی ہے ۔ اس سے متاثر ہوتی ہے اور ان تاثرات کو موزوں ترین جامۂ الفاظ پہنانے کی صلاحیت و قدرت رکھتی ہے ۔ جوش ہی کے الفاظ میں " شاعری جہاں آپ بیتی ہے وہاں جگ بیتی بھی ہے ۔ شاعری اگر داخلی ہے تو خارجی بھی ہے ۔ اس لئے اگر ہم شاعری کو حیات کی مصوری اور زمانے کی تاریخ نویسی کا

لقب دیں تو دراصل حقیقت سے بعید نہ ہوگا۔" جوش کی شاعری ان کے الفاظ میں آپ بیتی بھی ہے اور جگ بیتی بھی۔
ان کی شاعری کا ایک پہلو داخلی (جمالی) اور دوسرا خارجی (جلالی) بھی ہے۔ اس لئے ہم ان کی شاعری کو حیات کی
مصوری اور زمانے کی تاریخ کا لقب دے سکتے ہیں۔ جوش کی شاعری کا جلالی یا خارجی پہلو یہ ہے کہ وہ ہندوستان کی تاریخ
کا ایک اہم جزو ہے۔ اور دوسرا پہلو خود جوش کے واردات قلبی کا آئینہ دار ہے۔ جوش پروردگار حسن ہیں وہ معمولی سی بات
اس خوبی سے شعر میں ڈھال لیتے ہیں کہ شعر اپنی ذات میں حسن بن جاتا ہے۔ وہ اپنے دل کی گرمی اور اپنی شعلہ نوائی سے اپنے
خیالی پیکروں کو زندۂ جاوید بنا دیتے ہیں۔ وہ ان میں اپنی زندگی کے رس کو اس خوبی سے رچا دیتے ہیں کہ وہ بھی ان کی شخصیت
کی طرح لازوال اور ان مٹ بن جاتے ہیں۔ جوش حسن ازلی کا جلوہ خود ہی نہیں دیکھتے بلکہ دوسروں کو دکھانے پر انھیں قدرت
حاصل ہے۔ جوش شاعر فطرت بھی ہیں، وہ اندرونی جذبات و کیفیات کی بدولت اپنے دل کو کائنات کے ساتھ متحد کر لیتے
ہیں۔ ان کے دل کی ہنگامہ زائیاں شورش حیات کو ایک بولتی ہوئی تصویریں بن جاتی ہیں۔ ان کا نغمہ زندگی کے زیر و بم میں
توازن پیدا کرتا ہے اور ان کے درد کی کسک کائنات کی روح کو تڑپا دیتی ہے۔ جوش فطرت کی ہرادا کے نکتہ داں ہیں۔ وہ
اپنے ذہن اور ارادے کی بدولت اپنے تئیں اس سے بالکل علیحدہ تصور کرتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کا مقصد یہ سمجھتے ہیں کہ فطرت
پر تصرف و استیلا حاصل کریں۔ فطرت ان کے مقاصد کا ایک وسیلہ ہے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے اپنی معرکہ آرا تصنیف
روح اقبال میں شاعر اور عالم فطرت پر بحث کرتے ہوئے ایک بڑی حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ "فطرت کا خالق خدا ہے اور
آرٹ کا خالق انسان ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ آیا خدا کی بنائی ہوئی دنیا زیادہ دلکش ہے یا انسان کی بنائی ہوئی دنیا؟
فطرت کا حسن و جمال کسی دیدہ ور کے اشارۂ چشم کا منتظر رہتا ہے۔ بہار تو بس اتنا کرتی ہے کہ پھول کھلاتی ہے لیکن آرٹسٹ
کی آنکھ اس میں رنگ و آب پیدا کرتی ہے۔" جوش نے اپنی شاعری میں قدرت کے کھلائے ہوئے پھولوں میں رنگ و آب
پیدا کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی نظمیں گریہ مسرت، ساون کے مہینے، گھٹا، بدلی کا چاند، البیلی صبح، نغمہ سحر، برسات کی
ایک شام، آج کی رات، برسات کی چاندنی، شام کا رومان، رقص اور کوہستان دکن کی عورت آرٹ کا بہترین نمونہ ہیں۔ ایڈمنڈ ولسن
نے رومانی شاعروں کے تعلق سے ایک بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ کہتا ہے "رومانی شاعر اپنی الجھی ہوئی مگر نور پھیلانے والی زبان
اور اپنی ہمدردیوں اور اپنے جذبات کے ساتھ جو گویا اسے اس کے ماحول میں ضم کر دیتے ہیں فطرت کے بارے میں ایک نئے انداز
نظر کا پیغمبر ہے۔ وہ اشیا کو ویسی بیان کرتا ہے جیسی وہ دراصل ہیں۔ شاعری کی امیجری میں انقلاب درحقیقت علم مابعد الطبیعات
میں انقلاب ہے۔" جوش نے ایسا ہی انقلاب لفظی بازیگری اور شعری احساس کے ذریعے پیدا کیا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ جوش
نے جدید نظم کو موضوع اور مواد کے اعتبار سے مالا مال کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ نیا آہنگ اور نئی آواز بھی دی ہے۔ مشہور
فرانسیسی شاعر راں بو کی طرح اردو شاعری میں جوش کی مثال ایک ایسے شاعر کی حیثیت سے باقی رہے گی جس نے اپنی تہذیب
کی اور اپنے وقت کی مخالفت کی ہو، لیکن اس کے ساتھ جس نے اپنے وقت کی ہر لمحہ منقلب حالت اور اس کی خوفناک اذیت
کی ترجمانی بھی کی ہو۔ وہ اپنے عہد کے خلاف بھی ہے اور اس کا فرد بھی ہے۔

غیور عالم (علی گڑھ)

سب رس اور اسلوب بیان

اردو زبان و ادب کے آغاز و ارتقا اور نشو و نما میں دکن کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے سلطان علاؤ الدین خلجی کے مشہور سپہ سالار ملک کافور نے جنوبی ہند میں انتہائی حدوں تک خلجی سلطنت کی فتح کے پرچم لہرا دیئے تھے اور اس طرح دلی یا شمالی ہند کی تہذیب و تمدن زبان و ادب نے دکن کی سرزمین پر اپنا فاتحانہ اثر ڈالا تھا اور جنوبی ہند سے شمالی ہندوستان کے تہذیبی معاشرتی تمدنی سیاسی ملکی اور ادبی رشتے مضبوط ہوئے تھے ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد جب شہنشاہ تغلق نے بعض سیاسی و ملکی مسائل کی بنا پر دلی کے پایۂ تخت کو تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا تو ایک فرمان کے ذریعے دلی کی تمام آبادی کو دولت آباد منتقل ہو جانے کا حکم دیا تو دلی کی بہاریں علم و ادب کی محفلیں درویشوں اور صوفیوں کی خانقاہیں دلی سے دولت آباد منتقل ہو گئیں اس طرح وہ رابطہ جو دلی اور دکن کے مابین قائم ہوا تھا مضبوط ہو جاتا ہے شمالی ہند کی تہذیب نے دکنی تہذیب و تمدن کو بہت کچھ دیا زبان و ادب پر اثر ڈالا۔

اردو زبان میں تصنیف و تالیف کا کام بھی سب سے پہلے دکن ہی سے شروع ہوا صوفیا نے اس دکنی زبان کو جو عوام کی زبان تھی اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنا لیا یہ صحیح ہے کہ ان بزرگوں درویشوں صوفیوں کی تصانیف میں زورِ بیان نہیں عبارت آرائی نہیں ادبیت نہیں لیکن ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ان صوفیوں کا مقصد تصوف کی تحریک اور صوفیانہ مسائل اور عقائد سے عوام کو روشناس کرانا تھا۔ اردو ادب کی تاریخ میں خواہ ان درویشوں کا نام نہ لیا جائے لیکن اردو زبان کی تاریخ ان بزرگوں کی تصانیف کا نام لیئے بغیر شروع نہیں کی جا سکتی۔ ان بزرگوں میں سب سے پہلے شیخ عین الدین گنج العلم کا نام لیا جا سکتا ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے دکنی میں کئی رسالے تصنیف کیئے ان کے فوراً بعد خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے خلیفہ خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کا نام قابل ذکر ہے۔ ان کے تین رسالے ملتے ہیں۔ ہدایت نامہ۔ سہ بارہ اور معراج العاشقین، خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے بعد سید عبداللہ حسینیؒ کا نام بھی لیا جا سکتا ہے انھوں نے "نشاۃ العشق" کا دکنی میں ترجمہ کیا دکنی زبان کی تاریخ میں شاہ میراں جی اور شاہ برہان الدین جانمؒ

کا نام بھی اہمیت رکھتا ہے۔

ان صوفیوں اور درویشوں سے گزر کر "دکنی زبان" عادل شاہی اور قطب شاہی دور میں داخل ہو جاتی ہے اس دور میں بھی جو درباری شاعر اور ادیب نظر آتے ہیں ان میں رستمی، ملک خوشنود، نصرتی، امین، سیوا، ہاشمی اور مومن قابل ذکر ہیں قطب شاہی دور میں محمد قلی قطب شاہ اور محمد قطب شاہ کے بعد عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ملا وجہی کا نام اس کی "سب رس" کی وجہ سے مشہور رہے یہ دکنی زبان میں پہلی ادبی کتاب ہے جس کے اسلوب بیان کے سلسلے میں ہم آگے چل کر باتیں کریں گے۔

سب رس دکنی زبان میں پہلا ادبی تخلیقی ترجمہ ہے جس طرح ہم "باغ و بہار" کو میر امن کا قطعی تخلیقی کارنامہ نہیں کہہ سکتے اسی طرح "سب رس" کو بھی ہم وجہی سے قطعی طور پر منسوب نہیں کر سکتے۔ میر امن نے "نوطرز مرصع" کا ترجمہ کیا اور اردو لباس پہنا کر قصے کا نام "باغ و بہار" رکھا لیکن باغ و بہار اور نو طرز مرصع میں ریڑھ کی ہڈی کے طور پر جو قصہ موجود ہے وہ "چہار درویش" ہے ٹھیک اسی طرح ملا وجہی نے "حسن و دل" کا قصہ اڑایا اور سب رس کے نام سے پہلی بار دکنی زبان میں پر تکلف ادبی نثر میں پیش کیا لیکن وجہی نے کہیں اس بات کا اشارہ نہیں کیا کہ اس نے یہ قصہ "حسن و دل" سے لیا ہے۔

بابائے اردو کی تحقیق کے مطابق "سب رس" کا قصہ سب سے پہلے فارسی میں محمد یحییٰ ابن سیبک فتاحی نیشاپوری نے لکھا اور "دستور عشاق" نام رکھا لیکن بابائے اردو ہی کے قول کے مطابق محمد یحییٰ نے اس قصے کو "شبستان خیال" اور "حسن و دل" کے نام سے الگ الگ بھی لکھا ہے۔ یہ قصہ یورپ میں بھی کافی مقبول ہوا اور ۱۸۰۱ء میں آرکنفر برون نے ترجمہ کیا اس کے بعد دوسرا ترجمہ ۱۸۵۳ء میں ولیم پرائس نے کیا اور تیسرا ترجمہ ایک جرمن ڈاکٹر روڈالف دوراک نے کیا ہندوستان میں "عہد عالمگیر میں ۱۹۰۵ء میں خواجہ محمد بیدل نے اس قصے کو پر تکلف نثر میں لکھا" ملا وجہی نے نیشاپوری کے اس قصے کو عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر ترجمہ کیا تھا۔ ملا وجہی کے علاوہ بھی یہ قصہ دکن میں خاصا مقبول رہا تھا اور بعض اہل علم اس قصے کو بعض تبدیلیوں اور خفیف اختلافات کے ساتھ لکھتے رہے تھے۔ شاہ حسین ذوقی نے بھی اس قصے کو نظم کیا ہے اور اپنی اس طویل نظم کا نام انھوں نے وصال العاشقین رکھا ان سے پہلے ۱۰۸۶ھ میں شاہ میراللہ مجرتی بیجاپوری نے اس قصے کو نظم کر کے اس کا نام "گلشن حسن و دل" رکھا تھا "سب رس" کے نام سے ایک مثنوی سید محمد ولی اللہ قادری نے بھی لکھی تھی غرض یہ قصہ خفیف اختلاف واقعات کے ساتھ ہمیں دکن میں ملتا ہے۔

"سب رس" کے قصے کے خلاصے یا اس کے سلسلے میں زیادہ باتیں کرنے سے گریز کروں گا کیونکہ اس طرح مضمون کافی طویل ہو جائے گا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ سب رس میں جو قصہ بیان کیا گیا وہ دلچسپ نہیں ہے ایک الجھا ہوا قصہ ایک الجھا الجھا ماحول لیکن پروفیسر شیرانی کی رائے ہے۔ "ایک ادبی تصنیف میں اس قسم کا نقص چنداں قابل لحاظ نہیں۔ ایسو

تصانیف کا مقصد درحقیقت افسانہ نگاری نہیں ہوتا بلکہ افسانے کے پیرائے میں اخلاقی سبق اور درس حیات دینا ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ متین خیالات کو ایک دلفریب پیرائے میں ادا کرنا ہوتا ہے اس لئے ایسی کتابوں میں اخلاقی پہلو ہر بہانے سے نمایاں کیا جاتا ہے اور طبیعت کا تمام زور اسی پر صرف کر دیا جاتا ہے ۔ نظامی، خسرو اور جامی کی مثنویات کا یہی ڈھنگ ہے اور اس نقطۂ نظر سے سب رس ان کی قریبی مقلد ہے" پروفیسر شیرانی کے اس بیان سے سب رس پر بڑی حد تک روشنی پڑتی ہے۔ اس کا رنگین پیرایۂ بیان اور قصے کا وہ رجحان کہ قصے پر زور کم ملتا ہے بلکہ مختلف قسم کے اخلاقی اور صوفیانہ مسائل کا جہاں ذکر آجاتا ہے وہاں وجہی کا قلم بڑی روانی سے چلتا ہے ۔

ملا وجہی کے بارے میں ہماری معلومات محدود ہیں بابائے اردو نے کہا کہ" ملا وجہی عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر تھا "۔ پروفیسر شیرانی نے بھی وجہی کے حالات زندگی پر زیادہ روشنی نہیں ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ" ملا وجہی کے حالات میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ وہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد کا ایک زبردست عالم، بلند پایہ شاعر اور بے مثل ادیب تھا " ان خیالوں سے وجہی کے حالاتِ زندگی پر روشنی نہیں پڑتی لیکن شیرانی نے کہا کہ" وجہی تہذیب و تربیت کے لحاظ سے بالکل فارسی رجحان کا ادیب تھا اور جن بلند ادبی نمونوں کی فضا میں اس نے پرورش پائی انھی کا اتباع میں اس نے اپنے اس شاہکار سب رس کی بنیاد ڈالی فارسی میں رنگین نگاری چنداں مشکل نہیں لیکن وجہی نے اپنی ادبی مہم کے لئے جس زبان کا انتخاب کیا وہ اردو تھی جس میں نہ اس کا کوئی رہبر تھا اور نہ پیش رو "۔ مقفع مسجع اور پر تکلف نثر میں اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جس کی زبان کی تاریخ میں اہمیت ہے اور ادبی تاریخ میں اوّلیت ۔

بابائے اردو نے کہا تھا کہ" سب رس اردو نثر کی پہلی کتاب ہے جو ادبی اعتبار سے بہت بڑا درجہ رکھتی ہے" ملا وجہی کو بھی اپنی جدت طرازی کا بڑی شدت سے احساس ہے اور کتاب میں وہ جگہ جگہ اپنی اس اہمیت کو دہراتا ہے اور یہ صحیح ہے کہ وجہی سے قبل دکنی زبان میں جو رسالے ملتے ہیں ان کی کوئی ادبی اہمیت نہیں ہے ۔

وجہی کہتا ہے

" آج لگن اس جہان میں ہندوستان میں ہندی زبان سوں اس لطافت سوں نظم اور نثر ملاکر گلا کر نئیں بولیا "

مزید کہتا ہے کہ " یو بات نئیں، یو تمام وحی ہے الہام ہے"

اپنی طرزِ تحریر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے ۔

" جکوئی بات ہماری چلیا وو ہمارا پچ ہے ہرچند فہماری ہے چلیا تو کیا ہوا بات ہماری ہے اگر نکتہ کسی تے کچھ جانیا ہم ظاہر ہم باطن سے نئیں مانیا وو مسلمان نئیں اسے ایمان نئیں ایسے سے ڈرنا بھوت بھوت پرہیز کرنا یو بی ایک چوری ہے یو بی ایک حرام خوری ہے"

اپنی نثر کے بارے میں کہتا ہے۔

"یو عجائب نظم ہور نثر ہے جانو بہشت میں کا قصر ہے سطر سطر پر برستا نور ہے ہر یک بول ایک حور ہے اسے پڑھ کر جس نے خط اٹھایا جانو بہشت میں آیا۔"

غرض سب رس اردو نثر کی ادبی تاریخ میں پہلی کتاب ہے جو پر تکلف نثر میں لکھی گئی زبان اور اسلوب کے اعتبار سے یہ اردو کا پہلا کامیاب نقش ہے" قصہ پن " سب رس میں زیادہ جاندار نہیں اس کے علاوہ وجہی قصے کے مرکزی خیال سے اکثر بہت دور نکل جاتا ہے جہاں عقل کا ذکر آیا وجہی نے کئی صفحے سیاہ کر ڈالے جن کا ظاہر ہے قصے کی دلچسپی اور مرکزیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ مختلف مذہبی اخلاقی مسائل میں وجہی الجھ کر بعض جگہ تو قصے سے بہت دور نکل جاتا ہے۔ اسے آپ سب رس کی خوبی کہیں یا خامی کہ اس زمانے کی فکری تحریک تصوف اور مذہبی مسائل پر بحث سے وجہی اپنا دامن نہ بچا سکا جس نے یقیناً قصے کی دلچسپی کو نقصان پہنچایا۔

پروفیسر شیرانی نے اپنے مضمون میں سب رس پر لسانی اعتبار سے ایک طویل بحث کی ہے جس میں انھوں نے عربی اقوال کا استعمال تذکیر و تانیث ضرب الامثال مصادر عربی الفاظ میں تصرفات روزمرہ کے محاورے اور دکنی ضرب الامثال کی ایک طویل فہرست دی ہے جس سے سب رس کے لسانی پہلو پر بڑی حد تک روشنی پڑتی ہے دکنی زبان کے ماہر بابائے اردو نے بھی سب رس پر لسانی اعتبار سے کافی بحث کی ہے اور الفاظ - محاورے مذکر مونث افعال مصادر ضمائر اور املا کی ایک خاصی طویل فہرست دی ہے جن سے سب رس کو اس تاریخی ماحول میں سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

فارسی اہل قلم کی طرح وجہی بھی اردو کو ہندی کہتا ہے اور جگہ جگہ کہاوتیں نقل کرتا ہے اور اس طرح وجہی اردو اور گوالیری کو مختلف ناموں سے پکارتا ہے۔

وجہی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس سے پہلے" اردو میں نظم ہور نثر ملا کر گلا کر نہیں بولیا" اس سے ملا وجہی کی مراد وہ نثر ہے جسے ہم مقفیٰ اور مسجع عبارت کہتے ہیں۔ اس سے پہلے جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں دکن میں جو نثری تصانیف ملتی ہیں ان کا کوئی ادبی مقام نہیں اور نہ انھیں ادبی تاریخ میں شامل کیا جا سکتا ہے کیونکہ لکھنے والوں کا مقصد کسی ادبی کارنامے کو پیش کرنا نہیں تھا بلکہ سلیس اور سادہ عبارت میں اپنے عقائد اور مقاصد کی اشاعت کرنا تھا اس لئے اردو ادب کی تاریخ میں ہمیں سب سے پہلے سب رس ہی نظر آتی ہے۔

پر تکلف مقفیٰ اور مسجع عبارت کے نمونے ہمیں فارسی میں بکثرت مل جاتے ہیں نثر کی بے کیفی اور خشکی دور کرنے کے لئے قدیم نثر نگار اپنے نثری کارناموں میں نظمیہ سرور پیدا کرنا چاہتے تھے اردو میں مرصع مسجع اور مقفیٰ نثر فارسی کے اثر سے وجود میں آئی تھی اور یہی فارسی کا اثر ہمیں سب رس میں صاف نظر آتا ہے۔

بابائے اردو کی رائے ہے کہ سب رس میں " بے حد فصاحت روانی اور سلاست پائی جاتی ہے"۔ پروفیسر شیرانی کا خیال

ہے کہ "سب رس کا طرز بیان رنگینی کے التزام کے باوجود شگفتہ اور دلکش ہے عبارت کی آرائش اور قافیے کی پابندی کے باوجود مصنف سے سلاست کا دامن نہیں چھوٹتا۔"

بابائے اردو اور پروفیسر شیرانی کے قول کے ساتھ ہمیں ملا وجہی کے اس تنقیدی خیال کو بھی شامل کرلینا چاہیئے کہ "نظم اور صور نثر ملا کر نیک بولیا" اس خیال سے سب رس پر پوری طرح روشنی پڑجاتی ہے اور سب رس کا اسلوب بیان اپنے تاریخی ماحول میں پوری طرح روشن ہوجاتا ہے۔

سب رس میں قافیہ بندی کے باوجود جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وجہی کی عبارت میں کوئی جھول نہیں ہے اور جو کچھ وہ کہنا چاہتا ہے یکساں ہموار نثر میں بڑی صفائی کے ساتھ کہتا چلا جاتا ہے تو اس کے اس نثری کارنامے پر حیرت ہوتی ہے اور اس کے فن کا احترام کرنا پڑتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ سب رس وجہی کا تخلیقی کارنامہ نہیں، یہ قصہ اور کردار اس کے نہیں لیکن یہ ایک عظیم ادبی تخلیقی ترجمہ ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ماہنامہ قومی زبان کا

بابائے اردو نمبر

سنہ ۱۹۶۷ء

چند لکھنے والے

پروفیسر ہارون خان شروانی
سید ہاشم رضا
حکیم محمد سعید
سید قدرت نقوی
فضل احمد صدیقی
پروفیسر شبیر علی کاظمی
پروفیسر عبدالقوی دسنوی
سہیل عظیم آبادی
ڈاکٹر یا حیدر شہریار
محمد معین الدین دردائی
کوثر چاندپوری
ڈاکٹر ابو سعید نورالدین
محمد حبیب اللہ رشدی
جمیل نقوی

اور بہت سے دوسرے

- سوا دو سو صفحات
- بابائے اردو کے دوستوں اور نیازمندوں کے انٹرویو
- متعدد غیر مطبوعہ خطوط
- آفسٹ کی طباعت
- قیمت دو روپے
- متعدد تصاویر

پروفیسر محمد سلیم

سندھ میں اردو کا دو سو سالہ پرانا مخطوطہ

شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج منصورہ ضلع حیدرآباد میں ایک قابل قدر کتب خانہ ہے اس کے قلمی حصے میں بہت سارے نوادرات جمع ہیں ۔ ایسی ہی ایک نادرہ روزگار کتاب کا تعارف آج ہم کرانا چاہتے ہیں ۔

فارسی ترجمہ بھگوت گیتا

یہ بھگوت گیتا کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے ۔ مترجم کا نام مول رام ولد جیتہ آنندرام ہے جو سیوستان یعنی سیہون ضلع دادو کا رہنے والا تھا ۔ بارہ ابواب کا ترجمہ فارسی میں ہے ۔ جن کی تفصیل یہ ہے ۔

باب		فصل
باب اول	در مفصل ساختن خلق	۱۴ فصل
باب دوم	دربیان کردن حقیقت اوتار	۶ ″
باب سوم	در تفقد اوتار	۱۲ ″
باب چہارم	در حقیقت بعضے اوتار	۱۰ ″
باب پنجم	در احوال راجہ بیربرت وجدرتھ	۵ ″
باب ششم	در آفرینش دیوتہا و دیوتہاں	۱۰ ″
باب ہفتم	در احوال جی بچی واوتار نرسنگہہ	۱۲ ″
باب ہشتم	در شوراندن دریا ظہور آن	۱۰ ″
باب نہم	در تفصیل اولاد سہنوی	۱۲ ″
باب دہم	دربیان لیلائے سری کشن (کارنامے وکرامات)	۹۱ ″
باب یازدہم	در گیان گفتن	۰
باب دوازدہم	در احوال مردم کلجگ	۶ ″

یہ کتاب ۲۵ ماہ ذی الحجہ ۱۱۹۵ میں ختم ہوئی ہے جیسا کہ ترقیمہ سے ظاہر ہے۔

"این مہا پران سری بھگوت کہ مشتمل بر بیدانت و د ہرم و لیلائے سری مہاراج جیواست - بہ یمن تائیدات سری مہاراج جیو از دست ہیچ مدان نیاز ارقام غلام مول رام ولد مہتہ آنند رام سرگ باشی بتاریخ بیست و پنجم ماہ ذی الحجہ ۱۱۹۵ تہت دوادسی سندی ماہ نہری سمت ۱۸۲۸ صورت اتمام یافت"

سمت کے اندراج میں غالباً غلطی ہے۔ ۱۱۹۵ ہجری ۱۷۸۱ عیسوی کے مطابق ہے لیکن ۱۸۲۸ سمت ۱۷۷۱ عیسوی کے مطابق ہوتا ہے۔ غالباً یہ ۱۸۳۸ سمت ہوگا۔

اردو ترجمہ بھگوت گیتا فارسی میں ترجمہ ختم ہو جانے کے بعد مترجم نے بھگوت گیتا کی حکمت کی باتیں اردو میں ترجمہ کی ہیں۔ یہ کوئی ۱۵۰ صفحات کا رسالہ ہے۔ یہ سندھ میں اردو کا قدیم ترین نثری نمونہ ہے عنوان یہ ہے .... پاس دیو سری بھگوت گیتا سری کرشن جیو ارجن سنیا دے" ایک دو اقتباس درج کرتا ہوں۔

"جب باندو ارکیروں مہا بہارتیہ کے جدہ کوں کو رکہیتر کوں چلے تب راجہ دہراشٹ کہو۔ ہوں بہی جدہ کا کرتک دیکہن کوں چلوں ہوں۔ جب ایہہ بات دہراشٹ کہی تب تس کوں سری بیاس جیو کہیو۔ جو ہی راجہ تیرے نیتر ناہیں۔ نیتر بنا کیا دیکہیں گا۔ تب دہراشٹ کہو۔ جو ہوں دیکہوں گا۔ ناہین تو سروں دوار کر سر کروں گا"

ایک اور مقام پر ہے۔

"ارجنو واچہ۔ ہے جادو بنسیوں بکہی سرلشیت سری کرشن بہگوان کرپا ندہان جیو! ایہہ بات سبھی منکہ سمجھتے ہیں۔ جو پاپ کئے تین دوکہہ پائے ہے۔ جیسے بکہہ کہائے۔ تین پرنے کا مانس ہوتا ہے۔ تیسے ہی پاپ کرم تین دوکہہ پائے ہے۔ ایہہ بات سمجھ کر ہے پر یہہ جیو! ان منکہوں کون پاپ بل کرکے کون کرا دے ہے۔؟ سو مجھ کوں کرپا کر کہو"

اس کا ترقیمہ اس طرح ہے۔

سپورن بہئی بہگوت گیتا تہت پورن ماسی تاریخ چہاردہم ماہ محرم ۱۱۹۶ھ سندی ماہ پوہ ۱۸۲۸ بکرما سری کرشن بہگوان جیو کرپا ساگر دیا سروپ آنند روپ کرپاں ریاں بدستخط داساں کے داس بندہ نیاز ارقام مولرام ولد مہتہ آنند رام سرگ باشی صورت تمامیت یافت۔ واقعہ حویلی سیوستان

نوٹ:۔ یہاں بھی سمت ۱۸۳۸ ہونا چاہیئے۔

مترجم

مترجم کا حال اس سے زیادہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ سیوہن کے مہتہ خاندان کا ایک فرد ہے۔ کتاب کے خالی صفحہ

اسی خاندان کے ایک فرد نے خاندانی شجرہ ۷ اکتوبر ۱۸۹۰ میں لکھا ہے۔ وہ مصنف سے اپنا تعلق اس طرح ظاہر کرتا ہے۔
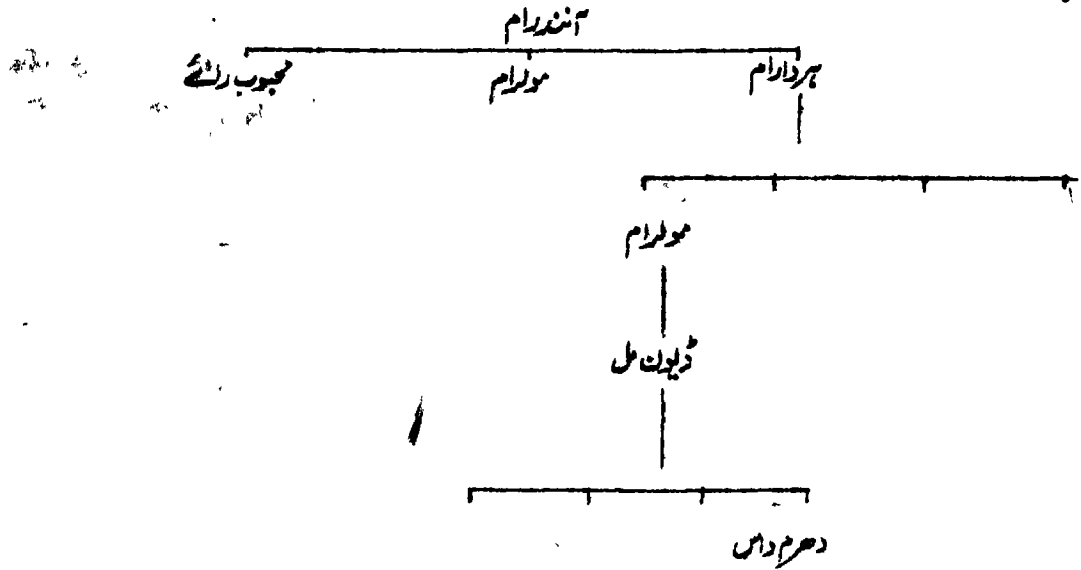
اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ نسخہ مترجم کے اپنے قلم کا ہے اور خاندان میں متداول چلا آتا رہا۔ غالباً ۱۹۴۷ء ہنگامے کے بعد کسی وقت سیوہن سے یہ کتاب شکارپور کے کباڑیوں کے پاس پہنچی۔ وہاں سے میں نے یہ کتاب فروری ۱۹۵۷ء میں ملی۔ اور آج کل یہ شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج منصورہ ضلع حیدرآباد سندھ کے کتب خانے کی زینت ہے۔

محمد اسماعیل پانی پتی

تاثرات

رسالہ قومی زبان کے ستمبر ۱۹۶۷ء کے شمارے میں محی الدین احمد صاحب کا مضمون اپنے متعلق پڑھا۔ میری عادت بحث و مباحثہ میں پڑنے کی نہیں ہے اس لئے میں اس کا جواب نہ دیتا مگر چونکہ صاحب مضمون نے مجھ پر غلط بیانی، افترا پردازی اور اتہام تراشی کے الزامات لگائے ہیں اس لئے مختصراً کچھ عرض کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ اسے اپنے رسالے کی قریبی اشاعت میں شائع فرما دیں۔

تعجب ہے کہ محی الدین صاحب کو پونے ایک سال کے بعد میرے مضمون کی تردید کی ضرورت محسوس ہوئی، مگر خیر۔

کرنل ٹرینچ کے واقعے کے متعلق عرض ہے کہ میں ۱۹۳۰ء میں پہلی مرتبہ حیدرآباد دکن گیا تھا اور کرنیل ٹرینچ کے نام یا عہدے سے قطعاً ناواقف تھا، ایسی حالت میں کس طرح ان کا نام لے کر غلط بیانی کا مرتکب ہو سکتا تھا۔ میرے سامنے بھوپال میں تار آیا، حیدرآباد پہنچ کر میرے سامنے خواجہ سجاد حسین صاحب کرنل ٹرینچ سے ملے۔ کرنیل ٹرینچ نے جو سفارش خواجہ صاحب کی عرضی پر لکھی وہ میرے سامنے خواجہ صاحب نے لے جا کر مہاراجا کشن پرشاد کو دی۔ پھر میں کس طرح مان لوں کہ کرنیل ٹرینچ کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ سارے واقعات میرے سامنے ہوئے محی الدین صاحب کے سامنے نہیں ہوئے جو خواہ مخواہ انھیں غلط بتلاتے ہیں۔

کرنیل ٹرینچ کے عہدے کے متعلق ممکن ہے مجھے سہو ہوا ہو اور میں نے وزیر ریونیو کی بجائے وزیر فنانس سمجھ لیا ہو مگر یہ بالکل یقینی ہے کہ مولوی صاحب کے تار میں کرنیل ٹرینچ کا نام تھا جو شاید اس لئے ہو کہ کرنیل کا انگریز ہونے کی وجہ سے ریاست میں کافی اثر ہوا اور وہ سفارش کر کے آسانی یہ کام کرا سکتے ہوں۔

اپنے مضمون میں محی الدین صاحب نے بڑی عجیب بات یہ لکھی ہے کہ " ۲۰ ہزار روپے کی اتنی بڑی رقم کی منظوری وزیر مالیات تو کیا بجز ذات شاہانہ کے صدر اعظم کے اختیار میں بھی نہ تھی۔" اگر یہ بات تھی تو خواجہ صاحب نہ کرنیل ٹرینچ سے ملتے، نہ مہاراجا کے پاس جاتے نہ کونسل کے دوسرے ممبران سے جا کر کہتے، صرف "ذات شاہانہ" کے حضور میں حاضر ہو جاتے اور نواب فخر یار جنگ بھی ان کو یہی مشورہ دیتے، مگر اس کے برخلاف خود نواب فخر یار جنگ مہاراجا کشن پرشاد اور کونسل کے دوسرے ممبران کے پاس خواجہ صاحب کو فرداً فرداً لے کر گئے تاکہ کونسل کے اجلاس کے وقت سب ممبران درخواست کی تائید کریں۔

اس ضمن میں یہ خاص واقعہ پیش آیا کہ کونسل میں رقم کی منظوری کے بعد فوراً سر اکبر حیدری نے خواجہ صاحب کے اعزاز میں ایک پارٹی دی۔ وہاں خواجہ صاحب نے سر اکبر حیدری سے پوچھا کہ " میں اس عطیے کے لئے اعلیحضرت کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ان کے حضور میں حاضر ہوں "۔ سر اکبر حیدری نے کہا: ہوم سکرٹری (نواب اکبر یار جنگ) سے پوچھیے۔" وہ بھی دعوت میں موجود تھے، خواجہ صاحب نے ان سے کہا تو انھوں نے فرمایا اس کی ضرورت نہیں، جو امر کونسل متفقہ طور پر منظور کرے اعلیحضرت مجبور ہیں کہ اس پر دستخط کریں لہٰذا ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور شکریہ ادا کرنے کا کیا فائدہ ہے، چنانچہ خواجہ صاحب

نظام سے نہیں ملے اور واپس چلے آئے۔ اکبر حیدری اور اکبر یار جنگ دونوں سے خواجہ صاحب کی گفتگو میرے سامنے ہوئی۔ اس صورت میں محی الدین صاحب کے اس فقرے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ "اتنی بڑی رقم کی منظوری وزیر مالیات تو کیا بجز ذات شاہانہ کے صدر اعظم کے اختیار میں بھی نہ تھی۔" مگر یہاں "ذات شاہانہ" کی منظوری تو الگ رہی، ان سے پوچھا بھی نہ گیا اور کونسل نے رقم کی منظوری دے دی، رقم مل گئی اور خواجہ صاحب نظام سے ملے بھی نہیں۔

باقی رہا بلوچستان میں خواجہ صاحب کے ماتحت کرنل ٹرنچ کے رہنے پر اعتراض، تو مجھ سے یہ واقعہ خواجہ صاحب نے خود بیان فرمایا تھا۔ میں ان کے بیان کے آگے کسی کے بیان کی کیا وقعت سمجھتا ہوں۔ کیا محکمہ فینانس کی رپورٹ میں غلطی کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا، یا یہ بھی ممکن ہے کہ خود کرنل ٹرنچ نے محکمۂ تعلیم بلوچستان میں اپنی نوکری کا ذکر رپورٹ شائع کرنے والوں سے نہ کیا ہو اور وہ بھول گئے ہوں۔

مہاراجا کے سامنے والے واقعے کو محی الدین صاحب نے "مضحکہ خیز اتہام۔ جھوٹ اور صریحاً بہتان" بتایا ہے ان سے بھی زیادہ سخت الفاظ اگر میری ذات کے متعلق استعمال کئے جائیں تو میں جواب نہیں دوں گا مگر ہاں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے جو واقعہ لکھا وہ لفظ بلفظ صحیح تھا۔

بنجارہ ہلز کے واقعے کو بھی محی الدین صاحب نے "مضحکہ خیز جھوٹ" لکھا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ مجھ سے حیدر آباد میں یہی بیان کیا گیا کہ یہ پہلے "ایک نامی گرامی ڈاکو" کا مسکن تھا، بہت ممکن ہے کہ راوی نے "نامی گرامی تاجر" کی بجائے بھول کر نامی گرامی ڈاکو کا لفظ مجھ سے کہا ہو۔ مگر میں نے جس طرح واقعہ سنا تھا اسی طرح بیان کر دیا۔ اپنی طرف سے جھوٹا واقعہ گھڑنے کی مجھے ضرورت کیا تھی؟

ممکن ہے، اب ۳۷ برس کے بعد بنجارہ ہلز پر دلکش باغات، شاندار کوٹھیاں اور کشادہ سڑکیں بن گئی ہوں مگر ہم نے تو وہاں سوا ویرانی کے اور کچھ نہ دیکھا۔ پہاڑی پر چڑھتے وقت سواری سڑک پہ چھوڑنی پڑی اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے بنگلے تک پہنچے۔ وہاں آس پاس بھی کوئی گھر نظر نہ آئی اور جب میں نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ اس ویران اور سنسان جگہ میں آپ کیوں سکونت پذیر ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ "یہاں بھی لوگ چین نہیں لینے دیتے۔" ورنہ مولوی صاحب میرے سوال کا یہ جواب دیتے کہ "ویران اور سنسان کہاں ہے۔ دیکھو آس پاس کتنے بنگلے ہوئے ہیں اور کیسی رونق اور چہل پہل ہے۔"

آخر میں محی الدین صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے ان واقعات کی تردید کی ہے جو حیدر آباد سے متعلق ہیں۔" تو میں نے اس ضمن میں مولوی صاحب کی نماز کا بھی واقعہ بیان کیا تعجب ہے کہ اگرچہ یہ واقعہ بھی حیدر آباد سے تعلق رکھتا تھا مگر مضمون نگار صاحب نے اس کی تردید نہیں کی۔

میں نے یہ تحریر لکھ کر ختم کرتا ہوں کہ میرے دل میں مولوی صاحب کی ان کی ادبی خدمات کے باعث بڑی قدر ہے، ایسی حالت میں ان کے متعلق جھوٹ بولنے، افترا کرنے اور بہتان باندھنے کی کیا ضرورت تھی ع

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

لکھنے کے بعد اتفاق سے مکرمی نواب مشتاق احمد خاں صاحب سے ایک جلسے میں ملاقات ہو گئی جو پاکستان میں حیدر آباد کے ایجنٹ جنرل تھے اور حضرت نواب فخر یار جنگ، وزیر مالیات ریاست حیدر آباد کے فرزند ارجمند ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ "کرنل ٹرنچ کون تھے" تو انہوں نے جواب دیا کہ "وہ ریونیو اور ہوم ممبر تھے، اس وقت ریاست کے حالات ایسے تھے کہ ضرورت اس امر کی تھی کہ ایسے زبردست آدمی

(باقی صفحہ ۵۶ پر)

تصویر کا ایک رُخ

رازِ درون ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے ایک بیان میں اس امر پر سخت افسوس کا اظہار کیا ہے کہ "دانشوروں" کا ایک گروہ جس میں بعض سرکاری افسر بھی شامل ہیں - ایک مرتبہ پھر زبان کے مسئلے پر اختلافات کو ہوا دے رہا ہے - انھوں نے اردو کے حامیوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اس آویزش میں نہ الجھیں اور پوری سنجیدگی سے اردو کو انگریزی کی جگہ دلانے کے لئے سرگرم عمل رہیں - ڈاکٹر سید عبداللہ نے یہ بیان حامیان اردو پر ایک الزام لگنے پر دیا ہے انھوں نے کہا کہ اردو کے حامیوں پر بے بنیاد الزام لگایا جا رہا ہے کہ وہ علاقائی زبانوں کے خلاف ہیں - انھوں نے کہا کہ اردو کے حامی پاکستان کی تمام علاقائی زبانوں اور بولیوں کی ترقی چاہتے ہیں - اور اصل حقیقت یہ ہے کہ علاقائی زبانوں اور اردو کے درمیان کوئی تصادم نہیں - ڈاکٹر سید عبداللہ نے کہا کہ زبانوں کی ترقی قومی نصب العین اور ضرورتوں کی روشنی میں ہونی چاہیئے - اور اردو کے حامی معاشرتی اور لسانی ربط و ضبط پر یقین رکھتے ہیں - انھوں نے کہا ہم سب اس سلسلے میں اپنا ردِّ عمل اس وقت ظاہر کرتے ہیں، جب علاقائی زبانوں کے سوال کو قومی زبان کے مفاد کو ٹھیس پہنچانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے -

تصویر کا دوسرا رُخ

ناقابلِ فہم بیان کی مذمت امیر جماعت اسلامی (کراچی) چودھری غلام محمد نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ قومی زبانوں کو اپنانے اور ان کی نزدیک میں رکاوٹیں ڈالنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے وہ قومی زندگی کے لئے "انتہائی تکلیف دہ" ہے - انھوں نے کہا جب اردو اور بنگلہ دونوں کو قومی زبان قرار دے دیا گیا ہے اور اسی کے مطابق انھیں سرکاری حیثیت حاصل ہو گی تو اس صورت میں انگریزی کی حمایت میں جو بیانات آ رہے ہیں

وہ ناقابلِ فہم ہیں ۔ انھوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے ۔ کہ مسٹر کھوڑو جیسے لوگ جو قائداعظم کے ساتھ تحریک پاکستان میں شامل تھے ۔ انگریزی کی حمایت کر رہے ہیں ۔

ضروری احکام کا انتظار معلوم ہوا ہے کہ عنقریب مغربی پاکستان کی تمام کاروں، بسوں، موٹروں، ٹرکوں اور دوسری گاڑیوں پر نمبر پلیٹ اردو میں لکھنے کے احکام صادر کر دیئے جائیں گے ۔ اس سلسلے میں ضروری احکام کو آخری شکل دی جا رہی ہے ۔ اور اس حکم کا انتظار لوگ بے چینی سے کر رہے ہیں ۔

علمی، ادبی، تعلیمی اور ادبی خبریں

ادارۂ مصنفین پاکستان کا اعلان ادارۂ مصنفین پاکستان نے اردو اور بنگالی ادب کے لئے پانچ پانچ ہزار روپے کے دو انعامات دینے کا اعلان کیا ہے ۔ یہ انعامات "۶ ستمبر کے ادبی انعامات" کہلائیں گے ۔ اس سلسلے کے نتیجے کا اعلان ادارۂ مصنفین پاکستان کی سالانہ تقریب کے موقعے پر ۱۳ جنوری ۶۶ء کو کیا جائے گا ۔ اس اعلان میں بتایا گیا ہے کہ یہ انعام اس ادبی اور تخلیقی پہلو پر دیا جائے گا جس میں جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے غازیوں اور شہدا کی زندگی کی عکاسی کی گئی ہو اور پاکستان کی علاقائی سالمیت کے متعلق تحریر کیا گیا ہو ۔ اس سلسلے میں ستمبر ۱۹۶۵ء سے دسمبر ۱۹۶۶ء تک شائع شدہ کتابوں کو زیرِ غور لایا جائے گا ۔

صدر ایوب کی کتاب کا اردو ترجمہ صدر ایوب کی سیاسی سوانح عمری " جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی " فروخت کے لئے بازار میں آچکی ہے ۔ صدر ایوب کی یہ کتاب ان کی انگریزی کتاب " فرینڈز ناٹ ماسٹرز " کا ترجمہ ہے ۔ یہ ترجمہ غلام عباس مشہور افسانہ نگار نے کیا ہے ۔ یہ کتاب ۵۰۷ صفحات اور ۳۴ تصاویر پر مشتمل ہے ۔ از روئے اختلاف تزئین دس روپے / بیس روپے اور پچاس روپے کی قیمت پر مشتمل ہے

ایک تازہ انکشاف تارک وطن روسی ادیب دلیری تارسس نے اسٹاک ہوم میں یہ دعوا کیا ہے کہ " اور ڈان بہتا رہا " .... (جس کے مصنف شولوخوف کو ادب کا نوبل پرائز دیا گیا تھا) شولوخوف کا ناول نہیں ہے ۔ انھوں نے انکشاف کیا کہ اس کتاب کا اصل مصنف ایک گمنام گورا روسی افسر تھا ۔ جو اب مر چکا ہے ۔ یہ انکشاف کرنے والے ادیب کی کتاب پر روس میں پابندی عائد کر دی گئی ہے ۔

سائنس کانفرنس نویں سالانہ سائنس کانفرنس ۲۶ نومبر کو منعقد ہو رہی ہے ۔ جس کا افتتاح پنجاب یونیورسٹی میں سپریم کورٹ کے جسٹس ایس ۔ اے رحمان کر رہے ہیں ۔ ڈاکٹر شفقت صدیقی اس کی صدارت کریں گے ۔ پاکستان کے ماہرینِ تعلیم، سائنسدان اور اہل علم اس کانفرنس میں شرکت کر رہے ہیں ۔ کانفرنس کا مقصد سائنسی علوم کا فروغ اور

اسے عوام تک لانا ہے۔ اس کانفرنس کی تمام کارروائی اردو میں ہوگی جو خود اس بات کی دلیل ہے کہ سائنس کی تعلیم اردو میں بخوبی دی جا سکتی ہے۔

سفیر ایران کا خطاب

پاکستان میں ایران کے سفیر جناب میجر جنرل حسن پاک روان نے راولپنڈی کے ایک اجتماع میں کہا ہے کہ مادری زبان میں اظہار خیال ملکی ترقی میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ آپ نے کہا کہ بلاشبہ انگریزی ایک بین الاقوامی زبان ہے مگر یہ زبان قومی زبان کا بدل ثابت نہیں ہو سکتی۔ جناب حسن پاک روان گورنمنٹ کالج کے ایک مباحثے کے اختتام پر خطاب کر رہے تھے۔

جسٹس سجاد احمد جان کی حق گوئی

مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جج جناب جسٹس سجاد احمد جان نے لاہور میں ینگ اسپیکرز یونین کے نئے عہدیداروں کی افتتاحی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ نجی محفلوں اور دوسری تقریبات میں قومی زبان کے بجائے کسی اجنبی زبان کو ذریعہ اظہار بنانا احساس کمتری کا ثبوت ہے۔ اس تقریب کی تمام کارروائی انگریزی میں ہو رہی تھی۔ جب مہمان خصوصی نے اردو میں تقریر شروع کی تو پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ آپ نے طالب علموں سے کہا کہ وہ جو نصب العین مقرر کریں وہ بہت واضح اور صاف ہونا چاہیے۔

یادوں کے چراغ

جسٹس کیانی کی پانچویں برسی

مشہور صاحب طرز ادیب اور طنز نگار جناب کیانی کی پانچویں برسی سارے پاکستان میں نہایت عزت و احترام سے منائی جا رہی ہے۔ اور تمام اہم مراکز میں ادبی اجلاس منعقد ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں راجشاہی پریس کلب نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کی لائبریری کا نام "کیانی پاٹھ گھر" رکھا جائے۔ جسٹس کیانی مرحوم کا آخری قیام راجشاہی میں ہی تھا۔ جہاں سے وہ چاٹگام چلے گئے تھے اور اچانک انتقال کر گئے تھے۔

عبدالعزیز فطرت کی بیوہ کا وظیفہ

صدر ایوب نے مشہور شاعر اور ادیب جناب عبدالعزیز فطرت مرحوم کی بیوہ کو تین سو روپے ماہوار وظیفہ دینا منظور کیا ہے۔ جناب عبدالعزیز فطرت کا انتقال ابھی حال میں ہوا تھا۔ "بزم یادگار فطرت" کے ایک خصوصی اجلاس نے اس وظیفے کا شکریہ ادا کیا ہے۔

آئینہ ہند

بیاد محروم

اردو کے نامور شاعر تلوک چند محروم کے ۸۱ ویں یوم پیدائش پر دہلی میں ۱۰ ستمبر کو بڑے اعلیٰ پیمانے پر ایک تقریب منائی گئی۔ یہ تقریب جامعہ ملیہ کے زیر اہتمام ٹیچرز ہال میں منعقد ہوئی جس کی صدارت

ڈاکٹر عابد حسین نے فرمائی - اس اہم تقریب میں تقریر کرنے والوں میں جوش ملیح آبادی - ڈ انصاری - ڈاکٹر محمد حسن جگن ناتھ آزاد راجندر ناتھ شیدا - عرش ملسیانی - ڈاکٹر خلیق انجم - ڈاکٹر عابد حسین - ڈاکٹر سلامت اللہ اور مالک رام صاحب کے نام شامل ہیں گورنر یو۔پی ڈاکٹر گوپال ریڈی اور سکریٹری وزارت دفاع شری وی شنکر نے اس موقع پر پیغامات میں مرحوم کی شخصیت اور فن کو خراج عقیدت پیش کیا - جلسے میں دہلی کے تمام قابل ذکر ادیبوں اور شاعروں نے شرکت کی اور سامعین کی کثرت سے ہال بھرا ہوا تھا - جلسے کے اختتام پر جناب مالک رام کی مرتب کردہ کتاب " افکار مرحوم " کی رسم اجرا عمل میں آئی - کتاب میں کئی قابل ذکر ادیبوں کے مقالات شامل ہیں - جلسے کے آغاز میں جناب عبداللطیف اعظمی نے مرحوم میموریل کمیٹی کے قیام اور اس کے اغراض و مقاصد بیان کئے -

فراق گورکھپوری کے لئے انعام مشہور شاعر اور نامور نقاد جناب فراق گورکھپوری کو روس کی طرف سے اس سال " نہرو انعام " دیا گیا ہے - یہ روسی انعام تین سال سے ایسے ادیبوں کو دیا جا رہا ہے جو روس اور بھارت کو قریب تر لانے کی خدمات انجام دیتے ہیں - " نہرو انعام " ایک غیر سرکاری انعام ہے جو اس سال فراق صاحب کو پیش کیا گیا ہے -

---

(بقیہ ص ۵۲ کا)

حیدرآباد میں بلایا جائے جو اعلا عہدیداروں میں توازن قائم کر سکے ، نہ کسی سے ڈرے اور نہ کسی کے اثر میں آئے - اس کام کے لئے ہی کرنل ٹرنچ کا انتخاب عمل میں آیا تھا "

اس جواب پر میں نے جناب نواب صاحب محترم سے دریافت کیا کہ " ریاست میں کرنل ٹرنچ کی کیا حیثیت تھی " نواب صاحب نے فوراً جواب دیا کہ ریاست میں حضور نظام کے بعد انھی کی حیثیت تھی اور وہ " نظام ثانی " سمجھے جاتے تھے -

نواب صاحب کے اس بیان کے بعد میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ یہی وجہ تھی کہ جناب مولوی عبدالحق صاحب نے خواجہ سجاد حسین صاحب کو تار دیا تھا کہ " اگر کرنل ٹرنچ کے لئے آپ کے پاس کوئی زبردست سفارش نہیں ہے تو یہاں مت آنا "

مگر اس کے بالمقابل محی الدین احمد صاحب اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ کرنل ٹرنچ ایک معمولی عہدیدار تھا اور اس کے لئے ایک کلکٹر کی سفارش کافی تھی -

اب میں حیران ہوں کہ کرنل ٹرنچ کی حیثیت کے متعلق نواب مشتاق احمد خاں صاحب کے بیان کو سچ سمجھوں یا محی الدین صاحب کی تحریر کو؟ اس معاملے میں میری نواب صاحب سے جو گفتگو ہوئی ہے اس کی تصدیق خود نواب صاحب محترم کو ایک خط لکھ کر ہو سکتی ہے - ان کا پتا یہ ہے -

" نواب مشتاق احمد خاں صاحب ، پریزیڈنٹ ماڈل ٹاؤن ، کوٹھی مشتا - فخر منزل - ماڈل ٹاؤن - لاہور -

وما علینا الا البلاغ

ابو سلمان شاہجہانپوری

نئی کتابیں

مولانا عبید اللہ سندھی (سوانح و افکار)[1] برصغیر پاک و ہند کے وہ علمائے دین جو ایک طرف مذہبی تصورِ حیات اور اسلامی دعوت و فکر پر پختہ یقین رکھتے تھے، دوسری طرف موجودہ سائنسی دور کے تقاضوں، ضرورتوں اور جدید علوم کی وجہ سے ذہنی و فکری انقلاب کی اہمیت کا بھی جنھیں احساس تھا ان میں مولانا عبید اللہ سندھی بہت ممتاز نظر آتے ہیں۔ مولانا مرحوم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی حضرت شاہ صاحب کے افکار کے مطالعے اور ان کی تبلیغ و اشاعت میں صرف کر دی۔ مرحوم کی عظمت کے لیے صرف یہی بات کافی ہے کہ وہ ولی اللہی فکر و فلسفہ کے سب سے بڑے شارح و ترجمان تھے۔ آج حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم و افکار سے علمی حلقوں میں جو انتہائی دلچسپی لی جا رہی ہے وہ مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی کوششوں ہی کا ثمرہ ہے۔

مولانا سندھی ایک سکھ خاندان میں پیدا ہوئے لیکن ابھی ان کی عمر ۱۲ سال سے زیادہ نہ تھی کہ انھیں اسلام کی سادہ تعلیمات نے متاثر کیا اور ایک رات وہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے انھوں نے چھ سال تک سندھ میں رہ کر حضرت مولانا حافظ محمد صدیق، سجادہ نشین بھرچونڈی شریف (سکھر) سے فیض حاصل کیا۔ پھر تکمیل کی غرض سے دارالعلوم دیوبند کے لیے رختِ سفر باندھا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کی خدمت میں رہ کر علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ان کی انقلابی طبیعت اور رجحان دیکھ کر ان کی سیاسی تربیت فرمائی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فلسفۂ انقلاب سے روشناس کرایا۔ فراغت کے بعد مولانا چند سال تک سندھ میں طلبہ کو پڑھاتے رہے لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ عالم اسلام ایک بہت بڑے انقلاب سے گزر رہا تھا۔ ملک کے اندر اور باہر کام کرنے کی سخت ضرورت تھی۔ حضرت شیخؒ نے مولانا سندھی کو دیوبند بلایا اور پھر دارالحکومت دہلی میں رہ کر کام کرنے کا حکم دیا۔ ۱۹۱۵ء میں انھیں کابل جانے کا حکم ملا۔ مولانا سندھی نے تقریباً سات سال کابل میں قیام کیا، پھر ۱۹۲۲ء میں روس گئے اور ایک سال ماسکو

---

[1] تصنیف محمد سرور صاحب۔ ناشر: سندھ ساگر اکادمی، لاہور، صفحات ۴۷۸، قیمت چھ روپیہ بارہ آنے

میں قیام کیا ۔ ۱۹۲۳ء میں وہاں سے ترکی کا سفر کیا اور تقریباً ساڑھے تین برس ترکی میں قیام کیا اس کے بعد حجاز تشریف لے گئے۔ اور دس بارہ برس تک حجاز میں درس و مطالعہ میں مصروف رہے ۔ تقریباً ۲۴ سال کے بعد انھیں وطن واپس آنے کی اجازت ملی اور ۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو وہ کراچی کے ساحل پر اترے ۔

مولانا سندھی نے چوبیس سال کے اس طویل عرصے میں سیاسی حالات و انقلابات کا قریب رہ کر نہ صرف مطالعہ کیا ہے بلکہ بعض اوقات وہ خود بھی ان حالات سے گزرے ہیں اور ان میں شریک رہے ہیں ۔ کابل میں قیام کا زمانہ ان کی سیاسی مصروفیتوں کا زمانہ تھا پروفیسر محمد سرور صاحب لکھتے ہیں ۔

" ان دنوں کابل ایشیا کا سوئٹ زرلینڈ بنا ہوا تھا اور یہاں ہر سلطنت کے مدبر اور سیاست داں ایک دوسرے کے خلاف جوڑ توڑ کرنے میں معروف تھے مولانا نے بین الاقوامی سیاسیات کی اس کشمکش کو دیکھا اور صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ اس میں بطور ایک اہم فرد کے شریک بھی رہے ۔ آپ نے کابل میں امیر حبیب اللہ کی حکومت کا بھی غور سے مطالعہ کیا ۔ اور استبدادی سلطنتوں کو اندر ہی اندر سے جو گھن کھا رہا تھا وہ آپ کی آنکھوں نے صاف صاف دیکھ لیا " (صفحہ ۳۰)

افغانستان میں اس وقت امیر حبیب اللہ سریر آرائے حکومت تھے ۔ مولانا افغانستان ہی میں تھے کہ امیر موصوف کسی نامعلوم شخص کی گولی کا نشانہ بن گئے ۔ ان کے بھائی نصر اللہ خاں تخت کے وارث بن کر اٹھے لیکن اس کشمکش میں امیر موصوف کے منجھلے صاحب زادے امان اللہ خاں کو فتح ہوئی اور وہ امیر افغانستان بن گئے ۔ یہ دور افغانستان کی تاریخ میں ایک یادگار دور کی حیثیت رکھتا ہے ۔ افغانستان کن کن انقلابات سے گزرا ۔ اس کا پس منظر کیا تھا اس کے نتائج کیا نکلے عالم اسلامی کے سیاسی حالات پر ان کا کیا اثر پڑا یہ تمام باتیں مولانا سندھی کی چشم دید تھیں ۔ روس میں لینن ابھی زندہ تھا ، زار کا دور ختم ہو چکا تھا اور اس کی جگہ نیا اشتراکی روس جنم لے رہا تھا ۔ مولانا نے روسی انقلاب کے کارکنوں کو سرگرم عمل دیکھا' ان کی ہمتوں اور ولولوں اور جفاکشیوں کا مشاہدہ کیا ان کے افکار و نظریات کا مطالعہ کیا ۔ ترکی میں خلافت منسوخ ہو چکی تھی ، مصطفےٰ کمال پاشا جدید ترکی کی تعمیر میں مصروف تھے ۔ پروفیسر محمد سرور صاحب لکھتے ہیں :۔

" ماسکو سے مولانا ترکی آئے ۔ اس وقت مصطفےٰ کمال ترکی کو کمالی ترکی بنا رہے تھے ۔ خلافت منسوخ کی جا چکی تھی شرعی قانون کی جگہ سوئٹزرلینڈ کا قانون نافذ ہو چکا تھا ترکی ٹوپی ممنوع قرار دی جا چکی تھی ۔ شیخ الاسلام کو ترکی سے رخصت کر دیا گیا تھا ۔ اوقاف ضبط اور مذہبی مدرسے حکماً بند کر دیئے گئے تھے ۔ ترکی زبان عربی حروف کے بجائے لاطینی حروف میں زبردستی لکھوائی جاتی تھی ۔ الغرض پرانی زندگی کا ہر رنگ مٹایا جا رہا تھا ۔ ایک نئی ترکی بن رہی تھی اور ترک نیا جنم لے رہے تھے ۔

مولانا ساڑھے تین سال تک ان سب انقلابات کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھتے رہے ۔ ان کے دل پر

جو کچھ گزری ہم نہیں جانتے۔ لیکن مولانا عبیداللہ سندھی ایسی طبیعت والے انسان پر اس قسم کے شدید حادثات کا جو اثر ہو سکتا ہے اس کا اندازہ کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ مولانا ان لوگوں میں سے نہیں کہ جو اپنی پسند کی چیز نہ دیکھیں تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور اپنے دل کو یہ ڈھارس دے لیتے ہیں کہ اگر ہم اس چیز کو نہیں دیکھ رہے ہیں تو وہ چیز سرے سے موجود ہی نہیں۔ مولانا اپنی آنکھیں ہمیشہ کھلی رکھتے تھے اور اپنے دل ودماغ پر کسی قسم کی مہر لگانے کے روادار نہیں۔ چنانچہ مولانا نے روسی انقلاب اور ترکی انقلاب کو خوب دیکھا اور ان دونوں انقلابات کے تجربات کو دل میں لیے وہ اسلام کے اصلی مرکز میں پہنچے۔

ترکی سے مولانا نے سرزمین حجاز کا رخ کیا۔ حجاز آتے آتے اٹلی اور سوئٹ زرلینڈ کی سیاحت بھی ہو جاتی ہے۔ حجاز آئے تو ابن سعود کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ دس بارہ سال تک مولانا حجاز میں مقیم رہے۔ اور ابن سعود کی "خالص اسلامی حکومت" کا نہایت قریب سے مطالعہ کرتے رہے"۔ اس سے آگے مصنف موصوف لکھتے ہیں:۔

"مولانا (سندھی) کا یہ سارا زمانہ درس وتدریس میں صرف ہوا۔ آپ کو بعض ہندوستانی اور عرب احباب سے کتابیں مل جاتیں، آپ یا تو مطالعہ کرتے یا جاوی اور ہندوستانی طلبہ کو پڑھایا کرتے۔ ان دس بارہ برسوں میں آپ نے شاہ ولی اللہؒ کی تصنیفات کو بالاستیعاب بار بار پڑھا۔ اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی تیرہ سو سال کی تاریخ پر تنقیدی نظر ڈالی۔

حجاز کے زمانہ قیام میں مولانا سیاسی سرگرمیوں سے بالکل دور رہے۔ اور آپ نے سارا وقت مطالعہ اور تدریس میں گزارا۔ جب کبھی کسی کو مولانا کے مکان پر جانے کا اتفاق ہوتا تو وہ آپ کا کمرہ کتابوں سے بھرا ہوا پاتا۔ ایک طرف مصر کی تازہ بتازہ اور نو بہ نو عربی تصنیفات نظر آتیں۔ دوسری طرف اردو کی نئی مطبوعات اور تازہ رسالے پڑے ہوتے اور شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خانوادہ علم کی کتابیں تو سب سے نمایاں جگہ پر ہوتیں۔

حجاز میں مولانا نے دس بارہ سال کا طویل زمانہ گزارا۔ اور اس عزلت میں وہ اپنی گزشتہ زندگی اور اس کے تجربات کا برابر جائزہ لیتے رہے۔ اس زمانے میں انھوں نے اپنے افکار بھی مرتب کیے اور چونکہ ان افکار کی افادیت اور صداقت کو وہ عملی دنیا میں کامیاب ہوتا دیکھ چکے تھے۔ اس لیے ان کے سچے ہونے پر ان کو غیر متزلزل یقین تھا۔ مولانا چاہتے تھے کہ اپنی اس بصیرت کو عام کریں اور طول طویل تجربوں کے بعد جو کچھ انھوں نے سیکھا ہے اسے دوسروں کو بھی سکھائیں۔ لیکن حجاز والے نہ ان کی باتیں سمجھ سکتے تھے۔ اور نہ انھیں ان کی ضرورت تھی۔ ان افکار وخیالات سے صرف مولانا کے اہل وطن ہی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ اس لیے جب انھیں واپس وطن آنے کا موقع ملا تو انھوں نے حکومت کی وہ تمام قیود وشرائط مان لیں جن کو

ملنے بغیران کا ہندوستان آنا مشکل تھا ۔ مولانا زندگی کے آخری دنوں میں صرف اسی غرض سے وطن آئے ہیں کہ اپنے اہل وطن کے سامنے اپنے چوبیس برس کے تجربات کا حاصل پیش کریں" (صفحات ۳۰ - ۳۵)

مولانا (سندھی) بے تاب تھے کہ اس طویل عرصے میں جو جو باتیں ابھر ابھر کر ان کے دل کے اندر ہی اندر دبی رہیں انھیں بے محابا کھلے بندوں سب کو سنائیں ۔

" مولانا کی یہ باتیں بعض لوگوں کو بڑی تلخ لگتی ہیں ۔ لیکن وہ جانتے نہیں کہ مولانا نے جو حقائق دیکھے ہیں وہ کتنے تلخ ہیں اور ان تلخ حقائق کا جاننا ہندوستان والوں کے لیے کتنا ضروری ہے" (صفحہ ۳۷)

وقت کی اہم ضرورت تھی کہ مولانا کے افکار و تعلیمات کو مرتب کیا جائے ۔ اس اہم کام کی تکمیل کی سعادت پروفیسر محمد سرور صاحب کو حاصل ہوئی ۔ ۱۹۳۸ء میں مولانا سندھی حجاز میں مقیم تھے کہ مصنف ان کی خدمت میں پہنچے اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہ کر مولانا کے فکر و نظر سے استفادہ کیا ۔ مارچ ۱۹۳۹ء میں مولانا سندھی ہندوستان لوٹے تو مصنف بھی واپس آئے ۔ اس کے بعد سے مولانا کا مستقل قیام جامعہ ملیہ دہلی میں رہا اور مصنف سے مخاطبت کا سلسلہ قائم رہا ۔ مصنف نے پیش لفظ میں لکھا ہے : ۔

" مولانا عبیداللہ صاحب سندھی دیار حرم میں تشریف فرما تھے کہ خاکسار مصنف ان کی خدمت میں پہنچا موصوف ہندوستان آئے تو راقم الحروف بھی وطن لوٹ آیا ۔ یہاں ایک عرصہ تک مصنف کو مولانا کی خدمت میں بیٹھنے اور ان سے استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ۔ معمول یہ تھا کہ جب کبھی مجھے مولانا کی مجلس میں بار ملتا ۔ آپ میری استعداد کے مطابق کسی موضوع کا انتخاب فرما لیتے ۔ اور اس پر گفتگو کرتے ۔ میں چپ چاپ بیٹھا سنتا رہتا ۔ کبھی کوئی بات واضح نہ ہوتی تو میں سوال کی جرات کرتا ۔ آپ نہایت شرح و بسط سے اس کا جواب دیتے ۔ اور ایک ایک نقطہ کی پوری وضاحت فرماتے ۔ بعض دفعہ یہ صحبت تمام تمام دن جاری رہتی ۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ مولانا نماز مغرب کے بعد جو بیٹھے تو ساری رات تعلیم و ارشاد فرماتے گزار دی" (صفحہ ۹)

مجلس ختم ہوتی تو مصنف مولانا کے افکار کو قلم بند کر لیتے ۔ اس طرح چھ سال کی صحبت اور استفادے کے بعد یہ کتاب مرتب ہو گئی جس میں پہلی بار مولانا سندھی مرحوم کے افکار کے مختلف گوشے عام لوگوں اور علمی دنیا کے سامنے آ گئے ۔ یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی تھی ۔ مولانا سندھی اس وقت حیات تھے ۔ مرحوم کے افکار کو اس کتاب میں جس خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا گیا اس کی داد خود مولانائے مرحوم دے چکے ہیں ۔ شروع میں مصنف نے مولانا کے حالات شامل کر کے کتاب کی افادیت کو اور بھی بڑھا دیا ہے ۔ اس طرح یہ کتاب مولانا سندھی کے سوانح حیات، تعلیمات اور افکار کا ایک مرقع بن گئی ہے ۔

مولانا سندھیؒ کے افکار کی چند خصوصیات ایسی ہیں جس میں اس عہد کے علماء و مفکرین میں مولانا ابوالکلام آزاد کے سوا کوئی ان کا مثیل نہیں ۔ ان کے افکار کی خصوصیات مذہبی نقطہ نظر کی افادیت ، اسلام کی حقانیت پر پختہ و کامل یقین، نظر کی وسعت اور فکر کی تہہ گیری ہے ۔ یہ کتاب کسی ایک موضوع پر مولانا کی تحقیق، معلومات اور افکار نہیں بلکہ وحدت انسانیت،

خدا پرستی، انسان دوستی، جہاد، انقلاب، انسانیت کے بنیادی اخلاق، تصوف، اسلامی تصوف، نظریۂ تمدن، تاریخ اسلام پر ایک نظر — پس منظر اور ابتدائی دور، قوموں حکومتوں کا دور، قومی و ملکی رجحانات، اسلامی ہندوستان، اکبر اعظم، اورنگ زیب عالمگیر، شاہ ولی اللہ، ولی اللہی سیاسی تحریک ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل وغیرہم موضوعات پر مولانا سندھی مرحوم کے افکار و تعلیمات پر مشتمل ہے۔ کتاب کا انداز مورخانہ نہیں مفکرانہ ہے۔ انھوں نے اپنے فکر و خیال کی صحت کے ثبوت میں مورخانہ طرز استدلال و مقدمات سے کام نہیں لیا ہے لیکن افکار کے پس منظر میں تاریخی مسلمات ہی کی کارفرمائی ہے۔ اگرچہ مولانا کو آخر دور میں ہندوستان میں عملی سیاست میں حصہ لینے اور اپنے افکار کے مطابق تنظیم کی مہلت نہیں ملی لیکن ان کے فکر کی اس خصوصیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے اندر آج کل کی کسی اسلامی تحریک کے مقابلے میں عملی سانچوں میں ڈھل کر بھی اپنی خصوصیات نہ کھونے کی صلاحیت سب سے زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کا فکر محض علمی فلسفہ اور ان کی تحریک صرف منطقی یا کتابی نہیں ہے اور ضرورت نہ صرف آج بلکہ ہر دور میں اسی قسم کے عملی فلسفہ کی ہوتی ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے کتاب کی تیسری اشاعت ہے اس میں ایک اہم اضافہ مولانا کا وہ تاریخی سیاسی منشور ہے جو مولانا نے ۱۹۲۴ء میں استنبول (ترکی) سے شائع کیا تھا۔ مولانا سندھی کے حالات و افکار میں یہ کتاب جس طرح ۱۹۴۳ء میں واحد ماخذ کی حیثیت رکھتی تھی اسی طرح آج بھی اس کی حیثیت واحد بنیادی اور قابل اعتماد ماخذ کی ہے۔ اور اگرچہ پچھلے ستائیس اٹھائیس برس میں حالات بالکل بدل گئے ہیں لیکن ان کے انداز فکر اور افکار کی اہمیت و افادیت آج بھی مسلم ہے۔ آج اگر کوئی انداز فکر و فلسفہ ہمارے لیے مشعل راہ بن سکتا ہے تو وہ مولانا سندھی کا فکر و فلسفہ ہے۔

پیش نظر کتاب کی یہ خصوصیت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کے فکر اور ان کی دعوت و فلسفہ کو سمجھنے کے لیے خصوصاً اردو داں طبقے کے لیے یہ کتاب درمیانی واسطے کی حیثیت رکھتی ہے۔

خلاصۃ العقائد

مولانا عبدالحق حقانیؒ برصغیر پاک و ہند کے ان اکابر علما میں سے تھے جنھوں نے تبلیغ و اشاعت اسلام کی عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں وہ ایک بلند پایہ مفسر قرآن حکیم بے مثال واعظ و مناظر اور متعدد بلند پایہ کتابوں کے مصنف تھے تفسیر حقانی ان کی بہت مشہور تفسیر ہے مولاناؒ کی ایک مشہور تصنیف عقائد الاسلام ہے۔ یہ کتاب اب سے تقریباً سو برس پہلے نصاریٰ اور فتنہ نصرانیت کے جواب میں انھیں کی تصانیف اور کتب تورات و انجیل سے ان کے بطلان اور تعلیمات حقہ اسلام کے اثبات کے لیے لکھی گئی تھی اور جسے اس دور کے اکابر علما اور مشاہیر اہل اسلام نے کمال قدر و قیمت کا مستحق قرار دیا تھا لیکن یہ کتاب ضخیم بھی تھی اور زبان و بیان کے اعتبار سے مشکل بھی تھی۔ اس وقت اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ اس اہم کتاب کو دوبارہ شائع کیا جائے زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت کی جائے اور اس مفید کتاب کو گھر گھر پہنچا دیا جائے لیکن اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ کتاب کی ضخامت تھی۔ حکیم محمد اسحاق حقانی جو مولانائے حقانیؒ

کے پروردہ و برادرزادہ ہیں، انھوں نے اس کتاب کو نہ صرف یہ کہ مختصر کر دیا بلکہ اس کی مشکل اور ادق زبان کو بھی آسان اور عام فہم بنا دیا۔ اس طرح یہ کتاب نہ صرف علماء کے لیے بلکہ عام پڑھے لکھے مسلمانوں کے لیے بھی بہت مفید ہو گئی بن گئی۔

جہاں تک اس کتاب کی علمی حیثیت کا تعلق ہے اس کے لیے مولانا حقانی کا نام ضمانت ہے۔ اور جہاں تک موجود حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق اس کی عمومی افادیت کا تعلق ہے اس کے لیے یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مرتب موصوف نے اس خلاصے کے شروع میں پاکستان اور عیسائیت کے موضوع پر اور آخر میں حالات و وقت کے تقاضے اور مسلم کی ذمہ داری کے متعلق ایک نہایت موثر، ایمان پرور، فکر انگیز اور پر از معلومات تحریر اور حضرت مولانا عبدالحق حقانیؒ کے حالات زندگی شامل کر کے کتاب کو نہایت مفید اور جامع بنا دیا ہے۔ یہ کتاب عام کتاب سے بڑے سائز کے تقریباً سوا دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور مکتبۂ امام، فاطمہ منزل رابسن روڈ کراچی ملے سے ساڑھے چار روپے میں دستیاب ہو سکتی ہے۔ طلبہ کے لیے قیمت میں خاصی رعایت رکھی گئی ہے۔

حاصل مطالعہ ـ سید الطاف علی بریلوی

سید الطاف علی صاحب بریلوی اب کسی تعارف کے محتاج نہیں وہ متعدد بلند پایہ علمی کتابوں کے مصنف اور مجلہ علمی "العلم" کراچی کے ایڈیٹر کی حیثیت سے برصغیر پاک و ہند کی ایک معروف علمی شخصیت ہیں۔ "حاصل مطالعہ" ان کی جدید الشیوع کتاب ہے۔ یہ کتاب ان تحریروں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے وقتاً فوقتاً مختلف کتابوں اور مقالات کے تعارف اور ان پر تبصرے کے طور پر لکھیں اور موصوف کی ادارت میں نکلنے والے رسائل علمیہ و ادبیہ "مصنف" علی گڑھ اور "العلم" کراچی میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ مصنف کی بعض کتابوں کے دیباچے بھی شامل ہیں۔

جہاں تک العلم میں شائع شدہ مقالات پر تمہیدی و تعارفی تحریروں کا تعلق ہے ان کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ ان سے بہت سے اہم مقالات کا سراغ مل جاتا ہے۔ البتہ دیگر تحریروں کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ تبصروں سے بے شمار علمی، تاریخی، سیاسی معلومات اور متعدد موضوعات پر پچاسوں کتابوں کا تعارف ہو جاتا ہے اور ان کے بارے میں ببلیوگرافی کے نقطۂ نظر سے معلومات حاصل ہو جاتی ہیں اور اسی چیز نے اس کتاب کو حوالے کی کتاب بنا دیا ہے۔ بعض تبصرے تو کتابوں کا محض تعارف ہی نہیں مستقل محققانہ مقالات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی نے کتاب کا تعارف کرایا ہے اور مصنف موصوف کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے، سفید کاغذ پر خوبصورت گرد پوش کے ساتھ شائع ہوئی ہے اور اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی سے آٹھ روپے میں مل سکتی ہے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی (حیات و شاعری)

شاہ عبداللطیف بھٹائی بہت بڑے شاعر انسانیت کے درد مند مصلح، پاک باطن صوفی اور صاحب فکر بزرگ تھے۔ وادی مہران میں اور اس سے باہر بھی لوگوں کی فکر اور ذہنوں کو جتنا انھوں نے متاثر کیا اس خطے کی کسی دوسری شخصیت نے نہیں کیا۔ انھوں نے اپنی دعوت محبت سے نہ صرف ذہنوں کو متاثر کیا بلکہ اپنی پاکیزہ زندگی سے لوگوں کی زندگیوں کی کایا پلٹ کردی۔ سندھ کی تاریخ میں شاہ صاحب کا عہد دعوت و اصلاح کا سب سے روشن دور ہے۔ مسلمانوں کی سماجی زندگی میں ان کی اصلاحی کوششیں ایک عہد سعادت کے نمود و ظہور کی حیثیت رکھتی ہیں۔

شاہ صاحب ان بزرگوں میں سے ہیں جن کی فیض رسانیاں ان کی حیات تک ہی نہیں رہتیں بلکہ ان کی ذات ایک ایسا سرچشمۂ فیض بن جاتی ہے جو ایک مرتبہ جاری ہوجاتا ہے تو پھر اس کا فیضان ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ شاہ صاحب کی زندگی میں تو ان کی ذات صرف ایک خطۂ زمین کے عوام و خواص کا مرجع بنی اور ان کا پیام محبت ایک خاص زبان بولنے والوں کے دلوں کو گرماتا اور ان کے کانوں میں رس گھولتا رہا لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کی شخصیت و کلام دنیا کے دانشوروں کی عقیدتوں کا مرجع اور فکر و نظر کا مرکز بنے اور یہ ان کی عظمت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

انھوں نے زبان و ادب کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انھوں نے سندھی زبان کا دامن اخلاق و تصوف اور فلسفے کے گہر ہائے آب دار سے اس وقت بھر دیا جب وہ محض بول چال کی زبان تھی اور علمی اور ادبی حیثیت سے ابھی اس نے پاؤں پاؤں چلنا بھی نہ سیکھا تھا۔

شاہ صاحب کے خیال میں رعنائی، ان کے کلام میں رنگینی و دلکشی اور ان کی شاعری میں موسیقیت اور ترنم کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اس چیز نے عوام کو ان کی شاعری کا گرویدہ و شیدا بنا دیا ہے لیکن ان کے کلام کی ایک اور خصوصیت بھی ہے جس نے خواص کے دلوں پر قبضہ کیا اور دنیا کے دانشوروں، مفکروں اور ادیبوں کو اپنی جانب متوجہ کرلیا ہے۔ یہ خصوصیت ان کے کلام کی فکر کی گہرائی اور ہمہ گیری ہے۔ نیکی، سچائی، خدا ترسی اور محبت ساری انسانیت کی مشترکہ میراث اور عالمگیر سچائیاں ہیں اور شاہ صاحب کے کلام میں ان عالم گیر سچائیوں کی طرف بڑے دلکش اور دل نشین انداز میں دعوت دی گئی ہے اگرچہ ذریعۂ اظہار کی بنا پر بظاہر ان کے مخاطب ایک خاص زبان بولنے والے لوگ ہیں لیکن ان کا تخاطب عام اور کل انسانیت سے ہے۔

سخت تعجب کی بات تھی کہ شاہ صاحب کی حیات ان کی شاعری ان کے افکار اور ان کی دعوت و خدمات پر ابھی تک کوئی جامع کتاب موجود نہیں تھی اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ان کی شخصیت کے تعارف اور ان کی دعوت و تعلیمات کی اشاعت کی ابھی تک کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی تھی۔ حتیٰ کہ سندھی زبان جس میں شاہ صاحب کے افکار و تعلیمات

کے خزانے موجود ہیں اس میں بھی کوئی ایسی تصنیف نہ تھی جو ان کی شخصیت، ان کے افکار اور تعلیمات کے باب میں مستند و محققانہ سمجھی جاتی یہ سعادت اور شرف اردو کی قسمت میں لکھا تھا کہ شاہ صاحب کی شخصیت اور شاعری کا پہلا سنجیدہ، مفصل اور علمی انداز میں تعارف اس کے ذریعے سے ہوا۔ حال ہی میں شاہ عبداللطیف ثقافتی مرکز کمیٹی (حیدرآباد) نے شاہ صاحب پر ایک کتاب شائع کی ہے جس کے مصنف مشہور شاعر اختر انصاری اکبرآبادی ہیں۔ اختر صاحب نے بڑی تفصیل کے ساتھ شاہ صاحب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں، ان کی شاعری کی خصوصیات اور ان کی ادبی و سماجی خدمات کا جائزہ لیا ہے اور نہایت خوش اسلوبی اور جامعیت کے ساتھ یہ داستان ترتیب دی ہے۔

اس سلسلے میں انھوں نے تمام بنیادی مآخذ سے استفادہ کیا ہے۔ ان کے پیش نظر نہ صرف اردو، فارسی، سندھی اور انگریزی کی تمام ضروری کتابیں رہی ہیں۔ بلکہ پچھلے چند برسوں میں شاہ صاحب پر اخباروں اور رسالوں میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں ان پر بھی ان کی نظر رہی ہے

شاہ صاحب پر علمی کام کی اب ابتدا ہوئی ہے اور یقیناً توقع کی جاسکتی ہے کہ اور بھی مفید و معتبر کتابیں شائع ہوں گی لیکن اس کتاب کو شاہ صاحب کی حیات و شاعری پر پہلی کتاب ہونے کا شرف اسے ایک تاریخی اہمیت عطا کرتا ہے۔ یہ کتاب شاہ صاحب پر آئندہ علمی کام کرنے والوں کے لیے ایک مثال اور بنیادی اور قابل اعتماد ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

عام کتابی سائز سے کچھ بڑے سائز کے ۲۸۰ صفحے کی یہ کتاب اخباری کاغذ پر ٹائپ میں شائع ہوئی ہے اور پانچ روپے میں شاہ عبداللطیفؒ ثقافتی مرکز کمیٹی بھٹ شاہ حیدرآباد سے مل سکتی ہے۔

ایمان کی باتیں از شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

شیخ صاحب موصوف پچھلی نصف صدی سے تصنیف و تالیف کے میدان میں ہیں اور اس لیے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

پیش نظر رسالے میں انھوں نے بچوں کی دینی تعلیم کے لیئے یہ مفید رسالہ لکھا ہے۔

بچوں کی معمولی استعداد اور نفسیات کو سامنے رکھ کر اس سے قبل بھی آسان زبان میں، جدید طرز، دلچسپ اسلوب بیان، خوبصورت کتابت و طباعت اور ظاہری و باطنی محاسن کے ساتھ متعدد چھوٹے چھوٹے رسالے شائع ہو چکے ہیں۔ پیش نظر رسالہ بھی زبان و بیان کی بہت سی خوبیوں اور کتابت و طباعت کی خوبصورتیوں اور دیدہ زیبیوں کا حامل ہے۔

اس کا صرف ایک باب "رسول کیوں آتے ہیں اور کب آتے ہیں" نامکمل ہے۔ اس میں صاف صاف لکھ دینا چاہیئے تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ رسالت ختم ہو گیا۔

چونسٹھ صفحات کا یہ رسالہ خوبصورت گرد پوش کے ساتھ محمد احمد اکیڈمی رام گلی نمبر ۳ لاہور سے دستیاب ہو سکتا ہے

نئے خزانے

(جنوری تا جون ۱۹۹۶ء کے رسائل کا موضوع وار اشاریہ)

قسط چہارم

مرتبہ
ابوسلمان شاہجہانپوری

انجمن ترقی اردو (پاکستان)
کراچی

اس مرتبہ جنوری تا جون ۸۶ء چھ ماہ کا اشاریہ ایک ساتھ ترتیب دیا گیا ہے اور یہ اس کی چوتھی قسط ہے۔ اس میں پچھلے دو برس کے بعض وہ رسائل بھی شامل ہیں جو اس سے پہلے دستیاب نہ ہو سکے تھے۔

اشاریے کی تیاری میں جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ صرف ان ہی حضرات کو ہو سکتا ہے جو اس قسم کے کاموں کا تجربہ رکھتے ہیں۔ رسائل کی فراہمی ایک بڑا مشکل کام ہے۔ اس کے لئے پوری کوشش کی جاتی ہے۔ پھر بھی بعض رسالے نظر سے نہیں گزرتے۔ مدیران کرام کو بار بار خطوط لکھے جاتے ہیں اور

واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

کے مصداق وہ تعاون حاصل نہیں ہوتا جو اس قسم کے کاموں کے لئے ضروری ہے۔ ہم نے اپنے وسائل کی حد تک اس اشاریئے کو ہر اعتبار سے جامع بنانے کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی ممکن ہے بعض رسائل نظر انداز ہو گئے ہوں۔ اور ان کے حوالے اس میں موجود نہ ہوں۔ ہم اپنے قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر کوئی حوالہ اس اشاریئے میں نہ ہو تو ہماری رہنمائی فرمائیں تاکہ آئندہ اقساط میں اسے شامل کر لیا جائے۔

(ادارہ)

دیگر شخصیات

---

[1] اس شمارے میں حمید نظامی مرحوم سے متعلق خالدہ شیخ (بیگم حمید نظامی) حامد محمود، کلیم اختر، ایم ایس ناز، ایس ایم فیروز کے مضامین اور متعدد شعرا کے تاثرات بھی شامل ہیں۔

ادیب، پروفیسر سید مسعود حسن رضوی	کرم علی مرثیہ گو	تحریر، ص ۵ تا ۱۴، شمارہ ۱
ادیب سہیل	استاد گل محمد خاں (ایک موسیقار)	امروز، ص ۱۵، ۲۵ جنوری
ارجمند بانو قزلباش	ثاقب لکھنوی	لاہور، ص ۱۲ تا ۱۳، ۱۶ جنوری
ارشد، ارشاد احمد	کوثر لدھیانوی	قندیل، ص ۱۰، ۱۵ جنوری
ارشد، عبداللطیف	ابراہیم نظام	الرحیم، ص ۲۰۵ تا ۲۱۳، فروری
ارشد، حافظ رشید احمد	مفتی کفایت اللہ (شاہجہانپوری)	〃 〃 ۶۷۲ تا ۶۸۴، مارچ
اسرار احمد	مولانا داؤد غزنوی علیہ الرحمہ کی چند یادیں	میثاق، ص ۸ تا ۵۵، اپریل
اسلم، ایم	مولوی شاہد احمد دہلوی	خاتون دکن، ص ۲ تا ۱۵، اپریل مئی
اسلام شاہ، سید محمد	اعظم چشتی ـــ ثناخوان مصطفیٰ	شہاب، ص ۶ تا ۷، ۸ مئی
اسمتھ، انڈریے		
سلمیٰ ظفر اقبال حشر (مترجم)	ڈاکٹر البرٹ شوئٹزر	ہمدرد صحت، ص ۹ تا ۲۲، فروری
اشرف، حکیم عبدالرحیم	یادِ رفتگاں ـــ حکیم عبدالحق قادری اور حکیم عبدالحفیظ کی غم انگیز وفات	المنبر، ص ۱۱، ۱۰ فروری
اصغر، غلام جیلانی	چہرہ بہ چہرہ[1]	اردو زبان، سرگودھا ص ۴ تا ۸، جون
اصغر علی شاہ، سید	مولوی حبیب اللہ خاں	العلم، ص ۱۰۴ تا ۱۰۷، اکتوبر تا دسمبر
اصغر، غلام جیلانی	شکیب جلالی	اوراق، ص ۳۰ تا ۳۲، جنوری
اصغر علی انجینیر	کانٹ	آجکل، ص ۸ تا ۱۴، 〃
اطہر، پروفیسر ظہور احمد	عباس محمود العقاد	ثقافت، ص ۴۵ تا ۵۵، جون
اعتبار ساجد	حسیب خاں	قندیل، ص ۱۰، ۱۴ مئی
〃	ساغر صدیقی	〃 〃 ۱۰، ۱۶ اپریل
اعجاز بٹالوی، بشیر احمد و مختار صدیقی	فلک پیما (میاں عبدالعزیز)	اوراق، ص ۱۰ تا ۲۱، جنوری
اعجاز حبیبی آغا، آنسہ	حسرت موہانی	سندھ مسلم کالج میگزین، ص ۸۴ تا ۹۹، اپریل تا ستمبر
اعظمی، عبداللطیف	صدر جمہوریہ ـــ ڈاکٹر ذاکر حسین	جامعہ دہلی، ص ۲۰۹ تا ۲۴۹، جون
〃	مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی	صبح، ص ۵ تا ۱۶، مارچ
〃	یادِ اجمل (حکیم اجمل خاں)	جامعہ، ص ۴۹ تا ۵۴، جنوری

[1] ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر سہیل بخاری، سجاد نقوی، انور سدید اور عصمت اللہ بیگ کا تعارف

افسر امروہوی	وحید کرڑوی	قومی زبان / ص ۴۷ تا ۵۶ / فروری
اکبرالدین صدیقی، محمد	میٹھے بچن سناؤں — نصرتی	سب رس / ص ۱۰ ، ۹ / جنوری
اکرام چغتائی / محمد	مثنوی گلزار ارم کا قدیم ترین قلمی نسخہ	نگار پاکستان / ص ۳۱ تا ۴۷ / جنوری فروری
الطاف علی بریلوی / سید	پروفیسر رشید احمد صدیقی	العلم / ص ۲ تا ۸ / جنوری تا مارچ
" " "	وفیات[1]	" " ۴ تا ۵ / اکتوبر تا دسمبر
انصار اللہ، محمد	میر حسن کے بیٹے	ہماری زبان / ص ۶ تا ۸ / ۱۵ جنوری
انصاری، فرحت اللہ	سودا	فروغ اردو / ص ۴ تا ۱۲ / "
انصاری، ڈاکٹر نورالحسن	جدید ہندوستان کے فارسی دانشور	برہان / ص ۱۸۱ تا ۱۸۷ / مارچ
انور سدید	اردو کے مولانا (صلاح الدین احمد)	ادبی دنیا / ص ۱۰۹ تا ۱۱۰ / ستمبر اکتوبر سنہ ء
"	احمد ندیم قاسمی — فکر و فن کا اجمالی جائزہ	" " ۸۱ تا ۸۸ / ستمبر و اکتوبر سنہ ء
"	مولانا صلاح الدین احمد کا اسلوب	اوراق / ص ۱۳۳ تا ۱۴۸ / جنوری
اوج / حبیب اللہ	رئیس الاحرار / مولانا محمد علی جوہر	جہاں نما / ص ۱۵ تا ۱۸ / ۷ / "
" "	قائد اعظم	" " ۱۷ تا ۲۲ / ۸ / دسمبر
ایشال / ڈاکٹر جمال الدین	شیخ ابوالحسن شاذلی	الرحیم / ص ۱۴۸ تا ۱۵۹ / مئی
ایلیٹ، ٹی ایس		
جمیل جالبی (مترجم)	بودلیئر	نیا دور / ص ۷۶ تا ۸۱ / نمبر ۳۳ / سنہ ء
ایوب رومانی	میرا پسندیدہ فنکار — وائم باڑی	اوراق / ص ۲۹۴ تا ۳۰۰ / جنوری
ایوب قادری / پروفیسر محمد	مفتی عنایت اللہ کاکوروی	الرحیم / ص ۹۶ تا ۱۰۴ /
بٹالوی، عاشق حسین	ملکہ وکٹوریہ اور منشی عبدالکریم	قندیل / ص ۱۷ / اپریل
بخاری، سید افضل حسین	طرابلس کی ایک مجاہدہ — فاطمہ بنت عبداللہ	حالات / ص ۳۳ تا ۳۸ / مارچ
برکاتی، حکیم محمود احمد	شاہ محمد محدث دہلوی	خاتون پاکستان / ص ۱۷ تا ۲۰ / جنوری
" "	شاہ ولی اللہؒ کے حالات — شاہ عبدالعزیزؒ کی زبانی[2]	الرحیم / ص ۲۲ تا ۴۳ / فروری

---

[1] فضل الرحمان، بشیر احمد ہاشمی، محمد مکی اور واحد بخش قادری کی وفات

[2] منقول از اقبال ریویو، کراچی

برکاتی، حکیم محمود احمد	شاہ ولی اللہؒ کے حالات — شاہ عبدالعزیزؒ کی زبانی	اقبال ریویو، ص ۱۳۰ تا ۱۴۲، جنوری
" "	سوانح شاہ ولی اللہؒ کا ایک اہم ماخذ	نگار پاکستان، ص ۳۷ تا ۴۴، اپریل
برنی، ضیاء الدین احمد	پروفیسر مرزا حیرت مرحوم	صبح، ص ۸ تا ۱۲، مارچ
" "	مسیح الملک کے ساتھ ایک ہفتہ	خبرنامہ طب، ص ۵ تا ۷، مئی
" "	ملکہ وکٹوریہ کے استاد — حافظ عبدالکریم	ماہ نو، ص ۲۱ تا ۲۴، جون
بیگم ارجمند قزلباش	ثاقب لکھنوی	قومی زبان، ص ۳ تا ۸، جنوری
بیگم صوفی	میر عثمان علی خاں	عصمت، ص ۴۱ تا ۴۶، اپریل
تاج، سید امتیاز علی	خلیفہ عبدالحکیم	ثقافت، ص ۵۷ تا ۶۰، جون
تہور حسین، خواجہ	پروفیسر احسان بدوی	سندھ مسلم کالج میگزین، ص ۵ تا ۱۰، اپریل
ثاقب زیروی	میر جعفر خاں جمالی	لاہور، ص ۴ + ۱۳ - ۱۴، ۱۷ اپریل
جبار توقیر	فرانس کا عظیم راہنما — ڈیگال	چٹان، ص ۱۰ تا ۱۳، ۲۶ جون
جبار پھلواروی، محمد	خطیب بغدادی	ثقافت، ص ۲۷ تا ۳۵، جنوری
جعفر حسن، ڈاکٹر	کبیر کی شخصیت اور فن	اردو، ص ۹۵ تا ۱۲۱، اپریل
جمیل احمد	طٰہٰ حسین کی علمی و ادبی زندگی پر طائرانہ نظر	نگار پاکستان، ص ۵۴ تا ۶۰، مئی جون
جمیل جالبی	مفکر نقاد (ٹی ایس ایلیٹ)	نیا دور، ص ۲۳ تا ۴۲ نمبر ۳۹، ۴۰
جوہر شفائی جامنیری	مولانا سیماب اکبرآبادی	کتابی دنیا، ص ۱۰ تا ۱۲، مئی
جوہر، تربھے رام	شرر — انشائیہ نگار	اردو زبان، ص ۳۷ تا ۴۳، جون
جیلانی، سید انیس شاہ	مولوی عبدالحق	نگار پاکستان، ص ۳۳ تا ۴۰، جنوری
چودھری، عبدالغفور	شیخ الرئیس ابن سینا	ہمدرد صحت، ص ۳۵ تا ۴۰، فروری
حامد علی خاں، مولانا	شیخ عبدالقادر مرحوم	قومی زبان، ص ۶۹ تا ۷۲، اپریل
حسرت سہروردی	رابرٹ فراسٹ	سب رس، ص ۲۲ تا ۲۵، جنوری
حسرت کاسگنجوی	ڈاکٹر محمد احسن فاروقی	" " ۲۸ تا ۳۰، جون
حنین کاظمی	گلچیں معانی مرحوم	ماہ نو، ص ۶۴ تا ۶۹، اپریل
حق لائلپوری، ش	سلیم بیتاب	قندیل، ص ۱۰، ۱۹ مارچ

حسن نظامی، خواجہ	مشاہیر ہند[1]	کتابی دنیا، ص ۱۹ تا ۲۹، جنوری فروری
حمید عظیم آبادی	سوانح شاد عظیم آبادی	تہذیب الاخلاق، ص ۵۸ تا ۶۰، جنوری تا مارچ
حیدر، خواجہ تصور علی	مولانا الطاف حسین حالی	جہاں نما، ص ۱۰ تا ۱۹، ۱۱ جنوری
خلش، رانا ایم جہانگیر	مومن مثنویوں کے آئینے میں	ادبی دنیا، ص ۱۳ تا ۴۸، ستمبر و اکتوبر [illegible]ء
خلیق انجم، ڈاکٹر	شاہد احمد دہلوی	صبح، ص ۱۱ تا ۱۴، مارچ
״ ״	مولانا عبدالسلام نیازی	ساقی، ص ۷۵ تا ۱۰۱، اپریل
خولی، محمد موسیٰ		
سعید احمد (مترجم)	کسائی (علی بن حمزہ)	الرحیم، ص ۶۳۸ تا ۶۴۷، فروری
دستگیر عزمی	جابر بن حیان	تجلی، ص ۳۷ تا ۴۰، جنوری
دور آفریدی	حیرت شملوی	قومی زبان، ص ۵۳ تا ۶۲، مئی
راز، عبدالجبار	شبنم اوجینی	شان ہند، ص ۳۶ تا ۳۷، اپریل
رازق الخیری	واحدی صاحب	ہمدرد صحت، ص ۷ تا ۱۰، نومبر [illegible]ء
راشدی، پیر علی محمد	انسانی تاریخ کا سب سے بڑا ساحر البیان — ڈاکٹر شاخت	اخبار جہاں، ص ۸ تا ۹، ۵ مارچ
״ ״	سید حسین شہید سہروردی مرحوم	״ ״ ۸ تا ۹، ۲۱ جون
״ ״	شاہ فیصل مرحوم	״ ״ ۸ تا ۹، ۱۲ اپریل
״ ״	فضل الحق	״ ״ ۸ تا ۹،
״ ״	کلیرو ریکٹو — ایشیا میں جمہوریت کا عظیم محسن	״ ״ ۸ تا ۹ و ۵۴، ۱۳ مارچ
رحمان مذنب	ارسطو	اوراق، ص ۶۵ تا ۷۷، جنوری
رشید احمد، سید	اصغر صاحب (۱)	جامعہ، ص ۱۹۱ تا ۲۱۲، اپریل
״ ״	״ (۲)	״ ״ ۲۲۵ تا ۲۴۹، مئی
ریاض حسین، صوفی	مولانا اصغر علی روحی	نیرنگ خیال، ص ۱۳ تا ۱۷، ״

---

[1] مسلمان علما، فضلا اور ادبا و شعرا چند ان میں سے یہ ہیں:- مولانا محمود حسن، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا محمد علی، شوکت علی، حسرت موہانی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، گاندھی جی کا تذکرہ بھی شامل ہے یہ مضمون [illegible] میں لکھا گیا اور [illegible] کی دو دشتی جنتری میں شائع ہوا تھا..

ریاض حسین	مہاراجہ سرکشن پرشاد	نیرنگ خیال، ص ۸۰ تا ۹۴، فروری
زرینہ ثانی	سیماب — شخصیت اور شاعری	آجکل، ص ۲۷ تا ۳۱، جنوری
"	سیماب اکبرآبادی	چٹان، ص ۷ + ۱۲، جنوری
زینت ساجدہ	مخدوم محی الدین	گفتگو، ص ۲۸ تا ۴۳، نمبر ا ۱۹۶۸ء
ساحر، اے ایچ	محمد علی جوہر	قندیل، ص ۲، ۸ جنوری
سالک عزیزی	یادِ عزیز[1]	شان ہند، ص ۹۳ تا ۱۰۰، مارچ
سجاد حارث، پروفیسر	منور خاں دلگیر	تہذیب الاخلاق، ص ۱۵ تا ۲۰، جنوری مارچ
سخاوت مرزا	مولوی نورالاصفیا حیدرآبادی	العلم، ص ۳۳ تا ۴۱، اکتوبر تا دسمبر
سراج نظامی	غازی محمود دھوم پال	سیارہ ڈائجسٹ، ص ۲۳ تا ۳۰، فروری
سعد، ابراہیم	علاءالدین خالد	کتاب، ص ۲۹ تا ۳۲، فروری
سعید دہلوی، حکیم محمد	بیادِ حسرت (موہانی)	قومی زبان، ص ۵ تا ۷، جون
"	شاہد احمد دہلوی مرحوم	کوہستان، ص ۱۱، ۱۵ جون
"	علامہ حکیم جرجانی	ہمدرد صحت، ص ۱۷ تا ۲۷، جنوری
سعید انصاری	افلاطون قدیم یونان کا سب سے بڑا معلم	جامعہ، ص ۱۷۱ تا ۱۹۰، اپریل
سلمیٰ علی، آنسہ	پریم چند	سندھ مسلم کالج میگزین، ص ۴۶ تا ۴۷، اپریل ستمبر
سلیم، ڈاکٹر سلیم واحد	میرا فلسفی چچا (ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم)	ادبی دنیا، ص ۹۸ تا ۱۰۸، ستمبر و اکتوبر
سلیم اختر	منٹو — خطوط کے آئینے میں	اوراق، ص ۱۴۹ تا ۱۶۲، جنوری
سلیمان حسین، ڈاکٹر سید	رشک لکھنوی	ہماری زبان، ص ۳ تا ۴ + ۷، ۱۵ مارچ
"	برق لکھنوی — شاگرد ناسخ	" " ۱، ۲۲ جون
سومرو، فیض محمد	شاہ لطیف کھٹائی	ماہِ نو، ص ۲۵ تا ۲۶ + ۵۷، جون
شاد عارفی	ایک مجاہد عالم دین ابن تیمیہؒ	شہاب، ص ۷، ۱۱ جون

---

[1] یہ پورا نمبر سید محمد یوسف علی خاں عزیز سلیمانی کی یاد میں سالک عزیزی نے ترتیب دیا ہے اس میں عزیز سلیمانی کی شخصیت اور شاعری کے مختلف پہلوؤں پر احمد علی خاں منصور، محمد عباس خاں عاصم ساحلی، نجم النساء بیگم سلیم، غلام سرور فائق، حکیم یوسف حسین یوسف، زاہدہ بیگم نسیم، خلیق عزیزی اور قاضی امین الدین اثر کے مضامین شامل ہیں۔

شامی، مجیب الرحمان	شاہد احمد دہلوی	اخبار جہاں، ص ۲۲ تا ۲۴، ۱۴ر جون
شانتی رنجن بھٹاچاریہ	بنگال کے یوروپین مصنفین اردو	آجکل، ص ۲۰ تا ۲۳، اپریل
شاہد احمد دہلوی	آغا شاعر قزلباش	ہمدرد صحت، ص ۷۷ تا ۸۳، "
" "	عبدالعزیز خالد	ساقی، ص ۴۹ تا ۵۵، "
" "	عبدالعزیز خالد — ایک عظیم شاعر	جام نو، ص ۱۵ تا ۲۱، مارچ
" "	مولانا عبدالسلام نیازی	نقوش، ص ۱۰۶ تا ۱۱۴، مئی
شاہی، رتن سنگھ	نواب بہو بیگم (نواب شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کی بیوی)	آجکل، ص ۱۹ تا ۲۲، اپریل
شبیر حسین قریشی، پروفیسر	شمع ہدایت .... خواجہ معین الدین چشتیؒ	عارف، ص ۱۲ تا ۲۵، فروری
شجاعت علی سندیلوی، ڈاکٹر	جگر مرادآبادی	فروغ اردو، ص ۷۲ تا ۷۹، جون
شرر، انعام الحق	نقاش فطرت ایم اسلم	نیرنگ خیال، ص ۴۹ تا ۵۸، مئی
شعیب اعظمی	علمائے چڑیاکوٹ	جامعہ، ص ۳۱۰ تا ۳۲۹، جون
شفیق بریلوی	حسرت موہانی	اخبار جہاں، ص ۱۶-۱۷ + ۲۸، ۱۰ر مئی
شمیم احمد	مولوی محمد یحییٰ تنہا	قومی زبان، ص ۵ تا ۸، مارچ
شمیم صبائی	اختر لکھنوی	نگار پاکستان، ص ۴۳ تا ۴۸، اپریل
شورش کاشمیری	باتیں ہماری یاد رہیں (حمید نظامی)[1]	چٹان، ص ، ۲۰ر فروری
" "	رئیس امروہوی	ہمدرد صحت، ص ۲۹، اپریل
" "	شیخ حسام الدین اور شیخ خورشید احمد کا سانحۂ ارتحال	چٹان، ص ۴ تا ۵ + ۲۱، ۲۶ر جون
" "	گنج ہائے گراں مایہ[2]	" " ۷ تا ۸، ۱۷ر فروری
شوکت خواجہ	شاہ مراد — فارسی، اردو اور عربی کے قادر الکلام شاعر	قندیل، ص ۱۹، ۱۳ر مئی

---

[1] اس شمارے میں شورش کاشمیری کے نام حمید نظامی مرحوم کے خطوط اور ایک مضمون خواجہ صادق کاشمیری کا نظامی مرحوم کے متعلق شامل ہے۔ [2] اس ذیل میں مندرجہ ذیل حضرات کی وفات پر اظہار خیال کیا ہے۔ قاضی احسان احمد، مولوی مجید حسن، سید اظہر حسن زاہدی، مولانا عبدالحنان، سید امیر شاہ، میاں محمد شفیع

شہاب مالیر کوٹلوی، مہر محمد خاں	اصغر صاحب[1]	جامعہ، ص ۳۳۰ تا ۳۳۶، جون
شہباز، عبدالحق	مولانا محمد علی جوہر	ماہ نو، ص ۱۰ تا ۱۳، جنوری
شہابی، انتظام اللہ	حضرت امیر خسروؒ	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۹ تا ۱۰، جنوری
"	مشاہیر اولیائے ہند و پاکستان	" " ص ۱۱۳ تا ۱۲۷، "
صادق کاشمیری، خواجہ	میاں عبدالعزیز بار ایٹ لا	چٹان، ص ۱۰ تا ۱۲، ۷ فروری
صدیقی ایم اے، ہدایت اللہ	پدماوتی	نگار پاکستان، ص ۴۳ تا ۴۸، فروری
صفدر ادیب	تفضل ضیا ــ آرٹسٹ	کتاب لکھنؤ، ص ۱۳ تا ۱۶، جون
طاہرہ مہدی، بیگم	میرے مہدی (راجہ مہدی علی خاں)	اردو زبان، ص ۲۳ تا ۳۳، جون
طفیل احمد قریشی	اندلس کے ایک مشہور قاضی ابوالولید باجی	الرحیم، ص ۸۷ تا ۹۵، اپریل
"	قاضی ابوالولید الباجی المالکی	فکر و نظر، ص ۲۱۹ تا ۲۲۸، اکتوبر ۶۶ء
طیب انصاری	کلیم الدین بحیثیت نقاد	سب رس، ص ۴۲ تا ۴۷، جون
ظ۔ انصاری	فراق گورکھپوری	گفتگو، ص ۱۲ تا ۵۲، نمبر ۱ ۶۶ء
ظہور الدین احمد، ڈاکٹر	شاہ ابوالمعالی	ثقافت، ص ۵ تا ۱۴، مارچ
"	شاہ ابوالمعالی کی علمی خدمات	" " ۲ تا ۲۲، مئی
ظہوری، حکیم عبدالوہاب	طبیب سومر	ہمدرد صحت، ص ۴۹ تا ۵۴، نومبر ۶۶ء
عابد حسین، ڈاکٹر سید	ڈاکٹر ذاکر حسین ــ شیخ الجامعہ سے صدر جمہوریہ تک	صبح، ص ۷ تا ۱۰، مارچ
عابد نظامی	قابل اجمیری کی غزل گوئی	قندیل، ص ۱۴، ۸ جنوری
"	قمر یورش ــ حقیقت پسند افسانہ نگار	" " ۱۹، ۱۵ جولائی
"	مولانا صلاح الدین احمد	نیرنگ خیال، ص ۲۵، مئی
عابدی، ڈاکٹر سید امیر حسن	ساحر کاکوروی	تحریر، ص ۱۲۹ تا ۱۴۴، نمبر ۱ ۶۶ء
عادل جعفری	حسرت ــ مجاہد حریت	ہندوستانی ادب، ص ۵ تا ۶، مارچ
عارف، اخلاق حسین	ثاقب لکھنوی اور ان کی ادبی محفلیں	قومی زبان، ص ۴۵ تا ۵۴، جنوری
عاقل، سید منصور	سید محمد قاسم رضوی	جہاں نما، ص ۲۵ + ۲۸، ۱۸ جنوری

[1] سید رشید احمد کے مضمون "اصغر صاحب"، مطبوعہ جامعہ بابت اپریل ۶۶ء کے سلسلے میں

مصنف	عنوان	ماخذ
عباد اللہ فاروقی	علامہ ابن حزم	الرحیم، ص ۶۵۵ تا ۶۶۶، مارچ
"	علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی	" ص ۵۸۵ تا ۵۹۱، ۶۷ فروری
عبد الرشید، سید محمد	مولوی چراغ علی اور ان کی علمی و ادبی خدمات	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۷۰ تا ۷۴، ۶۸ مارچ
عبد الغفار، قاضی	مخدوم[۱]	صبا، ص ۳۹ تا ۴۴، اکتوبر تا دسمبر
عبد الغفور، پروفیسر	ایک مثالی مجاہد ــــ شیخ وجیہہ الدین	تہذیب الاخلاق، ص ۱۰۰ تا ۱۱۰، ۶۶ جنوری تا مارچ
عبد الغفور	راجہ رام موہن رائے	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۱۷ تا ۱۹، ۶۹ فروری
عبد القوی دسنوی	راجندر سنگھ بیدی ــــ بھوپال میں	جامعہ، ص ۲۵۰ تا ۲۶۱، ۶۷ مئی
عبد اللہ، ڈاکٹر سید	افضل حق ــــ ایک سپاہی ایک ادیب	چٹان، ص ۱۳ تا ۱۴، ۶۷ جنوری
عبد اللہ قریشی، محمد	ارمان دہلوی	نیرنگ خیال، ص ۷۰ تا ۷۷، مئی
"	سید قمر الدین حسین ظفر	سیارہ، ص ۱۳ تا ۲۸، جنوری
عثمان علی خاں	راجہ مہدی علی خاں مرحوم	ماہ نو، ص ۱۷ تا ۲۳، نومبر ۶۶ء
عدیل	مولانا محمد علی جوہر	منشور، ص ۱۳ تا ۱۶، ۶۹ فروری
علوی، ڈاکٹر تنویر	جعفر زٹلی کا سماجی شعور	ہمایوں، ص ۱۶۱ تا ۱۷۲، جنوری

---

[۱] ماہنامہ صبا حیدر آباد دکن کا یہ مخدوم نمبر ہے اس میں مخدوم محی الدین کے شخصیت اور ان کی علمی و ادبی خدمات اور ان کے مقام پر مندرجہ ذیل حضرات نے مضامین لکھے ہیں :-

محبوب حسین جگر (ص ۴۵) پروفیسر عزیز احمد (ص ۵۱) سردار جعفری (ص ۵۷) پروفیسر احتشام حسین (ص ۶۹) عبد القادر سروری (ص ۷۶) عالم خوندمیری (ص ۸۲) عبادت بریلوی (ص ۹۴) سید محمد عقیل (ص ۹۸) سلام سندیلوی (ص ۱۰۸) راج بہادر گوڑ (ص ۱۱۴) مصطفی علی اکبر گرامی (ص ۱۱۹) یسین علی خاں (ص ۱۲۲) معین الدین (ص ۱۲۵) نجمہ سمیع (ص ۱۳۱) داؤد اشرف (ص ۱۳۷) رؤف خلش (ص ۱۴۳) حسن فرخ (ص ۱۴۹) مرزا ظفر الحسن (ص ۱۵۹) یحییٰ صدیقی (ص ۱۷۲) اکبر وفاقانی (ص ۱۸۱) بدر شکیب (ص ۱۸۴) مرزا شکور بیگ (ص ۱۸۸) شہریار کاوس جی (ص ۱۹۲) محی الدین غازی (ص ۱۹۵) زینت ساجدہ (ص ۱۹۹) یوسف ناظم (ص ۲۰۳) مبارز الدین رفعت (ص ۲۰۷) عبد الرحمان چغتائی (ص ۲۱۲) حیرت بدایونی (ص ۲۱۹) [illegible] دانش (ص ۲۲۱) ماہر القادری (ص ۲۲۳) علی جواد زیدی (ص ۲۲۵) کوثر چاندپوری (ص ۲۲۶) سلام مچھلی شہری (ص ۲۲۹) حکیم یوسف حسین خاں (ص ۲۳۳) احمد جمال پاشا (ص ۲۳۶) غلام حیدر (ص ۲۳۸) جی ایم عمر خاں (ص ۲۴۴) سلامت اللہ (ص ۲۴۳) ذوالنصار (ص ۲۴۳) سجاد ظہیر (ص ۲۴۹) صفی الدین صدیقی (ص ۲۵۳) اقبال ارشد (ص ۲۶۳) نصرت محی الدین (ص ۲۶۴) یحییٰ صدیقی (ص ۲۷۰) شجاع احمد قائد (ص ۲۷۴) نرلش کمار شاد (ص ۲۷۷) امیر عارفی (ص ۲۸۳) اور بہت سے شعرا کی نظمیں بھی اس مجموعہ میں شامل کی گئی ہیں نیز مخدوم کا منتخب کلام نظم و نثر ان کے علاوہ شامل مجموعہ ہے -

علی اسد	سمرسٹ ماہم	ہمدرد صحت، ص ۸۰ تا ۹۱، فروری
علی جواد زیدی	جدید مرثیے کے بانی ضمیر لکھنوی	تحریر، ص ۱۵ تا ۴۰، نمبر ۱ ۱۹۶۶ء
عمران خاں، حکیم قاضی محمد	معین بن محمود کشمیری اور ان کی تصانیف	معارف، ص ۲۳۳ تا ۲۴۳، مارچ
غلام احمد، مرزا	مرزا غلام احمد کی کہانی[1]	المنبر، ص ۳۰۰، ۷ر جنوری
غوری، شبیر احمد خاں	محقق دوانی ہندوستان میں	برہان، ص ۱۵۲ تا ۱۶۸، مارچ
" "	ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی	ثقافت، ص ۲ تا ۲۱، فروری
غیور عالم	خواجہ حالی	قومی زبان، ص ۲۷ تا ۳۰، مئی
فارانی، ابوطاہر	ابومسلم خراسانی	لاہور، ص ۵ تا ۷، ۱۰ تا ۱۲، ۶ر مارچ
فاروقی، امیر احمد	مولانا وکیل احمد سکندر پوری	بصائر، ص ۶۵ تا ۷۵، جنوری
فاروقی، شمس الرحمان	خواجہ میر درد	اردو ادب، ص ۱۰۵ تا ۱۲۲، نمبر ۲ ۱۹۶۶ء
فاطمہ شجاعت، ڈاکٹر	حالی کی اخلاقی سماجیات	اردو، ص ۷۹ تا ۹۸، جنوری
فائق رام پوری، کلب علی خاں	حسرت (جعفر علی)	صحیفہ، ص ۳۰ تا ۵۵، جنوری
فرزانہ بخاری	جنگ آزادی کی مجاہدہ — بیگم کمال الدین احمد	امروز، ص ۱۷، ۳۰ر اپریل
فرقان، عظیم الرحمان	اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ	جہاں نما، ص ۵ تا ۱۷، ۸ر فروری
" "	" "	" ، ۱۵ تا ۱۹ + ۲۶، یکم مارچ
" "	اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل — اوتھان	" " ۱۹ تا ۲۲، ۸ر دسمبر ۱۹۶۶ء
" "	ایشیا کی انقلاب آفریں شخصیت، ماؤزے تنگ	" " ۱۷ تا ۲۱، ۲۰ر نومبر ۱۹۶۶ء
" "	ڈاکٹر سید محمد عبداللہ	" " ۲۰ - ۲۳ + ۲۶، ۳۰ر اکتوبر ۱۹۶۶ء
" "	عزیز کا ٹونسٹ	" " ۱۶ تا ۱۹، ۱۳ر نومبر ۱۹۶۶ء
" "	فرانس کا مرد آہن ڈیگال	" " ۱۶ تا ۲۲، ۲۷ر "
" "	لسان پاکستان محمد رستم کیانی[2]	" " ۱۹ تا ۲۱، ۶ر "

[1] المنبر کا یہ پورا نمبر قادیانیت کے رد کے لیے مخصوص ہے۔

[2] اس نمبر میں جسٹس کیانی مرحوم سے متعلق جسٹس سجاد احمد جان سے خصوصی انٹرویو اور ڈاکٹر جاوید اقبال کا مضمون بھی شامل ہے۔

فرقان، عظیم الرحمان	لارڈ برٹرینڈ رسل	جہاں نما، ص ۷ تا ۱۹، ۲۰۰۴ء، ۱۵ر فروری
فرمان فتح پوری، ڈاکٹر	برہم ناتھ دت — ایک عظیم انسان ایک عظیم فنکار	نگار پاکستان، ص ۲۰ تا ۲۲، جنوری فروری
" "	" " "	شان ہند، ص ۶ تا ۱۲، اپریل
" "	ڈپٹی نذیر احمد — جدید اردو ادب کا ایک رہنما	نگار پاکستان، ص ۵۵ تا ۶۷، مئی جون
" "	قمر زمانی بیگم (نیاز فتح پوری کا ایک روپ)	ہماری زبان، ص ۳ تا ۴، ۲۰۰۷ء، ۸ر جنوری
" "	ندوۃ العلماء کے گمنام محرک و بانی مولانا ظہور الاسلام	نگار پاکستان، ص ۲۰ تا ۳۰، جنوری فروری
" "	نیاز فتح پوری مرحوم اور کراچی	" " ۳ تا ۹، اگست
فریدی امروہوی، مولانا نسیم احمد	حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی	الرحیم، ص ۱۰۵ تا ۱۵۱، دسمبر جنوری ۱۳-۱۹۶۲ء
" "	" "	" " ۵۹۷ تا ۶۰۴، فروری
فریڈرک لیکے	یوگوسلاوی دانشور میہا جلووو	تحریک، ص ۱۹ تا ۲۰، جنوری
فضل المتین، سید	شاگرد ظہیر — منشی رمضان علی اختر	ہماری زبان، ص ۳ تا ۴، ۱۵ر اپریل
ادارہ	ہمارے شاعر[1]	فنون، ص ۲۰۰ تا ۳۰۰، جولائی اگست ۱۹۶۳ء
قاسم رضوی، سید	قائداعظم اور حیدرآباد دکن[2]	جہاں نما، ص ۷۳، ۱۵ر نومبر ۱۹۶۶ء
قاصر، برہم ناتھ دت	میرے استاد (حکیم فیروز الدین احمد طغرائی)	ادبی دنیا، ص ۹۴ تا ۱۰۰، ستمبر اکتوبر ۱۹۶۳ء
قدوائی، توکل حسین	شبلی اور ان کے سوانح نگار	فکر و خیال، ص ۲۸ تا ۳۸، نمبر ۹، ۱۹۶۳ء
قریشی، حکیم آفتاب	شیخ خورشید احمد	کوہستان، ص ۴، ۵ر جون
قریشی، الطاف حسن	ہمارا الشتر (عبدالرب)	اردو ڈائجسٹ، ص ۳۳ تا ۳۰۲، ۲۲۰۰، جون
قریشی، ظفر علی	شاہجہاں کی رحلت	تہذیب الاخلاق، ص ۴۸ تا ۹۹، جنوری مارچ
قطبی دہلوی، رحمت	میر ناصر علی دہلوی	بصائر، ص ۱۰۳ تا ۱۱۹، جنوری
قمر رضی	سلطان عبدالحمید ثانی ترکی کے متعلق حیرت انگیز انکشافات	عالمی ڈائجسٹ، ص ۱۸۵ تا ۱۸۸، مارچ
کفایت اللہ شاہجہانپوری، مفتی اعظم	مشاہیر دیوبند	بینات، ص ۳۱ تا ۹۳، مارچ
کلیم، سعد اللہ	شاکر اٹک کا ایک قدیم اردو شاعر	ماہ نو، ص ۳۳ تا ۲۸، نومبر

---

[1] رضا ہمدانی، ابن انشا، صلاح الدین محمد اور خلیل رام پوری کی شخصیت و شاعری کا تعارف و تبصرہ اور منتخب کلام

[2] دیگر اقساط کے لئے دیکھئے جہاں نما ۲ر اکتوبر ص ۲۷

کلیم اختر	علامہ عبدالنبی شجر طہرانی	قندیل، ص ۲۰، ۲۲، یکم جنوری
کمال کبریا	شاہد احمد دہلوی	کتابی دنیا، ص مئی
”	ناجی	” ۱۱ تا ۱۴، جنوری فروری
کوثر، پروفیسر حمید	ملک الشعرا، فردوسیٔ اسلام (حفیظ جالندھری)	ساقی، ص ۴۹ تا ۵۲، مارچ
لطیف، ایم اے	الیعقوبی — پہلا جغرافیہ داں اور مورخ	قندیل، ص ۹، ۸ جنوری
لعوانی، غلام سرور	باغی شاعر (نذرالاسلام)	” ” ۱۲ تا ۱۳، ۱۱ جون
لیاقت بخاری	دو شاعر دو دوست (شرفی بن شائق اور یزدانی جالندھری)	محفل، ص ۶۵ تا ۶۳، جنوری فروری
م۔ش	جب قائداعظم مسٹر محمد علی جناح تھے[1] (۳)	جہاں نما، ص ۴۷، ۱۱ ستمبر
ماجد الباقری	شکیب جلالی	لاہور، ص ۶ تا ۷، یکم مئی
ماہر القادری	یادِ رفتگاں — مولوی مجید حسن (مالک اخبار مدینہ بجنور)	فاران، ص ۵۳ تا ۵۵، جنوری
”	یادِ رفتگاں — واحد بخش قادری مرحوم اور میاں محمد شفیع	” ” ۴۳ تا ۴۴، فروری
”	یادِ رفتگاں (عطیہ فیضی، خان بہادر عالم علی خاں اور ارم لکھنوی)	” ” ۴۴ تا ۴۵، مارچ
مجیب، پروفیسر	ڈاکٹر ذاکر حسین — ایک خاکہ	جامعہ، ص ۳۸۲ تا ۳۹۶، جون
مجتبیٰ حسین	مرزا یاس یگانہ چنگیزی	نیا دور، ص ۱۷ تا ۴۱، نمبر ۴۱، ۴۲ سنہ ء
محبوب مرشد، جسٹس	سید حسین شہید سہروردی مرحوم	جہاں نما، ص ۱۶ تا ۴۷، ۱۱ دسمبر
محمد احمد سبزواری	عطیہ فیضی	عصمت، ص ۴۴ تا ۴۹، مارچ
محمد صادق سیالکوٹی، مولانا	ایک دیا اور بجھا (مولانا عبدالستار کا انتقال پُرملال)	صحیفہ اہلِ حدیث، ص ۱۹، ۲۷ مئی
محمد صدیق، صالح	راجہ غضنفر علی	اخبار جہاں، ص ۱۰، ۲۴ مئی
محمد علی صدیقی	کرسٹی اگاتھا (ایک عظیم مصنفہ)	عالمی ڈائجسٹ، ص ۱۲۲ تا ۱۲۴، جون
محمود الحسن	عماد الدین الاصفہانی: مورخ و ادیب	معارف، ص ۲۰۷ تا ۲۲۲، مارچ
محمود الرحمان (پرویز کاکوی)	مخدوم الملک شیخ شرف الدین منیری	جنگ، ص ۲۲ جنوری

---

[1] دیگر اقساط کے لئے دیکھئے جہاں نما ۱۸ اور ۲۵ ستمبر ۱۹۶۷ء

محمود الٰہی، ڈاکٹر	احتشام حسین بحیثیت نقّاد	قومی زبان، ص ۱۵ تا ۲۲، مئی
محمود اکبر آبادی	نیاز اور بزم نگار	نگار پاکستان، ص ۵۶ تا ۶۰، مئی جون
مسعود حسن رضوی، پروفیسر	میر حسن کے بڑے بیٹے احسن خلیق	تہذیب الاخلاق، ص ۲۵ تا ۳۱، جنوری تا مارچ
مسکین حجازی	سید احمد شہیدؒ	کوہستان، ص ۳، ۴ مئی
مسلم عظیم آبادی، پروفیسر محمد	عبداللہ ابن سبا	نگار پاکستان، ص ۹ تا ۱۴، فروری
مشرف انصاری	مرزا محمد رفیع سودا	اردو ڈائجسٹ، ص ۳۹ تا ۵۹، مئی
مظفر عزیز، حکیم	صوفی عبدالمجید پروین رقم	کتاب نما، ص ۵۶ تا ۶۳، اپریل مئی
معین الرحمان، سید	بابائے اردو کی کہانی	نگار پاکستان، ص ۲۰ تا ۲۵، نومبر
مفتوں، دیوان سنگھ	دیوان دیارام گدومل	عالمی ڈائجسٹ، ۶۲ تا ۸۹، مارچ
مفتوں کوٹوی	قیس کوٹوی کا احترام حسن رشتق	شان ہند، ص ۳۰، اپریل
مقبول احمد	ملک سخن امیر خسروؒ	قندیل، ص ۹ + ۲۱، ۲۷ مارچ
مقبول بیگ بدخشانی، پروفیسر	لاہور کا عظیم شاعر مسعود سعد سلمان	ثقافت، ص ۲۹ تا ۳۴، فروری
ملا واحدی	دلّی کے نامور علما اور واعظ	سپیدۂ صحت، ص ۱۸ تا ۴۹، مارچ
ملک عبدالرؤف	ارسطو کون تھا؟	عالمی ڈائجسٹ، ص ۴۷ تا ۸۱، اپریل
منظور انور قریشی	پنجابی زبان کے صوفی شاعر حضرت ہاشم شاہؒ	کوہستان، ص ۱۰، ۸ جون
منظور حسن برکاتی، سید	حضرت صولت ٹونکی	شان ہند، ص ۱۳ تا ۱۵، اپریل
منظور ملک	حضرت بہاءالدین زکریاؒ ملتانی	کوہستان، ص ۳ + ۱۱، ۲۵ مئی
منور لکھنوی، بشیشور پرشاد	مرزا یگانہ چنگیزی	ہمایوں، ص ۳۹ تا ۴۵، اپریل۔
مینا زبیری	ظریف جبل پوری	قومی زبان، ص ۵۹ تا ۶۲، ،،
،، ،،	مولوی بشیر الدین	،، ،، ۲۱ تا ۲۸، مارچ
میخائیل ای کوشن	مشہور مجسمہ ساز خاتون — یکا تیرنا بیلاشودا	خاتون دکن، ص ۱۴ تا ۱۵، فروری مارچ
میر حسن	نواب میر عثمان علی خاں — ایک شخص ایک عہد	،، ،، ۱۰ تا ۱۲، ،، ،،
متعدد حضرات[1]	غوث الاعظم شاہ عبدالقادر جیلانیؒ	خاتون پاکستان، ص ۱ تا ۲۳، غوث الاعظم نمبر

---

[1] اس نمبر میں غوث الاعظمؒ کی زندگی، شخصیت، سیرت، خدمات اور ان کے مناقب پر مضامین نظم و نثر شامل ہیں۔ لکھنے والے حضرات:

(باقی اگلے صفحہ پر)

مصنف	عنوان	ماخذ
(متعدد ادیبوں اور شاعروں کے تاثرات)	مولانا صلاح الدین کی دوسری برسی	ادبی دنیا، ص ۱۱۱ تا ۱۵۵، ستمبر و اکتوبر
ملک، ایم امین	مولانا صلاح الدین احمد	قندیل، ص ۲۰۰، ۲۰۲، ۱۱ر جون
ناظر انصاری	مولانا صہبائی	العلم، ص ۵۰ تا ۶۶، جنوری تا مارچ
نامی، ڈاکٹر عبدالعلیم	تلامذۂ حشر — حکیم فرخ دہلوی حشری	اردو، ص ۴۳ تا ۵۶، اپریل
نبی بخش بلوچ، ڈاکٹر		
سید معراج نیر (مترجم)	بغاوت کے بانی آزادی کے علمبردار پیر پگاڑو (راقی)	جرنل آف دی ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، ص ۱۵۷ تا ۱۶۸، اپریل ۶۵ء
نبی ہادی، ڈاکٹر	اکبر اعظم کا پہلا ملک الشعرا — غزالی مشہدی	جرنل آف دی ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، ص ۱ تا ۴۴، جنوری ۶۵ء
نذیر صابر	ڈاکٹر زیڈ اے ہاشمی	جہاں نما، ص ۱۱ تا ۱۴، ۱۰ر مئی
نسیم احمد امروہوی	سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	الرحیم، ص ۹ تا ۴۴، جون
نصرت قریشی	دو ہم وطن اور ہم عصر غزل گو (تسکین قریشی اور احمد سہارنپوری)	ادبی دنیا، ص ۶۵ تا ۷۴، ستمبر و اکتوبر ۶۶ء
نظامی، مشتاق احمد	آسی غازی پوری	تہذیب الاخلاق، ۶۹ تا ۵۳، جنوری تا مارچ
نظر، محمد انصار اللہ	مصحفی کا سال ولادت	نگار پاکستان، ص ۳ تا ۱۴، اپریل
نعیم صدیقی	مولانا ظفر علی خاں کا کارنامہ	چٹان، ص ۶ تا ۷، ۲ر جنوری

(بقیہ صفحۂ ماسبق) مولانا سید عبدالقدوس — مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی، مولانا ابوالجلال ندوی، ڈاکٹر سید اختر امام — شاہ غلام حسنین پھلواروی — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا شاہ عزالدین — جسٹس سید محبوب مرشد، علامہ راغب احسن، حکیم محمود احمد برکاتی مولانا شاہ عون احمد، مولوی حفیظ اللہ پھلواروی، محمود فاروقی، مفتی انتظام اللہ شہابی، مولانا عبدالعلیم قیس نیموی، مولانا محمد حسیم قرشی، رئیس احمد جعفری، مولانا عبدالحامد بدایونی، علامہ غلام معین الدین، مولانا محمد اطہر نعیمی، مولانا محمد اسحاق سہروردی، سردار علی صابری، محمد غفران، مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی، سیدہ مسرت جہاں، سیدہ عندلیب زہرہ، سید سخی احمد ہاشمی، خلیق احمد نظامی، ڈی۔ ایس مارگولیتھ، پروفیسر ڈبلیو براؤنے، محمد حمید اختر، مولانا قلندر علی، سید محمد ابوالہدی آفندی رفاعی اور شفیق بریلوی (ایڈیٹر)

ان حضرات کے علاوہ حضرت علامہ اقبال کا ایک خط اور عبدالرحمان ابن خلدونؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز و شکوہ کی تحریروں کے اقتباس اور متعدد حضرات کی نظمیں شامل ہیں۔

نور الحسن ہاشمی، ڈاکٹر	محمد غوث زریں	قومی زبان، ص ۹ تا ۱۴، جنوری
نوشابہ صدیقی	قائداعظم — خواتین کی نظر میں	اخبار جہاں، ص ۸ تا ۹ و ۳۴ تا ۳۵، ۱۵ جولائی
نیاز فتح پوری	صفحے چند — تلوک چند محروم	خاتون دکن، ص ۱۲ تا ۱۶، دسمبر ۱۹۶۶ء و جنوری ۱۹۶۷ء
واقف، محمد ایوب	سر جادو ناتھ سرکار	کتابی دنیا، ص ۱۳ تا ۱۴، مئی
وانی، عبدالصمد	شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ	چٹان، ص ۷ تا ۸ و ۱۷، ۲۰ و ۲۷ فروری
وڈیرہ، پروفیسر امین اللہ	مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی	ثقافت، ص ۲ تا ۲۲، اپریل
" "	" "	" ص ۵ تا ۲۲، جون
وزیر آغا	شاد امرتسری	اوراق، ص ۶۲ تا ۷۹، جنوری
" "	شاد امرتسری	قومی زبان، ص ۹۳ تا ۱۱۴، مارچ
" "	میراجی کی اہمیت	اوراق، ص ۴۲ تا ۴۶، جنوری
وفا راشدی	احمد ندیم قاسمی کی شاعری پر ایک نظر	ادبی دنیا، ص ۷۵ تا ۸۰، ستمبر و اکتوبر
" "	مشرقی پاکستان کے صوفیائے کرام	الرحیم، ص ۴۴۲ تا ۴۵۸، دسمبر ۱۹۶۶ء جنوری ۱۹۶۷ء
" "	" " " — چہل غازی	" " ص ۸۰۶ تا ۸۰۹، اپریل
" "	" " " حضرت سید نصیر الدین اور ان کی اولاد	" " ص ۷۵ تا ۸۰، جون
وفا رحمانی	عثمان جودھپوری	شان ہند، ص ۸۳ تا ۹۰، اپریل
ہاجرہ مسرور	رضیہ سلطانہ	تخیل، ص ۳۰ تا ۳۳، ۱۹۶۷ء
ہاشمی فرید آبادی، سید	مرحوم محمد علی جوہر	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۲۰ تا ۲۲، فروری
———	بابائے صحافت مولانا ظفر علی خاں	جہاں نما، ص ۱۴، ۲۸ دسمبر
———	پطرس بخاری — ایک تجزیہ	جامعہ، ص ۱ تا ۲۶، جنوری
———	ثابت لکھنوی مرحوم اور ملک الموت بہادر	فروغ اردو، ص ۳ تا ۱۹، جنوری
———	حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ	لاہور، ص ۶ تا ۷ و ۱۳، ۱۳ مارچ
———	خان عبدالقیوم خاں	چٹان، ص ۴ تا ۵ و ۱۴، ۱۰ اپریل
———	سید احمد شہیدؒ	مشرق، ص ۲، ۷ مئی
———	شفقت کاظمی	شان ہند، ص ۱۲ تا ۱۵، اپریل

——	عالمی سائنس دان پروفیسر عبدالسلام	ہمدرد صحت، ص ۶۰ تا ۶۷، مئی
——	غازی محمود دھرم پال	المنبر، ص ۳ تا ۶، ۳۳ر فروری
——	مسیح الملک حکیم اجمل خاں	ہمدرد صحت، ص ۸۱ تا ۸۴، دسمبر
——	نواب بہادر یار جنگ	اخبار جہاں، ص ۲۰ تا ۲۱، ۲۸ر جون
——	〃 〃	مشرق، ص ۵، ۲۵ر جولائی

صحافت

احسان اللہ	انڈین وٹرنری جرنل	ہماری زبان، ص ۸، ۸ر جنوری
احمد نواز ملک	اخبار صبح صادق — مدراس کا ایک اخبار	فنون، ص ۱۱۸ تا ۱۲۲، جولائی تا اگست ۱۹۹۷ء
ادیب، ڈاکٹر لطیف حسین	گلدستہ نہال سخن بریلی	قومی زبان، ص ۳۴ تا ۴۷، اپریل
بدوی، پروفیسر لطف اللہ	مجلہ "شعلۂ عشق" پچھلی صدی کی ادبی صحافت نمبر ۲	ماہ نو، ص ۵۶ تا ۶۰، نومبر
بشیر احمد، میاں	ہمایوں کی کہانی — تاجور سے تاجور تک	ہمایوں، ص ۱۹ تا ۲۰۷، مارچ
〃 〃	نیا ہمایوں دلی	〃 〃 ۱۹ تا ۲۵، جنوری
بھٹو، ذوالفقار علی	کچھ صحافت کے میدان میں	لاہور، ص ۵ تا ۷، ۱۰۶-۱۲، ۲۴ر جنوری
جعفری، رئیس احمد	مسلم گزٹ لکھنؤ — ۵۵ سال پہلے کا ایک سیاسی اردو صحیفہ	ثقافت، ص ۴۵ تا ۵۴، جنوری
〃 〃	معارف علی گڑھ	〃 〃 ۵۳ تا ۶۱، مارچ
رحمت فرخ آبادی	〃 〃 (ایک قدیم مجلہ)	ماہ نو، ص ۲۴ تا ۲۶، 〃
شاہد احمد دہلوی	پاکستان کے ادبی رسائل (۱)	کتاب، ص ۷ تا ۱۰، اپریل مئی
〃 〃	〃 〃 (۲)	〃 〃 ۴ تا ۱۲، جون
غازی، عبدالحمید	برٹش نیشنل پریس	لاہور، ص ۹ تا ۱۰۷، ۲۰ر فروری

فلسفہ

رعنا شاہد علی	نطشے کہتا ہے	عالمی ڈائجسٹ، ص ۴۵ تا ۵۸، جون
شبیر احمد	قرون وسطیٰ کے ہندوستان میں فلسفہ و حکمت کا آغاز و ارتقا	اقبال ریویو، ص ۱ تا ۲۰، جنوری

ضیاء الحسن فاروقی	یونانی فلسفہ — افلاطون اور ارسطو کے بعد	جامعہ، ص ۵۹ تا ۷۳، فروری
" "	" — " " (۲)	" ، ۱۱۵ تا ۱۲۲، مارچ
ممتاز احمد	وجودیت — منظر و پس منظر	فنون، ص ۸۸ تا ۱۰۲، جولائی و اگست ۷۱ء

فنون لطیفہ

ادیب سہیل	جواب الجواب[1]	فنون، ص ۲۷۴ تا ۲۷۶، اکتوبر ۷۲ء
افضل پرویز	پکے گانے کا کچا پن	" ، ۴۴۴ تا ۴۸۴، جولائی و اگست ۷۱ء
اندر جیت لال	جدید فن مصوری پر ایک نظر	ادب لطیف، ص ۵۹ تا ۶۴، نومبر دسمبر
جلالی شاہجہاں پوری	ہندی موسیقی کی جامعیت	جامعہ، ص ۲۱۳ تا ۲۲۴، اپریل
چغتائی، عبدالرحمان	مائیکل انجلو — ایک عظیم فنکار	ہمدرد صحت، ص ۵ تا ۱۰، ستمبر
خاطر غزنوی	اردو میں آپرا	فنون، ص ۸۱ تا ۸۷، جولائی و اگست ۷۲ء
رشید ملک	کتابیات موسیقی	" ، ۲۶۱ تا ۲۷۰، اکتوبر ۷۲ء
عبدالرشید، لفٹیننٹ کرنل خواجہ	موسیقی، موسم اور انسان	ہمدرد صحت، ص ۱۵ تا ۲۷، مئی
عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر محمد	پاکستان میں مصوری کی داستان	ماہ نو، ص ۹ تا ۳۶ + ۴۱، نومبر
عزیزہ بیگم	صورت المبارک[2]	فنون، ص ۲۷۲ تا ۲۷۳، اکتوبر ۷۲ء
ملک، عنایت الہٰی	کیرالہ گائیکی اور اس کے فن کار	صحیفہ، ص ۷۹ تا ۸۴، جنوری
ناظر، ایم ایس	پاکستان میں مصور کا منصب	قندیل، ص ۱۲ تا ۱۳ + ۲۰، ۹ اپریل
" "	تہذیب و فن کا اثاثہ — لوک ناچ	" " ۱۲ تا ۱۳ + ۲۲، ۱۲ مارچ
وحیدہ عزیز	عہد مغلیہ کی مصوری	انجمن اسلامیہ میگزین، ص ۲۳ تا ۲۹، اپریل
مسرور کیفی (مترجم)	ونسینٹ وان گاگ — ایک عظیم مصور	ہمدرد صحت، ص ۱۱۵ تا ۱۲۰، مارچ

قانون

بشیر احمد	پاکستان میں آئینی ارتقا	الجامعہ، ص ۳۰ تا ۴۴، جون
شہاب، رفیع اللہ	مجموعہ قوانین اسلام (مرتبہ تنزیل الرحمان) پر ایک نظر	طلوع اسلام، ص ۴۹ تا ۵۶، مئی

---

[1] عزیزہ بیگم کے کسی جوابی مضمون کے جواب میں — [2] فن موسیقی میں ایک کتاب کا تعارف

کوثر نیازی	اسلامی قوانین کی پیروی کے لئے قوانین کا نفاذ	شہاب، ص ۴، ۵ ر فروری

عامر، ڈاکٹر عبدالعزیز

سید معروف شاہ شیرازی (مترجم)	اسلامی قانون تعزیرات	ترجمان القرآن، ص ۴۳ تا ۵۱، جون
کیکا ؤس حبشی بدیع الزماں	پاکستان کے معاشرتی و سیاسی نظام میں اسلامی قانون کا منصب و مقام	ترجمان القرآن، ص ۲۲ تا ۴۴، اپریل
" "	پاکستان کے سیاسی و معاشرتی نظام میں اسلامی قانون کا منصب و مقام (۲)	" " ۳۳ تا ۱۴، مئی

کتابیات و کتب خانے

ابوسلمان شاہجہانپوری	نئے خزانے (جون ۱۹۷۵ء کے رسائل کا اشاریہ)	قومی زبان، ص ۹۳ تا ۱۰۹، جنوری
" "	" " (جولائی ۱۹۷۵ء کے رسائل کا اشاریہ)	" " ۹۱ تا ۱۱۱، فروری
" "	" " (اگست ۱۹۷۵ء کے رسائل کا اشاریہ)	" " ۹۵ تا ۱۰۹، مارچ
" "	" " (ماہ ستمبر کے رسائل کا اشاریہ)	" " ۹۷ تا ۱۱۱، اپریل
" "	" " (اکتوبر ۱۹۷۵ء کے رسائل کا اشاریہ)	" " ۹۷ تا ۱۱۱، مئی
" "	" " (نومبر کے رسائل کا اشاریہ)	" " ۷۷ تا ۹۵، جون
ابوا	اسلامی دور کے کتب خانے	الرحیم، ص ۵۹۲ تا ۵۹۷، فروری
احمد نواز، ملک	اشاریۂ صحیفہ (پچھلے ۳۸ نمبروں کا مکمل اشاریہ)	صحیفہ، ص ۷۶ تا ۸۹، اپریل
" "	پنجاب یونیورسٹی کے اردو مقالات	کتاب لاہور، ص ۱۶ تا ۲۷، مارچ
" "	" " "	" " ۲۷ تا ۴۲، اپریل مئی
" "	" " "	" " ۴۵ تا ۴۲، جون
ادارہ	اشاریۂ مضامین سہ ماہی اردو (قسط نمبر ۴)	اردو، ص ۴۹ تا ۸۰، جنوری
"	اشاریۂ مضامین "اردو" (۵)	" " ۱۰۱ تا ۱۱۲، اپریل
اسلم، ایم	کتب خانے	نیرنگ خیال، ص ۱۳۹۱ تا ۹۴، جون
اشرف علی	دور عباسیہ کے کتب خانے	کتابی دنیا، ص ۳، مئی
امام مرتضیٰ نقوی	ہندوستان میں کتب خانوں کی تحریک اور اس کا ارتقا	ہماری زبان، ص ۳ تا ۷، ۱۵ ر جون

انیس خورشید	کتب خانوں کی اہمیت	کتابی دنیا، ص ۷ تا ۱۰، جنوری فروری
"	کتب خانے اور ان کی اہمیت	جامعہ تخیل، ص ۴۳ تا ۴۷، ۱۹۷۳ء
برنی، ضیاء الدین احمد	رسالوں پر طائرانہ نظر (رسائل کے اہم مضامین کا تعارف)	کتابی دنیا، ص ۹۱ تا ۹۳، اپریل
"	رسالوں پر طائرانہ نظر	" " ۴۴ تا ۴۷، مئی
بیدار، عابد رضا	اختر شہنشاہی	قومی زبان، ص ۳۴ تا ۵۲، "
"	" "	" " ۵۴ تا ۵۹، جون
جعفری، سید رئیس احمد	مولفات فارابی	تہذیب الاخلاق، ص ۷۷ تا ۸۲، جنوری تا مارچ
حسینی شیرازی، سید میر حسین	زندہ المعاصرین	اورینٹل کالج میگزین، ص ۱۴۰ تا ۱۸۹، نومبر
"	"	" " ۱۰۱ تا ۱۴۰، اگست
حنیف شاہد، ایم	چیکوسلواکیہ کے کتب خانے	قندیل، ص ۱۴، ۱۱ جون
خلیل احمد خاں	طلبا اور لائبریری کی اہمیت	" " ۱۸، ۲۹ جنوری
رشیدہ رضویہ	میرا ذاتی کتب خانہ	کتاب، ص ۱۲ تا ۴۴، مارچ
سعادت مرزا	سندھی علما کی قلمی کتابیں — کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں	الرحیم، ص ۱۱۴ تا ۱۲۱، فروری
شفیع عقیل	بچوں کے لیے علیحدہ لائبریریوں کی ضرورت	کتابی دنیا، ص ۵ تا ۱۷ + ۲۵، مارچ
صدیق خاں، ایم		
صفدر ادیب (مترجم)	انڈیا آفس لائبریری کا مالک کون ہے؟	کتاب، ص ۲۵ تا ۲۸، جون
صدیقی، ایم - ایچ	دیال سنگھ لائبریری (لاہور)	" " ۵۵ تا ۷۰، اپریل مئی
صفیر بلگرامی	عبرت الناظرین — صفیر بلگرامی کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی	قومی زبان، ص ۶۵ تا ۷۷، جنوری
ضیا، نرگس جعفری	سندھ یونیورسٹی میں اردو مخطوطات	البصائر، ص ۱۲۰ تا ۱۴۴، "
عبدالرشید، لفٹیننٹ کرنل خواجہ	فہرست مخطوطات کتب خانہ خواجہ عبدالرشید	اقبال ریویو، ص ۱ تا ۲۰، جولائی
عبداللہ، ڈاکٹر سید	پروفیسر سراج الدین آذر کا کتب خانہ	ثقافت، ص ۲۲ تا ۲۷، فروری
عبداللہ چغتائی، محمد	ابوحیان التوحیدی کا رسالہ "علم الکتابت"	اقبال ریویو، ص ۵۷ تا ۱۰۰، جنوری

مصنف	عنوان	ماخذ
عثمانی، شفیع احمد	ببلیوگرافی	فروغ اردو، ص ۱۱ تا ۱۴، اپریل
غوری، شبیر احمد خاں	سیالکوٹی عبقریت کا ایک نادر شاہکار — الدر الثمینہ (از علامہ عبدالحکیمؒ)	الرحیم، ص ۸۶۷ تا ۸۷۳، مئی
〃	سیالکوٹی عبقریت کا ایک نادر شاہکار — الدر الثمینہ (از علامہ عبدالحکیمؒ)	〃 〃 ۱۴ تا ۲۸، جون
فرمان فتح پوری، ڈاکٹر	امراللہ تسلیم کی دو افسانوی مثنویاں	نگار پاکستان، ص ۳۳ تا ۴۱، نومبر
گوہر نوشاہی	مثنوی نسیم سحر (منشی جیا لال خستہ)	کتاب، ص ۵ تا ۷، جون
مائکل سلوا		
ادریس صدیقی (مترجم)	تعلیم یافتہ ممالک میں مطالعۂ کتب کے مسائل [1]	〃 〃 ۵۱ تا ۵۳، مارچ
محمد اسحاق، مولانا	الفہرست (از محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق)	ثقافت، ص ۱ تا ۵۰، مئی
مختار الدین احمد، ڈاکٹر	گلشن ہند، حیدر بخش حیدری دہلوی	اردو ادب، ص ۵ تا ۱۰، نمبر ۱۹۶۴ء
مسعود حسین نظامی	تصانیف حضرت نیاز بے نیاز بریلوی	معارف، ص ۳۸۰ تا ۳۸۸، مئی
نظر، محمد انصار اللہ	دفتر پریشان کا ایک قلمی نسخہ	قومی زبان، ص ۶ تا ۹، فروری
نیر، ڈاکٹر حکم چند	نوادر بنارس (فہرست کتب)	اردو ادب، ص ۱۹۹ تا ۲۱۵، نمبر ۱۹۶۶ء
نیر، محمد بدر	فتح المجاہدین (از میر زین العابدین)	کتاب، ص ۲ تا ۴، جون
وثیر، امین اللہ	الرسالۃ الخاقانیہ	جرنل آف دی ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، ص ۱۴۷ تا ۱۵۶، اپریل ۱۹۶۵ء
ولایت حسین، سید	کتب خانوں کی اہمیت	کتابی دنیا، ص ۱۱ تا ۱۳، مارچ
ولی الحق انصاری، ڈاکٹر محمد	شمالی ہند کے چند علمی و ادبی مراکز	معارف، ص ۹۶ تا ۲۰۶، 〃
〃	〃 〃 〃	〃 〃 ۲۲۲ تا ۲۳۱، اپریل
[illegible] حضرت شاہ [illegible] (مترجم)	امداد فی مآثر الاجداد	الرحیم، ص ۳۹۳ تا ۴۰۲، مئی
	〃 〃	الرحیم، ص ۵ تا ۱۵، جون
	مرکزی لائبریری بہاولپور	کتاب، ص ۳۳ تا ۳۴، مارچ

انجمن کی نئی مطبوعات

(جو عنقریب شائع ہو رہی ہیں)

۱۔ مقامات ناصری میر ناصر علی کے انشائیوں کا مجموعہ۔ مرتبہ انصار ناصری
۲۔ تذکرۂ عروس الاذکار۔ مصنفہ نصیر الدین نقش۔ مرتبہ افسر امروہوی
۳۔ کندمالا (ڈراما)۔ مصنفہ ون نگا اچاریہ ـــــ مترجم صمدانی نقوی
۴۔ شمالی ہند کی نثری داستانیں (نظر ثانی شدہ ایڈیشن) ڈاکٹر گیان چند
۵۔ شمالی ہند کی منظوم داستانیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری
۶۔ اشاریہ اُردو۔ رسالہ "اردو" کے چالیس سالہ شماروں کا اشاریہ
۷۔ لغت کبیر اُردو (جلد اوّل) بابائے اُردو مرحوم
۸۔ انگریزی ادب کی تاریخ۔ ڈاکٹر احسن فاروقی
۹۔ مخطوطات انجمن ترقی اُردو (جلد دوم) اُردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست
۱۰۔ ابیات سلطان باہو۔ مترجم عبد المجید بھٹی
۱۱۔ تاریخ سلطنت مسلمانانِ روس۔ مزمل یٰسین
۱۲۔ اُردو تحقیق۔ جلد چہارم۔ ڈاکٹر عبد العلیم نامی
۱۳۔ تذکرۂ ہمیشہ بہار۔ مصنفہ کشن چند اخلاص۔ مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی